کلیاتِ علی سردار جعفری

جلد اول
(شاعری)

مرتب
علی احمد فاطمی

قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان نئی دہلی

Kulliyat-e-Ali Sardar Jafri-Vol. I (Poetry)

Edited by

Ali Ahmad Fatmi

© قومی کونسل برائے فروغِ اُردو زبان، نئی دہلی

سنہ اشاعت : جولائی، ستمبر 2004، شک 1926

پہلا اڈیشن : 1100

قیمت : -/164

سلسلہ مطبوعات : 1174

ISB No. : 81-7587-070-2

ناشر : ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان، ویسٹ بلاک-I، آر۔ کے۔ پورم نئی دہلی۔110066

طابع : لاہوتی پرنٹ ایڈس، جامع مسجد، دہلی-110006

ebooksgallery.com

پیش لفظ

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان ایک قومی مقتدرہ کی حیثیت سے کام کررہی ہے۔ اس کی کارگذاریوں کا دائرہ کئی علوم کا احاطہ کرتا ہے جن میں اردو کی ان کتابوں کی مکرّر اشاعت بھی شامل ہے جو اردو زبان و ادب کی تاریخ میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہیں اور اب نایاب ہوتی جارہی ہیں۔ ہمارا یہ ادبی سرمایہ محض ماضی کا قیمتی ورثہ ہی نہیں، بلکہ یہ حال کی تعمیر اور مستقبل کی منصوبہ بندی میں ہماری رہنمائی بھی کرتا ہے۔ اس سے کماحقہ، واقفیت نئی نسلوں کے لیے بے حد ضروری ہے۔ قومی اردو کونسل ایک منضبط منصوبے کے تحت قدیم اور جدید عہد کی اردو کی تصنیفات شائع کرنے کی اس لیے بھی خواہاں ہے تاکہ اردو کے اس قیمتی علمی و ادبی سرمائے کو آنے والی نسلوں تک پہنچایا جاسکے اور زمانے کی دستبرد سے بھی اسے محفوظ رکھا جاسکے۔

عہدِ حاضر میں اردو کے مستند کلاسیکی متون کی حصولیابی، نیز ان کی کمپوزنگ اور پروف ریڈنگ ایک بہت بڑا مسئلہ ہے، لیکن قومی اردو کونسل نے حتی الوسع اس مسئلے پر قابو پانے کی کوشش کی ہے۔ کلیاتِ علی سردار جعفری اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جسے کونسل قارئین کی خدمت میں پیش کررہی ہے۔

اہلِ علم سے گزارش ہے کہ کتاب میں کوئی خامی نظر آئے تو تحریر فرمائیں تاکہ اگلی اشاعت میں دور کی جاسکے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ

ڈائرکٹر

ebooksgallery.com

ebooksgallery.com

ترتیب

1	پرواز	31
2	نئی دنیا کو سلام	134
3	خون کی لکیر	279
4	امن کا ستارہ	439

ebooksgallery.com

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
1	مقدمہ از پروفیسر علی احمد فاطمی	13
	1۔ پرواز	**31-142**
1	مقدمہ از مجنوں گورکھپوری	35
2	لے اڑا ہوں چند نغمے زندگی کے ساز سے	45
3	جوانی	48
4	سماج	51
5	بغاوت	53
6	انگڑائی	55
7	مزدور لڑکیاں	56
8	سرمایہ دار لڑکیاں	58
9	اختلاف رائے	60
10	جمہوری اسپین کی طرف سے لڑنے والے ادیبوں کی موت پر	61
11	اشتراکی	61
12	لکھنؤ کی شام	62
13	انگارہ	63
14	حسن کی رنگیں ادائیں کارگر ہوتی گئیں	63
15	نیا زمانہ	64
16	معلوم نہیں عقل کی پرواز کی زد میں	65
17	تاریخ	66
18	آثار سحر	67

ebooksgallery.com

19	متاعِ ہنر	68
20	گہری بہت شکن ہے جبینِ حیات کی	69
21	ارتقاء اور انقلاب	70
22	انتظار نہ کر	71
23	جنگ اور انقلاب	72
24	سالِ نو	75
25	سامراجی لڑائی	77
26	عہدِ حاضر	78
27	جواہر لال نہرو کے نام	79
28	عورت کا احترام	80
29	کب تک	82
30	تخریب کے دیوتا	83
31	ٹوٹا ہوا ستارہ	84
32	فراموش کردند عشق	85
33	ایک خط کا جواب	86
34	لکھنؤ کے دوستوں کے نام	87
35	جیل میں ایک دوست کی موت کی خبر سن کر	88
36	ایک قیدی کی موت	90
37	زندگی	92
38	عذر و اعتراف	93
39	تغیر	94
40	ترقی پسند مصنفین	95
41	زمانہ ماقبل تاریخ کے انسان کا ذہنی تجزیہ	97
42	اکیلا ستارہ	100

ebooksgallery.com

43	خیر مقدم	101
44	سرِ راہ	102
45	فاشسٹ دشمن سپاہیوں کا گیت	103
46	تاجکستان کا ایک گیت	105
47	ایک نابینا ترکمان شاعر کی نظم	106
48	بنگال	107
49	لینن	110
50	غالب	111
51	اقبال	113
52	خوشی	116
53	حسنِ ناتمام	118
54	جھلک	119
55	عورت	120
56	محبت کا فسوں	121
57	ویران مناظر	122
58	تذبذب	124
59	غم کا ستارہ	126
60	تو اور میں	127
61	حسن سوگوار	129
62	انقلاب روس	131
63	تعمیر نو	133
64	آخری خط	135

ebooksgallery.com

2۔ نئی دنیا کو سلام 143-258

1 پیش لفظ 145

2 دیباچہ 146

(جدید شاعری اور نئی دنیا کو سلام از جعفر علی خاں اثر)

3 نئی دنیا کو سلام 162

4 پیش لفظ جمہور 275

5 مثنوی جمہور 277

3۔ خون کی لکیر 287-442

1 تمہید 291

2 ایک جھلک 293

3 غم کا ستارہ 294

4 غزل 295

5 حسنِ سوگوار 296

6 تذبذب 298

7 حسنِ ناتمام 300

8 لکھنؤ کی ایک شام 302

9 خیر مقدم 303

10 اکیلا ستارہ 304

11 سرمایہ دار لڑکیاں 305

12 مزدور لڑکیاں 307

13 انتظار نہ کر 309

14 عہد حاضر 311

15 ایک سوال 312

ebooksgallery.com

16	نیا زمانہ	313
17	غزل	314
18	اختلاف رائے	315
19	ٹوٹا ہوا ستارہ	316
20	وہم و خیال	317
21	غالب	321
22	موت اور زندگی	323
23	نئی شاعری	326
24	بغاوت	328
25	جوانی	330
26	سماج	333
27	سالِ نو	335
28	آتشیں ستارہ	337
29	جنگ اور انقلاب	339
30	سامراجی لڑائی	341
31	ایک خط	342
32	موت	343
33	رہائی	346
34	انقلابِ روس	348
35	تاجکستان کا ایک گیت	350
36	تعمیرِ نو	351
37	لینن	353
38	آخری خط	354
39	جبر	361
40	عظمتِ انساں	363

ebooksgallery.com

41	شاعر	367
42	گوالیار	369
43	ملّاحوں کی بغاوت	371
44	گردِ کارواں	374
45	خود پرستی	376
46	چلمنیں اٹھتی ہیں	377
47	قطعات	378
48	غزل	391
49	خواب	392
50	فریب	402
51	آنسوؤں کے چراغ	406
52	کشاکش	411
53	غزل	414
54	تلنگانہ	416
55	غزل	420
56	غزل	421
57	سیلابِ چین	423
58	جیل	433
59	جشنِ بغاوت	434
60	رومان سے انقلاب تک	436

4۔ امن کا ستارہ **443-496**

1	پیش لفظ	447
2	سویت یونین اور جنگ باز	449
3	استالن کتھا	452
4	امن کا ستارہ	475

ebooksgallery.com

ebooksgallery.com

مقدمہ

بیسویں صدی کی عظیم الشان ادبی شخصیت علی سردار جعفری کے بارے میں یونہی کچھ لکھنا نہ کہ باقاعدہ ان کے کلیات کا مقدمہ لکھنا مجھ جیسے حقیر طالب علم کے لیے ہی نہیں بڑے بڑوں کے لیے بھی امتحان سے گزرنا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ خالص روایتی شاعر نہ تھے بلکہ اپنے باغیانہ و دانشورانہ فکر و عمل کی وجہ سے ایک بڑے ادیب و ناقد، مفکر و دانشور بھی تھے۔ افسانہ نگار، ڈرامہ نویس، صحافی، ہدایت کار کے علاوہ اور بھی بہت کچھ۔ ترقی پسند تحریک کے بانیان اور رہنمایان میں سے ایک تھے۔ ادب۔ تاریخ۔ تہذیب۔ ثقافت سیاست وغیرہ کے گہرے رمز شناس، فارسی و عالمی ادبیات کے عمدہ نباض۔ رومی، حافظ، گوئٹے، مارکس، پابلو نرودا، ناظم حکمت، نانک، کبیر، میرا، میر، غالب، اقبال سے لے کر فیض و فراق تک ان کے دائرۂ فکر میں سمٹے ہوئے۔ ان کی تحریر و تقریر میں سمائے ہوئے۔ جرأت گفتار ایسی کہ بڑے سے بڑے صاحبانِ علم و فضل کے چراغ گل ہو جائیں۔ دلیل ایسی کہ پیشہ ور وکیل دستاویز پھاڑ دیں۔ کبیر، نانک کا تصوف، سعدی حافظ کا تغزل، غالب کا تفکر، اقبال کا تخیل اور مظلوم انسانوں کے تشدد نے سردار جعفری کو علم و عمل اضطراب و احتجاج کی صرف ایک شخصیت ہی نہیں بلکہ ایک عہد، ایک تاریخ اور ایک علامت بنا دیا تھا۔ ایسی ہمہ جہت و باکمال شخصیت، تاریخ ساز و عہد آفریں شاعر و ادیب کا کلیات ترتیب دینا نیز اس کی شاعرانہ پرتوں اور دانشورانہ دبازتوں کا تلاش کرنا۔ تبصرہ کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ بڑے بڑوں کے قلم میں کپکپی اور ذہن میں تھرتھری سی ہونے لگتی ہے۔ ان کی زندگی میں اور ان کے بعد بھی۔ سردار جعفری کے انقلابی و آفاقی ذہن نے ابتدا سے ہی شعوری یا لاشعوری طور پر اپنے شعری عوامل اور فکری محرکات و نظریات میں عالمی شاعری اور عالم کے حوادث کو ذہن میں رکھا۔ نظریۂ شعر و ادب ترتیب دیا، کچھ ایسے مفکرانہ اور بلند آہنگ شعری پیکر تراشے جس سے عام اردو والے زیادہ مانوس نہ تھے۔ وہ اردو شعر و ادب کو قدیم رومانی روایات و تناظرات میں دیکھنے اور سمجھنے کے عادی تھے اس لیے رد و قبول، قرأت و مفاہمت کے درمیان کھانچے تو آنے ہی تھے۔ کچھ یہ بھی ہوا کہ سردار جعفری کی دلنواز شخصیت و شاعری کا طلسم کچھ اس طرح سے گرویدہ کر لیتا تھا کہ ان کو پڑھنا، سمجھنا، سوچنا اور پھر اعتراض کرنا ہر قاری اپنا اختیار بھی سمجھنے لگتا۔ کیونکہ ہزار تضادات و تصادمات کے باوجود شعور یا لاشعور کے حوالے سے اندر ہی اندر سردار سے ایک گہرا رشتہ بھی رکھتا تھا۔ یہ ایک ایسا رشتہ ہوتا جہاں دس طرح کی کتابیں بیکار سی لگنے

ebooksgallery.com

لگتیں۔ سارے فکری رشتے بکھر سے جاتے۔ یہی وجہ ہے کہ موافقت یا مخالفت دونوں ہی صورتوں میں سردار اپنے عہد میں جس قدر مشہور و مقبول ہوئے اتنے ہی متنازعہ فیہہ۔ ویسے تو یہ عمل تقریباً ہر بڑے شاعر و دانشور کے ساتھ ہوا کرتا ہے لیکن سردار چونکہ ایک مخصوص نظریہ کے حامل تھے اور باقاعدہ ایک تحریک سے وابستہ تھے جس کی وجہ سے سردار کا نزاعی ہونا فطری تھا اور نہ ہوتا تو حیرت ہوتی۔ خود ترقی پسند ناقدوں و دانشوروں کے درمیان بھی ایسا ہوا۔ احتشام حسین جیسا بڑا ترقی پسند نقاد سردار کے تخلیقی سفر کو رومان سے انقلاب کی طرف لے جاتا ہے۔ لکھتا ہے۔

> ''جعفری کی ابتدائی شاعری میں انقلابی قسم کی رومانیت ہے لیکن یہ مریض بے مقصد اور بے اثر رومانیت سے کس قدر مختلف ہے۔ ان کا شعور رومان سے انقلاب تک کی منزل طے کرنے میں کسی وقت بھی روحِ عصر سے الگ نہیں ہوا اور بے مقصد رومان پرستی کا شکار نہیں ہوا۔''
>
> (سردار جعفری رومان سے انقلاب تک)

لیکن اسی عہد کے ایک بڑے ناقد مجنوں گورکھپوری سردار جعفری کی شاعری کی ابتدا انقلاب سے قرار دیتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ وہ انقلاب سے رومان کی طرف آئے تھے۔ بظاہر ان متضاد رویوں کی تفہیم کے لیے ہمیں تھوڑی دیر کے لیے سردار کے بچپن کے حالات اور 'پرواز' کے خیالات تک پہنچنا ضروری ہے۔

29 نومبر 1913 قصبہ بلرام پور یو. پی. کے زمیندار گھرانے میں پیدا علی سردار جعفری کو آنکھ کھولتے ہی وہ سب کچھ دکھائی دیا جو عموماً اس عہد میں ایسے گھرانوں میں ہوا کرتا تھا۔ تمام کرّ و فر، شان و شوکت، جاہ و جلال تقریباً ایک سے لیکن شیعہ گھرانے کی وجہ سے علم و تہذیب کے حوالے سے تھوڑے تھوڑے الگ سے بھی۔ بقول سردار جعفری۔

> ''خاندان میں بڑا اطمینان تھا۔ بلرام پور سے باہر کی دنیا ہمارے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی تھی۔ یہیں بچے پیدا ہوتے تھے جوان ہوتے تھے۔ بلرام پور کے بعد علی گڈھ کی تعلیم حاصل کرتے تھے اور پھر شادی ہو جاتی تھی اور ریاست میں ملازمت مل جاتی تھی۔ دن ہنسی خوشی گزر جاتا تھا اور رات کو سب بھائی بہن بستروں پر لیٹ جاتے تھے کوئی ایک بہن شرلک ہومز کی کہانیاں۔ راشد الخیری کے ناول یا عظیم بیگ چغتائی کی کوئی کتاب پڑھ کر سناتی۔ اس سے

ebooksgallery.com

تھک جانے کے بعد جناتوں کے قصے شروع ہوتے جو انتہائی دلچسپ ہونے کے بعد بھی دل میں دہشت پیدا کردیتے تھے۔''

(لکھنؤ کی پانچ راتیں)

گھر میں محرم ومجلس کا ماحول۔ انیس کے مرثیوں کے چرچے بقول جعفری کلمہ اور تکبیر کے بعد میرے کانوں نے پہلی آواز انیس کی سنی اور کم عمری میں ہی مرثیے کہے۔ پندرہ سال کی عمر میں پہلا مرثیہ کہا۔

آتا ہے کون شمعِ امامت لیے ہوئے
اپنی جلو میں فوجِ صداقت لیے ہوئے

ظاہر ہے کہ امامت اور صداقت کے معنی سمجھے بغیر یہ شعر نہیں کہا جا سکتا تھا۔ یہیں سے حضرت امام حسین کے دلیرانہ وحق پرستانہ کردار نے جگہ بنائی اور یہ احساس جاگا کہ حق اور صداقت کے لیے جان کی بازی لگا دینا انسانیت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ نیز یہ کہ دونوں چیزیں ایسی ہیں جن کا تعلق زمین سے ہے۔ انیس کے بعد اقبال کا مطالعہ۔ زندگی کا راز کیا ہے سلطنت کیا چیز ہے؟ جیسے سوالوں سے روشناسی اور حرف انقلاب سے آشنائی اور وہ ہاتھ کی محنت اور قلم کی عظمت سے واقف ہوئے۔ بچپن میں لکھی ہوئی تختی کا راز کھلنے لگا۔

قلم گوید کہ من شاہِ جہانم   قلم کش را بدولت می رسانم

بچپن کی انہیں کیفیات کا نقشہ پروفیسر رفیعہ شبنم عابدی نے یوں کھینچا ہے۔

''وہ ماحول جس میں حق پرستی کی تعلیم دی گئی تھی۔ جس میں سر فروشی کی اہمیت سمجھائی گئی۔ جہاں علم کو ہر دولت پر فوقیت دی گئی جہاں مظلوموں کی حمایت نے بغاوت کا احساس اور انقلاب کا نعرہ عطا کیا۔ سردار جعفری کی جڑیں اسی سرسبز و نم مٹی میں پیوست ہیں اور سر آسمان کی طرف مگر ان کے پاؤں اپنی زمین سے کبھی الگ نہیں ہوئے۔''

(سردار جعفری کا شعری سفر)

اسی ذہنی کیفیت میں محض سترہ اٹھارہ سال (1930) کی عمر میں وہ بلرام پور کے محدود و مخصوص ماحول سے نکل کر لکھنؤ پہنچے۔ ملازمت کا امتحان دیا پاس بھی ہوئے لیکن بعض وجوہات کی بنا پر جوائن نہ کر سکے۔ پھر 1933 میں علی گڈھ پہنچے۔ ان برسوں میں جتنا جو کچھ بھی ملک میں ہو رہا تھا اتنا ہی

ebooksgallery.com

علی گڈھ میں بھی ہو رہا تھا۔ علی گڈھ علم و دانش کا مرکز تو تھا ہی سیاست اور بغاوت کا بھی مرکز بنا ہوا تھا۔ حسرت موہانی کی بغاوت سے لے کر رومانیت اور اشتراکیت سبھی کچھ چھایا ہوا تھا۔ نوجوان ذہن کو نسبتاً کھلی ہوئی جگہ ہی نہیں کھلے ہوئے ذہن بھی ملے۔ آزاد و بے باک، ذی علم اور ذی شعور۔ علم کے دریچے اور لائبریری کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔ سردار کے حصول علم سے بے چین ذہن کو ایک راہ ملی تو انھوں نے پہلے گاندھی و نہرو کی آپ بیتیاں پڑھیں اس کے بعد گوئٹے کا 'ورتھ' اور لینن کی سوانح عمری اور پھر لفظ بوژوا کے معنی کی تلاش۔ اور پھر یہ تلاش، تلاشِ حیات۔ نظریۂ حیات سے لے کر مقصدِ حیات تک پھیل گئی۔ بقول جعفری 'جو دروازے گاندھی کی کتاب پڑھ کر نہرو کی تقریریں کر ذرا ذرا کھلے تھے اور پھر بند ہو گئے تھے اس بار پورے کھل گئے۔' یورپ کا فاشزم اور ہندوستان کی تحریکِ آزادی کا احساس عرفان میں بدلنے لگا۔ مجاز، رشید جہاں، سجاد ظہیر، سبط حسن، وغیرہ سے دوستی فکر و نظر میں ڈھلنے لگی اور جب ایک مشاعرہ میں جس میں سردار بھی شریک تھے۔ مجاز نے اپنی نظم 'انقلاب' سنائی اسی مشاعرہ میں سردار جعفری نے نظم 'سماج' پڑھی۔

تمناؤں میں کب تک زندگی الجھائی جائے گی
کھلونے دے کے کب تک مفلسی بہلائی جائے گی
نیا چشمہ ہے پتھر کے شگافوں سے ابلنے کو
زمانہ کس قدر بیتاب ہے کروٹ بدلنے کو

بس اب سردار جعفری کو صحیح راہ مل چکی تھی۔ وہ ایک پلیٹ فارم پر کھڑے ہو چکے تھے اور باقاعدہ ایک تحریک میں شامل ہو چکے تھے۔ صوفیانہ و شہیدانہ تہذیب مارکسیت اور اشتراکیت کی تعلیم و تصور میں ڈھلنے لگی اور 1941 تک پہنچتے پہنچتے بقول پروفیسر عابدی 'سردار جعفری کی انقلاب آفریں شخصیت کا آبگینۂ فکر تندیٔ صہبا سے پگھلنے سا لگا وہ اپنے بیان کے لیے کچھ اور وسعت چاہتا تھا۔ یہاں تک کہ 1943 میں ان کا پہلا شعری مجموعہ پرواز منظرِ عام پر آیا۔'

سچ یہ ہے کہ سردار کا پہلا شعری مجموعہ 'پرواز' 1944 میں شائع ہوا جو اس عہد کی ایک انقلاب آفریں شخصیت پی۔سی۔ جوشی کے نام معنون ہے اور پہلے صفحہ پر یہ شعر درج ہے ۔

کھل گیا در پڑ گیا دیوار زنداں میں شگاف
اب قفس میں جنبشِ صد بال و پر ہونے کو ہے

پورا مجموعہ اس شعر کی تفصیل و تفسیر ہے۔

ebooksgallery.com

اس مجموعہ میں شامل نظموں کے عنوان ملاحظہ کیجئے۔ سماج، بغاوت، انگڑائی، مزدور لڑکیاں، اشتراکی، نیاز مانہ، تاریخ، آثارِ سحر، ارتقاء و انقلاب، جنگ اور انقلاب وغیرہ ایسا نہیں ہے کہ اس میں رومانی رنگ کی نظمیں نہیں ہیں۔ 'جوانی' ان کی ابتدائی نظموں میں سے ایک ہے لیکن اس میں بھی رنگِ شباب کم رنگِ جہاد زیادہ ہے مثلاً۔

زمانے کا ستم ہر دم رہا ہے رازداں میرا
بھرا ہے ایسے ہی کانٹوں سے سارا گلستاں میرا
زمانے بھر میں تنہا رازداں ہوں لذتِ غم کا
سراپا درد ہو کر بھی ہوں درماں سارے عالم کا
حقیقت سے مری کیوں بے خبر دنیائے فانی ہے
بغاوت میرا مذہب میرا مسلک نوجوانی ہے

سماج، بغاوت، مزدور لڑکیاں، عورت ان کی ابتدائی نظموں میں شمار کی جاتی ہیں جس میں سردار کا شعری مسلک صاف جھلکتا نظر آتا ہے اور یہ بھی کہ جوانی کی اس اسٹیج پر سردار جعفری ملک و معاشرہ، عام انسانوں کے دکھ درد سے کس قدر گہری واقفیت اور وابستگی رکھتے تھے۔ عورتوں کے حوالے سے ان کا دردمندانہ اظہار ایک نسائی آواز بن کر ابھرتا ہے۔ عورتوں کے ذریعہ دنیا کے نظام کو بدلنے کا تصور پہلی بار سردار کے یہاں دیکھنے کو ملتا ہے۔ یہ ان کی شاعری اور فکر و نظر کی انفرادیت ہے۔

اس مجموعہ میں 46ء سے قبل کی شاعری ہے۔ ظاہر ہے یہ دور صرف سردار جعفری کی جوانی کا ہے بلکہ تحریک آزادی کی پختگی اور خاتمہ کا ہے لہٰذا ایسے دور میں فطری طور پر ان کی شاعری میں آزادی، انقلاب اور غلامی سے نجات کا ولولہ اور دور دورہ ہے لیکن یہ محض نعرہ بازی اور کھوکھلی خطابت نہیں بلکہ اس میں بدلے ہوئے دور، مزاج اور فکر کی بھی نمائندگی ہوتی ہے۔ نئے سماج کی تلاش، نئے خواب دیکھنے کی خواہش پھر اس کی تعبیر کی تلاش وغیرہ۔ ایسا صرف قومی سطح پر ہی نہیں بلکہ عالمی سطح پر بھی ہو رہا تھا۔ اس لیے اس میں عالمیت کی گونج بھی سنائی دیتی ہے۔ اور یہ رنگ صرف وقتی آزادی کا نہیں بلکہ نئے سماج کے نئے تصورات کا رنگ ہے جو بہر حال قدیم رنگ سے مختلف ہے۔ قبول کرنا ہماری ضرورت تھی اور مجبوری بھی۔ مجنوں گورکھپوری نے اچھی بات کہی ہے۔

"دلوں کی شاعری انسان کی نفسیات اور درندگی کو جس قدر مہذب کر سکتی تھی کر چکی۔ اب خالص جذبات و تخیل اور رومانیت اور ماورائیت کا فن

ebooksgallery.com

انسان کے انسانی وقار اور ہماری متبرک زمین کی ارضی پاکیزگی اور طہارت قائم رکھنے یا اس کو بڑھانے میں زیادہ ہمارے کام نہیں آسکتی۔"

(مقدمہ۔ پرواز)

اچھی بات یہ ہے کہ بزرگ نقاد نے جو باتیں دیر میں سوچیں نوجوان شاعر نے کم عمری میں سوچ لیں۔ حالانکہ ان باتوں کو ایک شاعر کی حیثیت سے سردار سے قبل جوش، مجاز، مخدوم، فیض وغیرہ سوچ چکے تھے اور پرواز سے قبل آہنگ، نقش فریادی جیسے مجموعے دھوم مچا چکے تھے اور یہ بھی سچ ہے کہ ان کے مقابلہ میں پرواز کو وہ شہرت بھی نہ مل سکی تھی۔ اس کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں ایک تو یہ مجموعے اپنی تمام تر ترقی پسندی اور روشن خیالی کے باوجود روایتی رومانی اسلوب کی مجبوری میں گرفتار تھے اس لیے ہر حلقہ میں پسند کئے گئے۔ دوسرے یہ کہ پرواز کی شاعری ان دونوں مجموعوں سے ہی نہیں بلکہ پوری اردو شاعری سے مختلف، آزاد اور مائل بہ پرواز تھی۔ جسے اردو کا روایتی رومان پسند حسن پرست قاری آزادی سے قبول نہیں کر سکتا تھا۔ مجنوں نے اچھا نکتہ اٹھایا ہے کہ ادب کے مختلف اصناف میں شاعری بڑی کٹر صنف ہے اور وہ بہت مشکل سے روایتی اصول اور اسالیب کو چھوڑ کر انقلاب اور ترقی کے نئے تصورات قبول کرتی ہے۔

یہی وہ دور ہے جب سردار ہمہ وقت مطالعہ میں مصروف تھے اور یہ مطالعہ صرف اردو شاعری تک محدود نہ تھا بلکہ اس کی زد میں حیات و کائنات تھے۔ ذہن میں گونجتا ہوا تاریخ کا شعور، تہذیب کی پہچان، مسائل کا مارکسی عرفان، جدلیاتی طوفان اور آزادی و غلامی کا تصور زمان و مکان۔ آہنگ اور نقش فریادی کے مقابلے پرواز کی عدم مقبولیت نے بھی انھیں بے چین کر دیا کہ وہ ایک ایسا قدم اور قلم اٹھائیں جو اس عہد کے قارئین و ناقدین کے قلب و جگر، ذہن و دل کو گرما کر ہی نہیں ہلا کر رکھ دے۔ دوسرا مجموعہ 'نئی دنیا کو سلام' ان کا ایسا ہی ایک انقلابی قدم تھا جو 1948 میں شائع ہوا۔

فکری و ہیئتی اعتبار سے سردار کی طویل نظم نئی دنیا کو سلام ایک زبردست تجربہ اور حادثہ کے طور پر سامنے آئی۔ وہ تاریخ سماج اور سیاست جو ٹکڑوں ٹکڑوں میں مختلف نظموں میں بکھرے ہوئے تھے ایک تاریخی، سماجی اور احتجاجی تسلسل اور تواتر کے ساتھ تکثیر و تخلیق کے پیکر میں ڈھل جاتے ہیں جس میں ماضی، حال اور مستقبل بھی کچھ سمٹ آتے ہیں ابھی تک پرواز میں جو پیکار حیات تھی وہ آثار حیات بلکہ اسرار حیات میں بدلنے لگتی ہے۔ اس نظم کی سب سے بڑی خوبی زندگی و آزادی وغیرہ سے متعلق سردار کا کھلا ڈلا نظریہ۔ زندگی کی مختلف جہتیں انسان کی عظمت، فطرت کی کارگذاریاں غرضکہ زندگی کے مختلف رنگ، پڑاؤ، بہاؤ اور نشاطیہ رجائی مزاج کو سردار نے کچھ اتنے دلکش و موثر انداز میں پیش کیا ہے کہ

ebooksgallery.com

جمالیات کا نہایت لطیف تابناک حرارت انگیز تصور قلب وجگر میں مچلنے لگتا ہے۔ ایسے حصے کی شاعری کو انھوں نے اقبال کے اس شعر سے منسوب کر دیا ہے۔

گل اس شاخ سے ٹوٹتے بھی رہے　　　اسی شاخ سے پھوٹتے بھی رہے

اب اس شعر کی تفسیر ان اشعار میں دیکھیے۔

یوں ہی اڑ رہا ہے نشاں زندگی کا　　　ٹھٹکتا نہیں کارواں زندگی کا
تسلسل حقیقت تسلسل فسانہ　　　تسلسل ہی ہے زندگی کا ترانہ
حیاتِ بشر ہے بڑی شاعرانہ　　　محبت ہے جس کی بقا کا فسانہ

اس طویل نظم کا سب سے خوبصورت حصہ محبت ہے جو مریم کی شکل میں مختلف روپ دکھائی دیتی ہے۔ مریم صرف ایک بیوی، محبوبہ نہیں ہے بلکہ ماں بھی ہے اور اس سے زیادہ ایک باغی عورت بھی ہے جسے سردار اس روپ میں بھی دیکھتے ہیں۔

تبسم نہیں صرف تلوار بھی ہے　　　وہ نغمہ نہیں صرف جھنکار بھی ہے
وہ شمع شبستاں ہے نور سحر ہے　　　وہ ہر گام پر مرد کی ہمسفر ہے

سردار سے قبل عورت کی روایتی امیج جوش اور اختر شیرانی نے بدلی ضرور تھی لیکن مجاز نے جب آنچل کو پرچم بنانے کی بات کہی تو پوری ترقی پسند شاعری میں عورت کا کردار ہی بدل گیا۔ فیض کی محبوبہ ہو یا کیفی کی عورت۔ مجروح وساحر کی ہم سفر بھی نے باغیانہ ہم سفری، ہم نظری کے مناظر پیش کیے لیکن سردار کی مریم صرف جاوید کی بیوی یا ہندوستان کی عورت نہیں بلکہ پوری دنیا کی بہادر عورتوں کی علامت بن جاتی ہے۔ سردار کہنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

ہے انسان کی کائنات اس کے دم سے　　　فروزاں ہے شمع حیات اس کے دم سے
اس آنچل میں ہے زندگی کا شرارہ　　　وہ آغوشِ تہذیب کا گہوارہ

بقول پروفیسر سید محمد عقیل۔ "عورت کی یہ تصویر ہندوستانی بھی ہے اور مدتوں تہذیب کی ہوئی زندگی سے بھی آئی ہے۔ جس میں سامی، ایرانی، ترک تہذیبوں کی رنگ آمیزی ہے اس تصویر میں عورت پیر کی جوتی سے اوپر اٹھ کر حرم سرا کے رنگین شبستانوں سے گھومتی ہوئی اپنے محدود احترام یافتہ تجربوں سے باہر نکلتی ہے اور مارکسی تصور کے ساتھ آ کر مرد کے شانہ بہ شانہ کھڑی ہو جاتی ہے۔"

(نئی دنیا کو سلام　　ایک تجزیہ)

ebooksgallery.com

'ترقی پسند ادب' میں خود سردار لکھتے ہیں ۔

"اور اب یہ نئی عورت ہمارے ادب میں قدم رکھ رہی ہے۔......
جب تک عورت کو معاشی آزادی نہیں ملے گی اور وہ وسیع سماجی آزادی میں اپنا حصہ حاصل نہیں کرے گی تب تک عشق اور حسن دونوں بیمار رہیں گے ۔ اب عورت کے تصور میں گہرائی پیدا ہورہی ہے جو بہترین قسم کی حقیقت نگاری ہے۔"

(ترقی پسند ادب صفحہ 241)

عورت کے بارے میں سردار کے اس روشن اور ارتقائی نظریہ کی وجہ سے 'پرواز' کی 'مزدور لڑکیاں'، 'نئی دنیا کو سلام' تک پہنچتے پہنچتے ایک ذہین باغی عورت کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ 'مزدور لڑکیاں' میں سردار خود بولتے ہیں 'نئی دنیا کو سلام' میں عورت خود بولنے لگتی ہے۔

غرضکہ اس طویل تمثیلی نظم میں عورت، محبت، حرارت، حریت، تاریخیت، وطنیت، رومانیت اور زندگی کا استقلال و استقبال بھی کچھ نظر آنے لگتا ہے۔ نیز یہ کہ چکبست و اقبال کے دائرہ سے نکل کر وطنیہ شاعری ایک نئے تیور، رنگ و آہنگ کے ساتھ نئے جمالیاتی شعور میں رچی بسی نظر آنے لگتی ہے۔ آزاد نظم کے سانچے میں ڈھلی یہ طویل نظم پیکر تراشی اور تجسیم کاری کے اعلیٰ و ارفع نمونے پیش کرتی ہے۔ اس مجموعے میں جمہور نام کی مثنوی بھی ہے جو 46ء میں ہندوستان کے سیاسی حالات پر طنزیہ انداز میں کہی گئی ہے۔ جو ایک طرح سے پہلی سیاسی مثنوی کہی جا سکتی ہے۔ ان دونوں انوکھی نظموں کو ملا کر پیش کئے گئے مجموعہ میں بزرگ ادیب و ناقد جعفر علی خاں اثر کا مقدمہ بھی ہے۔ جو اکثر ترقی پسند فکر کے خلاف ہی رہے ہیں لیکن بڑی فراخ دلی اور خندہ پیشانی کے ساتھ یہ لکھنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

"سردار کی طویل تمثیل اور مثنوی جمہور جو اسی کا حصہ ہے پڑھ کر باغ باغ ہو گیا۔ اسی کے ساتھ میرا یہ خیال راسخ ہو گیا کہ شاعری جدید طرز کی ہو یا قدیم طرز کی اوّل فن ہے اور ثانیاً کچھ اور ہے۔ موضوع کی افادی یا جمالیاتی پہلو سے قطع نظر اگر انداز بیان میں تازگی اور شگفتگی، ندرت اور فن کارانہ انفرادیت یعنی خود شاعر کے انفعالی اثرات کا پرتو نہ ہو تو شاعری گھٹیا قسم کی نقالی بن کر رہ جاتی ہے۔ لایق مصنف نے یہ گر سمجھ لیا ہے اور اپنی نظم میں واقعات کے بجائے واقعات سے پیدا ہونے والے جذبات، تاثرات اور احساسات پیش کئے ہیں۔"

(مقدمہ)

ebooksgallery.com

'نئی دنیا کو سلام' کی بے پناہ مقبولیت نے 'پرواز' کے شاعر کو بلندی عطا کی۔ محض دو سال کی مدت میں ان کا تیسرا مجموعہ 'خون کی لکیر' (1949) منظر عام پر آ گیا۔ ہر چند کہ اس مجموعہ میں کچھ نظمیں پرواز کی ہیں تاہم اس کی نئی نظمیں الگ مزاج کی ہیں جو چونکاتی ہیں۔ آزادی کے فوراً بعد کی شاعری میں ایک نئے سردار کی جھلک نظر آتی ہے۔ مجموعہ کی ابتدائی نظمیں مثلاً سوگوار، حسنِ ناتمام، تذبذب، اکیلا ستارہ، وغیرہ میں ایک عجیب سی اداسی، سوگواری اور ناتمامی کا عکس جھلکتا دکھائی دیتا ہے۔ یہ نظمیں بظاہر رومانی رنگ کی ہیں اور ان کی اداسی بھی ان کے رومان کا حصہ ہے ان کی زیریں لہروں میں آزادی کا نامکمل پن اور سماج کا ادھوراپن تلاش کیا جا سکتا ہے۔ کچھ نظموں میں ایک نیا آہنگ ملتا ہے مثلاً عظمتِ انساں، شاعر وغیرہ ان میں نئی زندگی کی بشارت ملتی ہے۔ تاریخ انسانی اور عظمت انسانی کے سراغ بھی ملتے ہیں جس کو شاعر نے بڑے دلنواز انداز میں پیش کیا ہے۔ ان نظموں میں اوپری جوش کم، باطنی گہرائی و گیرائی زیادہ ملتی ہے۔ اس کا کینوس بھی زیادہ پھیلا ہوا ہے اور ایک سوال بھی۔

چین کا خونی افق بھی بن گیا ہے لالہ زار
کیوں نہیں ہے ہند کے اجڑے گلستاں میں بہار
سازشیں کرتے ہیں گل چیں سر سے سر جوڑے ہوئے
باغباں بیٹھے ہیں ایک مدت سے منہ موڑے ہوئے

اس طرح نظم 'شاعر' کا یہ فکری آہنگ بھی دیکھئے۔

میں ہوں صدیوں کا تفکر میں ہوں قرنوں کا خیال
میں ہوں ہم آغوش ازل سے میں ابد سے درکنار
میرے نغمے قید ماہ و سال سے آزاد ہیں
میرے ہاتھوں میں لافانی تمنا کا ستار

اس پوری نظم میں صرف شاعر کا رول یا ذمہ داری ہی نہیں جھلکتی بلکہ سردار کا شعری نقطۂ نظر اور شاعر کی وسعت اور کیفیت بھی جھلک اٹھتی ہے۔ نظم 'خواب' میں صاف اندازہ ہوتا ہے کہ اب سردار آ کا ذہن اور وژن اپنے ملک کی آزادی و غلامی اور لمحاتی قومی جذباتیت کے دائرے سے نکل کر کائنات کی سرحدوں کو چھونے لگتا ہے۔ وسعتِ مطالعہ اور بلندئ فکر انھیں دنیا کی تاریخ و تہذیب کی طرف لے جاتی ہے۔ بہت جلد ان کی نظموں میں وسط ایشیا، سمرقند، بخارا، یونان، مصر وغیرہ غرض کہ مشرق و مغرب مدغم ہو کر عالم انسانیت ایک وحدت اختیار کر کے سردار کا مخصوص فکری و اسلوبیاتی آہنگ بن جاتا ہے۔ نظم یوں

ebooksgallery.com

شروع ہوتی ہے۔

میں کہ صدیوں کی سرگوشیاں سن چکا ہوں
کتنے سربستہ رازوں کو سینے اندر چھپائے ہوئے ہوں

اس کے بعد وہ دیو پری سے شروع ہو کر بابل و نینوا، ساحلِ نیل، یونان، سمرقند، بسٹیل اور ماسکو کی تاریخ و تہذیب پر اشارے کرتے ہوئے واپس ہندوستان آتے ہیں۔ اس سے ان کی سوچ اور ایروچ کا مطالعہ کائنات کا اندازہ ہوتا ہے۔ اور پرواز والا شاعر ایک مفکر، دانشور میں تبدیل ہوتا نظر آنے لگتا ہے۔ اسی طرح ان کی نظم 'فریب' بھی ایک عمدہ نظم ہے۔ جو فیض کی 'صبح آزادی' کی یاد دلاتی ہے۔ فیض کی نظم بیحد مختصر اور موثر ہے لیکن سردار کے یہاں پھیلاؤ ہے اگر چہ یہ پھیلاؤ ان کی تاریخی بصیرت، انسانی وسماجی شعور کا پتہ دیتے ہیں لیکن کبھی کبھی اچھے ٹکڑے پھیلاؤ میں بکھر سے جاتے ہیں۔ اس طرح 'کشاکش' 'آنسوؤں کے چراغ' 'تلنگانہ' وغیرہ میں بھی یہی کیفیت ملتی ہے لیکن یہ بھی کہ ان کی تمام نظموں میں سردار کی ادراک وآگہی وسعتِ قلبی اور فکر کی گہرائی کے ایسے نادر نمونے اور جلوے نظر آتے ہیں جو سردار کو نہ صرف بیحد مختلف بلکہ آگے بہت آگے لے جاتے ہیں۔

اس مجموعہ میں غزلیں بھی ہیں لیکن ان میں گہرا سیاسی وسماجی شعور بسا ہوا ہے جو خالص ترقی پسند ذہن وفکر کی دین ہے۔

سکوں میسر جو ہو تو کیوں کر ہجوم رنج ومحن وہی ہے
بدل گئے ہیں اگر چہ قاتل نظامِ دار ورسن وہی ہے
ابھی تو جمہوریت کے پردے میں نغمۂ قیصری چھپا ہے
نئے ہیں مطرب اگر تو کیا ہے نوائے سازِ کہن وہی ہے

حقیر ہو کر نہ رہ سکے گی تری بلندی سے میری پستی
میں اپنے سجدے سے کیوں بساؤں تری رعونت کا آشیانہ
خلیق بھی ہے شفیق بھی ہے کسی کو کوئی گلہ نہ ہوتا
بس اک شکایت یہ ہے کہ پیرِ مغاں کی فطرت ہے تاجرانہ

یہ وہ دور تھا جب سردار جعفری علم وعمل، فکر ونظر، حرکت وحرارت کے اعتبار سے بلندی پر تھے۔ ملک کے حالات اور شاعر کے افکار وخیالات دونوں مدغم ہو کر نئے نئے تخلیقی پیکر میں ڈھل رہے تھے

ebooksgallery.com

اور مقبول خاص و عام ہو رہے تھے۔ ترقی پسند تحریک اپنے شباب پر تھی۔ مجاز، فیض، مخدوم وغیرہ کے شانہ بشانہ بلکہ بعض معاملات میں ان سے بھی آگے بڑھ کر سردار اپنی ایک الگ فکری واسلوبیاتی راہ تلاش کر رہے تھے اور اپنے مخصوص علم و دانش کی وجہ سے انھیں وہ راہ مل بھی گئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ہر سال یا دوسرے سال کوئی نہ کوئی مجموعہ منظر عام پر آنے لگا۔ نثر میں بھی کتابیں آنے لگیں۔ اگلے دو برسوں میں دو شعری مجموعے 'امن کا ستارہ' (1950) اور 'ایشیا جاگ اٹھا' (1951) شائع ہوکر منظرِ عام پر آئے جو نہ صرف سردار جعفری بلکہ پوری ترقی پسند شاعری کا ایک الگ فکری آہنگ اور سماجی وتہذیبی شعور کا پتہ دیتے تھے۔ یہ دونوں مجموعے مختصر سے ہیں لیکن ان میں عالم انسانیت کی دبیز اور دردمند تاریخ چھپی ہوئی ہے۔ یہ نظمیں جیل میں رہ کر کہی گئی ہیں جن میں طرح طرح کے تجربے بھی کئے گئے ہیں۔ ایک طرف دیہاتی بولی کے ساتھ ہندی اردو کی ادبی زبان ملائی گئی ہے تو دوسری طرف عوامی لفظ کے استعمال کرنے کی جسارت بھی ملتی ہے۔ جس کے لیے سردار صاف کہتے ہیں۔

> ''زبان میرے نزدیک مقصد بالذات نہیں ہے وہ ایک سماجی وصیلہ ہے جس کے ذریعہ سے ایک انسان کے خیالات اور جذبات دوسرے انسان تک پہنچتے ہیں اور اس لیے وہ خیالات وجذبات اور سماجی ضروریات کی پابند ہے۔ میری شاعری خواص کے لیے نہیں ہے بلکہ عوام کے لیے ہے۔''
>
> (پیش لفظ امن کا ستارہ)

اس لیے اس نظم کی زبان بالکل عوامی ہے جا بجا عوامی بول چال کے الفاظ ملتے ہیں جو ایک نئے سردار جعفری کو پیش کرتے ہیں۔ ایک بند دیکھئے۔

بھوکے رہتے دھوبی موچی بنجارے اور لکڑہارے
دھن کی ناگن روٹی پانی پر بیٹھی تھی کنڈلی مارے
رین دنا محنت کرتے تھے سانجھ سکارے روتے تھے
اندھوں آگے روتے تھے اپنی بھی آنکھیں کھوتے تھے

ان نظموں میں صرف یہی لہجہ نہیں ہے بلکہ رومان کی آمیزش ہے لیکن یہ رومان روایتی اور دھندلا نہیں ہے بلکہ بقول سردار جعفری 'یہ رومانیت تاریک اندیش نہیں بلکہ روشن نظر ہے۔' ان طویل نظموں میں حقیقت اور رومان بلکہ یوں کہا جائے کہ اشتراکیت اور رومان باہم شیر وشکر ہوکر ایک نئی رومانی حقیقت یا اشتراکی حقیقت کا روپ اختیار کر لیتے ہیں جس سے ایک نئے ڈکشن کا آغاز ہوتا ہے۔ کرشن

ebooksgallery.com

چندر نے 'ایشیا جاگ اٹھا' کے بارے میں اچھی بات لکھی ہے۔

''نظم ایشیا جاگ اٹھا جو بیک وقت رزمیہ بھی ہے اور غنائیہ بھی جس میں ایپک کی مثالیت اور غنائی سندرتا ہے۔ اس نظم میں ایشیا کا سارا اجل روپ سمٹ کر سما گیا ہے اس نظم میں چار ہزار سالہ تہذیب کی تصویر ہے، یہاں کی غریبی چیتھڑے پہنے دکھائی دے رہی ہے، اس کے عوام کی بغاوت کا بے پناہ جذبہ قومی اور ملی احساسات کو سموتا ہوا ایک طوفانی سمندر میں تبدیل ہو گیا ہے، میرا خیال ہے کہ اس نظم سے ہماری اردو کی ترقی پسند شاعری اپنے سنِ بلوغ کو پہنچتی ہے، جوان ہوتی ہے اور خود سردار کی شاعری افادیت اور وجدان کی ان سربلندیوں کو چھو لیتی ہے جہاں سے عظمت کی سرحدیں شروع ہوتی ہیں۔''

'ایشیا جاگ اٹھا' جس پائے کی نظم ہے اس کا سرسری مطالعہ ایک عجب رومانی اور وجدانی کیفیت میں مبتلا کر دیتا ہے۔ پوری انسانی تاریخ وتہذیب ذہن میں گونجنے لگتی ہے اور محنت وآدمیت کا سرور آنکھوں میں رقص کرنے لگتا ہے۔ 'نئی دنیا کو سلام' کے بعد ان طویل نظموں نے ایک عرصہ کے بعد اردو میں طویل نظموں کی روایت کو نئے انداز سے زندہ کیا اور آزاد نظم کے پیرایۂ اظہار کو ایک مخصوص معنویت وکیفیت عطا کی۔ غالباً پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ آزاد نظم خارجی حالات اور ماحول کی تصویر کشی کے لیے استعمال کی گئی ہو۔ پروفیسر محمد حسن نے اچھی بات لکھی ہے۔

''سردار جعفری کی شاعری نے آزاد نظم کو داخلیت سے نکال کر عصری مسائل کے اظہار کا ذریعہ بنایا۔ مایوسی اور محرومی کے بادل چھٹے، بنجر زمین (Waste land) کی فضا سے نکل کر آزاد نظم کو زیادہ مثبت موضوعات کا سہارا ملا۔ سردار جعفری کی نظم راشد اور میرا جی کی روایت سے مختلف ہے اور انھیں اس بات کا احساس ہے کہ اس صنف کو ان دونوں شعراء سے مختلف جذبات کا آئینہ بنایا جا سکتا ہے۔''

(جدید اردو ادب صفحہ 148)۔

دو سال کے بعد 1953 میں سردار کا چھٹا شعری مجموعہ 'پتھر کی دیوار' منظر عام پر آیا جسے کسی بھی طرح ان کے شعری تخلیقی سفر کے تسلسل وتواتر سے الگ کر کے نہیں دیکھا جا سکتا۔ البتہ دو پہلوؤں سے اس کی انفرادیت یوں جھلکتی ہے کہ اس مجموعہ کی تخلیقات جیل کی کوٹھری میں خلق ہوئیں اور یہ بھی کہ یہ ان معنوں

ebooksgallery.com

میں پہلا مجموعہ ہے جس کی ابتدا میں حرف اول کے عنوان سے پہلی بار سردار جعفری نے اپنے اوپر ہونے والے اعتراضات کا جواب دیا ہے۔ جس کے ذریعہ شاعری، ترقی پسند شاعری کے حوالے سے ان کے افکار و نظریات واضح طور پر سامنے آئے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ ان کے چند خیالات یہاں پیش کر دیئے جائیں۔

''پتھر کی دیوار' میری جیل کی نظموں کا مجموعہ ہے جس میں اب میں نے بعد کی کہی ہوئی کچھ اور نظمیں بھی شامل کر لی ہیں...... میری شاعری وقتی ہے۔ مجھے یہ بات تسلیم کر لینے میں ذرا بھی جھجک نہیں ہے۔ ہر شاعر کی شاعری وقتی ہوتی ہے۔ اگر ہم اگلے وقتوں کا راگ الاپیں گے تو بے سُرے ہو جائیں گے آنے والے زمانے کا راگ جو بھی ہو گا وہ آنے والی نسلیں گائیں گی۔ ہم تو آج ہی کا راگ چھیڑ سکتے ہیں۔

ہر شاعر اپنے فن کے دامن میں روح عصر کو سمیٹنے کی کوشش کرتا ہے کوئی کم اور کوئی زیادہ لیکن کسی نہ کسی حد تک ہر شاعر روح عصر کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے جو اپنی اس کوشش میں جتنا کامیاب ہوتا ہے وہ اتنا ہی اچھا شاعر ہوتا ہے۔ آج کی حقیقت کی کوکھ سے کل کی حقیقت پیدا ہو رہی ہے۔ کل کے عہد کی رگوں میں آج کے عہد کے خون کے کچھ نہ کچھ قطرے ضرور ہوں گے...... مجھے اس پر ناز ہے کہ میں اس صدی کا وہ شاعر ہوں جو ہزار ہا برس پرانے خوابوں کے تعبیر کی صدی ہے۔ میری نظروں کے سامنے یہ دنیا بن رہی ہے، سنور رہی ہے۔ میری نظروں کے سامنے انسان کی تخلیق ہو رہی ہے...... میں اپنے نالہ و بکا آہ و فریاد سے اس غموں سے بھری ہوئی دنیا کو زیادہ غمگین نہیں بنانا چاہتا............ میں مختلف سطح کی شاعری کرتا رہا ہوں۔ میری تمام تر کوشش یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ آدمیوں کے لیے اپنی شاعری کو آسان بنا سکوں........ جب کبھی بول چال کی زبان سے ہٹ کر 'شاعرانہ' زبان بنائی جاتی ہے تو وہ مصنوعی ہو جاتی ہے۔''

یہ سچ ہے کہ سردار نے مصنوعی زبان استعمال نہیں کی لیکن پورا سچ یہ بھی نہیں ہے کہ ان کی مکمل شعری زبان عوامی ہے۔ بعض نظموں میں یہ سبک اور عوامی لہجہ ضرور ہے لیکن ان کی اصل زبان تو کلاسکیت

ebooksgallery.com

میں ہی رچی بسی نظر آتی ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ انھوں نے اپنی انقلابی واحتجاجی شاعری میں بھی کچھ نئی اصطلاحیں وترکیبیں وضع کی ہیں جو سردار کی خلاقیت وانفرادیت کا پتہ دیتی ہیں۔ مثلاً

شام کی آنکھ میں بارود کے کاجل کی لکیر

یا

چاولوں کی صورت پر مفلسی برتی ہے

یا

پہرے داروں کی نگاہوں سے ٹپکتا ہے لہو
رائفل کرتی ہے فولاد کے ہونٹوں سے کلام
گولیاں کرتی ہیں سیسے کی زباں سے باتیں

'پتھر کی دیوار' کے تقریباً دس سال کے لمبے گیپ کے بعد 'ایک خواب اور' 1964 میں شائع ہوا۔ پیراہنِ شرر 1965 میں اور لہو پکارتا ہے 1968 میں ظاہر ہے کہ گزشتہ ایک دہائی کی نظمیں تین مجموعوں میں سمٹ آئی ہیں۔

یہ دور سردار کی شاعری کی سنجیدگی اور گہرائی کا دور ہے۔ اس دور کی نظموں میں رومان، حقیقت، اشتراکیت، سماجیت سبھی کچھ نئے پیرایۂ اظہار، افکار وآثار میں نظر آتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی نظمیں مختلف ومتفرق اشعار میں بلا کی رومانیت اور کیفیت تو ہے ہی سنجیدگی اور بالیدگی نظر آتی ہے۔ زندگی کا ٹھوس نظریہ جھلکتا ہے۔ فلسفیانہ گہرائی نظر آتی ہے۔ جوش وابال کم ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ فکر میں کمی یا جذبہ میں سبک روی آگئی ہو۔ اس دور میں بھی وہ بڑے اعتماد سے کہتے ہیں۔

میں اگر پی نہ سکا وقت کا یہ آبِ حیات
پیاس کی آگ میں ڈرتا ہوں کہ جل جاؤں گا

وقتی ہنگامی سیاست وخطابت سے الگ اس دور کی نظمیں زندگی کے جہد مسلسل اور اس کے اسرار ورموز پیکار وآزار پر فلسفیانہ روشنی ڈالتی ہے۔ ان نظموں میں صرف فلسفہ ہی نہیں ہے بلکہ سنجیدہ رومان، تحیر وتجسس آمیز حقیقتوں کے مرقع ملتے ہیں۔ ان نظموں کی سنجیدگی اور بالیدگی میں سماجی اور سیاسی عوامل کارفرما ضرور ہیں لیکن ان میں روح کا کرب اور دل کی تپش دکھائی دیتی ہے جو سردار کے حسنِ بیان اور حسنِ خیال کی آمیزش سے ایک روحانی اور وجدانی کیفیت میں ڈھل جاتی ہے۔ یہاں وقتی مسئلہ یا سیاسی

ebooksgallery.com

واقعہ نہیں ہے بلکہ زندگی کا ایک لامتناہی سفر اور اس سفر میں پیدا ہونے والے رنج و غم، جہادِ نفس اور جہادِ ذہن کی طرف لطیف اور بلیغ اشارے ہیں جو الفاظ کے پیکر میں ڈھل کر ایک نئی شعری جمالیات کا مظہر بن جاتے ہیں اور آواز دیتے ہیں کہ 'آؤ مل کر محبت کو آواز دیں نیکیوں کو پکاریں' 64ء کی جنگ کے خلاف نظمیں 'صبح فردا' کی شہرت و مقبولیت اور 'پیراہنِ شرر' کے حرف اوّل کا جملہ 'انسانی برادری کا جو خواب صوفیوں اور سنتوں نے دیکھا ہے جس کے ترانے رومی، حافظ، کبیر، گرونانک جیسی مقدس ہستیوں نے گائے تھے وہ خواب ابھی تک شرمندۂ تعبیر نہیں ہوا ہے۔'

اسی لیے سردار ایک خواب اور کی بات کرتے ہیں ترقی پسندی روشن خیالی اور سب سے بڑھ کر انسان دوستی یا انسانی سالمیت اور وحدت کی بار بار بات کرتے ہیں جس میں بادی النظر میں مارکسزم ضرور ہے لیکن بنیاد میں صوفی ازم کے جذبات و تصورات زیادہ جھلکتے ہیں۔ سردار بنیادی طور پر حق پرستی اور انسان دوستی کے شاعر ہیں جو فی زمانہ ترقی یافتہ شکل میں مارکسزم اور پروگریسوازم میں بدل جاتے ہیں لیکن ان کا ذہن و شعور، تاریخ و تہذیب کے انھیں معاملات میں رچا بسا ہے۔ نظم 'یہ لہو' کا یہ بند دیکھیے

یہ لہو کافر نہیں، مرتد نہیں، مسلم نہیں
کلمۂ حق کا اجالا یہ تجلّی یہ ظہور
یہ لہو میرا لہو، تیرا لہو، سب کا لہو

یا غزل کا یہ شعر۔

وید اپنشد پرزے پرزے، گیتا قرآں ورق ورق
رام و کرشن و گوتم یزداں زخم رسیدہ سب کے سب

اور یہ اشعار۔

یہ دنیا گمراہ ہے اب تک پھر بولو اے سنت کبیر
ایک ہی سونے کے سب گہنے ایک ہی مٹی کے برتن
ایک ہی نور ہے سب شمعوں میں ایک ہی رس سب میووں میں
اپنے منہ کو میٹھا کر لو کر لو آنکھوں کو روشن

آخری مجموعہ لہو پکارتا ہے (1968) میں بھی یہ سبھی کچھ ہے اور آرزوئے تشنہ لبی، تمھارا شہر، پھول چاند یہ ہم بہت اچھی نظمیں ہیں پھر بھی ایسا لگتا ہے کہ سفر ٹھہر سا گیا ہے اور اب ان میں زندگی کی استقامت، کیفیت تو ملتی ہے فکر کی بلوغیت اور جہت بھی ملتی ہے لیکن ارتقا نہیں ملتا اور شاید یہ ممکن بھی نہ تھا

ebooksgallery.com

کہ سردار نے چالیس سالہ تخلیقی سفر طے کر لیا تھا اور اب تخلیق، تفکیر و دانشوری بدل گئی تھی۔ اتفاق یہ تھا کہ پورا دور جنگ و جدل، قتل و خون، تغیر و تبدل کا دور تھا پورا ہندوستان ہی نہیں پوری دنیا بدل رہی تھی۔ ایشیا جاگ رہا تھا ایسے میں ایک ترقی پسند شاعر نئی دنیا کو سلام تو کرے گا ہی اس کے یہاں خنجر، تلوار، مقتل جیسے الفاظ کی بھرمار تو ہوگی ہی لیکن اسی کے ساتھ ساتھ آرزوے تشنہ لبی، آرزوؤں کی جھیل، ذوقِ گنہ گاری جیسی نئی ترکیبیں واستعارے بھی دیکھنے کو ملتے ہیں۔ لہو کا استعارہ تو مختلف رنگ میں جھلکتا دکھائی دیتا ہے۔ اس طرح سردار کی شاعری صرف اردو شاعری میں ہی نہیں بلکہ ترقی پسند شاعری میں ایک الگ ڈکشن اور پہچان بناتی ہوئی نظر آتی ہے جس کو اردو والوں نے آسانی سے قبول نہیں کیا۔ اسی لیے سردار جعفری پر بہت سارے اعتراض ہوئے کسی نے ان کو شاعر کم دانشور زیادہ سمجھا۔ کسی نے انقلاب واحتجاج کا وقتی شاعر گردانا۔ رفعت سروش نے ایک حرف انقلاب کہا۔ وحید اختر نے خواب اور شکستِ خواب اور صدیق الرحمٰن قدوائی نے عزم و پیکار کا شاعر کہا۔ فراق صاحب تو یہاں تک کہا کرتے تھے کہ سردار جعفری کے ہر صفحہ پر فوج دوڑتی نظر آتی ہے۔ لیکن خود سردار اپنے آپ کو شاعر سے زیادہ صدیوں کی انسانی روایات، تہذیب و تاریخ کا وارث سمجھتے تھے اور کہتے تھے 'میں ہوں وارثِ تاریخِ عصرِ انسانی' اور شاعر سمجھتے بھی ہیں تو صرف اردو کا نہیں بلکہ پوری عالم انسانیت کا۔ ظاہر ہے کہ ایسے شاعر کا پیغام اور لہجہ دونوں ہی اردو کے عام روایتی لب و لہجہ سے الگ تو ہوگا ہی روایتی عوامی اور انقلابی لہجہ سے بھی الگ ہوگا۔ اسی لیے اردو کا عام قاری انھیں اسی طرح سے پڑھ اور سمجھ ہی نہیں سکا جس طرح سے سمجھنا چاہئے۔ لیکن سردار نے اس کی کبھی فکر نہیں کی کہ اردو کے قارئین اور ناقدین ان کے ساتھ کیا سلوک کر رہے ہیں۔ تمام تر مخالفت اور نزاعی صورتوں کے باوجود ہمہ وقت مسکراتے ہی رہے۔ دوسروں کے آنسوؤں پر اپنا لہو اور لہو پر اپنے آنسو بہاتے رہے۔ تبھی تو بڑے اعتماد سے نظم 'شعور' میں کہتے ہیں۔

مری رگوں میں چھلکتے ہوئے لہو کو سنو
ہزاروں لاکھوں ستاروں نے ساز چھیڑا ہے
ہر ایک بوند میں آفاق گنگنائے ہیں

انسانی رشتوں اور فکر و فن کی جہتوں کا اعتماد انھیں یہ کہنے پر بھی مجبور کرتا ہے۔

لیکن میں یہاں پھر آؤں گا
بچوں کے دہن سے بولوں گا
چڑیوں کی زباں سے گاؤں گا

ebooksgallery.com

جب بیج ہنسیں گے دھرتی میں
اور کونپلیں اپنی انگلی سے
مٹی کی تہوں کو چھیڑیں گی
میں پتی پتی کلی کلی
اپنی آنکھیں پھر کھولوں گا
میں رنگِ حنا آہنگِ غزل
اندازِ سخن بن جاؤں گا

اور اس میں شک نہیں کہ سردار جعفری کا اندازِ سخن اپنے پیش رووں سے ہی نہیں ہم عصروں سے بھی جداگانہ ہے، عارفانہ ہے، جرأت مندانہ ہے جو اپنی خلاقانہ تہوں میں اس قدر رچ بس گیا ہے کہ ان کی پرتوں کو کرید پانا، ان کی معرفت حاصل کر پانا ہر اک کے بس کی بات نہیں۔ اسی لیے سردار جعفری پر زیادہ سے زیادہ اعتراضات ہوئے اور شاید اس لیے بھی کہ وہ مجاز، فیض جیسے رومانی شاعروں کے مقابلے کم پڑھے گئے اور اس سے زیادہ کم سمجھے گئے۔ نئی دنیا کو سلام، امن کا ستارہ، ایشیا جاگ اٹھا، زندگی، نیند، گفتگو، میرا سفر وغیرہ نظموں کو از سرِ نو پڑھنے، سمجھنے اور کام کرنے کی ضرورت ہے۔

عجب بات ہے کہ ادبی حلقہ میں سردار نے اپنی شاعری سے زیادہ دانشوری سے عزت و شہرت پائی لیکن بنیادی طور پر وہ شاعر ہی ہیں لیکن میر، غالب، سودا، درد، مومن، حسرت کے قبیل کے کم حافظ، سعدی، نانک، کبیر، انیس، اقبال، جوش کے قبیل کے زیادہ جس میں پابلو نرودا، ناظم حکمت، مارکس، لینن وغیرہ نے نئے نئے رنگ بھر دئے۔ اس لیے جن کا مطالعہ نہیں ہے جو انسان کی صدیوں کی تاریخ کے پیچ و خم اور کیف و کم پر نظر نہیں رکھتا اور جو لب و رخسار سے ہاتھوں کی اہمیت نہیں سمجھتا وہ اصل سردار اور اس کی شاعری کو پورے طور پر نہیں سمجھ سکتا۔ اسی لیے اردو کے روایتی، عام اور محدود و مشروط قارئین کے درمیان سردار کو وہ درجہ مل ہی نہیں سکتا تھا جو بعض دیگر شاعروں کو مل سکا۔ لیکن گزرتے ہوئے وقت کے ساتھ دنیا کے حادثات و تغیرات کا جو نیا ادراک و عرفان ظاہر ہوگا سخن فہمی کے ساتھ ساتھ انسان شناسی کا مزاج قائم ہوگا۔ وہ سردار کی شاعری کی پرتوں کو کھولے گا اور پھر سردار کا اندازِ سخن ہی نہیں معیارِ سخن اور مقصدِ سخن سب کچھ واضح ہونے لگے گا۔ اس لیے کہ بڑے شاعر کی بڑی شاعری ہر عہد میں اپنی پرتوں کو کھولتی ہے عہد شناسی، تہذیب شناسی اور انسان شناسی کا حوالہ بنتی ہے۔ بلا شک و شبہ علی سردار جعفری کی شخصیت و شاعری کے معاملات اور تصورات کچھ اسی طور اور نوع کے ہیں جس کے لیے تھوڑا وقت درکار ہے۔

ebooksgallery.com

خوشی کی بات ہے کہ قومی کونسل برائے فروغ زبان اردو، حکومت ہند نے کئی جلدوں میں کلیاتِ سردار جعفری کو شائع کرنے کا فیصلہ کیا اور اس کی ترتیب وتدوین کی ذمہ داری مجھ حقیر کو سونپی، ہر چند کہ میں اس بڑے کام کا اہل نہیں تاہم اپنی پوری صلاحیت نیز عقیدت کو مجتمع کر کے اس کام کو انجام دینے کی کوشش کی ہے۔ پہلی دو جلدوں کا تعلق ان کی شاعری سے ہے جس میں ان کے نو (9) شعری مجموعے زمانی اعتبار سے ترتیب دیے گئے ہیں۔ کچھ نظمیں دہرائی گئی تھیں میں نے ان کو اسی انداز سے پیش کر دیا ہے۔ 'امن کا ستارہ' 'پتھر کی دیوار' کے مجموعوں میں کچھ بندوں کو خود سردار جعفری نے کاٹ دیا تھا چنانچہ احتراماً انھیں شامل نہیں کیا گیا ہے۔ 'لہو پکارتا ہے (1968)' کے بعد ان کا کوئی شعری مجموعہ نہیں آیا لیکن ان کا شعری سفر رکا نہیں البتہ اس کی رفتار سست ضرور تھی۔ اس لیے بعض رسائل یا انتخاب وغیرہ میں جو بھی کلام حاصل ہو سکا اسے بعد کے دور کی شاعری کے ضمن میں شامل کر لیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں بیگم سلطانہ جعفری نے بڑی مدد کی۔ انھوں نے ہی اس کام کے لیے میرے نام کی تجویز رکھی۔ یہ ان کا کرم ہے اور خورد نوازی ورنہ میں جانتا ہوں کہ مجھ جیسا کم علم سردار جعفری جیسے بڑے شاعر اور دانشور کے بارے میں کسی نوع کا کام کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ سلطانہ آپا اور قومی کونسل کے ارباب حل وعقد اور بالخصوص ڈائرکٹر ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے مجھے کسی قابل سمجھا اور یہ بڑا کام مجھے سونپا۔

جاوید نظر نے اس کی کمپوزنگ کی اور نغمہ پروین نے اس کی پروف ریڈنگ کی۔ یہ دونوں میرے شاگرد ہیں ان کو دعائیں۔

مقدمہ کے طور پر میں اپنی یہ حقیر تحریر اس عظیم شخصیت کی یادوں کے نام معنون کرتا ہوں اور ان لمحوں کے نام بھی جو میں نے سردار جعفری کی صحبتوں اور قدموں میں گذارے۔ ان سے ہم کلامی ہم سفری وہم نظری کی سعادت حاصل کی۔ ان کی رہنمائی وسرپرستی میں ادب وزندگی کے نہ جانے کتنے روشن سبق پڑھے۔ مشکل کام کیے اور کٹھن منزلیں طے کیں۔

امید کرتا ہوں کہ سردار جعفری جلد اول ودوئم میں شامل ان کے تمام شعری مجموعوں کا اجتماعی مطالعہ سردار فہمی اور سردار شناسی کے نئے در وا کرے گا۔

علی احمد فاطمی
پروفیسر شعبۂ اردو
الٰہ آباد یونیورسٹی، الٰہ آباد

ebooksgallery.com

پرواز

1944

ebooksgallery.com

ebooksgallery.com

خلوص اور احترام کے ساتھ

اپنے رفیق اور رہبر

پورن چند جوشی کے نام

ebooksgallery.com

کھل گیا در، پڑ گیا دیوارِ زنداں میں شگاف
اب قفس میں جنبشِ صد بال و پر ہونے کو ہے

ebooksgallery.com

علی سردار جعفری

دوسو سال سے کچھ اوپر ہوئے کہ مصحفی نے انتہائی طنز اور تلخی کے لہجے میں ایک غزل پڑھی تھی جو غالباً طرحی تھی۔ مطلع یہ تھا۔

کیا چمکے اب فقط مرے نالے کی شاعری
اس عہد میں ہے تیغ کی بھالے کی شاعری

مصحفی نے اپنے زمانے سے شکایت کی تھی اور ان کی شکایت بھی بجا تھی اس لیے کہ ان کے زمانے میں شاعری پھبتی اور قلابازی قسم کی چیز ہو چلی تھی اور شعراء قافیہ اور ردیف کے کمال اسی طرح دکھانے لگے تھے جس طرح نٹ بانس اور رسّی پر اپنے کرتب دکھاتے ہیں۔ مصحفی کو خواب میں گمان نہیں ہو سکتا تھا کہ کسی زمانے میں نہ صرف تیغ اور بھالے کی شاعری بلکہ پھاوڑے اور کدال اور ہنسیے اور ہتھوڑے کی شاعری انسانی تہذیب کا صحیح میلان اور جائز مطالبہ ہو جائے گی اور یہ شاعری ہمارے آباؤ اجداد کے نالوں کی شاعری سے کم سنجیدہ اور کم مہذب نہ ہو گی اور حیات انسانی کی تہذیب و تحسین میں اس سے زیادہ مددگار ثابت ہو گی۔

نالوں کی شاعری انسان کی نفسیات اور درندگی کو جس قدر مہذب کر سکتی تھی کر چکی۔ اب خالص جذبات و تخیل اور رومانیت اور ماورائیت کا فن انسان کے انسانی وقار اور ہماری متبرک زمین کی ارضی پاکیزگی اور طہارت کو قائم رکھنے یا اس کو بڑھانے میں زیادہ ہمارے کام نہیں آسکتی۔

یہ ماننے میں تو شاید ہی کسی کو تامل ہو کہ اس وقت میر اور غالب، امیر اور داغ تو خیر زیادہ فاصلے پر ہم سے پیچھے چھوٹ چکے ہیں۔ اصغر اور جگر کی آوازیں اس قدر قریب اور موانست کے باوجود کچھ اجنبی اور بے محل سی معلوم ہو رہی ہیں۔ برخلاف اس کے جب ہمارے کانوں میں یہ آوازیں پڑتی ہیں۔

رعد ہوں، برق ہوں، بے چین ہوں پارہ ہوں میں
خود پرستار خود آگاہ خود آرا ہوں میں
گردنِ ظلم کٹے جس سے وہ آرا ہوں میں
خرمنِ جور جلا دے وہ شرارہ ہوں میں

ebooksgallery.com

میری فریاد پر اہل دول انگشت بہ گوش
لا تیر خون کے دریا میں نہانے دے مجھے

(مخدوم محی الدین)

یا

غریبوں کے گھر میں جنم ہم نے پایا
مصیبت کی گودوں کے پالے ہوئے ہیں
مگر توپ، بندوق، تلوار، نیزے
یہ سب اپنے ہاتھوں کے ڈھالے ہوئے ہیں

(علی سردار جعفری)

یا

گرج گولوں کی اکثر بے اثر ہوتی ہے کانوں پر
کبھی جب نیند آ جاتی ہے توپوں کے دہانوں پر
گزر جاتا ہوں طوفاں بن کے دریا کے کناروں سے
پہاڑوں کو ہٹا دیتا ہوں آنکھوں کے اشاروں سے

(علی سردار جعفری)

تو ہماری شاعری کے روایتی تصور کو ان سے جس قدر بھی جھٹکے لگیں اور ہم ان کو لاکھ نامانوس پائیں لیکن ہمارے اندر یہ احساس پیدا ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ہماری شاعری کی دنیا نہ صرف بدل رہی ہے بلکہ اس میں نئی سمتیں اور نئی وسعتیں پیدا ہوتی جا رہی ہیں اور وہ انسانی زندگی اور اس کے ارضی وجود کے مراحل اور مشکلات کی طرف روز بروز زیادہ متوجہ اور ان کی ہمت اور منزلت کی زیادہ قائل ہوتی جا رہی ہے۔ یہ یقیناً نیا اور بہت بڑا اکتساب ہے اور صحت اور ترقی کی ناقابل انکار علامت ہے۔

2

اردو شعر و ادب میں پہلا نیا موڑ تو سرسید کے زمانے میں اور انھیں کی جماعت کی سرکردگی میں پیدا ہوا۔ لیکن اس کے بعد اردو ادب میں برابر نئے موڑ اور ترقی کی نئی سمتیں نکلتی رہیں یہاں تک کہ گزشتہ جنگ عظیم کا زمانہ آ گیا جو ہمارے ادب کی تواریخ میں ایک خاص سرحدی نشان ہے۔ پچھلے پچیس تیس سال کے

ebooksgallery.com

اندر اردو میں جو ادب پیدا ہوا ہے وہ جنگ عظیم کے پیشتر کے ادب سے بہت مختلف ہے اور ہر لحاظ سے اس پر اضافہ اور ترقی کا حکم رکھتا ہے۔

ادب کے مختلف اصناف میں شاعری بڑی کٹر صنف ہے اور وہ بہت مشکل سے روایتی اصول اور اسالیب کو چھوڑ کر انقلابی اور ترقی کے نئے تصورات کو قبول کر سکتی ہے۔ اس کا ایک ادنیٰ ثبوت یہ ہے کہ حالی، آزاد اور اسماعیل میرٹھی وغیرہ کی تمام مخلصانہ کوششوں کے باوجود ایک مدت تک اردو میں جو شاعری رائج اور مقبول عام رہی وہ داغ اور امیر کی شاعری تھی۔ اقبال جیسا مفکر اور بالغ نظر شاعر بھی اس نقار خانے میں اپنی آواز کو موثر نہ بنا سکا۔ لیکن 19ء اور 20ء کے بعد اردو شاعری کا رخ اور اس کا انداز کچھ ایسا بدلا کہ ہم دیکھتے رہ گئے اور پھر قدامت پرستی اور رجعت کی مختلف قوتیں اپنا سارا زور لگاتی رہ گئیں مگر اردو شاعری کا قدم آگے ہی بڑھتا گیا اور اس میں نئی راہیں نکلتی گئیں اور اب اقبال کی شاعری کو موقع ملا کہ وہ اپنی آواز سے لوگوں کو متاثر کرے اور اپنی تاریخی تقدیر کی تکمیل کرے۔ گزشتہ جنگ عظیم کے بعد اردو شاعری نے جتنی ترقیاں کی ہیں سب کا سلسلۂ فکر اور اسلوب دونوں کے اعتبار سے براہ راست یا بالواسطہ اقبال کی شاعری سے ملتا ہے۔

3

ہم کو یہ دیکھ کر بڑا اطمینان ہوتا ہے کہ اس وقت اردو شاعری میں نوجوانوں کی ایک پوری نسل تیار ہو چکی ہے جو طرح طرح کے نئے تجربے کر رہی ہے اور پرانی اور پامال لیکوں کو چھوڑ کر نئی راہیں نکال رہی ہے۔ اس نسل میں زیادہ تعداد ایسے شاعروں کی ہے جن کو ارمان اور اصرار ہے کہ ہم ان کو ترقی پسند سمجھیں اور ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ہمارے درمیان اس وقت ایسے شاعروں کی کمی نہیں جو انقلاب اور ترقی کا راز سمجھے ہوئے ہیں اور جو نئی زندگی کا صحیح تعمیری تصور سامنے رکھ کر شعر کہتے ہیں۔ اگر چہ یہ دیکھ کر ہم کچھ مضمحل بھی ہو جاتے ہیں کہ اس گروہ میں بہت سے ایسے شعراء بھی غلطی سے شامل سمجھ لیے گئے ہیں جو سوچنے سمجھنے کی صالح توانائی نہیں رکھتے، جو انقلاب اور ترقی، تخریب اور تعمیر نو کے صحیح مفہوم سے بالکل نابلد ہیں اور جو ہر بے معنی اور بے غائت بدعت کو ترقی کا اقدام سمجھتے ہیں۔

جن نوجوان ادیبوں اور صناعوں نے حیات انسانی کی تواریخی رفتار کا مطالعہ کیا ہے اور انقلاب اور ترقی کے فطری اصول و میلانات پر فکر و بصیرت کے ساتھ غور کیا ہے ان میں علی سردار جعفری ایک ممتاز حیثیت رکھتے ہیں اور جدید اردو شاعری ان سے خاص امید لگائے ہوئے ہے۔

علی سردار کی ادبی عمر ابھی بہت زیادہ نہیں ہے لیکن تھوڑی سی مدت میں وہ اپنے کو کئی حیثیتوں سے

ebooksgallery.com

نمایاں کر چکے ہیں۔ 'منزل' کے پڑھنے والے جانتے ہیں کہ علی سردار افسانے بھی لکھتے ہیں۔ تمثیل نگاری کے میدان میں بھی وہ مجبور نظر نہیں آتے، ان کا قلم تنقیدی جنبش بھی دکھاتا رہتا ہے اور ان کی شاعری کا چرچا تو خیر عام ہو چکا ہے۔ ان حیثیتوں کے علاوہ 'نیا ادب' کی ادارت اور 'انجمن ترقی پسند مصنفین' کی سرگرم رکنیت ایسے کام نہیں ہیں جن کو بھی انصاف کے ساتھ فراموش کیا جا سکے مگر میری نگاہ میں شاعر اور نقاد کی حیثیت سے علی سردار کا مرتبہ سب سے زیادہ مستقل اور مضبوط ہے۔ انھوں نے اپنے لہجے اور انداز سے نئی شاعری کو وقیع اور متین بنا کر اس قابل کر دیا ہے کہ وہ پختگی اور شائستگی میں روایتی شاعری سے آنکھیں ملا سکے۔

علی سردار کی شاعری کی جو خصوصیت سب سے پہلے ہم کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہے وہ یہ ہے کہ باوجود اس کے کہ انھوں نے اپنے 'بربطِ دل' کو 'نئے انداز' سے چھیڑا ہے لیکن ان کا یہ 'نیا انداز' بہت رچا ہوا ہے اور ہمارے موروثی روایات کی تمام شائستگی اور تہذیب کے لطیف ترین عناصر کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ ہمارے اکثر نوجوان شعراء جب انقلاب کا ذکر کرتے ہیں یا قدامت پرستی اور ترقی کے سوال کی طرف کوئی در پردہ یا کھلا ہوا اشارہ کرتے ہیں تو آپے سے باہر ہو جاتے ہیں اور ان کی شاعری وفور ہیجان میں یا تو محض تبرا ہو کر رہ جاتی ہے یا کرب و تشنج کی چیخ اور اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے نہ تو زندگی کے رموز و انقلاب و ترقی کے اصول کا کتابی مطالعہ کیا ہے اور نہ تو خود ہی غور و فکر سے کام لیا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان لوگوں کے اندر ظرف پیدا نہ ہو سکا اور وہ چیخ و پکار واویلا کو انقلابی شاعری سمجھنے لگے اور تو اور اس وقت جو شاعر ترقی پسند شاعروں کی امامت کر رہا ہے اس کے وہاں بھی یہ کمزوری اہل فکر و بصیرت کو نمایاں طور پر اور افسوس ناک حد تک محسوس ہوتی ہے۔ جوش کی انقلابی شاعری کا بہترین حصہ اکثر و بیشتر ایک کف در دہاں چیخ سے زیادہ وقیع نہیں۔ جوش کی شاعری اندر سے بے انتہا بے مغز اور کھوکھلی ہے لیکن اس کا کیا علاج کہ اس وقت ان کے سوا کوئی دوسرا ایسا 'مرد بزرگ' نہیں جس کو ترقی پسند حضرات اپنا 'امیر' یا 'قائد' بنائیں۔ یہ ستم ظریفی بھی قابل لحاظ ہے کہ ترقی پسندوں کی جماعت بھی کسی کو اپنا 'رئیس' یا 'آمر' بنانے کی رسم سے بے نیاز نہ رہ سکی۔

بہر حال علی سردار کی شاعری بہت دور تک ان خامیوں اور کمزوریوں سے پاک ہے۔ ان کی نظمیں ایک ظرف کا پتہ دیتی ہیں انھوں نے زندگی کی جدلیات کو سمجھا ہے۔ ان کے ذہن میں ماضی، حال اور مستقبل تینوں کا صحیح تصور موجود ہے۔ اس لیے وہ جب رجعتی قوتوں کی کہنگی اور بے مائیگی کی طرف اشارہ کرتے ہیں تو ایک خاص عارفانہ تیور کے ساتھ جو تبرا سے کہیں زیادہ موثر ہوتا ہے یا جب کبھی وہ

ebooksgallery.com

انقلاب اور زندگی کی نئی قوتوں کا احساس ہمارے اندر پیدا کرنا چاہتے ہیں تو ان کے ہونٹوں میں کہیں سے وہ کپکپاہٹ نہیں پیدا ہوتی جو صرف خام کارانہ ہیجان کی علامت ہوتی ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں :

ایک نظم میں جوانی کا مسلک یوں بیان کرتے ہیں۔

کھلایا ہے مجھے گودوں میں جرأت نے حمیت نے
سلایا لوریاں دے کر مجھے ہمت نے غیرت نے

....

مری افسردہ نظروں میں نہاں دنیا کی قسمت ہے
مری چین جبیں پر نقش تاریخ حقیقت ہے

مرے زخموں میں حدت زندگی کے آفتابوں کی
مری ٹھوکر میں پنہاں داستانیں انقلابوں کی

نیا نغمہ کوئی جب سانس لے لیتا ہے سینے میں
ہزاروں داغ پڑ جاتے ہیں پتھر کے کلیجے میں

....

سکوں کو لا کے ہنگاموں کے پہلو میں سلاتا ہوں
نوائے تلخ سے میں سارے عالم کو جگاتا ہوں

....

حقیقت سے مری کیوں بے خبر دنیائے فانی ہے
بغاوت میرا مسلک میرا مذہب نوجوانی ہے

یا 'سماج' کے عنوان سے موجودہ ہیئت اجتماعی کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

کہیں پیری کا سحر خواب آور نوجوانوں پر
کہیں مذہب کا پہرا ارتقاء کے رازدانوں پر

عیاں سفاکیاں پرہیزگاروں کی جبینوں سے
ٹپکتا ہے لہو پیر حرم کی آستینوں سے

نہ جانے کیوں یہ دنیا قومیت کے راگ گاتی ہے
یہ وہ چکی ہے جس میں آدمیت پیسی جاتی ہے

نظام کہنہ کے کندھوں پہ اصلاحوں کے لاشے ہیں
بہت سے بت ملوکیت کے آذر نے تراشے ہیں

تمناؤں میں کب تک زندگی الجھائی جائے گی
کھلونے دے کے کب تک مفلسی بہلائی جائے گی

نیا چشمہ ہے پتھر کے شگافوں سے ابلنے کو
زمانہ کس قدر بیتاب ہے کروٹ بدلنے کو

ebooksgallery.com

ایسے اشعار وہی کہہ سکتا ہے جس نے مارکس اور لینن کا صرف نام نہ سنا ہو، بلکہ ان کے فلسفہ کا غور سے مطالعہ کیا ہو اور انسانی تہذیب کی تواریخ اور اس کی رفتار کو سمجھے ہوئے ہو۔

علی سردار کی شاعری کا زیادہ حصہ جماعتی ہے۔ وہ اپنی جماعت کے بڑے سچے اور مخلص نمائندہ ہیں وہ اپنی ساری ہستی اور اپنے سارے فن کو صدق نیت کے ساتھ اپنی جماعت کی خدمت کے لیے وقف کئے ہوئے ہیں۔ اسی لیے ان کے کلام کا اکثر حصہ تبلیغی انداز لیے ہوئے ہوتا ہے بعضوں کو اس کی شکایت ہے لیکن یہ شکایت نافہمی کی بناء پر ہے۔ اس زمانے میں غائتی میلان سے بالکل خالی رہ کر کوئی ادبی حرکت وقیع اور قابل قدر نہیں ہو سکتی اور غائتی میلان کے صرف یہ معنی ہیں کہ اس وقت زندگی میں جو دو متضاد قوتیں یعنی رجعت اور انقلاب، قدامت اور ترقی باہم برسرپیکار ہیں ان میں سے کسی ایک کے ساتھ ہو لیا جائے۔ اب یہ اپنی اپنی ہمت پر منحصر ہے کہ ہم رجعتی قوت کا ساتھ دیں یا انقلابی قوت کا۔ ہمارے ادیب اور صناع کو بہ حال کسی نہ کسی حد تک جانب دار رہنا ہے لیکن ہم کو یہ دیکھنا چاہئے کہ ہمارا جماعتی ادیب اپنے تبلیغی میلان کو ادب کس حد تک بنا سکا ہے۔ اگر اس کے کارناموں میں فنی یا اسلوبی کیفیت نہیں ہے تو وہ محض صحافی یا ڈھنڈورا یا ہے۔

علی سردار کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ بڑے بے نفس اور بے نیاز انسان ہیں اور جماعت کی بہبود اور ترقی اور اس کے ذریعہ عوام الناس کی بہتری ان کے دل کی تنہا آرزو ہے۔ ترقی پسند شاعروں کی جماعت میں علی سردار اور مخدوم محی الدین صرف دو ہستیاں ایسی نظر آتی ہیں جن کی شاعری میں دور تک کہیں انفرادیت کی مہک محسوس نہیں ہوتی۔ ان لوگوں کا سارا فن غیر شخصی ہے اور اس فن کو یہ لوگ فن لطیف بنانے میں حیرت ناک حد تک کامیاب ہیں۔ یعنی ان کے اسالیب میں جمالیاتی کیفیتیں بھی بھرپور ہوتی ہیں اور یہ بہت نمایاں طور پر اقبال کے مطالعے کا اثر معلوم ہوتا ہے۔ علی سردار اپنے اسلوب میں صرف کسی حد تک جوش سے متاثر ہیں ورنہ نناوے فی صدی ان کی شاعری اقبال کے اثر کی علامتیں لیے ہوئے ہے۔ ان کے مصرعوں اور مصرعے کے ٹکڑوں میں جو دھم ہموار اور پرسکون ترنم ہوتا ہے وہ بے اختیار اقبال کی یاد لاتا ہے۔ ان کے وہاں الفاظ بے شک اکثر نئے ملتے ہیں اور ایسے کہ اس سے پہلے شاعری میں نہیں استعمال کئے گئے ہیں لیکن مجموعی طور پر ان کے اسلوب اور انداز بیان میں وہی رچی ہوئی پختگی ہوتی ہے جو اقبال کے سوا کسی دوسرے نظم نگار کو میسر نہیں ہوئی اور جس کا آج کل کے نوجوان شاعروں کے کلام میں تو منزلوں پتہ نہیں ہے۔ مثال کے طور پر چند اشعار پیش کئے جاتے ہیں۔

دامن جھٹک کے منزل غم سے گزر گیا　　　اٹھ اٹھ کے دیکھتی رہی گرد سفر مجھے

ebooksgallery.com

اس شعر میں روایتی شاعری کی تمام پختگی، شائستگی اور سنجیدگی موجود ہے لیکن جس خیال کا اظہار کیا گیا ہے وہ نئی اور ترقی پذیر زندگی کا ایک ایسا مطالبہ ہے جس کو کوئی ایسا ہی شاعر محسوس اور بیان کر سکتا تھا جو انقلاب اور ترقی کے فلسفہ پر فکری عبور رکھتا ہو۔

سرمایہ دار اور مزدور کا اختلاف آج کل کے نئے ادب کا ایک نہایت پامال موضوع ہے شاید ہی کوئی ادیب یا شاعر ایسا ہو جو نئی نسل اور نئے میلانات سے اپنے کو وابستہ کیے ہو اور جس نے اس موضوع کو ہاتھ نہ لگایا ہو لیکن شاید ہی کوئی علی سردار کی طرح اسلوب کی پختگی اور تازگی سے اس میں ایسی مستقل کشش پیدا کر سکا ہو۔ 'مزدور لڑکیاں' کے عنوان سے جو نظم ہے اس کے کچھ اشعار سنیے۔

گردشِ افلاک نے گودی میں پالا ہے انھیں — سختیِ آلام نے سانچے میں ڈھالا ہے انھیں
بیکسی ان کی جوانی مفلسی ان کا شباب — ساز ان کا سوزِ حسرت خامشی ان کا رباب
سر سے پا تک داستانیں حسرتِ ناکام کی — نرم و نازک قہقہوں میں تلخیاں ایام کی
ان کے ساتھی پھاوڑے ان کی سہیلی ہے کدال — زندگی پر یہ وبال اور زندگی ان پر وبال
ٹھوکروں پر ان کی جھک سکتے ہیں ایوان و قصور — توڑ دیتی ہیں ہتھوڑوں سے چٹانوں کے غرور
ان کی چوٹوں سے نکلتے ہیں پہاڑوں سے شرار — یہ اگر چاہیں الٹ ڈالیں بساطِ روزگار
بن کے قوت ایک دن ابھرے گی برسوں کی تھکن — دیکھ لینا یہ بدل دیں گی نظامِ انجمن

ان کے مقابلے میں ذرا 'سرمایہ دار لڑکیاں' بھی ملاحظہ ہوں۔

دید ہے ان کی بہشتِ کیف و فردوسِ نشاط — خوش رخ و خوش پیرہن خوش پیکر و خوش اختلاط
بزم آرائی کی خو ذوقِ کم آمیزی کے ساتھ — جنبشِ مژگاں بھی اک شانِ دلآویزی کے ساتھ
گردنوں کا خم، کمر کا لوچ، سینے کا ابھار — صندلی ہاتھوں سے بت خانوں کی قسمیں آشکار
اہرمن تو اہرمن ہو جائے یزداں بھی شکار — ان کا ہر انداز تاجر ہر ادا سرمایہ دار
عشق کے ذوقِ نظارہ نے نکھارا ہے انھیں — مرد کی صدیوں کی محنت نے سنوارا ہے انھیں
ڈوب تو سکتی ہیں یہ لیکن ابھر سکتی نہیں — یہ کنار و بوس کی حد سے گزر سکتی نہیں

ایسا کامیاب مہذب انداز بیان نئے شاعروں کے وہاں قریب قریب نایاب ہے۔ 'جنگ اور انقلاب' کے عنوان سے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

رقص کر اے روحِ آزادی کہ رقصاں ہے حیات
گھومتی ہے وقت کے محور پہ ساری کائنات

ebooksgallery.com

آ گیا ہے وقت وہ جو آ کے ٹلتا ہی نہیں
اپنا لنگر آج اپنے سے سنبھلتا ہی نہیں

انقلاب دہر کا چڑھتا ہوا پارہ ہے جنگ
وقت کی رفتار کا مڑتا ہوا دھارا ہے جنگ

روحِ آزادی کو سینے میں جکڑ سکتا ہے کون
ناچتے سورج کی کرنوں کو پکڑ سکتا ہے کون

ان اشعار سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاعر کی نگاہیں گردوپیش کے حالات پر گہری پڑ رہی ہیں اور وہ ان سے دور تک کے نتیجے نکال رہا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس کی آنکھیں جو کچھ دیکھتی ہیں اور وہ ان سے جو کچھ سمجھتا ہے اس کو سلیقہ اور شعور کے ساتھ زبان پر بھی لاسکتا ہے اور یہ بہت بڑی بات ہے۔

4

علی سردار کی نظموں کا تعلق زیادہ تر ایسے موضوعات اور مسائل سے ہے جن کو وقت کا راگ کہنا چاہئے۔ 'تاریخ' ' آثار سحر' 'ارتقاء و انقلاب' 'سال نو' 'زمانہ قبل تاریخ' سب اسی عنوان کی چیزیں ہیں۔ پوچھنے والے پوچھ سکتے ہیں کہ جب یہ دور گزر جائے گا، جب زندگی کا نیا نظام قائم ہو چکے گا، جب مزدور اور سرمایہ داروں کی تفریق باقی نہ رہے گی۔ اس وقت ان نظموں کی حیثیت کیا ہوگی؟ یہ سچ ہے کہ جلد یا دیر ایک ایسا دور آئے گا جب کہ اس قسم کی شاعری ہمارے لیے صرف تواریخی نوادر ہو کر رہ جائے گی۔ لیکن علی سردار کی شاعری میں ان کے اسلوب کی گداختگی کی وجہ سے ایک مستقل کشش بھی پیدا ہوگئی ہے اور ان کی یہ نظمیں جب بھی پڑھی جائیں گی تو ان میں ایک موثر کیفیت محسوس ہوئے بغیر نہ رہے گی۔

لیکن علی سردار کے وہاں ان دوری اور عارضی موضوعات اور عنوانات سے قطع نظر کر کے ہم کو جابجا عام حیات انسانی اور اس کی ارتقائی فطرت کے متعلق کلی اور مستقل حقیقتوں کا بھی اظہار ملتا ہے۔ دو تین اشعار درج ہیں۔

گزشتہ دور خواب آلودہ پیری کا سہارا ہے شکست عصر حاضر میں ہیں مستقبل کی تعمیریں
کشاکش عظمتِ کردار عطا کرتی ہے زندگی عافیت انجام نہیں ہے اے دوست

'ٹوٹا ہوا ستارہ' کے عنوان سے ایک مختصر نظم ہے جس میں تمثیل نگاری کے پردے میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ بڑھی ہوئی انفرادیت اپنی شکست اور بربادی کا سامان خود ہی مہیا کرتی ہے۔ آخری شعر ہے۔

ebooksgallery.com

لیکن ایسا انجم[1] روشن جبین و تابناک   خودی ہو جاتا ہے اپنی تابناکی کا شکار

ایسے اشعار کی تعداد بھی علی سردار کے وہاں کم ہے۔ یہ ان کی شاعری میں یقیناً ایک کمی ہے جو پوری ہو سکتی ہے۔ علی سردار کو زندگی کے جدلیاتی رموز کا کافی شعور ہے۔ اور وہ اس شعور کو کام میں لا کر اپنی شاعری کو زیادہ جاندار اور مستقل قدر و قیمت کی چیز بنا سکتے ہیں۔ ان کی شاعری بالکل نئے عنوان کی چیز ہے اور ابھی نئے تجربے کی منزل پر ہے۔ اس لیے اس میں کہیں رکی ہوئی بالیدگی، کہیں تذبذب اور بعض اوقات کچھ نارسائیوں اور کمیوں کا احساس ہوتا ہے۔ لیکن ابھی علی سردار کے سامنے پوری عمر پڑی ہے اور ان کی کوششیں جاری ہیں۔ وہ ابھی بہت کچھ ہو سکتے ہیں اور آثار کہہ رہے ہیں کہ بہت کچھ ہوں گے میرا خیال ہے کہ اگر وہ نئے انداز کی غزلیں لکھیں جن میں ایک ایک شعر کی صورت میں زندگی کے پیچ در پیچ اور باہم متضاد حقیقتوں کو اپنے دل نشین اسلوب میں پیش کریں تو یہ نہ صرف ان کا ایک زبردست اکتساب ہوگا بلکہ اردو شاعری میں ایک نئے عنوان کا مستقل اضافہ ہوگا۔ وہ اس کے اہل ہیں۔ ایک طرف ان کو زندگی کی صحیح بصیرت حاصل ہے تو دوسری طرف ان کے اسلوب میں وہ تمام جمالیاتی خوبیاں موجود ہیں جو خالص تغزل سے منسوب کی جاتی ہیں۔ اب یہ علی سردار کا کام ہے کہ وہ غزل کی پرانی صنف کو نئی سمت میں لگائیں اور اس سے نئی خدمتیں لیں۔

علی سردار کے وہاں ایسی نظمیں بھی ملیں گی جن کو رومانی کہہ سکتے ہیں لیکن ان نظموں میں بھی ان کا میلان وہی ہے جو دوسری قسم کی نظموں میں ہے۔ وہ حسن و عشق میں کھوئے ہوئے نہیں ہیں۔ ان کے وہاں وہ سپردگی اور مغلوبیت نہیں ملتی جو اب تک رومانی شاعری کی ایک لازمی خصوصیت رہی ہے۔ ان کی رومانی نظموں میں بھی ایک تازہ ولولہ ایک حوصلہ انگیز انبساط ہوتا ہے اور سعی و عمل اور انقلاب و ترقی کی طرف ذوق انگیز اشارے ملتے ہیں۔ 'لکھنؤ کی ایک شام' 'انتظار نہ کر' 'فراموش کردند عشق' 'ایک خط کا جواب' 'محبت کا فسوں' 'حسن ناتمام' اسی قسم کی نظمیں ہیں۔ ان میں ایک طرف تو وہ تمام اسلوبی لطافتیں اور لب و لہجہ کی وہ ساری نرمیاں موجود ہیں جن کو ہم رومانیت اور تغزل سے منسوب کرتے ہیں دوسری طرف ان میں بدلتی ہوئی زندگی کی ان نئی توانائیوں کا بھرپور احساس ملتا ہے جو دور جدید کی لازمی علامتیں ہیں۔

خود علی سردار ایک جگہ اپنی شاعری کا تعارف کراتے ہوئے کہتے ہیں۔

---

1. یہاں زبان کی ایک فاش غلطی سرزد ہو گئی ہے 'انجم' جمع ہے اور اس کو واحد سمجھا گیا۔ امید کہ دوسری اشاعت میں اس کو درست کر لیا جائے گا۔ (مجنوں)

انجم کم ضو گرفتار طلسم ماہتاب (اقبال)؟   اسی انجم کی تابانی سے ہے تیرا جہاں روشن (اقبال)؟

ebooksgallery.com

فولاد کی گرج ہے یہ آہن کا شور ہے
نغمہ نہیں ہے شاعر نازک خیال کا

یہ شعر بھی کامیاب اسلوب بیان کی ایک اچھی مثال ہے۔ اور اپنی جگہ خوب ہے لیکن اس سے شاعری کے متعلق عام طور سے علی سردار کی شاعری کے متعلق خصوصیت کے ساتھ مغالطہ پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ یہ سچ ہے کہ 'شاعر نازک خیال' کا جو مفہوم اب تک رہا ہے اور اس کا جو منصب اب تک سمجھا جاتا رہا ہے وہ ایک گزرے اور مڑے ہوئے دور کی چیز ہے جو یقیناً ساقط الاعتبار ہو چکی ہے لیکن اب جب کہ ہم تخلیق اور حیات انسانی کی تضاد آمیز فطرت سے آگاہ ہوتے جا رہے ہیں اور زندگی کے تمام تصورات اور مفروضات بدل رہے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ 'شاعر نازک خیال' کا وہی فرسودہ اور بے جان رواجی تصور بدستور باقی رہنے دیا جائے۔ زندگی میں صلابت اور نزاکت، سختی اور نرمی کی ساتھ ساتھ ضرورت ہے اور دونوں کا امتزاج ہی زندگی ہے۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ ہمارے شاعر کی آواز بیک وقت فولاد کی گرج اور مزمار کی جھنکار نہ ہو۔ علی سردار کو اس کا احسا ہو یا نہ ہو لیکن خود ان کی شاعری اشارہ ہے کہ شاعر میں اگر شعور ہو تو وہ کامیابی کے ساتھ اپنی شاعری کو ایسا خوشگوار اور دلپذیر آہنگ بنا سکتا ہے۔

آخر میں علی سردار اور دوسرے نوجوان شاعروں میں مجھے جو ایک نمایاں فرق محسوس ہوتا ہے اس کو بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں۔ ہمارے اکثر نئے شاعر اب بھی صرف حسرت و محرومی کے شاعر ہیں وہ ہمارے اندر نامرادی کا شدید احساس پیدا کر کے ہم کو اپنی موجودہ زندگی سے بددل تو کر سکتے ہیں لیکن ان کے لہجوں میں مستقبل کی بشارت کا خفیف سے خفیف بھی کوئی ارتعاش محسوس نہیں ہوتا۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ ان شاعروں کے سامنے مستقبل کا کوئی واضح تصور نہیں ہے۔ لیکن علی سردار حسرت و حرماں کے شاعر نہیں ہیں۔ وہ ماضی اور حال کو سمجھے ہوئے ہیں اور مستقبل کا صحیح اور قطعی درک رکھتے ہیں۔ اس لیے ان کی شاعری مستقبل کی بشارت لیے ہوئے ہوتی ہے اور ہماری رگوں میں امید کا انبساط اور حوصلہ کا جوش پیدا کرتی ہے۔

اگر علی سردار اپنی شاعری میں کچھ اور جامعیت اور گہرائی پیدا کر لیں۔ اگر وہ زندگی کی کلی حقیقتوں کو اپنے اشعار میں زیادہ جگہ دینے لگیں۔ اگر ان کی فکر و بصیرت زیادہ رسا اور ہمہ گیر ہو سکے اگر وہ اپنے لہجہ اور اسلوب میں اس سے بھی زیادہ نرمی اور گداختگی پیدا کر سکیں جس کی آگے چل کر ہم کو ان سے قطعی امید ہے تو وہ اردو شاعری میں ایک ایسی جگہ لے سکتے ہیں جو ابھی خالی ہے۔

مجنوں گورکھپوری

ebooksgallery.com

لے اڑا ہوں چند نغمے زندگی کے ساز سے
چھیڑتا ہوں بربط دل کو نئے انداز سے
آنسوؤں سے غم کے پیمانے کو پھر بھرتا ہوں میں
دیدۂ پرنم کو اپنے خونفشاں کرتا ہوں میں
کر رہا ہوں جمع اپنے دل کے شہہ پاروں کو پھر
جوڑتا ہوں اِک شکستہ ساز کے تاروں کو پھر
پھول بن کر کھل رہے ہیں آج پھر سینے کے داغ
جل رہے ہیں سوز دل سے آرزوؤں کے چراغ
عہد ماضی سے ہوا جاتا ہوں پھر نزدیک تر
حکمرانی کر رہا ہوں وقت کی رفتار پر
ڈھونڈتا ہوں خواب کو پھر خواب کی تعبیر میں
بھر رہا ہوں رنگ اک مٹتی ہوئی تصویر میں
پھر کسی جانب لیے جاتا ہے شوقِ اضطراب
اٹھ رہے ہیں جلوہ گاہِ حسن کے رنگیں حجاب
آسماں کی رفعتوں پر گیت گاتا ہے کوئی
پھر فضائے کہکشاں میں گنگناتا ہے کوئی
پھر سلیمیٰ کی نگاہوں میں ہے جادو کا اثر
دیکھتا ہے پھر کوئی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر
ہو رہا ہے آج پیدا بادۂ حافظ میں جوش
نغمۂ فردوسی طوسی ہے پھر فردوس گوش

ebooksgallery.com

پھر جلا فطرت نے کی آئینۂ ایام پر
جھومتی ہے پھر گھٹا میخانۂ خیام پر
نغمۂ عصرِ کہن ہے زندگی کے ساز میں
آج ہے اک درد سا پھر رام کی آواز میں
بانسری کے زمزموں پر رقص کرتی ہے فضا
آ رہی ہے آسمانوں سے کرشنا کی صدا
ہر طرف بکھرا ہوا ہے چاند سے ماتھے کا نور
موجِ جمنا میں ہے رادھا کی نگاہوں کا سرور
آج پھر کاشی کی پیشانی پہ رقصاں نور ہے
آج پھر تلسی کے نغموں سے فضا معمور ہے
تیرتے ہیں آج پھر شمعِ تفاول کے نجوم
دیکھتا ہوں ساحلِ گنگا پہ پریوں کا ہجوم
جا رہا ہے پھر کبوتر لے کے ہاتھوں میں کوئی
ہنس رہا ہے سیکری کے سرخ محلوں میں کوئی
سن رہا ہوں نرم و نازک قہقہوں کی پھر صدا
ہو رہا ہوں زندگی کی لذتوں سے آشنا
پھر فضاؤں میں کسی پازیب کی جھنکار ہے
پھر شرر افشاں کوئی ٹوٹی ہوئی تلوار ہے
ٹوٹنے والی ہے اک جھٹکے میں زنجیر فریب
زیبِ اورنگِ حکومت ہے کوئی اورنگ زیب

ebooksgallery.com

جنگ کی دیوی نظر آتی ہے پھر چیں بر جبیں
کانپتی ہے آج پھر ٹیپو کے نعروں سے زمیں
دشمنوں کو آج پھر للکارتے ہیں شہسوار
اٹھ رہا ہے مغربی جادوگروں کا اقتدار
چپہ چپہ سرزمینِ ہند کا آباد ہے
آج شاید مادرِ ہندوستاں آزاد ہے
اے خدا لیکن کہاں پا در ہوا پھرتا ہوں میں
وہم کی دنیا میں کس کو ڈھونڈتا پھرتا ہوں میں
آہ کس رنگیں بیانی میں الجھ کر رہ گیا
عہدِ ماضی کی کہانی میں الجھ کر رہ گیا

1936

ebooksgallery.com

جوانی

نہ چھیڑ اے ہم نفس ٹوٹے ہوئے بربط کے تاروں کو
جگایا یوں نہیں کرتے ہیں خوابیدہ شراروں کو
مری آشفتہ حالی دیکھ کر تو مسکراتا ہے
مرے بوسیدہ پیراہن سے تو نظریں چراتا ہے
مری آواز تیرے نرم کانوں پر گراں کیوں ہے؟
مری افسردگی سے اس قدر تو بدگماں کیوں ہے؟
زمانے کا ستم ہر دم رہا ہے رازداں میرا
بھرا ہے ایسے ہی کانٹوں سے سارا گلستاں میرا
غموں کو روند کر ہنستا ہوا پھرتا ہوں دنیا میں
طمانچے موج کے کھاتا ہوا جاتا ہوں دریا میں
زمانے بھر میں تنہا رازداں ہوں لذتِ غم کا
سراپا درد ہو کر بھی ہوں درماں سارے عالم کا
مری فطرت زمیں کی وسعتوں کو تنگ کہتی ہے
مری عزت اضافی عزتوں کو ننگ کہتی ہے
امنگوں نے مجھے دودھ اپنے سینے سے پلایا ہے
ہزاروں ولولوں نے میرا گہوارہ ہلایا ہے

ebooksgallery.com

کھلایا ہے مجھے گودوں میں جرأت نے حمیّت نے
سلایا لوریاں دے کر مجھے ہمّت نے غیرت نے

جہاں کی گردشوں نے دردوغم کی راحتیں بخشیں
مری خودداریوں نے زندگی کی لذتیں بخشیں

میرے نعروں میں ہے جاہ و جلالِ جوشِ طوفانی
میری آہوں پہ بل کھاتی ہوئی موجوں کی طغیانی

مری آواز میں لاکھوں یتیموں کی دعائیں ہیں
مرے نغموں میں زنجیروں کے بجنے کی صدائیں ہیں

مری افسردہ نظروں میں نہاں دنیا کی قیمت ہے
مری چینِ جبیں پر نقشِ تاریخِ حقیقت ہے

مرے زخموں میں حدّت زندگی کے آفتابوں کی
مری ٹھوکر میں پنہاں داستانیں انقلابوں کی

نیا نغمہ کوئی جب سانس لے لیتا ہے سینے میں
ہزاروں داغ پڑ جاتے ہیں پتھر کے کلیجے میں

چٹانوں کا جگر پھٹتا ہے اِس نغمہ سرائی سے
پگھل جاتا ہے دل آہن کا اس آتش نوائی سے

گرج گولوں کی اکثر بے اثر ہوتی ہے کانوں پر
کبھی جب نیند آ جاتی ہے توپوں کے دہانوں پر

گزر جاتا ہوں طوفاں بن کے دریا کے کناروں سے
پہاڑوں کو ہٹا دیتا ہوں آنکھوں کے اشاروں سے

زمانے بھر پہ چھا جاتا ہوں سقفِ آسماں ہو کر
اچھل جاتا ہوں جب ساحل سے موجِ بیکراں ہو کر

ebooksgallery.com

میں چشمہ بن کے پتھر کے شگافوں سے ابلتا ہوں
تڑپ موجوں کی بن کر سنگ ریزوں پر مچلتا ہوں
سکوں کو لا کے ہنگاموں کے پہلو میں سلاتا ہوں
نوائے تلخ سے میں سارے عالم کو جگاتا ہوں
پکڑ کر ہاتھ مسند سے اٹھا دیتا ہوں سلطاں کو
بٹھا دیتا ہوں لا کر تخت پر قیصر کے دہقاں کو
مرا جی لگ نہیں سکتا ہے شاہوں کی شبستاں میں
بنایا ہے نشیمن میں نے زخموں کے گلستاں میں
مرے ہونٹوں پہ نغمے کانپتے ہیں دل کے تاروں کے
میں ہولی کھیلتا ہوں خون سے سرمایہ داروں کے
حقیقت سے مری کیوں بے خبر دنیائے فانی ہے
بغاوت میرا مسلک میرا مذہب نوجوانی ہے

1936

ebooksgallery.com

سماج

غلط ہے یہ کہ یاں ٹوٹے ہوئے دل جوڑے جاتے ہیں
مرے نزدیک یاں لبریز ساغر توڑے جاتے ہیں
کہیں آپس میں اہل زر کے مذہب کی لڑائی ہے
کہیں کھوٹے کھرے چاندی کے ٹکڑوں کی خدائی ہے
کہیں پیری کا سحرِ خواب آور نوجوانوں پر
کہیں مذہب کا پہرا ارتقاء کے رازدانوں پر
کہیں گردن میں بھاری طوق آویزاں خطابوں کے
کہیں کندھوں کے اوپر بوجھ فرسودہ کتابوں کے
کہیں انساں کے سر پر گرزِ آہن بادشاہت کا
کہیں پیروں کے نیچے جال شیطانی سیاست کا
قیامت ہے متاعِ آدمیت لوٹی جاتی ہے
کمر قانون کے بارِ گراں سے ٹوٹی جاتی ہے
چھپی بیٹھی ہے مکاری حریم زہد و تقویٰ میں
گناہوں کی جھلک ہے حسنِ معصومِ کلیسا میں
عیاں سفاکیاں پرہیزگاروں کی جبینوں سے
ٹپکتا ہے لہو پیرِ حرم کی آستینوں سے
ریاکاری اشارے کر رہی ہے چشمِ پرفن سے
تعصب کی صدا آتی ہے ناقوسِ برہمن سے
اخوت کی زباں محروم اندازِ تکلم ہے

ebooksgallery.com

بتانِ رنگ وخوں کے لب پہ زہریلا تبسم ہے
نہ جانے کیوں یہ دنیا قومیت کے راگ گاتی ہے
یہ وہ چکی ہے جس میں آدمیت پیسی جاتی ہے
مظالم ڈھائے اس سرمایہ داری نے خدا بن کر
تمدن آ گیا وہم وگماں کا دیوتا بن کر
لہو چوسا مزے لے لے کے مذہب نے خدائی کا
بچھایا جال پیرانِ کہن نے پارسائی کا
نظامِ کہنہ کے کندھوں پہ اصلاحوں کے لاشے ہیں
بہت سے بت ملوکیت کے آذر نے تراشے ہیں
دھمک پیروں کے نیچے ہے گرج توپوں کی کانوں پر
گھٹائیں جنگ کی منڈلا رہی ہیں آسمانوں پر
فضا بگڑی ہوئی ہے زہر پھیلا ہے ہواؤں میں
نئی پرخاش ہے جھوٹی سیاست کے خداؤں میں
بیابانوں پہ حملہ ہے پہاڑوں پہ چڑھائی ہے
سمندر پر چھڑی ہے جنگ نہروں پر لڑائی ہے
قیامت کب تلک ڈھائیں گے یہ آفت کے پرکالے
یہ جمہوری کمیں گاہوں میں چھپ کر بیٹھنے والے
تمناؤں میں کب تک زندگی الجھائی جائے گی
کھلونے دے کے کب تک مفلسی بہلائی جائے گی
نیا چشمہ ہے پتھر کے شگافوں سے ابلنے کو
زمانہ کس قدر بیتاب ہے کروٹ بدلنے کو

1937

ebooksgallery.com

بغاوت

بغاوت میرا مذہب ہے بغاوت دیوتا میرا
بغاوت میرا پیغمبر بغاوت ہے خدا میرا
بغاوت رسم چنگیزی سے تہذیب تتاری سے
بغاوت جبرواستبداد سے سرمایہ داری سے
بغاوت سرسوتی سے لکشمی سے بھیم و ارجن سے
بغاوت دیویوں اور دیوتاؤں کے تمدّن سے
بغاوت وہم کی پابندیوں سے قیدِ ملّت سے
بغاوت آدمی کو پیسنے والی مشیّت سے
بغاوت عزت وپندار ونخوت کی اداؤں سے
بغاوت بوالہوس ابلیس سیرت پارساؤں سے
بغاوت زرگری کے مسخ مذہب کے ترانوں سے
بغاوت عہد پارینہ کی رنگیں داستانوں سے
بغاوت اپنی آزادی کی نعمت کھونے والوں سے
بغاوت عظمتِ رفتہ کے اوپر رونے والوں سے
بغاوت دورِحاضر کی حکومت سے ریاست سے
بغاوت سامراجی نظم و قانون و سیاست سے
بغاوت سخت پتھر کی طرح بے حس خداؤں سے
بغاوت مفلسی کی عاجزانہ بد دعاؤں سے

ebooksgallery.com

بغاوت درد سہنے سے بغاوت دکھ اٹھانے سے
بغاوت ہاں بجز انسان کے سارے زمانے سے
بغاوت حریّت کے دیوتا کا آستانہ ہے
بغاوت عصرِ حاضر کے سپوتوں کا ترانا ہے

1937

دامن جھٹک کے منزلِ غم سے گزر گیا
اٹھ اٹھ کے دیکھتی رہی گردِ سفر مجھے

ebooksgallery.com

انگڑائی

مسکرا کر ہاتھ اٹھا کر یوں نہ لے انگڑائیاں
دامنِ ہستی کی ہو جائیں گی لاکھوں دھجیاں
کھنچ کے آ جائے گی نیچے آسماں کی انجمن
چھوڑ دیں گی بجلیاں گھبرا کے اپنا بانکپن
رقص اپنا بھول جائے گا سنہرا آفتاب
گر پڑے گا چھوٹ کر زہرہ کے ہاتھوں سے رباب
کوئی کونپل پھر حیا سے اسر اٹھا سکتی نہیں
پھر کلی بھی گلستاں میں مسکرا سکتی نہیں

1936

گذشتہ دور خواب آلودہ پیری کا سہارا ہے
شکستِ عصرِ حاضر میں ہیں مستقبل کی تعمیریں

تڑپ قطروں کی جب بڑھتی ہے موجوں میں نہاں ہو کر
پہاڑوں سے گذر جاتی ہے جوئے نغمہ خواں ہو کر

ebooksgallery.com

مزدور لڑکیاں

گردشِ افلاک نے گودی میں پالا ہے انھیں
سختیِ آلام نے سانچے میں ڈھالا ہے انھیں
گھورتی رہتی ہے گرمی میں نگاہِ آفتاب
آسماں کرتا ہے نازل ان پہ کرنوں کا عتاب
سر سے ساون کی گھٹا جاتی ہے منڈلاتی ہوئی
سرد جاڑوں کی ہوا سینوں کو برماتی ہوئی
بیکسی ان کی جوانی مفلسی ان کا شباب
ساز ان کا سوزِ حسرت خاموشی ان کا رباب
سر سے پا تک داستانیں حسرتِ ناکام کی
نرم و نازک قہقہوں میں تلخیاں ایام کی
خشک لب پھیکی نظر مدقوق چہرے زرد گال
وہ دھنسی آنکھیں فسردہ رنگ گرد آلود بال
پپڑیاں ہونٹوں پہ زخموں کے کناروں کی طرح
گرم ہاتھوں پر عرق مدھم ستاروں کی طرح
بوجھ کا مرہونِ منت ان کے ابرو کا تناؤ
ان کا حاکم ظلم ان کا پاسباں بیجا دباؤ

ebooksgallery.com

ان کے ساتھی پھاوڑے ان کی سہیلی ہے کدال
زندگی پر یہ وبال اور زندگی ان پر وبال
لیکن ان کی پستیوں کو اپنی رفعت سے نہ دیکھ
ان کی غربت پر نہ جا ان کو حقارت سے نہ دیکھ
اپنی نظروں سے یہ لکھ سکتی ہیں تاریخوں کے باب
ان کے تیور دیکھتی رہتی ہے چشمِ انقلاب
ٹھوکروں پر ان کی جھک سکتے ہیں ایوان وقصور
توڑ دیتی ہیں ہتھوڑوں سے چٹانوں کا غرور
ان کی چوٹوں پر نکلتے ہیں پہاڑوں سے شرار
یہ اگر چاہیں الٹ ڈالیں بساطِ روزگار
بن کے قوت ایک دن ابھرے گی برسوں کی تھکن
دیکھ لینا یہ بدل دیں گی نظامِ انجمن

1937

ebooksgallery.com

سرمایہ دار لڑکیاں

شہر کے رنگیں شبستانوں کی تنویریں ہیں یہ
نوجوانی کے حسین خوابوں کی تعبیریں ہیں یہ
ہے انھیں کے دم سے مصنوعی تمدن کی بہار
ہیں یہی تہذیب کے آذرکدے کی شاہکار
دید ہی ان کی بہشتِ کیف و فردوسِ نشاط
خوش رُخ وخوش پیرہن، خوش پیکروخوش اختلاط
محفلوں کی شادمانی رقص گاہوں کا سرور
دل کے کاشانوں کی آبادی طرب گاہوں کا نور
اِک لطافت اِک نزاکت نطقِ گوہر بار کی
اِک شعاعِ نورِ شاعر کے تجلّی زار کی
اِک مُغنّی کے نفس کا نغمۂ کیف و بہار
اِک مصوّر کے قلم کی جنبشِ بے اختیار
بزم آرائی کی خو ذوقِ کم آمیزی کے ساتھ
جنبشِ مژگان بھی اک شانِ دلآویزی کے ساتھ
گردنوں کا خم، کمر کا لوچ، سینے کا ابھار
صندلی ہاتھوں سے بت خانوں کی صبحیں آشکار

ebooksgallery.com

قہقہے سوئے ہوئے جذبے جگانے کے لیے
گفتگو ہر سننے والوں کو لبھانے کے لیے
بیقرار آنکھیں دلوں کو دعوتیں دیتی ہوئی
نوجوانی بار بار انگڑائیاں لیتی ہوئی
ولولے ہر ہر نفس زیروزبر ہوتے ہوئے
دم بدم جھونکے ہوا کے تیز تر ہوتے ہوئے
سامنے اِک بار آ جانا مٹکنے کے لیے
نوجوانوں سے اُلجھ پڑنا جھجکنے کے لیے
اہرمن تو اہرمن ہو جائے یزداں بھی شکار
ان کا ہر انداز تاجر ہر ادا سرمایہ دار
عشق کے ذوقِ نظارہ نے نکھارا ہے انھیں
مرد کی صدیوں کی محنت نے سنوارا ہے انھیں
ڈوب تو سکتی ہیں یہ لیکن ابھر سکتی نہیں
یہ کناروبوس کی حد سے گزر سکتی نہیں

ebooksgallery.com

اختلافِ رائے

کیوں نہیں تجھ کو گوارا مرا اظہار خیال!
یہ کوئی زہر بھرا جام نہیں ہے اے دوست

اختلافات سے کھلتی ہے تخیل کی گرہ
یہ بھی اک رائے ہے دشنام نہیں ہے اے دوست

کشمکش عظمتِ کردار عطا کرتی ہے
زندگی عافیت انجام نہیں ہے اے دوست

ebooksgallery.com

جمہوری اسپین کی طرف سے لڑنے والے ادیبوں کی موت پر

وہ نہیں ہیں نہ سہی، ان کے عمل کے جلوے
اب بھی پیشانیٔ اسپین پہ ہیں آئینہ کار
زندگی کا تو کوئی ذکر نہیں، موت بھی آج
ان شہیدوں کے لہو سے ہے گلستاں بہ کنار

1938

اِشتراکی

برہمن تجھ کو سمجھتا ہے نجس
مولوی کے لیے کافر تو ہے
توڑ دے جھوٹے خداؤں کا طلسم
صبحِ صادق کا پیمبر تو ہے

1938

ebooksgallery.com

لکھنؤ کی ایک شام

یہ مال روڈ یہ گرمی کی شام کیا کہنا
وفورِ جلوۂ دیدار عام کیا کہنا

بساطِ ارض پہ عرشِ بریں کے مہ پارے
زمیں کی گود میں ماہِ تمام کیا کہنا

دلہن کی طرح سے آراستہ دکانوں پر
جوانیوں کا حسیں اژدہام کیا کہنا

کشیدہ قامت و گل پیکر و سبک اندام
غزالِ وحشت و آہو خرام کیا کہنا

کوئی ہلال، کوئی ماہ، کوئی مہر مبیں
کوئی تمام کوئی ناتمام کیا کہنا

کسی کی شوخیٔ انداز لغزشِ پا میں
ہزار ناز و نیاز و پیام کیا کہنا

کسی کی آنکھ کے ہلکے سے اک اشارے میں
شکستِ شیشہ و مینا و جام کیا کہنا

فضا میں رات کی پرچھائیوں کی بیتابی
زمیں پہ رقص کناں روحِ شام کیا کہنا

مچل رہی ہے جوانی ابل رہی ہے شراب
نگاہِ شوق ہے پھر تشنہ کام کیا کہنا

1939

ebooksgallery.com

انگارہ

اشک ہی اشک ہے دنیا میری
ہاں تبسم ہی تبسم تھی کبھی
اک دہکتا ہوا انگارہ ہے
وہ کہ رشکِ مہ و انجم تھی کبھی

1939

حسن کی رنگیں ادائیں کارگر ہوتی گئیں
عشق کی بیباکیاں بیباک تر ہوتی گئیں
یاں مری بہکی ہوئی نظریں بہکتی ہی رہیں
واں نگاہیں اور زیادہ معتبر ہوتی گئیں
زندگانی اپنے نشتر آزماتی ہی رہی
ان کی نظریں بخیۂ چاکِ جگر ہوتی گئیں
لب پہ ہلکے سے تبسم کی مٹھاس آتی گئی
زندگی کی تلخیاں شہد و شکر ہوتی گئیں
آرزوئیں نارسائی کا گلہ کرتی رہیں
اور وہ زلفیں زینتِ دوش و کمر ہوتی گئیں

1939

ebooksgallery.com

نیا زمانہ

اے دوست نیا زمانہ آیا — بہنے لگا زندگی کا دھارا
مشاطۂ عہدِ نو نے بڑھ کر — فطرت کی عروس کو سنوارا
غنچوں نے نیا لباس بدلا — کلیوں نے بھی پیرہن اتارا
لالے کے جگر کی آگ بھڑکی — نرگس نے نگہ کا تیر مارا
رنگین شفق نے گود کھولی — سورج نے افق سے سر ابھارا

انوار سحر میں ہو گیا گم
ڈھلتی ہوئی رات کا ستارا

1939

ebooksgallery.com

معلوم نہیں عقل کی پرواز کی زد میں

معلوم نہیں عقل کی پرواز کی زد میں
سرسبز امیدوں کا چمن ہے کہ نہیں ہے
لیکن یہ بتا وقت کا بہتا ہوا دھارا
طوفان گرد کوہ شکن ہے کہ نہیں ہے
سرمائے کے سمٹے ہوئے ہونٹوں کا تبسم
مزدور کے چہرے کی تھکن ہے کہ نہیں ہے
وہ زیرِ افق صبح کی ہلکی سی سپیدی
ڈھلتے ہوئے تاروں کا کفن ہے کہ نہیں ہے
پیشانیٔ افلاس سے جو پھوٹ رہی ہے
اٹھتے ہوئے سورج کی کرن ہے کہ نہیں ہے

1939

ڈر نہ حیات و موت کے سیلِ سبک خرام سے
غلطاں ہر ایک موج میں تابشِ صد گہر بھی ہے

ebooksgallery.com

تاریخ

تری نگاہ نے دیکھا ہے ملتوں کا عروج
تری نظر میں فسوں کار اُمتوں کا زوال
ترا شباب ترے بچپنے سے ہم آہنگ
تمام عمر تری داستان جنگ و جدال
خزینہ وار ہے تو ارتقائے عالم کی
ترے غلام ہیں ماضی و حال استقبال
تجھے قسم ہے انھیں تجربات پیہم کی
ادھر بھی دیکھ یہ نکلا ہے کون لے کے کدال
زمیں سے خون کا چشمہ ابلنے والا ہے
زمانہ سوز تحمل سے جلنے والا ہے

1939

ebooksgallery.com

آثارِ سحر

اس تجارت کے منافع کے جنوں خانے میں
لذتیں خام ہیں مجروح ہے انساں کا وقار
نہ تو ساقی ہے، نہ میکش ہے، نہ مے ہے، نہ سرور
نہ محبت، نہ حرارت، نہ تمنا ، نہ ابھار
حسن اک جنس ہے بازار میں بکنے کے لیے
عشق بہکے ہوئے مے نوش کی آنکھوں کا خمار
حدتِ شوق سے جلتی ہوئی شاعر کی جبیں
شدتِ درد سے ٹوٹا ہوا نغموں کا ستار
کٹنے والی ہیں مگر غم کی بھیانک راتیں
بام و در پر نظر آتے ہیں سحر کے آثار

1939

فضاؤں پہ اک بیخودی چھا رہی ہے
گھٹا بال کھولے ہوئے آ رہی ہے
مرے پاس آؤ تمھیں بھی سکھا دوں
وہ نغمے جو کوئل کہیں گا رہی ہے

ebooksgallery.com

متاعِ ہنر

بہت پُر لطیف ہے ڈھلتی ہوئی شراب کا رنگ
لطیف تر ہے نگہ کی شراب افشانی
بہت حسین ہے تاروں کی چھاؤں کا جادو
حسین تر ہے عروسِ قمر کی پیشانی
وہ ساز و بربط و نغمہ وہ کیف و بدمستی
وہ حسن و جلوہ و رنگینی و درخشانی
طلوعِ مہر درخشاں نمودِ صبحِ بہار
شفق کا رنگ جبینِ سحر کی تابانی
متاعِ ذوقِ نظارہ گراں نہیں لیکن
گراں ہے مجھ کو متاعِ ہنر کی ارزانی

1939

ebooksgallery.com

گہری بہت شکن ہے جبینِ حیات کی
یہ خط نہیں مصوّرِ رنگیں کمال کا

ابروئے کائنات پہ ہے بجلیوں کی ضو
پرتو نہیں ہے عارضِ آتش جمال کا

یہ وقت کے کھنچے ہوئے خنجر کی دھار ہے
یہ بانکپن نہیں ہے عروسِ ہلال کا

فولاد کی گرج ہے یہ آہن کا شور ہے
نغمہ نہیں ہے شاعرِ نازک خیال کا

1939

ebooksgallery.com

ارتقاء وانقلاب

ایک ہی قوت عطا کرتی ہے تاروں کو چمک
چاند کو تنویر سورج کا نگاہ شوخ وشنگ
کشت زاروں کو تبسم کوہساروں کو سکوت
پھول کو بو، تاک کی نبضوں کو خونِ لالہ رنگ
سرکشی طوفان کو ملاح کے بازو کو زور
کشتیِ امید کے پتوار کے کھینے کا ڈھنگ
وقت کے شہپر کو سرعت وہم کے پرواز کی
عہد پارینہ کی فطرت کو جمودِ خشت وسنگ
زندگی کے نظم افسردہ کو خوئے انقلاب
مفلسی کو منعمی کی ساحری سے شوق جنگ
رقص نشتر ہو چکا اب ضربتِ کاری بھی دیکھ
ارتقائے زندگی کی تیز رفتاری بھی دیکھ

1939

ebooksgallery.com

اِنتظار نہ کر

میں تجھ کو بھول گیا اس کا اعتبار نہ کر
مگر خدا کے لیے میرا انتظار نہ کر

عجب گھڑی ہے میں اس وقت آ نہیں سکتا
سرورِ عشق کی دنیا بسا نہیں سکتا
میں تیرے سازِ محبت پہ گا نہیں سکتا

میں تیرے پیار کے قابل نہیں ہوں پیار نہ کر
نہ کر خدا کے لیے میرا انتظار نہ کر

خراج اپنی جوانی سے لے رہا ہوں میں
غینہ خون کے دریا میں کھے رہا ہوں میں
صدا اجل کے فرشتے کو دے رہا ہوں میں

بس اب نوازشِ پیہم سے شرمسار نہ کر
نہ کر خدا کے لیے میرا انتظار نہ کر

ebooksgallery.com

عذار نرم پہ رنگ بہار رہنے دے
نگاہ شوق میں برق و شرار رہنے دے
لبوں پہ خندۂ بے اختیار رہنے دے

متاع حسن جوانی کو سوگوار نہ کر
نہ کر خدا کے لیے میرا انتظار نہ کر

شکستہ ساز کی ٹوٹے ہوئے سبو کی قسم
دھڑکتے دل کی ٹپکتے ہوئے لہو کی قسم
تجھے وطن کے شہیدوں کی آبرو کی قسم

اب اپنے دیدۂ نرگس کو اشکبار نہ کر
نہ کر خدا کے لیے میرا انتظار نہ کر

1939

ebooksgallery.com

جنگ اور انقلاب

رقص کر اے روحِ آزادی کہ رقصاں ہے حیات
گھومتی ہے وقت کے محور پہ ساری کائنات
زندگی مینا و ساغر سے ابل جانے کو ہے
کامرانی کے نئے سانچے میں ڈھل جانے کو ہے
اڑ رہا ہے ظلم و استبداد کے چہرے سے رنگ
چھٹ رہا ہے وقت کی تلوار کے ماتھے سے زنگ
ہے فضاؤں میں نوید شادمانی کا سرور
پڑ رہا ہے عشرتِ فردا کی پیشانی پہ نور
موت ہنس کر دیکھتی ہے آئینہ تلوار میں
زر پرستی کا سفینہ آ گیا منجدھار میں
خون کی بو سے مشامِ زندگی مخمور ہے
گولیوں کی سنسناہٹ سے فضا معمور ہے
یہ ہے وہ زنجیر خود ہاتھوں سے ڈھالا تھا جسے
یہ ہے وہ بجلی کہ خود خرمن نے پالا تھا جسے
تیر جو چٹکی میں تھا پیوست اب بازو میں ہے
آستیں میں تھا جو خنجر آج وہ پہلو میں ہے

ebooksgallery.com

آ گیا ہے وقت وہ جو آ کے ٹلتا ہی نہیں
اپنا لنگر آج اپنے سے سنبھلتا ہی نہیں
ہل چکا ہے تخت شاہی، گر چلا ہے سر سے تاج
ہر قدم پر ڈگمگایا جا رہا ہے سامراج
ڈھل رہی ہے زرگری کی رات کے تاروں کی چھاؤں
مفلسی پھیلا رہی ہے وقت کی چادر میں پاؤں
انقلاب دہر کا چڑھتا ہوا پارہ ہے جنگ
وقت کی رفتار کا مڑتا ہوا دھارا ہے جنگ
ہم سے خودداروں کا اس دم گیت، گانا خوب ہے
سر پھرے باغی جوانوں کا ترانا خوب ہے
غم کے سینے میں خوشی کی آگ بھرنے دو ہمیں
خوں بھرے پرچم کے نیچے رقص کرنے دو ہمیں
وقت کے پہیے کی گردش رک نہیں سکتی کبھی
عمر کی نبضوں کی جنبش رک نہیں سکتی کبھی
روح آزادی کو سینے میں جکڑ سکتا ہے کون؟
ناچتے سورج کی کرنوں کو پکڑ سکتا ہے کون؟

ستمبر 1939

ebooksgallery.com

سالِ نو

یہ کس نے فون پہ دی سالِ نو کی تہنیت مجھ کو
تمنا رقص کرتی ہے تخیل گنگناتا ہے
تصور اک نئے احساس کی جنت میں لے آیا
نگاہوں میں کوئی رنگین چہرہ مسکراتا ہے
جبیں کی چھوٹ پڑتی ہے فلک کے ماہ پاروں پر
ضیاء پھیلی ہوئی ہے سارا عالم جگمگاتا ہے
شفق کے نور سے روشن ہیں محرابیں فضاؤں کی
ثریا کی جبیں زہرہ کا عارض تمتماتا ہے
پرانے سال کی ٹھٹھری ہوئی پرچھائیاں سمٹیں
نئے دن کا نیا سورج افق پر اٹھتا آتا ہے
زمیں نے پھر نئے سر سے نیا رختِ سفر باندھا
خوشی میں ہر قدم پر آفتاب آنکھیں بچھاتا ہے
ہزاروں خواہشیں انگڑائیاں لیتی ہیں سینے میں
جہانِ آرزو کا ذرہ ذرہ گنگناتا ہے

ebooksgallery.com

امیدیں ڈال کر آنکھوں میں آنکھیں مسکراتی ہیں
زمانہ جنبشِ مژگاں سے افسانے سناتا ہے
مسرت کے جواں ملاح کشتی لے کے نکلے ہیں
غموں کے ناخداؤں کا سفینہ ڈگمگاتا ہے
خوشی مجھ کو بھی ہے لیکن میں یہ محسوس کرتا ہوں
مسرت کے اس آئینے میں غم بھی جھلملاتا ہے
ہمارے دور محکومی کی مدت گھٹتی جاتی ہے
غلامی کے زمانے میں اضافہ ہوتا جاتا ہے
یہی انداز گر باقی ہیں اپنی سست گامی کے
نہ جانے اور کتنے سال آئیں گے غلامی کے

یکم جنوری 1940

ebooksgallery.com

سامراجی لڑائی

مے خانے کی رسم و راہ بدلی
ساقی کی حسیں نگاہ بدلی
بدلے ارض و سما کے تیور
ہیں شعلہ فشاں فضا میں خنجر
ہر سمت بپا ہے قتل و غارت
انساں میں نہیں رہی محبت
طیارے ہیں پرفشاں ہوا میں
بمبار گرجتے ہیں فضا میں
توپوں سے دہل رہی ہے دنیا
اک آگ میں جل رہی ہے دنیا
شائستگیٔ حسن کھو رہی ہے
تہذیب کی آنکھ رو رہی ہے
بندوقوں کے شور سے ہیں پھیکے
طاؤس و رباب کے بھی نغمے
بارود کی بو میں غرق یکسر
پھولوں کی شمیم روح پرور
فرصت نہیں جام اور سبو کی
قیمت نہیں موج رنگ و بو کی
ویران ہیں ساری رقص گاہیں
چوروں سے بھری ہوئی ہیں راہیں
بے رنگ حیات زندگانی
بے کیفِ شباب ہے جوانی
میدان ہے جنگ ہے جدل ہے
سرمائے کے پیڑ کا یہ پھل ہے
شرمندہ ہیں دیکھ کر یہ لشکر
چنگیز و ہلاکو و سکندر
مزدور کھڑا ہوا ہے گم سم
سرمائے کے لب پہ ہے تبسم
دنیا ہے کہ تاجروں کی بستی
مہنگی ہے حیات موت سستی
جاں بیچ کے لڑتے ہیں سپاہی
انسان پہ آ گئی تباہی

یہ ظلم و ستم کا راج کب تک
یہ تختِ شہی یہ تاج کب تک

1940

ebooksgallery.com

عہدِ حاضر

وقت کی پلکوں پہ اِک آنسو چمکتا ہے مگر
تھرتھرا سکتا ہے عارض پر ٹپک سکتا نہیں
عمر کی بوڑھی رگوں میں نوجوانی کا لہو
دوڑتا پھرتا ہے چہرے پر جھلک سکتا نہیں
تاج انگریزی میں اک ہیرا ہے مثلِ آفتاب
ہند کے بے نور ماتھے پر دمک سکتا نہیں
چپکے چپکے کھل رہا ہے عہدِ نو کا سرخ پھول
مسکرا سکتا ہے زیرِ لب مہک سکتا نہیں
ایک انگارا چھپا ہے زندگی کی راکھ میں
راکھ کے نیچے سلگتا ہے دہک سکتا نہیں

1940

ebooksgallery.com

جواہر لال نہرو کے نام

'میں انگلستان اور فرانس کی تہذیب کی تباہی نہیں برداشت کر سکتا'

نہرو

یوں تو ہنگاموں سے معمور ہے دنیا ساری
سینۂ ہند میں بھی کوئی شرر ہے کہ نہیں؟
بطنِ گیتی میں بہت نیلم و الماس و عقیق
دیکھنا بطنِ صدف میں بھی گہر ہے کہ نہیں؟
دھیان مجھ کو بھی ہے یورپ کی تباہی کا مگر
تم کو اپنی بھی تباہی کی خبر ہے کہ نہیں؟
کتنا گلرنگ ہے انگلینڈ کی تہذیب کا جام
اس میں کچھ ہند کا بھی خونِ جگر ہے کہ نہیں؟
رات کے ڈوبتے تاروں کا یہ ماتم کیسا
دیکھنا زیرِ افق رنگِ سحر ہے کہ نہیں؟
راکھ کا ڈھیر ہے بجھتے ہوئے انگاروں پر
تیری اٹھتے ہوئے شعلے پہ نظر ہے کہ نہیں؟
درد ہے مادرِ ایام کے پہلو میں مگر
آمدِ طفلکِ خورشید نظر ہے کہ نہیں؟

مئی 1940

ebooksgallery.com

عورت کا احترام

(ایک دوست کی شکایت کے جواب میں)

کیا ہوا گر تری رنگیں رہگذر سے دور دور
زندگی کے راستوں میں پیچ و خم کھاتا ہوں میں
تو نہ جانے کیوں سمجھتی ہے کہ تجھ کو بھول کر
اپنے احساسات کی دنیا میں کھو جاتا ہوں میں
میری خاموشی پہ اکثر تمتما اٹھتی ہے تو
تیری خاموشی کا لیکن راز پا جاتا ہوں میں
چاہتی ہے مجھ سے تو نسوانیت کا احترام
اور تری انسانیت کے زمزمے گاتا ہوں میں
آہ یہ تہذیب کا جادو تمدن کا فریب
سوچتا ہوں جس قدر اتنا ہی شرماتا ہوں میں
اس نظامِ زندگی میں جس سے رسوا ہے حیات
تیری ہستی رقصِ عشرت کے سوا کچھ بھی نہیں
اپنے ہونٹوں کے حسیں گلنار محرابوں سے پوچھ
ان میں بوسوں کی حرارت کے سوا کچھ بھی نہیں

ebooksgallery.com

تیرے ابرو کے اشاروں میں ارادہ ہے نہ شوق
تیری آنکھوں میں شرارت کے سوا کچھ بھی نہیں
یہ ترے ماتھے کا ٹیکہ یہ تری زلفوں کا خم
کاروانِ رنگ و نکہت کے سوا کچھ بھی نہیں
یہ ترے چہرے کا غازہ یہ ترے ہونٹوں کا رنگ
عشق کی نظروں میں دعوت کے سوا کچھ بھی نہیں
تیرے اعضاء کی نزاکت تیرے پہلو کا گداز
مرد کے بستر کی زینت کے سوا کچھ بھی نہیں
میں یہ کہتا ہوں محبت زندگی کا دور ہے
تو یہ کہتی ہے محبت کے سوا کچھ بھی نہیں
سوچتا ہوں اور اکثر سوچتا رہتا ہوں میں
کیا تری دنیا نزاکت کے سوا کچھ بھی نہیں
جذب کر لیتی ہے تجھ کو مرد کی جادوگری
تو کہ اک لمحے کی فرصت کے سوا کچھ بھی نہیں
اک نشاط آگیں کھلونا بن کے رہ جاتی ہے تو
جیسے تو سامانِ لذت کے سوا کچھ بھی نہیں
جب تلک تو خود نہ توڑے گی طلسم رنگ و بو
تیری قیمت ایک عورت کے سوا کچھ بھی نہیں

1940

کب تک

یہ لوہے کی سلاخیں کب تلک روکیں گی ملنے سے
یہ دیواریں رہیں گی تیرے میرے درمیاں کب تک؟
تجھے مجھ تک نہ آنے دے گا پھاٹک قید خانے کا
مجھے تجھ تک نہ جانے دیں گے آخر پاسباں کب تک؟

جواب اس کا تجھے اے دوست میں کچھ دے نہیں سکتا
زمیں پر سرنگوں ہوگا نہ انگریزی نشاں جب تک
ہمیں اس وقت تک شاید نہ ملنے کی اجازت ہو
غلام آباد کہلائے گا یہ ہندوستاں جب تک
لکھنؤ ڈسٹرکٹ جیل، 1940

ebooksgallery.com

تخریب کے دیوتا

(بھگت سنگھ کے تین ساتھی جے دیو کپور، ڈاکٹر گیا پرشاد اور شیو ورما اب تک جیل میں بند ہیں۔ مجھے کچھ دنوں ان کے ساتھ لکھنؤ جیل میں رہنے کا اتفاق ہوا تھا۔ ان کے سپرد باغ لگانے کا کام تھا جسے وہ بڑے شوق اور خوشی سے کرتے تھے۔ اب وہ دہشت پسند نہیں ہیں۔ تخریب ان کا مقصد زندگی نہیں بلکہ تعمیر ہے۔ وہ قومی اتحاد کی تعمیر کر کے ملک کو جاپانی درندوں سے بچانا چاہتے ہیں۔ یہ چھوٹی سی نظم میں نے جیل میں لکھی تھی۔)

حکومت آج ان پر اپنی قوت آزماتی ہے
یہ کل نکلے تھے قوت بازوؤں کی آزمانے کو
یہ دل بجھتے نہیں ہیں وقت کی ناقدردانی سے
ذرا دیکھے تو کوئی آ کے ان کے مسکرانے کو
سمجھ لیں کس طرح تخریب کا ہم دیوتا ان کو
بنا دیتی ہے گلشن جن کی محنت قید خانے کو
جو سچ پوچھو تو ایسے انقلابی نوجوانوں کی
ضرورت ہے بہت اجڑے ہوئے بنجر زمانے کو

لکھنؤ جیل، دسمبر 1940

ebooksgallery.com

ٹوٹا ہوا ستارہ

(انفرادیت کی شاندار ناکامی)

آ رہا ہے اِک ستارہ آسماں سے ٹوٹ کر
دوڑتا اپنے جنوں کی راہ پر دیوانہ وار
اپنے دل کے شعلۂ سوزاں میں خود جلتا ہوا
منتشر کرتا ہوا دامانِ ظلمت میں شرار
اپنی تنہائی پہ خود ہی ناز فرماتا ہوا
شوق پر کرتا ہوا آئینِ فطرت کو نثار
کس قدر بیباک، کتنا تیز، کتنا گرم رو
جس سے سیاروں کی آسودہ خرامی شرمسار
موجۂ دریا اشاروں سے بلاتی ہے قریب
اپنی سنگیں گود پھیلائے ہوئے ہے کوہسار
ہے ہوا بے چین آنچل میں چھپانے کے لیے
بڑھ رہا کرۂ گیتی کا شوقِ انتظار
لیکن ایسا انجمِ روشن جبین و تابناک
خود ہی ہو جاتا ہے اپنی تابناکی کا شکار

1940

فراموش کردند عشق

دزدیدہ نگاہوں میں محبت کی چمک ہے
قائل ہوں ہمیشہ سے ترے کیفِ نظر کا

سینے کے تلاطم سے اُبلتی ہے جوانی
درکھول دیا کس نے خمستانِ سحر کا

ہونٹوں پہ ہے بہکا ہوا ہلکا سا تبسم
اک پھول ہے شاعر کے گلستانِ ہنر کا

زلفوں کی گرہ رات کے آنچل کی شکن ہے
ماتھے پہ ہے ٹیکا کہ ستارہ ہے سحر کا

کیا مستیٔ رفتار ہے کیا لغزشِ پا ہے
رقصاں ہے ہر اِک ذرہ تری راہگذر کا

اس جنتِ نظارہ کو آباد کرے کون؟
غمگین ہو جب روح تو دل شاد کرے کون؟

1940

ebooksgallery.com

ایک خط کا جواب

(جیل میں ایک دوست کا پہلا خط)

یہ ترا چھوٹا سا خط تیری محبت کا پیام
کر رہا ہے دل سے سرگوشی نگاہوں سے کلام

اس کی خاموشی میں ہے تیرے تکلم کی نمود
توڑ ڈالا اس نے آ کر قید خانے کا جمود

آرزوئیں ناچ اٹھی ہیں دلِ بیتاب میں
کتنی قندیلیں ہیں روشن وقت کی محراب میں

لوٹ آئے ہیں پرانی زندگی کے ماہ و سال
مسکراتی ہے تمنا رقص کرتا ہے خیال

آج روحِ شادمانی کس قدر مخمور ہے
آج دل احساسِ ناکامی سے کوسوں دور ہے

جنوری 1941
بنارس سنٹرل جیل

ebooksgallery.com

لکھنؤ کے دوستوں کے نام

تمھیں شاید نہ ہوں اب یاد باتیں عہدِ رفتہ کی
تمہاری انجمن میں تھے تمھارے ہم زباں ہم بھی
جواں ہم بھی ہوئے تھے کھیل کر موجِ حوادث سے
پلے تھے گردشِ شام وسحر کے درمیاں ہم بھی
تمھاری طرح اپنے دامنوں میں آستینوں میں
لیے پھرتے تھے سوزِ زندگی کی بجلیاں ہم بھی
چلا کرتے تھے شانوں پر بغاوت کا علم لے کر
اٹھا لیتے تھے آسانی سے یہ بارِ گراں ہم بھی
تمھاری طرح ہم بھی نطق کے دریا بہاتے تھے
دکھا سکتے تھے اپنی قوت شرح وبیاں ہم بھی
وہ دن بھی تھے کہ ہم پرواز کرتے تھے فضاؤں میں
کبھی تھے وسعتِ گردوں کے آخر رازداں ہم بھی
ہمارے ہاتھ بھی تھے بجلیوں کے جیب و دامن پر
کچل دیتے تھے قدموں سے بساطِ کہکشاں ہم بھی
ہماری راہ میں حایل نہ تھی دیوار زنداں کی
کبھی آزادہ رو تھے صورتِ سیلِ رواں ہم بھی

دسمبر 1941، بنارس سنٹرل جیل

ebooksgallery.com

جیل میں ایک دوست کی موت کی خبر سن کر

اک شرر کی طرح گزرا عمر کی منزل سے تو
ہم نشیں کیا بات تھی کیوں اٹھ گیا محفل سے تو ؟
ہم سِنوں کی انجمن کس واسطے بھائی نہیں ؟
راس کیوں آب و ہوائے زندگی آئی نہیں ؟
دل کی جمعیت ترے جانے سے برہم ہوگئی
دم کے دم میں بزم عشرت بزم ماتم ہو گئی
تو نے سازِ دل پہ نغمے شوق کے گائے نہ تھے
مر گیا تو اور ابھی مرنے کے دن آئے نہ تھے
بجلیوں کی طرح لہرا کر فضا میں کھو گیا
ایک ہلکی سی جھلک دکھلا کے غائب ہو گیا
جس قدر سیماب پا تھا اس قدر پیارا تھا تو
قطرۂ شبنم تھا تو یا صبح کا تارا تھا تو ؟
مسکرایا تھا مگر آنسو بہانے کے لیے
تو وہ تارا تھا جو چمکا ٹوٹ جانے کے لیے
اے انیسِ برقِ فطرت اے رفیق تیز گام
مڑ کے لیتا جا اسیرانِ محبت کا سلام
میرے طاقِ دل میں اک رنگین گلدستہ ہے تو
بچپنے کی سیکڑوں یادوں سے وابستہ ہے تو
زندگی کا مکتب ِدل میں سبق لیتے تھے ہم
نادٔ طفلی کی، جوانی کی طرف کھیتے تھے ہم
چاہے جب مکتب سے اٹھ کر بھاگ آنا یاد ہے
پھر خوشی میں ہنستے ہنستے لوٹ جانا یاد ہے
آپ لڑتے آپ ہی جھگڑا چکا لیتے تھے ہم !
اس طرح اپنی محبت آزما لیتے تھے ہم

ebooksgallery.com

تھی کسی کو بھی نہ ہم دونوں میں فکرِ روزگار
آہ ہم دونوں ہی تھے دلدادۂ سیرو شکار
تیز دوڑاتے تھے گھوڑوں کو تو اتراتے تھے کیا
باغ وصحرا کی ہوا کھا کھا کے لہراتے تھے کیا
زندگی بے فکریوں کی راگنی گاتی رہی !
باغِ طفلی میں جوانی کی ہوا آتی رہی
ہائے وہ خلد علی گڈھ کی پرانی صحبتیں
کھو گئی ماضی کے ویرانے میں کتنی جنتیں
قید کی تنہائیوں میں یاد آتی ہے تری
بجلیاں سی کوند جاتی ہیں نگاہوں میں مری
دل دعائیں دے رہا ہے جیل کی دیوار کو
رہ گئی آنکھیں ترس کر آخری دیدار کو
یوں تو ہے بزم جہاں میں موت قانونِ حیات
ہے تغیر ہی سے روحِ زندگانی کو ثبات
موت ہی سے زندگی کا رقص دنیا کا وجود
موت کیا ہے اک تغیرِ عناصر کی نمود
یہ وہ کہنہ مئے ہے جو ہستی کے پیمانے میں ہے
موت عکس افگن جہاں کے آئینہ خانے میں ہے
موت کا غم کرکے کوئی شخص جی سکتا نہیں
موت سے گھبرا کے کوئی زہر پی سکتا نہیں
دل مگر ٹکڑے ترے نا وقت مر جانے سے ہے
غم یہ نو آراستہ زلفیں بکھر جانے سے ہے
'پھول تو دو دن بہار جا نفزا دکھلا گئے
حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے'

اپریل 1941
سنٹرل جیل بنارس

ebooksgallery.com

ایک قیدی کی موت

اس نظارے کے تصور ہی سے دل ہے پاش پاش
اک پھٹے کمبل کے ٹکڑے پر ہے اک قیدی کی لاش
کھنچ کے آیا دل سے پتھرائی ہوئی آنکھوں میں درد
اینٹھتے ہونٹوں پہ جم کے رہ گئی اک آہ سرد
نزع کے عالم میں یوں رگڑیں زمیں پر ایڑیاں
گر گئیں کٹ کر غلامی کی پرانی بیڑیاں
چھٹ گئی قیدِ حوادث سے وہ جان بے قرار
موت نے سینے پہ اپنے لے لیا دھرتی کا بار
تھا غلام آباد میں تجھ کو نہ جینے کا دماغ
نصف شب آئی نہ تھی اور بجھ گیا تیرا چراغ
زندگی کی مٹ گئی دھندلی سی اک تصویر آج
ڈھونڈتی ہے تجھ کو اک ٹوٹی ہوئی زنجیر آج
گھر پہ تڑپاتا ہے سب کو تیرا درد انتظار
رو رہی ہے جیل اس پر چھن گیا منھ سے شکار
کوئی تجھ سے جبریہ اب کام لے سکتا نہیں
کوئی روکھے پن سے اب آواز دے سکتا نہیں

ebooksgallery.com

زندگانی تھی تری بے منتِ مینا و جام
عمر کی راہوں میں بے آوازِ پا تیرا خرام
تیری جانب اٹھ نہ سکتی تھی زمانے کی نظر
تو تھا اک آنسو کا قطرہ وقت کے رخسار پر
گو ترا دل شوق کی لذت سے بیگانہ نہ تھا
تو جہاں میں عزت و شہرت کا دیوانہ نہ تھا
کام تھا تجھ کو اگر کوئی تو اپنے کام سے
کوئی بھی واقف نہ تھا دنیا میں تیرے نام سے
تیرے رخ پر تربیت کی آئینہ کاری نہ تھی
تیرے لب پر علم کی سنجیدہ گفتاری نہ تھی
تو تھا دنیا کے سمندر میں وہ موجِ بے خروش
جس کے بل بوتے پہ اتراتا ہے طوفانوں کا جوش
تیری محنت پر ہمیشہ دوسروں کی تھی نگاہ
تیرا خرمن تھا ہزاروں بجلیوں کی رزم گاہ
سر سے لیکر پاؤں تک اک حسرت ناکام تھا
تیرے آئینہ میں عکس گردشِ ایام تھا
تو نے آخر ختم کر دی داستانِ زندگی
تنگ ہے محکوم قوموں پر جہانِ زندگی
آج خونی موت کے پنجے میں تو مجبور ہے
لیکن انگریزی حکومت کی حدوں سے دور ہے

بنارس سنٹرل جیل

1941

ebooksgallery.com

زندگی

گردشِ چرخ و دورِ جام بھی ہے
تیز رو بھی، سبک خرام بھی ہے
ارتقاء میں ہے انقلاب کا راز
زندگی رقص بھی ہے گام بھی ہے

1941

ebooksgallery.com

عذرواعتراف

سبک ہے مثلِ نسیمِ سحر خرام ترا
لطیف خندۂ گل کی طرح کلام ترا
مرے لیے ہے بہت خاص لطفِ عام ترا
پیامِ شوق ہے دل کے لیے سلام ترا
خوشی کی دیکھنے والی مرا ملال بھی دیکھ
گزر رہے ہیں جو پھیکے وہ ماہ و سال بھی دیکھ

تجھے پسند تھے جو گیت وہ میں گا نہ سکا
ترے خیال کی رعنائیوں پہ چھا نہ سکا
جو دل کی بات تھی بھولے سے بھی بتا نہ سکا
میں تیرے جلوۂ رنگیں کی تاب لا نہ سکا
لگاؤ تھا مجھے لیکن جتا نہ سکتا تھا
متاعِ حسن و محبت گنوا نہ سکتا تھا

شکستِ حسن کا جذبہ جگا دیا میں نے
بجھا ہوا تھا جو شعلہ جلا دیا میں نے
اک انتقام کا طوفاں اٹھا دیا میں نے
چھلکتا جام زمیں پر گرا دیا میں نے
ترا عتاب بڑھا دل کو اور پیار آیا
غرورِ وینس و ہیلن[1] کا اعتبار آیا

1941

---

1. وینس یونانی دیو مالا میں حسن و محبت کی دیوی۔ ہیلن یونان کی ایک مشہور خوبصورت عورت۔

ebooksgallery.com

تغیر

(ایک دوست کے نام)

ہر چیز بدل رہی ہے ہر دم !
جو چھاؤں ہے ڈھل رہی ہے ہر دم

جو صبح ہے شام ہو رہی ہے
ہر رات تمام ہو رہی ہے

پانی سے سحاب اٹھ رہا ہے
موجوں سے حباب اٹھ رہا ہے

پتھر سے ابل رہے ہیں چشمے
چشموں سے نکل رہے ہیں نغمے

قطروں سے گہر گہر سے لڑیاں
لمحات سے بن رہی ہیں گھڑیاں

سو رنگ بدل رہی ہے تصویر
تخریب سے ہو رہی ہے تعمیر

ہر سمت برستی ہیں گھٹائیں
رخ اپنا بدلتی ہیں ہوائیں

بجھ جاتے ہیں آسماں کے تارے
کھو جاتے ہیں ناچ کر شرارے

گھٹ جاتی ہے دوست کی محبت
بڑھ جاتی ہے زندگی کی لذت

ہاں اصل ثبات ہے تغیر
قانونِ حیات ہے تغیر

ہر چیز بدل رہی ہے ہمدم
گر تو بھی بدل گئی تو کیا غم

1941

ebooksgallery.com

ترقی پسند مصنفین

آگ محفل میں غلاموں کی لگا دیں اے دوست
دل کی بجھتی ہوئی شمعوں کو فروزاں کر دیں
گائیں ٹوٹے ہوئے بربط پہ ترانے دل کے
بزم کو اپنی نواؤں سے غزل خواں کر دیں
کعبہ و دیر و کلیسا کی بجھا دیں قندیل
ہر طرف مشرق و مغرب میں چراغاں کر دیں
توڑ دیں وہم نے پہنائی تھیں جو زنجیریں
آ گیا وقت کہ اب وادیِ زنداں کر دیں
ڈال دیں وقت کی افسردہ نگاہوں میں نگاہ
عہدِ پارینہ کو اک خوابِ پریشاں کر دیں
رنگ خوں بھر کے بنائیں وہ نئی تصویریں
کاوشِ مانی و بہزاد کو حیراں کر دیں
چھین لیں ہاتھ بڑھا کر مہ و پرویں سے چمک
ہند کی خاک کے ذروں کو درخشاں کر دیں
مسندِ عیش سے شاہوں کو اٹھا دیں چل کر
مورِ بے مایہ کو ہم دوشِ سلیماں کر دیں

ebooksgallery.com

کب تلک راہ کے کانٹوں سے بچائیں گے قدم
ان کو تھوڑا سا لہو دے کے گلستاں کر دیں
اب نظر پھیر لیں ایران کے گلزاروں سے
نگہ شوق کو کشمیر بداماں کر دیں
دے کے احساس نیا ہند کے مہ پاروں کو
حسن یوسف کو چراغ تہ داماں کر دیں
داستاں وامق و عذرا کی بھلا دیں دل سے
شوق کی جنس گراں مایہ کو ارزاں کر دیں
عام ہو غالب و اقبال کی رعنائی فکر
بے زبانوں کو زباں دے کے زباں داں کر دیں
کھول دیں سب کے لیے قفل در میخانہ
حضرت جوش کو سر حلقۂ رنداں کر دیں

1941

ebooksgallery.com

زمانۂ ماقبل تاریخ کے انسان کا ذہنی تجزیہ

مسکراتے ہیں مناظر رقص کرتے ہیں نجوم !
گنگناتی ہیں چٹانیں گا رہے ہیں آبشار
چھن رہا ہے ابر کے پردے سے نورِ آفتاب
اور فضا میں پڑ رہی ہے ہلکی ہلکی سی پھوار
وقت کے میلے بدن پر دھاریاں ہیں نور کی
تھرتھراتے ہیں ہوا میں سینکڑوں چاندی کے تار
عارضِ گلرنگ پر صبحِ تمدن کی نمود !
گود میں تہذیبِ انسانی کا طفلِ شیر خوار
آنکھ میں ماضی کا جادو رخ پہ مستقبل کا نور
انکھڑیوں میں ارتقاء کے جامِ رنگیں کا خمار
اپنے سینے میں لیے انسان کے سینے کا جوش
دوش پر اپنے اٹھائے فکرِ انسانی کا بار
ٹوٹتی ہے کیوں شعاعِ مہرِ تاباں کی کمند
شب اٹھا لیتی ہے کیوں ناہید و پرویں کا ستار ؟
رات کے ڈھلتے ہی پڑ جاتی ہے پھیکی چاندنی
صبح ہوتے کیوں بکھر جاتا ہے تاروں کا غبار ؟

ebooksgallery.com

جھوم کر اٹھتی ہے کیوں اودی فضاؤں میں گھٹا
کوہ و صحرا پر برس جاتا ہے کیوں ابرِ بہار ؟
کیوں پلٹ جاتا ہے موسم کیوں بدل جاتی ہے رُت؟
کھیلتی ہے کیوں خزاں کی گود میں فصلِ بہار ؟
موت اڑا لیتی ہے کیوں رنگین رخساروں کا رنگ ؟
ہے اجل کی نیند کا کیوں چشمِ ہستی میں خمار ؟
رات کو ہوتا ہے کیوں بھولے مناظر کا ہجوم ؟
خواب میں پیشِ نظر رہتی ہے کیوں تصویرِ یار ؟
ذہن کی تاریکیوں میں جلوہ فرما کون ہے ؟
کس کے نغمے ہیں سرود زندگی پر بے قرار ؟
زیرِ دامانِ افق سے پھول برساتا ہے کون ؟
کون ہوتا ہے شفق کے رنگ میں آئینہ کار ؟
کون سوتا ہے ردائے برف میں لپٹا ہوا ؟
کوہ کی چوٹی ہے کس دوشیزہ سینے کا ابھار ؟
آندھیوں سے اس طرح سرگوشیاں کرتا ہے کون؟
گونجتی ہے وادئ کہسار میں کس کی پکار ؟
کس کی ہیبت ہے کہ گیتی کا دہل جاتا ہے دل ؟
'کانپتے ہیں کوہسار و مرغزار و جوئبار '
آسماں پر ہے یہ کس کے تازیانوں کی صدا؟
آ رہا ہے کون یہ بادل کے گھوڑے پر سوار ؟
اٹھ رہا ہے کیوں پہاڑی کے کلیجے سے دھواں
ناچتا ہے کون یہ پہنے ہوئے شعلوں کے ہار
الاماں اے عالمِ فطرت کی ارواحِ عظیم
ہے حدِ ادراک سے باہر تمہارا اقتدار

ebooksgallery.com

ہے عناصر میں تمہارے حسن و ہیبت کی نمود
آتش و آب و ہوا پر ہے تمہارا اختیار
تم وہاں رہتی ہو انسانی تخیل سے پرے
جس جگہ جھک کر زمیں کو آسماں کرتا ہے پیار
اور لائے ہیں تمہاری بارگاہ ناز میں !
خوف کے مارے ہوئے مجبور انسانوں کی ہار
دیکھ کر انساں کی پستی وقت بھی تھرا گیا
ارتقاء کے نرم ماتھے پر پسینہ آگیا
آہ اے ناداں خیالی دیوتاؤں کو نہ پوج
ذہن میں بنتے ہیں جو ایسے خداؤں کو نہ پوج
جو برستے ہیں یہاں بھی اور وہاں بھی ہم نشیں
ایسے آوارہ طبیعت بے وفاؤں کو نہ پوج
ہوں مرادیں اپنی ان گونگی چٹانوں سے نہ مانگ
قدر کر اپنے ارادوں کی دعاؤں کو نہ پوج
پوجنا ہے پوج اپنی فطرت آزاد کو !
مشرق و مغرب کی آوارہ ہواؤں کو نہ پوج
گود میں سمٹی ہوئی رعنائیوں کو چھوڑ کر !
وادئ و کہسار کے رنگیں اداؤں کو نہ پوج
بھول کر اپنے سرودِ لذتِ گفتار کو
آسماں میں گونجنے والی صداؤں کو نہ پوج
یہ خدا یہ دیوتا دو روز ہی رہ پائیں گے
جہل سے پیدا ہوئے ہیں علم سے مر جائیں گے

1942

ebooksgallery.com

اکیلا ستارہ

افق کے کونے میں اک اکیلا ستارہ یوں جگمگا رہا ہے
کہ کوئی جیسے غموں کی یورش میں زیرِ لب مسکرا رہا ہے

فضاؤں کے سرمئی دھندلکے میں شام تحلیل ہو رہی ہے
ہوا میں اڑتا ہے شب کا آنچل اندھیرا بڑھتا ہی جا رہا ہے

ٹپک پڑا ہے اندھیری شب کی سیاہ پلکوں سے ایک آنسو
شفق کے رخسار سے ڈھلک کر زمیں کے دامن میں آ رہا ہے

پہاڑ کی سر بلند چوٹی سے کوئی دیوی اتر رہی ہے
سنہری وادی میں کوئی بیٹھا ستار اپنا بجا رہا ہے

حیات کے زعفران زاروں میں اک کلی مسکرا اٹھی ہے
مہک رہا ہے ہوا کا دامن، فضاؤں کو وجد آ رہا ہے

گلاب کی پنکھڑی پہ شبنم کا ایک قطرہ لرز رہا ہے
جوان آغوش میں پہونچ کر کوئی حسیں تلملا رہا ہے

1942

ebooksgallery.com

خیر مقدم

مبارک ہو کہ وہ غمخوارِ جانِ بے قرار آیا
سوادِ لکھنؤ میں آہوئے دشتِ تتار آیا
نگارِ نو بہار و نو بہارِ گل عذار آیا
چمن ہے رنگ ساماں رنگ سامانِ بہار آیا
عنا دل سے کہو گائیں ترانے خیر مقدم کے
بہاروں کو خبر دو مطربِ سازِ بہار آیا
دلِ بے تاب کی تسکین کو پہلے خبر آئی
بڑی مدت کے بعد آخر وہ جانِ انتظار آیا
جسے سمجھا تھا دل نے دشمنِ تمکین و ہوش اب تک
سکونِ روح و دل بن کر وہ یارِ غمگسار آیا
ادا کی برق چمکی زلف پیچاں کی گھٹا برسی
اودھ کے میکدے کی سمت ابرِ کوہسار آیا
ہوائے شوق سے کھلنے لگیں کلیاں تبسم کی
نویدِ موسم گل مژدۂ فصلِ بہار آیا
رگوں میں خون بن کر لذتوں کی بجلیاں دوڑیں
نگہ میں لوٹ کر شبہائے عشرت کا خمار آیا
سنا کرتے تھے حسن وینس و ہیلن کے افسانے
جمالِ وینس و ہیلن کا آخر اعتبار آیا

1942

ebooksgallery.com

سرِ راہ

یہ کون ہے جس کی زلفوں سے گھنگھور گھٹائیں لپٹی ہیں
بجلی سی چمکتی ہے لیکن بجلی سے حیائیں لپٹی ہیں

اک لرزش سی ہے قامت میں، اک شعلہ سا تھرّاتا ہے
ہر گام پہ عشوے رقصاں ہیں، عشووں سے ادائیں لپٹی ہیں

مشرق سے نکلتے سورج کا ہوتا ہے گماں پیشانی پر
اس تابشِ رخ کا کیا کہنا، آنچل، سے شعاعیں[1] لپٹی ہیں

یہ جسم کی خوشبو ہے کہ مہک بیلے کی چٹکتی کلیوں کی
پیراہنِ رنگیں سے شاید جنت کی ہوائیں لپٹی ہیں

ابرو کی کمانیں کھنچتی ہیں جنبش سی ہے تیرِ مژگاں میں
اس تیر سے کس کس کے دل کی مایوس دعائیں لپٹی ہیں

1942

1. میں اس قافیے کو جائز سمجھتا ہوں۔ میرے نزدیک قافیے کا تعلق سماعت سے ہے نہ کہ حرف تہجی سے۔

ebooksgallery.com

فاشسٹ دشمن سپاہیوں کا گیت

بگل کی سریلی صدا آ رہی ہے
شرو(ع) ہو گئی ہے ہماری لڑائی
حکومت کی بنیاد ہلنے لگی ہے
حکومت کی ہم کیوں کریں گے گدائی ؟

غریبوں کے گھر میں جنم ہم نے پایا
مصیبت کی گودوں کے پالے ہوئے ہیں
مگر توپ بندوق تلوار نیزے
یہ سب اپنے ہاتھوں کے ڈھالے ہوئے ہیں

یہ دھن اور دولت پہ قبضہ ہے جن کا
انھیں آسماں پر بٹھایا ہے ہم نے
وہاں آج ان سب کو جھکنا پڑے گا
جہاں کل تلک سر جھکایا ہے ہم نے

ebooksgallery.com

چلو آج کمزور ہاتھوں سے اپنے
غلامی کے زنداں کی دیوار ڈھا دیں
رہے فرق باقی نہ روس و حبش میں
حدیں چین و ہندوستاں کی ملا دیں

گرا آسماں سے اندھیرے کا پرچم
کٹی رات اب ہو رہا ہے سویرا
ہواؤں میں اک لہر سی دوڑتی ہے
وہ دیکھو کھلا انقلابی پھریرا

(ماخوذ)
(اگست1942)

ebooksgallery.com

تاجکستان کا ایک گیت

(تاجکستان سویت یونین میں ایک آزاد مسلم جمہوریت ہے۔ یہ گیت
1917 کے انقلاب کے بعد وہاں کے ایک شاعر نے لکھا تھا)

اے امیر اب نہ بدخشاں کی طرف رخ کرنا
راہ میں تیرے لیے سنگ گراں ہیں لاکھوں
تاجکستان کے پیڑوں کی گھنی چھاؤں میں
نیزۂ و خنجر و شمشیر و سناں ہیں لاکھوں

اے امیر اب نہ بدخشاں کی طرف رخ کرنا
بیلیں انگوروں کی زنجیر لیے بیٹھی ہیں
مرد شمشیر بہ کف تیری پذیرائی کو !
عورتیں جذبۂ تحقیر لیے بیٹھی ہیں

اے امیر اب نہ بدخشاں کی طرف رخ کرنا
کوہساروں کی بلندی کو جلال آئے گا
سنگریزوں کے کلیجے سے دھواں اٹھے گا
اور دریاؤں کے سینے میں ابال آئے گا

(ترجمہ)

1942

ایک نابینا ترکمان شاعر کی نظم

(ترکمانیہ سویت یونین کی ایک آزاد مسلم جمہوریت ہے۔ ذیل کی نظم وہاں کے ایک نابینا شاعر کرم علی کی لکھی ہوئی ہے۔ انقلاب سے پہلے اس ترکمان شاعر کی قوم زار روس کی غلامی میں گرفتار تھی۔ انقلاب کے بعد آزاد ترکمان قوم نے اپنی خود مختار ریاست بنالی جو سویت دفاق سے وابستہ ہے اسی لیے کرم علی نے روس کے 1917ء کے انقلاب کو بڑی محبت سے اپنی آنکھوں کی بینائی سے تعبیر کیا ہے۔)

آسماں پر آج بادل کا نشاں ملتا نہیں
صبح کی شاداب کرنوں سے فضا آباد ہے
سایہ افگن اب نہیں دن پر اندھیرا رات کا
زار کے پنجے سے اب یہ سرزمیں آزاد ہے
زندہ باد اے بالشیوک انقلابی زندہ باد

تم نے ظالم حکمرانوں کو کچل کر رکھ دیا
دشمنوں سے مل گئی مظلوم قوموں کو نجات
آج ہم بھی ہیں تمھاری کامرانی میں شریک
شاخ آہو پر نہیں ہے اب غریبوں کی برات
زندہ باد اے بالشیوک انقلابی زندہ باد

وہ کرن پھوٹی وہ نکلا عہد نو کا آفتاب
آج میرے دیدۂ بے نور میں نور آگیا
اٹھ رہی ہے میرے دل میں شادمانی کی ترنگ
چھا گیا عہد غلامی پر اندھیرا چھا گیا
زندہ باد اے بالشیوک انقلابی زندہ باد

(ترجمہ) 1942

ebooksgallery.com

بنگال

آبروئے ملک و ملت کے نگہبانوں اٹھو — شمعِ جاں افروز آزادی کے پروانوں اٹھو
حریت کے پاسباں عزت کے دیوانے اٹھو — مادرِ ہندوستاں کے دل کے ارمانوں اٹھو
ناز ہے تلوار کو جس پر وہ بازو ہو تمہیں
وہ بہادر بھیم وہ خوددار ٹیپو ہو تمہیں

آج ہے بدلا ہوا رنگِ مزاجِ روزگار — کرگسوں کی طرح منڈلاتی ہے روحِ انتشار
آہ وہ بنگال وہ حسن و محبت کا دیار — ہو گیا غیروں کی دیرینہ سیاست کا شکار
اس مصیبت میں اگر اپنے بھی بیگانے رہے
'فائدہ پھر کیا جو گردِ شمع پروانے رہے'

جس افق سے روز ہوتا ہے طلوعِ آفتاب — جس نے پالی اپنے گہوارے میں روحِ انقلاب
جس کے فرزندوں نے دی تحریکِ آزادی کو آب — جس حسیں وادی میں شادابی بجاتی تھی رباب
آج اس میں قحط ہے آلام ہیں ادبار ہے
زندگی سے آج اس کا ہر نفس بیزار ہے

تم ابھی الجھے ہو بحثِ اندک و بسیار میں — اور وطن ہے صیدِ دامِ سکہ و دینار میں
ایک سکتے کا سا عالم ہے در و دیوار میں — جسم کس کے بک رہے ہیں کوچہ و بازار میں
چند ٹکڑوں کے لیے جھانسی کی رانی بک گئی
آبرو مریم کی سیتا کی جوانی بک گئی

ebooksgallery.com

بستیوں میں گاؤں میں شہروں میں لہراتی ہے موت　　جس طرف دیکھو اسی جانب نظر آتی ہے موت
چھین کر ماؤں سے بچوں کو لیے جاتی ہے موت　　زندگی ہے سرنگوں اور ناز فرماتی ہے موت
گاؤں ویراں ہو گئے ہر جھونپڑا سنسان ہے
خطۂ بنگال ہے یا ایک قبرستان ہے

دھنس گئیں ہیں بھوک سے آنکھیں لٹک آئے ہیں گال　　ہڈیوں پر خشک چمڑے کی طرح لپٹی ہے کھال
ماؤں کے دکھتے ہوئے شانوں پہ بچے ہیں نڈھال　　جانور سے بھی ہے بدتر آج انسانوں کا حال
جھونپڑے جن کے تھے کل تک مرغزاروں کے قریب
آج وہ دم توڑتے ہیں رہگزاروں کے قریب

سیکڑوں سوتی ہوئی لاشوں سے اٹھتا ہے بخار　　میتیں ہیں بے کفن چادر اڑھاتا ہے غبار
چھاتیاں ماؤں کی جن سے دودھ کی بہتی تھی دھار　　بے بسی سے آج ان کو چوستے ہیں شیرخوار
رینگ کر لاشوں سے ہٹ جائیں یہ طاقت بھی نہیں
ان میں انسانوں کی ہلکی سی شباہت بھی نہیں

1

شوق بھی زخمی ہے زخمی ہے دل بیتاب بھی　　ساز بھی ٹوٹا ہوا ٹوٹی ہوئی مضراب بھی
اس بھیانک خامشی کے درمیاں گائے گا کون؟
اس اندھیرے میں چراغِ طور دکھلائے گا کون؟

مشعلِ امید سینوں میں جلا سکتے ہو تم　　قحط کی اور موت کی گردن دبا سکتے ہو تم
نیند کے ماتے جوانوں کو جگا سکتے ہو تم　　خود مسیحا بن کے مُردوں کو جلا سکتے ہو تم
زندگی کرتی ہے جب یورش تو گھبراتی ہے موت
زندگی سے بھاگنے والوں پہ چھا جاتی ہے موت

---

1 اس بند کے شروع کے دو مصرعے اصل مجموعے میں نہیں ہیں۔

ebooksgallery.com

اک طرف دیو حکومت گردنوں پر ہے سوار　　اک طرف جاپان کا لشکر قطار اندر قطار
اور اس حالت میں ہندوستان فاقوں کا شکار　　ہوشیار اے مردِ میدانِ سیاست ہوشیار
ایک ہو جاؤ کہ دم سینوں میں گھٹ جانے کو ہے
قوم کا سرمایۂ اخلاق لٹ جانے کو ہے

متحد ہو کر اٹھو جس طرح دریا میں ابال　　متحد ہو کر بڑھو جس طرح صحرا میں غزال
متحد ہو کر اڑو جس طرح شاعر کا خیال　　متحد ہو کر چلو مانند بادِ برشگال!
پھر بہار آجائے شاخِ آرزو پھلنے لگے
کھیتیاں شاداب ہو جائیں ہوا چلنے لگے

(اکتوبر 1943)

ebooksgallery.com

لینن

دوستوں کے لیے الفت کی زباں ہے لینن
دشمنوں کے لیے شمشیر سناں ہے لینن
رگِ مزدور میں خوں بن کے رواں ہے لینن
دل پہ سرمائے کے اک سنگِ گراں ہے لینن
کشتِ دہقاں کے لیے بادِ بہاری کا پیام
شہریاری کے لیے برقِ تپاں ہے لینن
سرخ فوجوں کے تجمل میں جھلک ہے اس کی
نوجوانوں کے ارادوں میں جواں ہے لینن
جس نے ہر قوم کو ہر ملک کو سیراب کیا
سرخ میخانے کا وہ پیرِ مغاں ہے لینن
جس کی ہر بات ہے تفسیر حیاتِ ابدی
جس کو ہر شخص نے سمجھا وہ زباں ہے لینن
جس پہ شاہد ہے سمرقند و بخارا کا شکوہ
وہ ہنر مند وہ معمارِ جہاں ہے لینن
ظلمت آبادِ غلامی کے بیابانوں میں !
مشعلِ راہ یقیں سنگِ نشاں ہے لینن
ہٹلریت کے نشاں جس سے جھکے جاتے ہیں
حریت کا وہ سر افراز نشاں ہے لینن

1943

ebooksgallery.com

غالب

آسمانوں کی بلندی کو بلا کا ناز تھا
پست ہمت جس سے ذوقِ رفعتِ پرواز تھا
رہگزار ماہ و انجم تک کوئی جاتا نہ تھا
کوئی شاخِ کہکشاں پر بیٹھ کر گاتا نہ تھا
عرش پر جبریل کا دمساز ہو سکتا تھا کون
طائرِ سدرہ کا ہم آواز ہو سکتا تھا کون
جو لگا دے آگ کوئی نغمہ زن ایسا نہ تھا
تجھ سے پہلے کوئی داؤدِ سخن ایسا نہ تھا
تو نے چھیڑے ہیں وہ نغمے شاعری کے ساز پر
لحنِ داؤدی کو رشک آئے تری آواز پر

تیرا بربط کہکشاں ،ناہید ہے تیرا رباب
آسماں کیا ہے ترے بحرِ تخیل کا حباب
تیرا نغمہ ساحری ،تیرا بیاں پیغمبری
تیرے قبضہ میں ہے اقلیمِ سخن کی داوری

ebooksgallery.com

تیری فکرِ نکتہ رس حسنِ تخیل کا شباب
شعر تیرا معجزہ تیری کتاب ام الکتاب
وہ صداقت ،وہ حقیقت ،وہ جمالِ برق پاش
زندگی جس کے لیے قرنوں سے سرگرم تلاش
وہ صداقت عکس افگن ہے تری تقریر میں
وہ حقیقت جلوہ فرما ہے تری تحریر میں

حسن کے جلووں سے جب محروم ہو جاتے ہیں ہم
کِذب کے ظلمت کدے میں جا کے کھو جاتے ہیں ہم
جب کہ ہوتا ہے 'شب غم' میں 'بلاؤں کا ہجوم'
جب نگاہیں پھیر لیتے ہیں مہ و مہر و نجوم
شعر تیرے جگمگا اٹھتے ہیں اس ظلمات میں
جس طرح جگنو چمکتے ہیں بھری برسات میں

تو نے دل کو گرم سینوں کو فروزاں کر دیا
روح کو روشن ،دماغوں کو چراغاں کر دیا
تو مثالِ شمع ماضی کے سیہ خانے میں ہے
نور تیرا حال و مستقبل کے کاشانے میں ہے
تیرے گلشن کی بدولت گل بداماں ہم بھی ہیں
تیرے نغموں کے اثر سے نغمہ ساماں ہم بھی ہیں

1944

ebooksgallery.com

اقبال

زندگی کے نغمہ گر نے آج چھیڑا ہے رباب
حلقۂ ذوقِ سخن سے اٹھ کے جا سکتا ہے کون ؟
حسن نے خود اپنے چہرے سے الٹ دی ہے نقاب
ہم بھی دیکھیں تاب اب محفل میں لا سکتا ہے کون؟
بہہ چلا ہے چشمۂ خورشید سے سیلابِ نور
اس اجالے میں چراغ اپنا جلا سکتا ہے کون ؟
چاند کے ماتھے پہ افشاں چننے والا کون ہے ؟
صبح کے سورج کو آئینہ دکھا سکتا ہے کون ؟
کون دستِ نو عروسِ گل پہ باندھے گا حنا
چشم نرگس میں بھلا کاجل لگا سکتا ہے کون ؟
کون دے گا آہوئے تاتار کو درسِ خرام
رقص کرنا ماہ و انجم کو سکھا سکتا ہے کون ؟
گرچہ خالی گردشِ ساغر سے میخانہ نہیں
چشم ساقی کا فسوں محتاج پیمانہ نہیں

ebooksgallery.com

ناتوانوں کو عطا کی قوتِ ضربِ کلیم
تو نے بخشے ملتِ بے پر کو بالِ جبرئیل
رند کیا ساقی بھی جس محفل میں پیاسا تھا وہاں
بھر کے لایا دل کے پیمانے میں موجِ سلسبیل
کچھ نہیں تھا جس بیاباں میں بجز موجِ سراب
آج وہ ہے رہگزار دجلہ و دینوب و نیل
آذرانِ عصرِ حاضر کے صنم خانوں میں آج
گونجتا ہے تیرے دم سے نغمۂ سازِ خلیل
زندگی دشوار تر کر دی غلامی کے لیے
کھینچ دی اس طرح آزادی کی تصویرِ جمیل
خواب کے آغوش سے بیداریاں پیدا ہوئیں
زندگی کی راکھ سے چنگاریاں پیدا ہوئیں

چلمنیں اٹھتی ہیں مشرق کی حریم ناز سے
منتظر تھیں جس کی آنکھیں جلوہ گر ہونے کو ہے
خونِ شب سے گل بداماں ہے شفق زارِ وجود
آسماں پر نور سا پھیلا سحر ہونے کو ہے
کتنے آنسو بہہ چکے ہیں زندگی کی آنکھ سے
آج ان اشکوں کا ہر قطرہ گہر ہونے کو ہے
ارتقا ہے اس کا جادہ اس کی منزل انقلاب
کاروانِ شوق سرگرم سفر ہونے کو ہے

ebooksgallery.com

گلشن ہندستاں میں لوٹ آئی ہے بہار
آرزو کی شاخِ نازک بارور ہونے کو ہے
سبز پرچم کے افق پر مسکراتا ہے ہلال!
باعثِ صد نازشِ شمس و قمر ہونے کو ہے
کھل گیا در، پڑ گیا دیوار زنداں میں شگاف
اب قفس میں جنبشِ صد بال و پر ہونے کو ہے
سرخ شعلہ ہو گیا ہے آسمانوں تک بلند
فاش رازِ شوخیٔ برق و شرر ہونے کو ہے
جس کا چہرہ تھا غریبوں کے لہو سے تابناک
وہ نظامِ کہنہ اب زیر و زبر ہونے کو ہے
'آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پر آ سکتا نہیں
محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی'

1944

ebooksgallery.com

خوشی

اجنتا کے پرانے اور پُر اسرار غاروں سے
اندھری رات میں اکثر وہ دوشیزہ نکلتی ہے
مسیح و خضر و گوتم کو رہی ہے جستجو جس کی
زمانے نے ہزاروں سال کی ہے آرزو جس کی
جبیں پر جس کی صبحِ نو کی تابانی مچلتی ہے

ازل کی تابشِ سیمیں ہے ہالہ اس کے چہرے کا
کفِ دستِ حنائی پر ابد کی شمع جلتی ہے
مغنی کے نفس کا زیر و بم ہے سوز و ساز اس کا
نوائے شاعرِ رنگیں کے پردے میں ہے راز اس کا
وہ مے احساس کے گلرنگ پیمانے میں ڈھلتی ہے

شعاعِ نور بن کر مسکراتی ہے فضاؤں میں
وہ چشمہ بن کے کہساروں کے سینے سے ابلتی ہے
ہمالہ کی بلندی میں ہے ہلکا سا نشاں اس کا
فرازِ آسمانِ نیلگوں ہے رازداں اس کا
وہ ماہ و انجم و خورشید کی راہوں پہ چلتی ہے

ebooksgallery.com

بکھر جاتی ہے عارض پر تبسم کی کرن بن کر
کسی کی آنکھ سے اشکِ محبت بن کے ڈھلتی ہے
حق و باطل کے پیکاروں میں اس کا بول بالا ہے
مجاہد کی جبیں پر اس کے پرتو سے اجالا ہے
وہ نیزوں اور تلواروں کے سائے میں نکلتی ہے
کبھی آوارہ نکہت بن کے اڑتی ہے ہواؤں میں
کبھی موجِ شرابِ ارغواں بن کر مچلتی ہے
جہاں رہتی ہے نقش و رنگ میں مستور رہتی ہے
بہشت نغمہ و آہنگ میں اک حور رہتی ہے
شبستانِ تخیل میں کنول کی طرح جلتی ہے
عناصر کا توازن ہی تو ہے سازِ بہار اس کا
جہانِ آب و گل میں گنگناتا ہے ستار اس کا
معطر ہے مشامِ روح دامن بھر نہیں سکتا
کوئی اس پھول کو زیبِ گریباں کر نہیں سکتا

1944

ebooksgallery.com

حسنِ ناتمام

کس قدر شاداب و دلکش ہے وہ حسنِ ناتمام
جس کی فطرت غنچگی، دوشیزگی ہے جس کا نام
جس طرح پچھلے پہر کا صاف و پاکیزہ افق
جس کے سینے میں ابھی پہلی کرن پھوٹی نہیں
جس طرح اک کھلنے والی ناشگفتہ سی کلی!
جس کے دامن تک ابھی بادِ سحر پہنچی نہیں
برگِ گل پر جس طرح شبنم کی اک ننھی سی بوند
جو شعاعِ مہر تاباں سے ابھی الجھی نہیں
جس طرح ساغر میں صہبا جیسے مینا میں شراب
جو ابھی مچلی نہیں، چھلکی نہیں، ابلی نہیں
جس طرح اک شوخ بجلی بادلوں کی آڑ میں
جو ابھی تڑپی نہیں، چمکی نہیں، ٹوٹی نہیں
جس طرح گیسوئے پیچاں، جیسے زلف خم بہ خم
جو ابھی کھل کر ہوا کے دوش پہ مہکی نہیں
جس طرح دریا میں موتی جیسے موجوں میں صدف
چشمِ انساں نے ابھی جن کی چمک دیکھی نہیں

ebooksgallery.com

جیسے ذہنِ پاک شاعر میں تخیل کی پری
جو ابھی تک شیشۂ الفاظ میں اتری نہیں
جس طرح آنکھوں میں ہلکے سے تبسم کی جھلک
جو کرن بن کر لب و رخسار پر بکھری نہیں
اب تلک یوں ہی اچھوتا ہے وہ حسنِ ناتمام
جس کی فطرت غنچگی ، دوشیزگی ہے جس کا نام

1944

جھلک

صرف لہرا کے رہ گیا آنچل   رنگ بن کر بکھر گیا کوئی
گردشِ خوں رگوں میں تیز ہوئی   دل کو چھو کر گزر گیا کوئی
پھول سے کھل گئے تصور میں
دامنِ شوق بھر گیا کوئی

1944

ebooksgallery.com

عورت

صدف کو خوبیِ قسمت سے تو جو مل جاتی
صدف کے سینۂ روشن میں اک گہر ہوتی
ترا نزول جو ہوتا سوادِ گلشن میں
نہالِ فصلِ بہاراں کا اک ثمر ہوتی
گر ہواؤں کے آغوش میں جگہ پاتی
تو رقصِ شعلہ و بیباکیٔ شرر ہوتی
زمیں پہ ٹوٹ کے گرتی نہ آسماں سے اگر
ندیم چاند کی، تاروں کی ہم سفر ہوتی
اندھیری شب کو میسر نہیں جمال ترا
نہیں تو رات سحر سے حسین تر ہوتی
جو بحر پر ترے آنچل کی چھاؤں پڑ جاتی
تو موجِ بحر کے شانوں پہ زلفِ تر ہوتی
حیات نے تجھے عورت کا مرتبہ بخشا
نہیں تو شمعِ افقِ مشعلِ سحر ہوتی
عطا کیا ہے محبت کا اک جہاں تجھ کو
بنایا فطرتِ آدم کا رازداں تجھ کو

1944

ebooksgallery.com

محبت کا فسوں

شوق ناکام سہی، پھر بھی محبت کا فسوں
زلف بر دوش و جنوں خیز و جواں ہے اے دوست
ابر غم میں مری خوشیوں کا سفینہ اب بھی
کشتیِ ماہ کی مانند رواں ہے اے دوست
جرأت و شوق کی جس راہ سے ہم گزرے ہیں
اس کا جو ذرہ ہے وہ کاہکشاں ہے اے دوست
دور تک ساحلِ دریا پہ وہ پھیلی ہوئی ریت
اس پر اب تک ترے قدموں کا نشاں ہے اے دوست
سینۂ بحر سے اٹھتے ہوئے طوفانوں پر!
تیری کھلتی ہوئی زلفوں کا گماں ہے اے دوست
میرے جلتے ہوئے پہلو میں تمنا تیری
جانتا ہوں کہ تمنا کا زیاں ہے اے دوست
پھر بھی دل ہے کہ تری سمت کھنچا جاتا ہے
آرزو تیری ہی جانب نگراں ہے اے دوست

1944

ebooksgallery.com

ویران مناظر

ہم سفر دیکھ یہ جنگل ہیں ، یہ وادی، یہ پہاڑ
ریل ہر روز ادھر ہو کے گزر جاتی ہے
ریل کے شور سے جاگ اٹھتے ہیں یہ ویرانے
جیسے بیتے ہوئے لمحات کی یاد آتی ہے

کل مرے ساتھ اسی راہ سے گذرا تھا کوئی
دے گیا کوہ و بیاباں کو بہاریں اپنی
ایک مخمور و دلآویز گھٹا آئی تھی
دے گئی وادی و صحرا کو پھواریں اپنی

سر اٹھائے ہوئے خاموش کھڑے ہیں جو پہاڑ
منتظر ہیں وہی خورشید جمال آ جائے
وہ شب و روز یوں ہی راہ تکا کرتے ہیں
کیا عجب ہے کوئی رنگین غزال آ جائے

ebooksgallery.com

دیکھ وادی میں لچکتی ہوئی چھوٹی سی ندی
جستجو میں اسی معشوق کی لہراتی ہے
مضطرب رکھتی ہے اس کو اسی آہو کی تلاش
کھا کے بل شوق سے ہر موڑ پہ مڑ جاتی ہے

دیکھ جنگل میں مہکتے ہوئے ہنستے ہوئے پھول
کھل رہے ہیں دلِ بیتاب کے ارماں لے کر
کنج در کنج غزلخواں ہیں ہواؤں کے ستار
نکہتیں اڑتی ہیں پیغامِ بہاراں لے کر

' آ کہ ویران ہیں فطرت کے مناظر تجھ بن
آ کہ سنسان ہیں رنگین مناظر تجھ بن'

1944

تذبذب

آج تو شوق کے ساحل پہ کھڑی ہے خاموش
موج کا رقصِ جنوں پاس بلاتا ہے تجھے
ریت پر گزرے ہوئے عہد کا ہر نقشِ قدم
ایک بھولا ہوا افسانہ سناتا ہے تجھے
تھپکیاں دے کے سلا دیتی ہے ساحل کی ہوا
اور اٹھتا ہوا طوفان جگاتا ہے تجھے
ڈوبتی شام کے ماتھے کا چمکتا تارا
زندگانی کا نیا خواب دکھاتا ہے تجھے
شب کا بڑھتا ہوا پُرہول سیہ رنگ فسوں
اک المناک اندھیرے سے ڈراتا ہے تجھے

بحر کی سطح حسیں رات کی پرچھائیں سے
ایک آئینہ تاریک ہوئی جاتی ہے
چھپ گیا مہر مبیں اور شفق کی قندیل
سرد بے رحم ہواؤں سے بجھی جاتی ہے

ebooksgallery.com

ظلمتیں چیر کے دامانِ فلک نکلی ہیں
نور کے ہاتھ کی تصویر مٹی جاتی ہے

اے مرے چاند، محبت کے افق سے ہو طلوع
جگمگا آج فروغ مہِ تاباں ہو کر
نور ہی نور سے اطرافِ جہاں کو بھر دے
پھیل جا جلوۂ بے باک فراواں ہو کر
برق کی طرح چمک، شعلے کی مانند لپک
عمر بھر یوں تو نہ جل شمعِ شبستاں ہو کر
موج کی طرح سے وابستۂ ساحل ہی نہ رہ
حسن کی بحر سے اٹھ عشق کا طوفاں ہو کر
قطرۂ اشک لرزتی ہوئی پلکوں پہ نہ بن
جھلملا گوہرِ خوش آب و درخشاں ہو کر
پھول کی طرح سے کھل شوق کے گلزاروں میں
پھیل جا نکہتِ گل رنگ بہاراں ہو کر
مسکرا دیں خمِ گیسو کی مہکتی کلیاں
دوشِ ہستی پہ بکھر زلفِ پریشاں ہو کر
دل کی بجھتی ہوئی شمعوں کو فروزاں کر دے
تابشِ رخ سے اندھیرے میں چراغاں کر دے

1944

غم کا ستارہ

میری وادی میں وہ اک دن یوں ہی آ نکلی تھی
حسن اور نور کا بہتا ہوا دھارا بن کر
محفلِ شوق میں اک دھوم مچا دی اس نے
دل کی خلوت میں رہی انجمن آرا بن کر
شعلۂ عشق سرِ عرش کو جب چھونے لگا
اڑ گئی وہ مرے سینے سے شرارہ بن کر

اور اب میرے تصور کا افق روشن ہے
وہ چمکتی ہے جہاں غم کا ستارہ بن کر

1944

ebooksgallery.com

تو اور میں

تو یہ کہتا ہے 'خزاں بیٹھی ہوئی ہے گھات میں
اس چمن میں آج فصلِ بہاراں ہے تو کیا
سوزِ غم، شورِ ماتم ہے جلو میں موت کی
زندگی سرمستِ ورقصاں و غزلخواں ہے تو کیا
تنگیٔ زندان و محبس سے گھٹا جاتا ہے دم
وادیٔ گنگ وجمن وسعت بداماں ہے تو کیا
دشمنوں کی فوج کو پیچھے ہٹا سکتا نہیں
ہم قطاروہم قدم گبرومسلماں ہے تو کیا
سیکڑوں ہٹلر اٹھیں گے وقت کے آغوش سے
ہٹلریت چاک داماں و پشیماں ہے تو کیا
ہر طرف سے چل رہی ہے نامرادی کی ہوا
طاقِ دل میں شوق کی شمع فروزاں ہے تو کیا'
میں یہ کہتا ہوں 'کہ اے نا آشنائے زندگی
زندگی ہوتی ہے کیوں کر کامراں یہ بھی تو دیکھ
صرف اک مٹتی ہوئی دنیا کا نظارہ نہ کر
عالمِ تخلیق میں ہے اک جہاں یہ بھی تو دیکھ

ebooksgallery.com

موت کے بڑھتے ہوئے قدموں کی آہٹ ہی نہ سن
زندگی ہے تیز گام و نوجواں یہ بھی تو دیکھ

خاک پر پھیلے ہوئے دامِ غلامی پر نہ جا
حریت ہے کس قدر اوج آشیاں یہ بھی تو دیکھ

نبضِ گلشن بن کے چلتی ہے رگِ برگِ گلاب
خاروخس سے بن رہے ہیں گلستاں یہ بھی تو دیکھ

کشتیٔ شب غرقِ دریائے شفق ہونے کو ہے
کھلنے والا ہے سحر کا بادباں یہ بھی تو دیکھ

ریزہ ریزہ ذرّہ ذرّہ، خاکدانِ شرق کا
پرتوِ خورشید کا ہے رازداں یہ بھی تو دیکھ

بازوئے صیاد و دستِ باغباں کے جور سے
ٹوٹی جاتی ہیں قفس کی تیلیاں یہ بھی تو دیکھ

آج ہے آباد کتنی شاہ راہِ انقلاب
آ رہے ہیں ہر طرف سے کارواں یہ بھی تو دیکھ

میں نے مانا مرحلے ہیں سخت، راہیں ہیں دراز
مل گیا ہے اپنی منزل کا نشاں یہ بھی تو دیکھ

راستوں کے پیچ و خم سے ہول آتا ہے مگر
آج اسٹالن ہے میرِ کارواں یہ بھی تو دیکھ

1944

ebooksgallery.com

حُسنِ سوگوار

کیا کہوں کیا ہے وہ حسنِ سوگوار
جس کو نظریں دور سے کرتی ہیں پیار

خال و خط میں اس نگاہوں میں شراب
ہلکی ہلکی سانس میں روحِ شباب

انکھڑیوں میں خواب و بیداری لیے
زلف کے ہر خم میں دلداری لیے

بات کرتی ہے تو یوں جھڑتے ہیں پھول
جیسے گلشن میں بہاروں کا نزول

ہو کے چپ جب بیٹھ جاتی ہے کبھی
خامشی سے پھوٹتی ہے راگنی

آنکھ اٹھا کر دیکھ لیتی ہے اگر
جم کے رہ جاتی ہے سورج کی نظر

پھر بھی رخ پر ہے اُداسی کا غبار
جس طرح پھولوں پہ شبنم کی پھوار

آسماں پر شام کی پرچھائیاں
آئینے پر ہلکی ہلکی جھائیاں

ebooksgallery.com

صبح کے منظر پہ کہرے کا اثر
ابر کی چادر عروسِ ماہ پر
ادھ کھلے مخمور آنکھوں کے کنول
ابروؤں کی نوک پر ہلکا سا بل
قہقہوں میں گریۂ غم کی خراش
انگلیوں میں ایک مبہم ارتعاش
شوق کی برنائیوں سے بیقرار
عشق کی ناکامیوں سے سوگوار
رسم کی زنجیر میں جکڑی ہوئی
حلقۂ تدبیر میں جکڑی ہوئی
لاکھ چاہے پھر بھی خوش رہتی نہیں
دل میں گھُٹتی ہے مگر کہتی نہیں
ہنستے ہنستے جیسے کھو جاتی ہے وہ
بات کرتے کرتے سو جاتی ہے وہ
سوچ کر کچھ ڈبڈبا آتی ہے آنکھ
چپکے چپکے اشک برساتی ہے آنکھ
روتے روتے مسکرا دیتی ہے پھر
دل میں شمعیں سی جلا دیتی ہے پھر
اس کی خوشیاں جتنی غم انگیز ہیں
اس کے غم اتنے ہی دلآویز ہیں

1944

ebooksgallery.com

انقلابِ رُوس

رخِ حیات کو بخشیں تجلیاں تو نے
بکھیر دی ہیں فضاؤں میں سرخیاں تو نے
جلائی عزم کی مشعل عمل کی راہوں میں
دیا ہے منزلِ مقصود کا نشاں تو نے
شگاف ڈال دیا تاجِ شہریاری میں
گرائیں ظلم کے خرمن پہ بجلیاں تو نے
فریبِ زار بھی توڑا فسونِ قیصر بھی
اجاڑ دی ہیں لٹیروں کی بستیاں تو نے
جو خونِ خلق کی دریا میں ناؤ کھیتے تھے
اتارے ان کے سفینوں کے بادباں تو نے
دکھائی جس نے غلاموں کو راہِ آزادی
دیا زمانے کو وہ میرِ کارواں تو نے
جہانِ پیری کی طرح کہن بدل ڈالی
مٹائے فرقہ و طبقات کے نشاں تو نے
عنانِ وقت ہے محنت کشوں کے ہاتھوں میں
یہ راز وہ ہے جسے کر دیا عیاں تو نے

ebooksgallery.com

بجھے بجھے سے پڑے تھے جو رہگذاروں میں
بنا دیا انھیں ذروں کو کہکشاں تو نے

جہالتوں کا اندھیرا تھا جن کے ذہنوں پر
دکھائیں علم کی ان کو تجلیاں تو نے

کبھی جو سوت کے کپڑوں کو بھی ترستے تھے
عطا کیا ہے انھیں رختِ پرنیاں تو نے

نکالی سخت چٹانوں سے جوئے آبِ رواں
بنائے ریگ کے دامن میں بوستاں تو نے

دیے ہیں رنگ سمرقند کی بہاروں کو
سجائے پھر سے بخارا کے گلستاں تو نے

بلا کا جوش ہے تیرے سبو کی مستی میں
شرابِ سرخ میں حل کی ہیں بجلیاں تو نے

جہاں میں دھوم ہے جمہور کے ترانوں کی
کچھ ایسے شوق سے چھیڑا ہے سازِ جاں تو نے

مٹا سکیں نہ تجھے سازشیں حریفوں کی
دکھائیں تیغ کے جوہر کی خوبیاں تو نے

گلوں پہ خونِ شہیداں سے کی حنا بندی
چمن میں لوٹ کے آنے نہ دی خزاں تو نے

تری بہارِ گلستاں بدوش ہے اب بھی
عروسِ لالہ و گل سرخ پوش ہے اب بھی

1944

ebooksgallery.com

تعمیرِ نو

انقلاب روس نے مشرق میں چھیڑا ہے رباب
ایشیاء کی روح میں ہے زندگی کا اضطراب
زندہ باد اے انقلاب
رسمِ پرویزی گئی، آئین چنگیزی گیا
اب ہمیشہ کے لیے دستورِ خوں ریزی گیا
زندہ باد اے انقلاب
عارضِ لعل و بدخشاں پر ہے کیسی آب وتاب
سرخ رو خونِ شہیدانِ وطن سے ہے گلاب
زندہ باد اے انقلاب
پھر سے نکھرا ہے سمرقند وبخارا کا جمال
اس افق پر ماہِ کامل بن کے چمکا ہے ہلال
زندہ باد اے انقلاب
ذرہ ذرہ سوزِ آزادی سے دے اٹھا ہے لو
کارخانے گا رہے ہیں نغمۂ تعمیرِ نو
زندہ باد اے انقلاب
جھومتی ہے کشت زاروں پر بہارِ لازوال
ریگ زاروں میں بچھا ہے نقرئی نہروں کا جال
زندہ باد اے انقلاب

ebooksgallery.com

سبزۂ نورس کی چادر اوڑھتے ہیں خشت و سنگ
خاک کے سینے سے اگتا ہے 'طلائے سیم رنگ'[1]

زندہ باد اے انقلاب

کیوں نہ ہو کشت و چمن آسودہ خرمن باغ باغ
خانۂ دہقاں میں روشن ہیں فراغت کے چراغ

زندہ باد اے انقلاب

اہلِ محنت کا نہالِ آرزو ہے باروَر
آدمی کے دستِ قدرت میں ہیں فطرت کے ثمر

زندہ باد اے انقلاب

اپنی دولت لے کے حاضر ہو رہے ہیں کوہسار
برق کی جوئے رواں برسا رہے ہیں آبشار

زندہ باد اے انقلاب

بزمِ گیتی کے ہیں خادم عرشِ اعظم کے سفیر
دامِ حکمت میں شعاعِ مہرِ تاباں ہے اسیر

زندہ باد اے انقلاب

سمٹی جاتی ہیں فضائیں کانپتا ہے آفتاب
مائلِ پرواز ہیں فولاد و آہن کے عقاب

زندہ باد اے انقلاب

عزمِ انسانی عناصر سے ہے سرگرمِ جہاد
دخترِ دہقاں کے ہاتھوں میں ہے سازِ برق و باد

زندہ باد اے انقلاب

آدمِ[2] خاکی کا ہنگامِ نمود آ ہی گیا
اس زمیں پر آسماں بہرِ سجود آ ہی گیا

زندہ باد اے انقلاب

---

1 وسطی ایشیاء میں روئی کو 'سفید سونا' کہتے ہیں۔

2 برخیز کہ آدم راہنگامِ نمود آمد   این مشت غبارے را انجم بسجود آمد   (اقبال)

ebooksgallery.com

آخری خط

(سویت جرمن جنگ کا ابتدائی زمانہ تھا۔ سرخ فوجیں جو آج فاتحانہ شان سے آگے بڑھ رہی ہیں سی لستو پول کے مورچے کو چھوڑ کر پیچھے ہٹ رہی تھیں۔ اس وقت سی لستو پول جہنم کا نمونہ تھا۔ پیچھے ہٹتی ہوئی فوجوں کو جرمن حملے سے بچانے کے لیے یہ ضروری تھا کہ کچھ سپاہی آخری وقت تک جرمنوں کے مقابلے پر ڈٹے رہیں اور اپنی جان دے دیں۔ جن سپاہیوں نے یہ فرض انجام دینے کے لیے اپنی خدمات پیش کیں ان میں سے ایک سپاہی نے اپنی بیوی کو ایک خط لکھا۔

خط ایک نئی ذہنیت کا آئینہ دار ہے۔ ان میں جن جذبات کا اظہار کیا گیا ہے وہ انسانیت کے لیے باعثِ ناز ہیں۔ اس خط سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جرمن درندوں کے خلاف لڑنے والے سرخ سپاہی لوہے اور پتھر کے بنے ہوئے نہیں ہیں بلکہ وہ ہماری اور آپ کی طرح گوشت اور پوست کے جیتے جاگتے انسان ہیں جو زندگی سے محبت کرتے ہیں اور زندگی کے تسلسل کو قائم رکھنے کے لیے بڑی خوشی سے اپنی جان دے رہے ہیں۔ اس خط کو پڑھ کر مرد اور عورت کی محبت کے ایک نئے معیار کا اندازہ ہوتا ہے۔

میں نے یہ نظم اسی خط سے متاثر ہو کر لکھی ہے۔ سوویت یونین کی آزاد سوسائٹی نے جس نئے انسان کو پیدا کیا ہے اس کو سمجھنے میں یہ نظم شاید مفید ثابت ہو۔)

ebooksgallery.com

نظم

(سرخ سپاہی کا خط اپنی بیوی کے نام)

اے پرستانِ محبت کی پری
اے فروغِ شمعِ بزم دلبری

اے سمرقند و بخارا کی بہار
اے مری تنہائیوں کی غم گسار

تیرے شوہر کا سلامِ آخری
ہے محبت کا پیامِ آخری

ملک پر اپنے فدا ہوتا ہوں میں
اب ہمیشہ کو جدا ہوتا ہوں میں

گو مرے نے سے تو ہے درد مند
اپنی ہم جنسوں میں ہو گی سربلند

خوش ہے اسٹالین میرے کام پر
حرف آئے گا نہ تیرے نام پر

تیرا شوہر موت سے ڈرتا نہیں
پاؤں پر دشمن کے سر دھرتا نہیں

دشمنوں سے برسر پیکار ہوں
لذتِ کردار سے سرشار ہوں

سیل حملے کا کبھی تھمتا نہیں
تیغ پر میری لہو جمتا نہیں

ebooksgallery.com

ایک لمحہ کو نہیں رکتی ہے جنگ
بس گیا ہے خون کا آنکھوں میں رنگ

زلزلوں کی زد میں ہے ہی بستو پول
بج رہے ہیں کان کے پردوں پہ ڈھول

ڈگمگاتے ہیں پہاڑوں کے قدم
سر پہ اولوں کی طرح گرتے ہیں بم

بحر کے سینے میں پیدا جوش ہے
ساحلِ دریا بھی آہن پوش ہے

دور تک جنگی سفینوں کی قطار
جیسے بہہ کر آ گئے ہوں کوہسار

الاماں پرہول بمباروں کی آگ
اف وہ ہیبت ناک طیاروں کی آگ

الاماں لاشوں پہ لاشے الاماں
موت کے بجتے ہیں تاشے الاماں

پشتِ گیتی پر ہے انگاروں کی ڈھال
ہے ہوا کے دوش پر شعلوں کا جال

شہر سارا آگ کا خرمن ہے آج
ذرہ ذرہ شعلہ پیراہن ہے آج

سرخ ہے شعلوں سے روئے آفتاب
سرخ ہے شعلوں سے دامانِ سحاب

سرخ شعلوں سے سحر ہے سرخ شام
سرخ ہیں شعلوں سے بام و در تمام

سرخ شعلے کھا رہے ہیں پیچ و تاب
تپ رہی ہے ان میں روحِ انقلاب

ebooksgallery.com

الغرض ہم بے خطر لڑتے رہے
روز و شب شام و سحر لڑتے رہے

جنگ کا سیلاب چڑھتا ہی گیا
دشمنوں کا زور بڑھتا ہی گیا

ایسے طوفاں میں ابھرنا ہے محال
اب یہاں پر جنگ کرنا ہے محال

بند کر دیں وار یہ ممکن نہیں
ڈال دیں ہتھیار یہ ممکن نہیں

چھوڑ کر یہ مورچہ ہٹ جائیں گے
ہٹ کے پیچھے سورما ڈٹ جائیں گے

ان کی پس قدمی پہ ہم ہوں گے نثار
اپنے جسموں سے بنائیں گے حصار

ہم ہیں کیسے سورما دکھلائیں گے
مرتے مرتے اک سبق دے جائیں گے

ہم جئیں گے بھی تو اپنی آن سے
ہم مریں گے بھی تو اپنی شان سے

زندگی کے راز سے واقف ہیں ہم
موت کے انداز سے واقف ہیں ہم

غول دشمن کا جب آئے گا یہاں
خاک کے سینے سے اٹھے گا دھواں

بام باقی اور نہ در رہ جائے گا
شہر کے بدلے کھنڈر رہ جائے گا

شہر لینن کے سپوتوں کے لیے
اور کھنڈر فاشسٹ بھوتوں کے لیے

ebooksgallery.com

نور ہے آئینۂ ایام میں
زندگی کی مے ہے میرے جام میں

دل میں ہے سوز و گدازِ آرزو
ہے رگ و پے میں جوانی کا لہو

عالمِ ہستی کا دلدادہ ہوں میں
پھر یہ کیوں مرنے پہ آمادہ ہوں میں ؟

زندگی میں رنگ بھرنے کے لیے !
موت کو تسخیر کرنے کے لیے !

موت کی جانب بڑھا جاتا ہوں میں
موت کے منہ میں چلا جاتا ہوں میں

کام جب آئے گا لاکھوں کا شباب
سرخ تارا تب بنے گا آفتاب

فرض کی تشکیل ہے تشکیلِ ذات
فرض کی تکمیل ہے تکمیلِ ذات

فرض سوزِ زندگی سازِ حیات
فرض کا احساس ہے رازِ حیات

فرض سے تابندہ قوموں کی جبیں
فرض ہے جوشِ عمل سوزِ یقیں

فرض سے ہے پائے ہمت کو ثبات
فرض کا اک گھونٹ ہے آبِ حیات

فرض ہی سے دولتِ کردار ہے
فرض ہی سے لذتِ پیکار ہے

فرض کیا ہے؟ سرخ فوجوں کا جلال
فرض سے انساں کی جرأت لازوال

ebooksgallery.com

آج جو محکوم ہے مظلوم ہے
فرض کے احساس سے محروم ہے

فرض کا احساس ہے ہمت مری
فرض کا احساس ہے قوت مری

جان جائے آبرو جانے نہ پائے
جیتے جی دشمن یہاں آنے نہ پائے

معرکے کا زور گھٹ سکتا نہیں
یہ قدم اب جم کے ہٹ سکتا نہیں

گو نہیں ہے مجھ کو مرنے کا ملال
دل میں رہ رہ کر یہ آتا ہے خیال

ہے جوانی کا چمن بے رنگ و بو
بے ثمر ہے میرا نخلِ آرزو

باغ کے آغوش میں گل چاہیے
زندگانی میں تسلسل چاہیے

ہو اگر دل کو تسلی کا یقیں
موت بن جاتی ہے جامِ انگبیں

سر سے ڈھل جاتی ہے مایوسی کی دھوپ
موت بھر لیتی ہے پیدائش کا روپ

ہاں یہ سچ ہے تو مجھے کرتی ہے پیار
تیرا پیمانِ وفا ہے استوار

عمر بھر اب تجھ کو یاد آؤں گا میں
تیرے دل میں درد بن جاؤں گا میں

ہو گی غم انگیز رعنائی تری
تیری ہمدم ہو گی تنہائی تری

ebooksgallery.com

لیکن اے تسکینِ جانِ بیقرار
عمر بھر یوں ہی نہ رہنا سوگوار

تو ہے جن اچھائیوں کی مایہ دار
دوسروں پر بھی تو ہوں وہ آشکار

گر نہ ہو سطحِ زمیں پر جلوہ تاب
بے حقیقت ہے طلوعِ آفتاب

شمع محفل سے اگر مستور ہے
فائدہ پھر کیا جو اس میں نور ہے

ساز سے پیدا نہ ہوں نغمے اگر
جنبشِ مضراب ہے ناکارگر

اس لیے تنہا نہ رہنا چاہیئے
تیرا دل سونا نہ رہنا چاہیئے

گر بخارا میں ہو کوئی نوجواں
جو سمجھتا ہو ترے غم کی زباں

ہو جو واقف تیرے دل کے درد سے
جو جھجکتا ہو نہ آہِ سرد سے

سوگ تیرا ہو نہ جس کے دل پہ بار
جس کو کر سکتی ہو تو تھوڑا سا پیار

عشق میں اپنے سمو لینا اسے
ہار میں اپنے پرو لینا اسے

اس ہوا سے کوئی گر غنچہ کھلے
یاد کرنا اس کو میرے نام سے

میرے گلشن کا ثمر کہنا اسے
ہاں مرا نورِ نظر کہنا اسے

ebooksgallery.com

اور جب دشمن کو مل جائے شکست
اس کے سارے حوصلے ہو جائیں پست

مجھ سے ملنے کے لیے آنا یہاں
پھول لالے کے چڑھا جانا یہاں

جانتا ہوں وہ گھڑی بھی آئے گی
دشمنوں کی نبض جب چھٹ جائے گی

بحرِ اسود سے اٹھے گی فوج فوج
سرخ طوفاں کی ظفر انجام موج

دامنِ ساحل بھگویا جائے گا
دشمنوں کے خوں سے دھویا جائے گا

سرخ فوجیں لوٹ کر آئیں گی پھر
سرخ پرچم بن کے لہرائیں گی پھر

شہر یہ دل شاد ہو گا ایک دن
یہ کھنڈر آباد ہو گا ایک دن

پھر نسیمِ جانفزا اٹھلائے گی
لالہ و گل پر بہار آ جائے گی

مسکرائے گی تبسم کی کلی
گونج اٹھے گی قہقہوں کی راگنی

ریگِ ساحل پرنیاں ہو جائے گی
یہ زمیں پھر آسماں ہو جائے گی

1944

ebooksgallery.com

نئی دنیا کو سلام

ایک تمثیلی نظم

1947

ebooksgallery.com

ebooksgallery.com

پیش لفظ

'نئی دنیا کو سلام' میری سب سے طویل نظم ہے۔ اردو زبان میں اس طرح کی کوئی چیز اب تک نہیں لکھی گئی ہے۔ اس لیے یہ نظم پیش کرتے ہوئے مجھے تھوڑی سی جھجک ہو رہی ہے۔ جھجک کی وجہ خود اعتمادی کی کمی نہیں بلکہ نظم کا نیا پن ہے۔ کیونکہ اس سماج میں ہر نئی چیز شک کی نظروں سے دیکھی جاتی ہے۔ اس کا موضوع بھی نیا ہے اور ٹیکنیک بھی نئی۔ زندگی کے متعلق میرا زاویۂ نگاہ بھی دوسرے شعراء سے مختلف ہے۔ اس لیے میں نے اکثر اشاروں کی جگہ تفصیلات سے کام لیا ہے۔ اشاروں اور کنایوں کا وقت بھی کبھی آ جائے گا۔

یہ منظوم تمثیل نہیں بلکہ تمثیلی نظم ہے۔ اس کے کردار کردار نہیں علامتیں ہیں۔ کہانی پلاٹ نہیں بلکہ مبہم سا خاکہ ہے جس کو میں نے رنگ بھرنے کے لیے بنایا ہے۔ واقعات کے بجائے واقعات سے پیدا ہونے والے جذبات، تاثرات اور احساسات پیش کئے ہیں۔ جاوید اور مریم (میاں بیوی) جدوجہد کی علامتیں اور فرنگی ظلم کی علامت ہے۔ نامہ بر ہمارا روایتی کردار ہے جس کے فرائض اس نظم میں بدلے ہوئے نظر آئیں گے۔ سب سے زیادہ اہم کردار وہ بچہ ہے جو ابھی پیدا نہیں ہوا ہے۔ ابھی اس کے نقش و نگار بن رہے ہیں۔ وہ نئی دنیا کی علامت ہے۔ اس کی حسین اور معصوم روح پوری نظم پر حاوی ہے۔

میں انسان کے مستقبل سے مایوس نہیں ہوں۔ اس کا ماضی بڑا شاندار ہے اور حال دلکش امکانات سے معمور ہے۔ حالانکہ آج ہندستان خانہ جنگی کے کرب میں مبتلا ہے اور ایسی بہیمانہ حرکتیں ہو رہی ہیں جن سے دورِ وحشت کی درندگی بھی شرمائے گی۔ لیکن یہ بلا بھی ہیضے اور طاعون کی وباؤں کی طرح گزر جائے گی۔ کیونکہ اس کے خلاف بھی وہی قوتیں جدوجہد کر رہی ہیں جو میری نظم میں کارفرما ہیں۔

دنیا کی تاریخ میں کوئی دور ایسا نہیں آیا جس میں 'انسان' کو شکست ہوئی ہو۔ افراد اور طبقات کو شکست ہوتی رہی ہے اور ہوگی لیکن 'انسان' ناقابلِ شکست ہے۔ کیونکہ اس کی محنت، عمل اور جدوجہد اس کے اپنے شعور ہی کی نہیں بلکہ بڑی حد تک اس کے ماحول کی بھی خالق ہے۔ اس لیے وہ ہمیشہ فتح مند اور کامران رہے گا۔ یہ عقیدہ جو اندھا عقیدہ نہیں ہے، میرا سب سے بڑا انسپریشن ہے۔ میں اس کو ادب اور فن کا ابدی موضوع سمجھتا ہوں۔ سب سے زیادہ شاندار، سب سے زیادہ عظیم المرتبت، سب سے زیادہ حسین 'انسان' ہے۔

سردار جعفری

بمبئی دسمبر 1946

ebooksgallery.com

دیباچہ

جدید شاعری اور نئی دنیا کو سلام

از مرزا جعفر علی خاں اثر لکھنوی

سردار جعفری صاحب کی طویل تمثیل اور مثنوی 'جمہور' جو اسی کا ایک حصہ ہے پڑھ کر باغ باغ ہو گیا۔ اسی کے ساتھ میرا یہ خیال راسخ ہو گیا کہ شاعری جدید طرز کی ہو یا قدیم طرز کی اول فن ہے اور ثانیاً اور کچھ ہے، موضوع کے افادی یا جمالیاتی پہلو سے قطع نظر اگر انداز بیان میں تازگی، شگفتگی، ندرت اور فنکارانہ انفرادیت یعنی خود شاعر کے انفعالی اثرات کا پرتو نہ ہو تو شاعری گھٹیا قسم کی نقالی بن کر رہ جاتی ہے۔ لائق مصنف نے یہ گر سمجھ لیا ہے اور اپنی نظم میں واقعات کے بجائے واقعات سے پیدا ہونے والے جذبات، تاثرات اور احساسات پیش کیے ہیں۔ یہی راز ہے جس سے ترقی پسند ادیبوں اور شاعروں کا ایک بڑا حصہ یا تو بے گانہ ہے یا اس پر کاربند ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ جہاں تک میرا مطالعہ ہے اس جماعت کے دوسرے شاعر محض واقعات اصلی ہوں یا فرضی پیش کرتے اور ان سے نتیجہ نکالتے یا پڑھنے والوں کے ذہن کے لیے ان کہے چھوڑ دیتے ہیں۔ جعفری صاحب مبارکباد کے مستحق ہیں کہ ایسی اشاراتی شاعری سے اجتناب کیا ہے جس کے ابہام اور مہملیت کا پردہ تحت الشعوری محرکات یا رجحانات کو بنایا جاتا ہے۔ انھوں نے اشاروں کے بدلے تفصیل اور تشریح سے کام لیا ہے اور اپنے نوشتہ 'پیش لفظ' میں اس کا اعلان بھی کر دیا ہے۔

مقصد کو مد نظر رکھتے ہوئے جعفری صاحب نے تمثیل کے افراد کی تعداد قلیل رکھی ہے۔

جاوید اور مریم (میاں بیوی) جمہد آزادی کی علامتیں ہیں۔ 'فرنگی' ظلم کی نشانی ہے۔ 'نامہ بر' روایتی نامہ بر ہے۔ بچہ جو ابھی پیدا نہیں ہوا نئی آنے والی نسل کا پیش خیمہ ہے۔ موضوع کے لحاظ سے نظم کو 'اشتراکیت کا رزمیہ' کہنا بے جا نہ ہوگا۔ یہ بجائے خود ایک اہم اضافہ ہے۔ کیونکہ اردو میں اب تک رزمیاتی شاعری یا Epic کے نمونے مراثی تک محدود تھے۔

نظم کے ابواب کی تقسیم اس طرح کی گئی ہے:۔

ebooksgallery.com

حرفِ اوّل : جس میں ہندوستان کے دورِ ابتلا و افلاس و غلامی کو ایک مہیب سیاہ رات یا ڈراؤنی دیوی سے تعبیر کیا ہے۔ اس تاریکی کا پردہ چاک ہونے کو انقلاب ضروری ہے۔ ایسا انقلاب جس کا سرچشمہ ضمیرِ انسان کی نورانیت ہے۔ اس کا منشاء محض مجنونانہ تخریب نہیں ہے بلکہ نظامِ نو کی تعمیر ہے جس کا خاکہ ذہن میں ہے۔ مستقبل کے لیے نہیں اٹھا رکھا گیا ہے۔

پہلی تصویر : تاریکی سے دو شکلیں ابھرتی ہیں، جو انقلاب کی نقیب ہیں۔ ایک مرد ہے اور ایک عورت۔ اس میں رمز ہے کہ مردوں اور عورتوں کی متفقہ و متحدہ جدوجہد سے ہی مکمل آزادی و فراغت نصیب ہو سکتی ہے۔ عورتوں کی سعیٔ عمل کا نمائندہ جھانسی کی رانی کی روح کو بنایا گیا ہے۔ زندگی ہوئی فضا اور غمگین موضوع میں رنگینی و رعنائی کی ایک جھلک دکھانے کو نیز اس امر پر زور دینے کو کہ انقلاب کے حامیوں کو اخلاقی حیثیت سے بھی تمثالِ آدمیت اور مجسمۂ ایثار ہونا چاہیے۔ جاوید اور مریم کے باہمی ارتباط اور معاشقے کا تذکرہ ہے۔ ان کی محبت میں پاکی ہی پاکی ہے۔ گو عام طور پر ترقی پسند حضرات ایسی محبت کے قائل نہیں بلکہ تند و تیز رومان کی تلاش میں رہتے ہیں۔ چاہے کتنی ہی بے ثبات و گریز پا اور نتائج کے لحاظ سے مہلک ہو۔ مریم عفت و حیا کی پتلی ہے، جاوید کا عشق ہوس کاری کی بھٹی نہیں بلکہ اس کی جڑیں روح کی پہنائیوں میں پھیلی ہوئی ہیں اور وہیں سے سرمایۂ نمو حاصل کرتی ہیں۔

دوسری تصویر : مریم اور جاوید میں رشتۂ ازدواج قائم ہو چکا ہے اور مریم 'دوجی' سے ہے۔ اس حالت اور اس سے متعلق جذبات کی مصوری جعفری صاحب نے جس نفاست اور چابک دستی سے کی ہے آپ اپنی مثال ہی نہیں بلکہ اردو میں نئی چیز ہے۔

تیسری تصویر : کوڑی کوڑی کو محتاج مریم اپنے ہونے والے بچے کے لیے کرتا سی رہی ہے۔ کپڑا میسر نہیں پھٹے پرانے چیتھڑے جوڑے جاتے ہیں مگر ہائے ماما کا تقاضا اور چونا کہ مختلف رنگ کے ٹکڑوں میں تال میل پیدا کرنے کی دُھن ہے۔

چوتھی تصویر : انقلاب کے آثار نمایاں ہیں۔ جاوید اور مریم اس تحریک میں پیش پیش ہیں۔ حکومت کے خلاف بغاوت کا جرم لگا کر دونوں کو 'فرنگی عدالت' کے سامنے لایا جاتا ہے۔ حاکمِ عدالت کے سوالات، جاوید اور مریم کے جوابات، ان کے تیور اور لب و لہجہ اس حصۂ نظم کی جان ہیں۔ بعض دوسرے 'شاعرانِ انقلاب' کے برخلاف جعفری صاحب نے 'عفریتِ انقلاب' کو خون کی ندیاں بہاتے، بوڑھوں اور بچوں کی ٹانگیں چیرتے، لاشوں کے ڈھیر پر ناچتے، قلقاریاں مارتے، بغلیں بجاتے، شلنگیں بھرتے، انسانوں کی بوٹیاں نوچ نوچ کر کھاتے، ڈکاریں لیتے اور خون آلود ڈاڑھیوں سے گوشت کے ریشے

ebooksgallery.com

نکالتے نہیں دکھایا ہے۔ جاوید اور مریم کی تقریر ذاتی نفرت، بغض وعناد اور کینہ پروری کی تلخیوں سے یکسر پاک ہے۔ ان کی جنگ ایک خاص نظامِ حکومت، ایک خاص تمدن سے ہے، جس کی بنیاد جبر وتعدی پر ہے اور جس میں دولت کی تقسیم غیر مساویانہ اور نامنصفانہ ہے، جس میں غریب کچلے جاتے ہیں اور ان کے جائز حقوق پامال کئے جاتے ہیں۔ اس جنگ میں ذاتی پرخاش کو مطلق دخل نہیں۔

جاوید باغی قرار پاتا ہے اور اس کو سزائے موت کا حکم سنایا جاتا ہے۔ مریم بظاہر آزاد کردی جاتی ہے مگر اس کی سزا موت سے سخت تر ہے۔ 'عمر بھر صرف رویا کرو'

پانچویں تصویر: پھانسی پانے سے پہلے جاوید طلوعِ صبحِ نو کی پیشین گوئی کرتا بلکہ بشارت دیتا ہے۔ اس حصہ نظم کے اکثر مقامات اہم ہیں تفصیل کی گنجائش نہیں۔

چھٹی تصویر: مریم پھر بھی عورت ہے۔ نوحہ وزاری کرتی ہے۔ نامہ بر مریم کو جاوید کا آخری پیغام سناتا ہے۔ اس پیغام میں پوری نظم کا نچوڑ ہے۔ جذبات کا سیلاب ہے کہ امڈا آرہا ہے۔

حرفِ آخر:

نئے افق سے نئے قافلوں کی آمد ہے
چراغ وقت کی رنگین لو بڑھائے ہوئے
قدم بڑھائے ہوئے اے مجاہدانِ وطن
مجاہدانِ وطن ہاں قدم بڑھائے ہوئے

نظم کی جو ہیئت جعفری صاحب نے قائم کی ہے وہ بھی دلکش اور موسیقیت سے لبریز ہے۔ باوجود یہ کہ معقول حصے کا پیرایۂ بیان 'نظم آزاد' ہے۔ اس سے ان کی عروض سے واقفیت اور زبان پر قدرت کا پتہ چلتا ہے۔ حرفِ اول کے اشعار قافیہ ردیف کی قید سے کہے گئے ہیں۔ اور قوافی کی تکرار ہے۔ صرف آخری شعر میں جسے پہلی تصویر کی تمہید یا نغمے کی الاپ کہنا چاہئے، قافیہ ورديف بدلے ہوئے ہیں۔

حرفِ آخر بھی اسی بحر اور انھیں قوافی و ردیف میں ہے، جن میں حرفِ اول ہے۔ جیسے گیت میں تال اور سم ہوتے ہیں۔ پہلی تصویر مثنوی کی طرز میں ہے۔ اس کی حیثیت اس ساز کی ہے جسے مغنی مضراب سے چھیڑتا ہے اور گانے میں آس دیتا ہے۔ دوسری تصویر کا جزو اسی بحر اور انھیں قوافی اور ردیف میں ہے، جن میں حرفِ اول اور حرفِ آخر ہیں۔ گویا آغاز نغمہ سے قبل لے اور دھن قائم کی گئی ہے۔ باقی حصہ پہلی تصویر کی طرح مثنوی کی ابیات سے اسی بحر میں مترتب ہے۔ مغنی ساز پر وہی نغمہ دہرا رہا ہے، جو لحن میں ادا کرنے والا ہے یا کرچکا ہے۔ تیسری تصویر، ایک حصہ بطرز مخمس (گیت کی لے اونچی ہوتی) اس میں ایک

ebooksgallery.com

ہی شعر کو متواتر تضمین کیا ہے۔ گویا مغنی مختلف راہیں نکال رہا ہے، بول بنا رہا ہے، تان کے دانے رکھ رہا ہے۔ باقی حصے کے پہلے دو شعر مختلف بحر میں ردیف وقافیہ کی پابندی کے ساتھ ہیں۔ جیسے مغنی کن لگاتا ہے۔ بعد ازاں بحر نے آزاد نظم کی صورت اختیار کر لی ہے۔ موسیقی کی اصطلاح میں 'تان پلٹے' کہہ سکتے ہیں۔ بحر متدارک ہے (وزن فاعلن) مگر کسی مصرعے میں یہ اوزان آٹھ ۸ مرتبہ سے زیادہ نہیں آتے ہیں۔ اور یہ احتیاط جعفری صاحب کے سلیقہ پر دال ہے۔ موسیقی میں بھی اتار چڑھاؤ کے باوصف تان کی حدیں مقرر ہوتی ہیں۔ وہ مطلق العنانی نہیں ہے کہ مصرعے شیطان کی آنت ہو جائیں۔ چونکہ اس تصویر کا بیشتر حصہ مکالمے کی شکل میں ہے۔ بحر کا انتخاب، مصرعوں کی ترتیب، ارکان کی کمی بیشی یہ سب جعفری صاحب کے صناعانہ احساس کی ترجمان ہیں۔ اس کو راگ کی سرگم یا دھر پد کہنا چاہیے۔ چوتھی تصویر ایک حصہ دو دو اشعار کے قطعات کا مجموعہ ہے، اسے موسیقی کی 'ٹھا' کہہ سکتے ہیں۔ باقی حصہ بطرز نظم آزاد، بحر متدارک۔

پانچویں تصویر، بحر متقارب، چار چار مصرعوں کے قطعات جن میں اوّل، دوم و چہارم ہم قافیہ ہیں جسے موسیقی میں تنکری اس کے بعد بحر مقدار کی بقیہ پھر اسی بحر میں نظم آزاد بعض بعض جگہ قوافی بھی آ گئے ہیں۔ کہیں بلمپت لے ہے کہیں ذرت لے، کہیں مدھم، کہیں پنچم۔

چھٹی تصویر، بحر متدارک میں بطرز مثنوی۔ ایک حصہ نظم آزاد۔ بعد ازاں پھر بطرز مثنوی، گویا جہاں سے راگ شروع ہوا تھا وہیں بتدریج واپس آ کر خفیف ارتعاش کے ساتھ تاروں کی جھنکار میں ختم ہو گیا۔ گستاخی ضرور ہے مگر مجھے اپنی غزل کا ایک شعر سنانے کی اجازت دیجیے۔

وہ نغمہ تو نے اے مطرب سنایا
کہ اب تک سنسنی ہے تن بدن میں

عجب نہیں کہ نظم کی ترتیب اور اختلاف بحور جیسا ایک عنوان حرف آخر سے مترشح ہوتا ہے، حضرت جوش کی زیر تدوین کتاب حرف آخر سے ذہن میں آئے ہوں۔ البتہ اتنا فرق ہے کہ جوش (جہاں تک مجھے علم ہے) نظم آزاد کے مخالف ہیں۔ یہ کہنے کی بھی جرأت ہوتی ہے کہ تنوع بحر سے ان کا منشاء صرف اس قدر ہے کہ ایک ہی بحر میں ایک طویل نظم پڑھتے پڑھتے طبیعت اوب نہ جائے اور دل اچاٹ نہ ہو جائے۔ جعفری صاحب کے یہاں بحروں کا انتخاب، مصرعوں کی ترتیب اور اوزان میں کمی بیشی، ہیئت کی اندرونی تبدیلیاں ایک خاص مقصد کی طابع ہیں وہ یہ ہے کہ بحور کا تنوع، ارکان کی کمی یا زیادتی، لہجے کے تغیرات نغمے کی لہروں میں ہلچل پیدا کرتے ہوئے طوفانی فضا میں تحلیل ہو جائیں اور طوفان انقلاب کا دوسرا نام ہے۔ اس لیے انھوں نے دانستہ یا نادانستہ (وجدان و ذوق کی رہنمائی میں) ایسی بحروں کا

ebooksgallery.com

انتخاب کیا ہے جس میں تنوع ہوتے ہوئے بھی مجانست ہے یعنی

مجتث: جس کا وزن ہے مفاعلن ،فعلاتن ،مفاعلن ،فعلن 'سیاہ عدل سیہ کلغیاں لگائے ہوئے'

ھزج: مفاعلن مفاعلن مفاعلن مفاعلن 'یہ آب وخاک وباد کا جہاں بہت حسین ہے'

متقارب: فعولن فعولن فعولن فعولن 'نہاں ابر میں چاند کب تک رہے گا'

کہیں زحاف بدلا ہوا ہے۔اور وزن فعلن فعولن فعلن فعولن ہو گیا ہے۔

'دنیا پریشاں خوابوں کی بستی۔'

متدارک: فاعلن فاعلن فاعلن فاعلن (باختلاف ارکان) کیونکہ آزاد نظم کا بیشتر حصہ اسی بحر میں ہے۔'اور فرق مراتب سے بیزار ہے۔'(باختلاف ارکان)

خفیف: فاعلاتن مفاعلن فعلن 'وادیاں گونجتی ہیں نعروں سے۔'

اس انداز ے کو مزید تقویت قوافی کی پابندی وعدم پابندی، بحور کی الٹ پھیر، کمی بیشی ارکان وغیرہ سے پہنچتی ہے اور زبان موسیقی میں اس مفہوم کو یوں ادا کر سکتے ہیں:۔

راگ شروع ہوا، نغمے کی ہموار لہروں میں تھرتھری پیدا ہوئی۔تھرتھری سے ہلکی ہلکی سلوٹیں پڑنے لگیں جو پھیلتے پھیلتے اور بڑھتے بڑھتے دائرے بنانے اور پھر کروٹیں اور پھر ہلکورے لینے لگیں۔چھوٹی بڑی لہریں ٹکرائیں۔ٹکرا کر جدا ہوئیں اور جدا ہو ہو کر ملیں۔شرابور کیا اور خود شرابور ہوئیں۔اسی کے ساتھ نغمے کی حرکت اور رفتار تیز ہوتی گئی۔تاہم ترتیب وتوازن قائم رہے۔تناسب وآہنگ میں فرق نہ آیا۔خاتمہ اس عروج پر ہوا جس سے آگے بڑھنے پر نغمہ محض چیخ بن کر رہ جاتا ہے، ترتیب ابتری میں مبدل ہو جاتی ہے۔

میں نے نظم کے ہر حصے کی جو مختصر شرح کی ہے اس سے بھی اس خیال کی تائید ہوتی ہے۔نظم میں تسلسل ہوتا ہے۔ثبوت میں اقتباسات پیش کرنا دشوار ہے۔بالخصوص اس وجہ سے کہ وہ اتنے طویل ہوں گے کہ مضمون میں سمانہ سکیں گے۔مگر مجھے امید ہے کہ پوری نظم غور سے پڑھنے کے بعد میرا ادعا غلط ثابت نہ ہوگا۔

تشکیل وترتیب کے علاوہ یہ نظم شاعرانہ خوبیوں سے بھی مالا مال ہے۔چند مثالوں پر قناعت کروں گا۔یوں تو پوری نظم کافی طویل ہونے کے باوجود از اول تا آخر حسین ہے۔

سیاہ رنگ پھریرے ہوا میں اڑتے ہیں
کھڑی ہوئی ہے سیہ رات سر اٹھائے ہوئے

ebooksgallery.com

سیاہ زلفوں سے لپٹے ہوئے ہیں مارِ سیاہ
سیاہ پھن میں سیہ پھول مسکرائے ہوئے

زلف اور سانپ کی تشبیہ ابتذال کی حد تک عام ہے مگر سانپ کے پھن کو سیاہ پھول کہنے میں جدت اور ندرت ہے۔ مسکرانے کا ثبوت ادھر سیاہ بالوں کی چمک۔ ادھر سانپ کے پھن کی چتیاں اور چکر مکر کرتی آنکھیں، بالوں کی طرح سانپ کی کینچلی میں بھی چمک ہوتی ہے۔ چونکہ منظر پر ظلمت چھائی ہوئی ہے۔ بالوں کی چمک دھندلی ہو کر تلملوں کی طرح نظر آرہی ہے اور سانپ کے پھن کی سفید چتیاں ترمرے ہیں، جنھیں شاعر نے سیاہ پھولوں میں تبسم کی جھلک سے تعبیر کیا ہے۔

(نوٹ تلملے اور ترمرے دونوں الفاظ مرادف ہیں مگر ماخذ الگ الگ ہیں۔ 'تیل' اور 'ملا' سے وہ چمکیلے حلقے یا دائرے جو تیل ملے ہوئے پانی کی سطح پر دکھائی دیتے ہیں۔ ترمرے مرکب ہے۔ 'تر' (تارا) اور 'ملا' سے۔ دونوں کا اطلاق ان چمکدار نقطوں پر ہوتا ہے جو ضعف کی حالت میں یا چکا چوندھ کے وقت آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں۔ میں نے سانپ کی چتیوں کے لیے ترمرا اور زلف کی چمک کے لیے تلملا استعمال کرنا مناسب سمجھا۔ کیونکہ چتیوں اور تاروں میں مشابہت ہوتی ہے اور تیل کو زلف سے رابطہ ہے۔ وضاحت کی ضرورت اس وجہ سے ہوئی کہ ایک مرتبہ ایک مقتدر ادیب اور نقاد نے تلملے کی صحت پر شک ظاہر کیا تھا۔)

نشاں سیاہ لبوں پر سیاہ بوسوں کے
سیہ نشاط کی بدمستیاں چرائے ہوئے

'بدمستیاں چرائے ہوئے' یہ ہے الفاظ کا صناعانہ صرف۔ سیاہ لبوں پر سیاہ بوسوں کے نیل پڑ گئے ہیں اور نیل میں کلونچ مارتی ہوئی سرخی کا ہونا ضروری ہے۔ کثرتِ مے نوشی اور شدتِ شہوت و بدمستی میں بھی چہرے کی سرخی میں سیاہی دوڑ جاتی ہے۔ سیاہی میں سرخی کی تہہ بے شرمی سے دریوزہ کی ہوئی بھی نہیں بلکہ چرائی ہوئی سرخی کی تہہ، ان ہونٹوں کو جن میں گلبرگ تر کی نزاکت و لطافت ہونا چاہیے تھی کس قدر نفرت انگیز بنا دیتی ہے۔ مجھے مسرت ہے کہ جعفری صاحب اپنے حریفوں کی طرح معصیت اور بدکاری کو عروس پری چہرہ بنا کر پیش نہیں کرتے۔

ہونٹوں پر بوسوں کے نشان رہ جانا اس امر کا غماز ہے کہ ان بوسوں کو محبت کے تقاضوں سے دور کا بھی سروکار نہ تھا۔ ان میں وہ سنسنیاں بند نہیں تھیں۔

'محبت کے بوسوں نے دے کر جو لیں'

ebooksgallery.com

بلکہ یہ بوسے محض حظِ نفس کے لیے ہوس کارانہ درشتی اور بے باکی سے لیے گئے ہیں اور بوسے دینے والے کو بھی غلبۂ خواہشات نے ایسا آپے سے باہر کردیا تھا کہ ان بوسوں کی سخت گیری کو خوشی خوشی گوارا ہی نہیں کیا بلکہ ان کی جھلنے والی بدمستی نشاط کو اپنے ہونٹوں میں جذب کرلیا۔ چرالیا تاکہ اس کے نقوش عارضی لمحات تلذذ کی یاد تازہ رکھیں، آگ پر تیل چھڑکتے رہیں اور خیالات میں بھی فسق و فجور کا شعلہ فروزاں اور مشتعل رہے۔ نقل کردہ شعر کو اس سے قبل اور مابعد کے شعر سے ملا کر پڑھنے سے مطلب اور واضح ہوجاتا ہے:۔

سیہ دوپٹوں کے آنچل سیہ جبینوں پر
سیہ لباس سیہ جسم کو چھپائے ہوئے
نشاں سیاہ لبوں پر سیاہ بوسوں کے
سیہ نشاط کی بدمستیاں چرائے ہوئے
سیاہ دودھ ہے ماں کے سیاہ سینے میں
سیاہ بچوں کو آغوش میں سلائے ہوئے

غلامی اور افلاس کی رات معصیت کی بھی مسلسل شب تار ہے کیونکہ اس میں پرورش پاتے ہوئے بچے بھی جوان ہو کر اپنے ماں باپ کے ایسے ہوں گے۔ 'سلائے ہوئے' ایک معمولی فقرہ ہے مگر اس موقع پر جولانی خیال کے لیے کس قدر سامان فراہم کر رہا ہے۔

ایک شبہ یہ بھی پیدا ہوسکتا ہے کہ اندھیری رات میں سیاہ چیزیں نظر کیونکر آرہی ہیں؟ یہ حقیقت ہے کہ شب کی پھیلی ہوئی اور محیط سیاہی ایسی تیرگوں نہیں ہوتی کہ ہر شے کو نگاہ سے یک لخت اوجھل کردے، نقوش دھندلے ہوجائیں گے مگر نمایاں رہیں گے۔ بسیط سیاہی سرمئی پردہ بن جائے گی جس پر سیاہ چیزیں پرچھائیوں کی طرح دکھائی دیں گی۔ یہ بھی امر واقع ہے کہ آنکھیں تاریکی سے رفتہ رفتہ مانوس ہوجاتی ہیں اور جو چیزیں ابتدا پوشیدہ تھیں نظر آنے لگتی ہیں۔ اس معصیت آلود تیرگی کا سبب کیا ہے۔

ضمیر عہدِ غلامی کی تیرگی ہے یہ رات
جو پھر رہی ہے اجالے سے منہ چھپائے ہوئے

یہ ظلمت دور نہ ہوگی جب تک انقلاب نہ آئے اور انقلاب آنہیں سکتا جب تک ضمیر نورانیت سے معمور نہ ہو۔ زبانی نعرے لگانے سے کچھ نہیں ہوتا ہے۔

ebooksgallery.com

کہاں ہے روشنی صبح انقلاب کہاں
ضمیر حضرت انساں کا آفتاب کہاں

پہلی تصویر پاک اور معصوم محبت کی سنہری جدول ہے، اس کے چند شعر سنئے:

تو شرمائی جاتی ہے میری نظر سے
حجاب اور گل کو نسیم سحر سے

ادھر حسن میں گل کی نفاست ادھر عشق میں نسیم سحر کی نزہت و دل کشی و جاذبیت، تاہم حسن یکسر حیا و حجاب۔ یہ ہے صحیح نقطۂ اتصال حسن و عشق، دوسرے مصرعے کی نشست الفاظ، معجبانہ لہجہ سب پاک بازی کی قسمیں کھا رہے ہیں حجاب! اور گل کو نسیم سحر سے! ممکن ہے کہ مریم کی خوشی نے اس کے جذبات کی ترجمانی کچھ اس طرح کی ہو۔

حیا پہ حسن کی نہ جانظر سے آشکار ہے
کہ عشق پاک باز کا اسے بھی اعتبار ہے

(اثر)

'غروبِ آفتاب کی تصویر'

دن آہستہ آہستہ ڈھلنے لگا تھا
فضاؤں میں سونا پگھلنے لگا تھا
افق پر کرن خواب سا بُن رہی تھی
دوپٹے کو اپنے شفق چُن رہی تھی

سورج کی کرنوں کے مختصر او دھندلا ہونے کو خواب بُنتا کہنا اور غروبِ آفتاب کے بعد شفق کی سرخی کے آہستہ آہستہ سمٹ کر غائب ہو جانے کو دوپٹہ چُننے سے منسوب کرنا تخیل کی وہ نزاکتیں اور رعنائیاں ہیں جہاں مصور کا قلم قطعاً عاجز ہے اور جن پر اردو زبان جتنا فخر کرے بجا ہے۔

ذیل کے اشعار میں عورت کے ماں بننے سے پہلے کے جذبات کی بے مثل مصوری اور نفسیات کے اس عظیم الشان مسئلے کی طرف اشارہ ہے کہ صرف ماں کے مزاج اور کردار ہی کا نہیں بلکہ ان خیالات اور جذبات کے اثرات کا بھی بچے میں تفویض ہونا کا امکان ہے جو دوران حمل ماں کے دل و دماغ میں چکر کھاتے ہیں:

ebooksgallery.com

کوئی پہلوؤں میں پھڑکتا ہے جیسے
مری سانس میں دل دھڑکتا ہے جیسے
بدن میں ستاروں کی ہے سنسناہٹ
رگوں میں ہے ہلکی سی اک گنگناہٹ
نگاہوں پہ نشہ سا چھانے لگا ہے
ہر اک چیز پر پیار آنے لگا ہے

ایسی ہی ماں کی گود کا پالا عصرِ نو کا علمبردار ہو سکتا ہے۔

منظر نگاری کا ایک اور دل کش مرقع :

ہوائیں مشک بار ہیں فضائیں زر نگار ہیں
افق کے کوہسار میں شفق کے آبشار ہیں
نجومِ شاخِ کہکشاں فلک کے برگ و بار ہیں
یہ آب و باد و خاک کا جہاں بہت حسین ہے
اگر کوئی بہشت ہے تو بس یہی زمین ہے

دوسرا مصرع جتنا نیا اتنا ہی رنگ میں ڈوبا ہوا ہے۔

افق کے کوہسار میں شفق کے آبشار میں
ہزاروں قوتیں مچل رہی ہیں جوئے بار میں
ہزاروں جلوے مسکرا رہے ہیں اک شرار میں
ازل سے بیقرار ہیں کسی کے انتظار میں
یہ آب و باد و خاک کا جہاں بہت حسین ہے
اگر کوئی بہشت ہے تو بس یہی زمین ہے

پانی سے طاقت (Hydraulic Power) حاصل کرنے کے جس قدر رائج اور امکانات ہیں، پہلے ہی مصرع میں سما گئے ہیں۔ برقی قوت یا بجلی کا خزانہ بھی یہی پانی ہے۔ جعفری صاحب کی شاعرانہ زبان میں 'ہزاروں جلوے مسکرارہے ہیں اک شرار میں' موجوں کی بیقراری ایک محرم راز کا بے تابانہ انتظار ہے کہ ان کو خلق خدا کی فائدہ رسانی کے لیے چشمۂ فیض بنادے۔

ebooksgallery.com

نیند کی نقاشی ۔

نیند ہے اک حسینہ
سرمئی آنکھیں ہیں، نیلگوں اس کا سینہ
اس کی پلکوں کے سایے میں خوابوں کی مدہوش پرچھائیاں کھیلتی ہیں
وہ غریبوں کی غم خوار، دکھیوں کی دلدار ہے
اور فرقِ مراتب سے بیزار ہے
رات کو آتی ہے
تھپکیاں دے کے سارے جہاں کو سلا جاتی ہے
بچوں کو لوریاں دیتی ہے
پھولوں کو پیار کرتی ہے اور سارے عالم پہ جادو بھری انگلیوں سے چھڑکتی ہے شبنم
اس طرح بزمِ فطرت کی ہر چیز کو
اک نئی زندگی بخشتی ہے
اک نئی تازگی بخشتی ہے

لفظوں کا دھیما صوتی لہجہ خود ہی نیند کی ترجمانی اور غنودگی طاری کر رہا ہے۔ بعض مصرعوں کے اجزاء کی تقسیم شاید اس سے بہتر ہو سکتی۔ میں اس جھگڑے میں پڑنا نہیں چاہتا۔

ایک حزنیہ ۔

رخصت اے زندگی کی بہارو
رخصت اے جاودانی شرارو
رخصت اے آسمانی نظارو
رخصت اے چاند، سورج، ستارو
رخصت اے نیلگوں کوہسارو
رخصت اے نقرئی آبشارو
رخصت اے گنگناتی ہواؤ
رخصت اے مسکراتی فضاؤ
رخصت اے صبح اے شام رخصت

ebooksgallery.com

رخصت اے حسنِ گلفام رخصت
رخصت اے انقلابی جوانو
رخصت اے ہند کے باغبانو
جب نئے خاک میں رنگ بھرنا
ہم شہیدوں کو بھی یاد کرنا

مگراس طرح تو میں پوری کتاب نقل کر جاؤں گا، جوایک پیکرِ جمیل اور میرے اس شعر کی مصداق ہے۔

ساری ادائیں مختلف، پھر بھی تناسب آفریں
جیسے کہ ایک گیت میں سُر ہوں کئی ملے جلے

لہٰذا ’اب خموشی سخن سے بہتر ہے‘۔اس کا مصرع اولیٰ ہے ع

اپنی لذت میں گم ہوئے نغمے

اس طویل نظم میں کہیں کہیں خامیاں بھی نظر آئیں جن کی طرف نقاد کی حیثیت سے توجہ دلانا میرا فرض ہے۔

صفحہ 27 زمیں پہ رات کی پلکوں کی چھاؤں پڑتی ہے
اندھیرا سخت خموشی کا بار اٹھائے ہوئے

جعفری صاحب فقط خوش گو شاعر نہیں بلکہ شعر بہت سمجھ کر کہتے ہیں۔ میں نے کافی غور کیا لیکن تشفی نہیں ہوئی کہ انھوں نے ’پلکوں کی چھاؤں کے بدلے‘ ’زلفوں کی چھاؤں‘ کیوں نہ کہا۔ یہ شعر تمہید ہے اس وقت کی جب زمین پر سے رات کا غلاف یا نوپ ہلکے ہلکے سرک رہا ہے۔اور ’لمحات‘ جگنوؤں کی طرح ہوا میں اڑتے پھرتے ہیں۔ جگنوؤں کی جھپکتی روشنی اور پلکوں سے چھن چھن کر نکلنے والی روشنی میں تناسب قائم رکھنے کو غالباً ’پلکوں کی چھاؤں‘ کا انتخاب کیا گیا ہے۔ اس کے باوصف میں اپنے خیال پر قائم ہوں کہ زمین پر رات کی پلکوں کی چھاؤں پڑنا خلافِ حقیقت ہے۔ پلکوں کی چھاؤں پڑے گی تو خود رات کے چہرے پر نہ کہ زمین پر۔اب رہی جگنوؤں کے چمکنے سے مشابہت یا مناسبت، تو جس طرح پلکوں کی چلمن سے نور و ظلمت ایک ساتھ چھنتے اور عکس فگن یا سایہ افگن ہو سکتے ہیں یہی کیفیت زلفوں کے حلقوں اور پیچ و خم سے پیدا ہو سکتی ہے بلکہ جہاں تک جگنوؤں کے اڑتے پھرنے اور سہمی سہمی شرمیلی جگمگاہٹ کا تعلق ہے ایسی جھلمل کرتی آنکھ مچولی کھیلتی روشنی مہیا کرنے کی صلاحیت زلفوں کی چھاؤں میں ہے۔ پلکوں کی چھاؤں اس سے قطعاً محروم ہے۔ شطرنجی (Chequered) اور جلد جلد بدلنے والی روشنی گویا درخت کی پتیوں

ebooksgallery.com

سے روشنی چھن چھن کر زمین پر سایہ دنور کے جال بن رہی ہے۔ زلفوں کے متحرک سایے میں ہو سکتی ہے نہ کہ پلکوں کے سایے میں۔

اسی طرح خموشی کے ساتھ 'سخت' کا استعمال شاعرانہ نہیں، سخت خموشی سے جعفری صاحب کی مراد گہری خاموشی ہے۔ مگر میرا ذوقِ شعری کہتا ہے کہ منظر کو ذہن میں رکھتے ہوئے 'سرد خموشی' کہنا کہیں زیادہ بہتر ہوتا۔ اس طرح خموشی برف کی طرح خنک اور بے حس لاش بن جاتی ہے جس کا پارہ پلایا ہوا لنگر جسے انگریزی میں (Dead Weight) کہتے ہیں، سنبھالنا سخت خموشی کی گراں باری سے زیادہ دشوار اور ایذا رساں ہے۔

صفحہ 41 'وہ نغمے پختہ ہو رہے ہیں اب تلک جو خام ہیں'۔ 'اب تلک' کے ہوتے زبان کا تقاضا ہے کہ 'خام ہیں' کی جگہ 'خام تھے' یہ الجھن ختم ہو جاتی اور فرقِ زمانی مٹ جاتا۔ اگر مصرع یوں موضوع ہوتا 'وہ نغمے پختہ ہو رہے ہیں جو ہنوز خام ہیں' اس میں ان لوگوں کے لیے درس بھی ہے جو لفظ ہنوز کو متروک سمجھتے ہیں۔

صفحہ 43 'جب وہ دنیا میں آئے گا تو ممتا کی محبت' ممتا کے معنی ہیں ماں کی محبت۔ اس کے ساتھ محبت کا اضافہ یقیناً غلط ہے۔ یہ مصرع آزاد نظم میں واقع ہے۔ اگر 'کی محبت' کا ٹکڑا نکال دیا جائے تو وزن میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

صفحہ 48 'چکیاں چپ ہیں، خاموش ہیں گاؤں کی لڑکیاں، چوڑیاں گنگناتی نہیں'
چوڑیوں میں کھنک ہوتی ہے، نہ کہ گنگناہٹ۔ غالباً یہ عیب اس طرح مٹ جاتا۔

گاؤں کی لڑکیاں گنگناتی نہیں
چوڑیاں اب کھنکتی نہیں

اس حصۂ نظم میں قافیہ نہیں ہے ورنہ 'چوڑیاں کھنکھناتی نہیں' بھی کھپ سکتا تھا۔ گو کھنکتی کھنکھناتی سے فصیح تر ہے۔ کھنکھنانا روپے کے لیے زیادہ موزوں ہے۔

ممکن ہے جعفری صاحب کو خیال گزرے کہ چوڑیوں کا 'گنگنانا' صفحہ ۴۷ پر بھی نظم ہوا ہے۔ مگر وہاں اعتراض نہیں کیا گیا۔ میرا جواب یہ ہے کہ صفحہ ۴۷ پر ایک طرب انگیز منظر کی مصوری ہے جس میں آسمان ناچ رہا ہے۔ زمین توڑے لے رہی ہے، کھیت کٹ رہے ہیں، کھلیان لگ رہا ہے، چکیاں گھمر گھمر کر رہی ہیں، لڑکیاں گا رہی ہیں، چوڑیاں گنگنا رہی ہیں، چہرے آگ یا الاؤ کی آنچ میں تمتما رہے ہیں۔ لہٰذا خوشی کی ترنگ قائم رکھنے کو چوڑیوں کے کھنکنے کو گنگنانے سے تعبیر کرنا مناسب تھا۔ صفحہ ۴۸ پر جو

ebooksgallery.com

منظر ہے وہ الم ناک ہے، عصمتیں تباہ ہو رہی ہیں، عزتیں بک رہی ہیں، گولیاں چل رہی ہیں، بے گناہوں کے خون کی ندیاں بہہ رہی ہیں، چکیاں خاموش ہیں، جو لڑکیاں گاتی تھیں گنگناتی بھی نہیں، یہ تغیر جعفری صاحب نے کیا ہے یعنی جو لڑکیاں گاتی تھیں، وہ گنگناتی بھی نہیں، مگر بدلے ہوئے منظر میں جہاں تک چوڑیوں کا تعلق ہے صرف گنگنانے کی نفی پر قانع ہو گئے۔ حالانکہ صناعانہ تقابل متقاضی تھا کہ جس طرح لڑکیوں کے گانے سے ایک درجہ گھٹا کر گنگنانے کی نفی بھی کی تھی، اسی طرح پہلے منظر کے بالعکس چوڑیوں کے گنگنانے کو ایک درجہ گھٹا کر اس کی بھی نفی کر دیتے اور چوڑیوں کے لیے یہ صورت کھنکنے کی نفی تھی۔ یعنی چوڑیوں کا گنگنانا کیسا اب کھنکتی بھی نہیں۔

اس ضمن میں میرے مجوزہ مصرعے میں لفظ 'اب' کی اہمیت بھی نظر انداز نہ ہونا چاہیے

صفحہ 58 'خاک کے بطن میں ان جنی کونپلیں ناچتی ہیں'

لفظ 'ان جنی' نہ صرف غیر شاعرانہ بلکہ فضول ہے کیونکہ جو چیز بطن میں ہے وہ نوزائیدہ ہے۔ یہ حصہ نظم آزاد میں ہے 'ان جنی' کا ٹکڑا نکال دینے سے وزن میں کوئی خلل نہیں پڑتا۔

'کونپلیں ناچتی ہیں' کو 'کونپلیں اینڈتی ہیں' کہنا بہتر ہوتا۔ اینڈنے میں پھیلنے، بل کھانے کا مفہوم ہے، بانکپن بھی ہے نیز اس کی حرکت ناچنے سے خفیف تر ہے۔ بطن خاک میں کانپلوں کا آینڈنا کونپلوں کے ناچنے سے زیادہ حقیقت سے قریب اور شاعرانہ صداقت سے قریب تر ہوتا۔

صفحہ 58 'گیہوں اور دھان کی نرم ناپیدا شاخیں'

'ناپیدا' کا الف اس بری طرح دیتا ہے کہ روانی اور ترنم کا خون کیے دیتا ہے۔ صرف 'ناپید' میں (بغیر الف) عدم نایابی کا مفہوم ہے، پیدا کی محض نفی نہیں ہے۔ اس کے استعمال سے جعفری صاحب نے بجا طور پر احتراز کیا۔ شاید اس کا بدل 'اٹھلاتی' ہو سکتا تھا۔ کیونکہ اس کے بعد کا مصرع ہے 'رنگ اور نور میں کھیلنے کے لیے مضطرب ہیں' اٹھلانے میں شوخی و ناز و غمزہ ہے جو رنگ و نور میں کھیلنے پر ابھارتا ہے۔

صفحہ 73

یہ ہیں وہ لال جو نشانی تھے
اپنی ماں باپ کی محبت کی
آج ہے یادگار ہیں لیکن
ملک اور قوم کی شجاعت کی

'محبت کے' اور 'شجاعت کے' کہنا چاہیے تھا (یائے مجہول بجائے یائے معروف) اہمیت لال کو

ebooksgallery.com

دیتا ہے نہ کہ نشانی اور یادگار کو۔ علاوہ بریں فصاحت کا یہ بھی ایک گر ہے کہ جب حرف ربط اپنے متعلق اسم سے دور جا پڑتا ہے تو حرف ربط کی تانیث کو تذکیر سے بدل دیتے ہیں۔ کیونکہ کانوں کو بھلا معلوم ہوتا ہے۔ آتش کا مطلع ہے۔

معرفت میں اُس کی ذاتِ پاک کے
اڑتے ہیں ہوش و حواس ادراک کے

(یہ اعتراض صحیح ہے اور میں نے ترمیم قبول کر لی ہے۔ سردار)

نظریں اس طرح کیوں بجھ گئی ہیں
ہاتھ میں چوڑیاں کیوں نہیں ہیں

اس بند کے اشعار ماقبل اور مابعد میں قافیے کی قید ہے۔ مگر نقل کردہ شعر قافیے سے عاری ہے۔ غالباً قافیے کی بنیاد 'گئی' اور 'نہیں' کے صوتی التباس پر رکھی گئی ہے۔ بعض شاعرانِ حال اسے جائز سمجھتے ہیں۔ مجبوری ہو تو وہ مختار ہیں مگر جب مصرعے میں قافیہ لایا جا سکتا ہے اور مطلب میں فرق نہیں پڑتا تو الزام سے بچ نہیں سکتے۔ مصرع یوں بدلا جا سکتا ہے۔ ع

'کس لیے نظریں سوئے زمیں ہیں'

نظروں کو بجھا ہوا کہنا بھی فصیح نہیں۔ یہ تیور کے لیے زیادہ موزوں ہے۔ علاوہ بریں ان کے مصرعے میں اس طرح کا ٹکڑا بھی حشو کی سرحد سے بہت دور نہیں۔

صفحہ 55 'بغل میں کرۂ ارضِ حسیں دبائے ہوئے' نظم بھر میں یہی ایک مصرع عذوبت سے خالی اور سامع خراش ہے۔ صحیح لفظ 'کرہ' بلا تشدید رائے مہملہ نہ کہ (کُرّہ) بروزن 'ذرّہ' جس طرح نظم ہوا ہے مصرع یوں بدلا جا سکتا ہے 'کرہ زمیں کا زیرِ بغل دبائے ہوئے'

صفحہ 164 'یہ چاندی کے پگھلے ہوئے آبشار'

آبشار پگھلے ہوئے نہیں ہیں بلکہ چاندی پگھلی ہوئی ہے۔ لہٰذا مصرع اس طرح موزوں کرنا چاہیے تھا۔ 'یہ پگھلی ہوئی چاندی کے آبشار'

صفحہ 175 گھٹاؤں میں تبدیل ہوگا دھواں
برسنے لگیں گے ستارے یہاں

ستاروں کا برسنا یا ٹوٹنا منحوس نہ سہی خطرناک ضرور ہے۔ بظاہر شاعر کا مافی الضمیر یہ ہے کہ دھواں گھٹا بن جائے گا۔ گھٹا برسے گی اور قطرہ ہائے آب ستاروں کی طرح چمکیں گے۔

ebooksgallery.com

گردوپیش کے اشعار سے کچھ واضح نہیں ہوتا کہ دھوئیں سے کیا مراد ہے اور دھواں گھٹا بن کر کیونکر منتقل ہوگا۔ اور ستارے برسنے کی توجیہ کیا ہے۔ غالباً مدعا یہ ہے کہ جہاں اس وقت تاریکی چھائی ہوئی ہے اور فضا مکدر ہے وہاں نورانیت پھیل جائے گی۔ اگر میرا قیاس غلط نہیں تو مفہوم اس طرح ادا ہو سکتا تھا۔

جہاں آج کل گھٹ رہا ہے دھواں
چمکنے لگیں گے ستارے وہاں

ان تسامحات سے اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ تسامحات ہیں، نظم کی خوبی پر کوئی اثر نہیں پڑتا، کیوں کہ مجموعی حیثیت سے یہ نظم قابلِ قدر اور اردو ادب میں ایک بیش بہا اضافہ ہے۔ کاش دوسرے ترقی پسند ادیب اور شاعر ایسی ہی راہوں پر گامزن ہوں جو سردار جعفری صاحب نے نکالی بلکہ تراشی ہیں۔ تو میں ان کی تعریف میں بخل نہ کروں بلکہ ان کی ثنا و صفت کے ترانے گاؤں، کچھ اس انداز سے :

بہار ہے ترے عارض سے لو لگائے ہوئے
چراغ لالہ و گل کے ہیں جھلملائے ہوئے

فی الحال اس کے مخاطب صحیح سردار جعفری صاحب ہیں جن کی نظم کے مطالعہ کے دوران میں یہ مطلع بلا تکلف موزوں ہو گیا۔

(ماہنامہ مندر لکھنؤ)

شمارہ اپریل 1949

نوٹ: اس مضمون میں صفحات کے حوالے کتاب کے پہلے ایڈیشن پر نہیں ہیں۔

ebooksgallery.com

گریز داز صفِ ماہر کہ مردِ غوغا نیست
کسے کہ کشتہ نہ شد از قبیلۂ ما نیست
نظیری

ebooksgallery.com

کردار

جاوید — مریم

فرنگی — نامہ بر

زندگی

تاریخ

وقت

موت

ebooksgallery.com

حرفِ اوّل

سیاہ رنگ پھریرے ہوا میں اُڑتے ہیں
کھڑی ہوئی ہے سیہ رات سر اٹھائے ہوئے
سیاہ زلفوں سے لپٹے ہوئے ہیں مار سیاہ
سیاہ پھن ہیں سیہ پھول مسکرائے ہوئے
سیاہ گھوڑوں کی ٹاپوں سے ہل رہی ہے زمیں
سیہ عقاب سیہ آسماں پہ چھائے ہوئے
سیاہ سینوں کو تانے ہوئے سیاہ پہاڑ
سیاہ لوہے کی دیوار سی بنائے ہوئے
سیاہ وادی و صحرا سیاہ دریا ہیں
سیاہ دشت، سیہ کھیت لہلہائے ہوئے
سیاہ فیکٹری کی سیاہ چمنی پر
سیہ دھوئیں کے سیہ ابر تھرتھرائے ہوئے
سیہ چراغ، سیہ روشنی، سیاہ لویں
سیاہ گھر میں سیہ جال سا بچھائے ہوئے
سیاہ کیڑوں کی مانند رینگتی مخلوق

ebooksgallery.com

سیاہ بھوت اندھیرے میں بلبلائے ہوئے
سیہ دوپٹوں کے آنچل سیہ جبینوں پر
سیہ لباس سیہ جسم کو چھپائے ہوئے
نشاں سیاہ لبوں پر سیاہ بوسوں کے
سیہ نشاط کی بدمستیاں چرائے ہوئے
سیاہ دودھ ہے ماں کے سیاہ سینے میں
سیاہ بچوں کو آغوش میں سلائے ہوئے
سیہ فضا میں سیہ تیر سنسناتے ہیں
سیاہ تیر سیہ زہر میں بجھائے ہوئے
سیاہ دار، سیہ پھانسیاں، سیہ پھندے
سیاہ ہاتھ، سیہ گردنیں دبائے ہوئے
سیہ نشان بدن پر سیاہ کوڑوں کے
سیاہ زخم سیہ درد کو جگائے ہوئے
سیاہ جبر، سیہ عصمتیں، سیہ چیخیں
سیاہ عدل، سیہ کلغیاں لگائے ہوئے
سیاہ رنگ کے ساحر سیہ لبادوں میں
سیہ حصار، سیہ تیوریاں چڑھائے ہوئے
ضمیرِ عہدِ غلامی کی تیرگی ہے یہ رات
جو پھر رہی ہے اجالے سے منہ چھپائے ہوئے

کہاں ہے روشنیِ صبحِ انقلاب کہاں؟
ضمیرِ حضرتِ انساں کا آفتاب کہاں؟

ebooksgallery.com

پہلی تصویر

محبت نے کاڑھا ہے ظلمت سے نور
نہ ہوتی محبت نہ ہوتا ظہور

میر

ebooksgallery.com

ebooksgallery.com

پہلی تصویر

(اندھیرے سے دو شکلیں ابھرتی ہیں۔ جاوید دولہا بنا ہوا اور مریم دلہن۔)

نہاں ابر میں چاند کب تک رہے گا
بھلا عشق سے حُسن کب تک چھپے گا
تو شرمائی جاتی ہے میری نظر سے
حجاب اور گل کو نسیمِ سحر سے
تو کیا میری فطرت کی محرم نہیں ہے؟
تو کیا میرے بچپن کی مریم نہیں ہے؟
گزاریں جو راتیں تری آرزو میں
سمٹ آئی ہیں کاکلِ مشک بو میں
جو پلکیں حیا سے جھکی جا رہی ہیں
وہ کچھ اور دل میں چُبھی جا رہی ہیں
ترے رخ پہ حسن و محبت کا ہالہ
یہی ہے مری زندگی کا اجالا
یہ شفاف آنکھیں یہ آنکھوں کے ڈورے
چھلک جائیں جیسے گلابی کٹورے
جو ہاتھوں کو رنگِ حنا مل گیا ہے
ہتھیلی پہ گویا کنول کھل گیا ہے

ebooksgallery.com

محبت کی راتوں کی قندیل تو ہے
جوانی کے خوابوں کی تکمیل تو ہے
یہ اک آنچ سی تیری نیچی نظر میں
ترے حسن سے روشنی میرے گھر میں
تکلم سے نغموں کی دنیا جگا دے
تبسم سے پھولوں کو ہنسنا سکھا دے

(مریم زیرلب مسکراتی ہے)

تری مسکراہٹ میں کیا دلکشی ہے
یہ پھولوں پہ سوئی ہوئی چاندنی ہے
مگر روح کی پیاس کیوں کر بجھے گی؟
سمندر سے کیا صرف شبنم ملے گی؟
محبت ہے، نغمہ ہے، مے ہے، سبو ہے
مرے واسطے جو بھی کچھ ہے وہ تو ہے
تری خامشی کہہ رہی ہے فسانہ
تجاہل ہے تیرا بڑا عارفانہ
ہمارے دلوں کی ہے حسرت پرانی
ہماری شرابِ محبت پرانی
وہ گزری ہوئی شام ہے یاد اب تک
وہ ہے مرے سینے میں آباد اب تک
دن آہستہ آہستہ ڈھلنے لگا تھا
فضاؤں میں سونا پگھلنے لگا تھا
دھندلکے کی پرچھائیاں ناچتی تھیں
ہر اک سمت انگڑائیاں ناچتی تھیں

ebooksgallery.com

افق پر کرن خواب سا بن رہی تھی
دوپٹے کو اپنے شفق چن رہی تھی
تری روح و دل پر تھے بادل سے چھائے
کھڑی تھی مرے پاس گردن جھکائے
مگر نکہتیں اپنی برسا رہی تھی
ترے پیرہن سے مہک آ رہی تھی
ترے سر سے آنچل جو ڈھلکا ہوا تھا
مرے خون میں ساز سا بج رہا تھا
اسی رات کی طرح پلکیں جھکی تھیں
دھڑکتا تھا دل اور نبضیں رکی تھیں
کیا پیار سورج نے جھک کر زمیں کو
سجایا ستاروں سے شب نے جبیں کو
پھسل کر سیہ زلف شانوں پر آئی
ترے رخ پہ اک شمع سی جھلملائی
مجھے تو نے دیکھا نگاہیں اٹھا کر
کہا پھر اشاروں میں کچھ مسکرا کر
سمجھ کر نگاہوں کا پیغام ہم نے
محبت کا پہلا پیا جام ہم نے
اسی جام نے ہم کو سرشار رکھا
ہماری تمنا کو بیدار رکھا
جدائی میں بھی صبر کرنا سکھایا
ہمیں آگ پر سے گزرنا سکھایا
مرادوں کی مانگی ہوئی رات ہے یہ
کہ بچھڑے ہوؤں کی ملاقات ہے یہ

ebooksgallery.com

(مریم جاوید کی طرف محبت بھری نظروں
سے دیکھتی ہے اور پھر پلکیں جھکا لیتی ہے۔
اس کی آنکھوں سے دو چمکتے ہوئے آنسو
ٹپک پڑتے ہیں اور چمپئی رخساروں پر
چاندی کی دو لکیریں سی کھنچ جاتی ہیں۔)

مریم

مری ساری دولت محبت کے آنسو

جاوید

محبت کے آنسو مسرت کے آنسو
یہ آنسو ہیں ٹوٹے دلوں کے سہارے
یہ تقدیرِ آدم کے روشن ستارے
تری ساری ہستی تری چشمِ نم میں
مرے گھر کی برکت ہے تیرے قدم میں
ہر اک رنج و راحت کی ساتھی ہے عورت
جہنم کو جنت بناتی ہے عورت
جبیں پر تجلی کی انجم فشانی
نظر میں زلیخا کی ہنستی جوانی
وہ مطلوب بھی ہے، طلب گار بھی ہے
وہ غم خوار بھی اور دل دار بھی ہے
وہ ہے ساز بھی، نغمہ بھی، نغمہ گر بھی
گلستاں بھی، گل بھی، نسیمِ سحر بھی

ebooksgallery.com

مریم

مجھے بھی تو ہے یاد وہ رات اب تک
ہیں مٹھی میں میری وہ لمحات اب تک
کلی کی طرح جو کھلے جا رہے تھے
جو گھل کر لہو میں ملے جا رہے تھے
تمنائیں لہراتی تھیں خواب بن کر
برستے تھے جگنو اندھیرے سے چھن کر
حجاب اٹھ گئے تھے زمان و مکاں کے
دریچے تھے وا لذت جاوداں کے
رگوں میں مری دوڑتے تھے شرارے
مرے گرد تھے رقص میں چاند تارے
وہ رات آئی تھی ایک طوفان بن کر
سمندر کے سینے کا ہیجان بن کر
محبت کی کیف آفریں رات تھی وہ
جوانی کی سب سے حسیں رات تھی وہ

جاوید

وہ رات آج تک حسن برسا رہی ہے
وہ رات آج کی رات لہرا رہی ہے

ebooksgallery.com

ebooksgallery.com

دوسری تصویر

باغ کے آغوش میں گل چاہیے
زندگانی میں تسلسل چاہیے

جعفری

ebooksgallery.com

ebooksgallery.com

دوسری تصویر

جاوید کا گیت

زمیں پہ رات کی پلکوں کی چھاؤں پڑتی ہے
اندھیرا سخت خموشی کا بار اٹھائے ہوئے
ہوا میں اڑتے ہیں لمحات جگنوؤں کی طرح
فضا کے سینے میں اک آگ سی لگائے ہوئے
سرک رہے ہیں اندھیرے کے مخملی پردے
نکل رہا ہے کوئی جسم کو چرائے ہوئے
ابھر رہا ہے کوئی وقت کے تلاطم سے
جبیں پہ قوس قزح کی کماں جھکائے ہوئے
خمار نیم شبی کا ہے آنکھ میں کاجل
ہتھیلیوں پر حنا کے کنول جلائے ہوئے
مری جوان تمنا کے شوخ پھولوں سے
سیاہ زلف کو گوندھے ہوئے سجائے ہوئے
وہ دھندلے دھندلے ستاروں کے نرم جھرمٹ میں
کنارے سرخ دوپٹے کے جگمگائے ہوئے
دھڑکتے سینے پہ آنچل کی ریشمی شکنیں
گزشتہ شب کی حسیں چاندنی چھپائے ہوئے

ebooksgallery.com

سڈول اور سبک بازوؤں کی لرزش میں
شباب وشعر کی انگڑائیاں دبائے ہوئے
کھڑی ہے خواب وفسانہ کی سرحدوں کے قریب
اندھیری رات کے دل میں چمن کھلائے ہوئے
وفا کے جوش سے چہرے پہ روشنی دل کی
حیا کے رنگ سے رخسار تمتمائے ہوئے
بھنوؤں پہ جتنی ہے انکار کی حسیں شکنیں
لبوں پہ اتنے ہی اقرار مسکرائے ہوئے

مریم

یہ مانا محبت کی منزل ہے عورت
تڑپتا مچلتا ہوا دل ہے عورت
پر اس کے زمان و مکاں اور بھی ہیں
'ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں'
ابھرتی ہوئی وقت کے ساحلوں سے
گزرتی ہے وہ کتنی ہی منزلوں سے
کبھی جام بن کر چھلکتی ہے عورت
کبھی اشک بن کر چمکتی ہے عورت
وہ بس چند لمحوں کی ہمدم نہیں ہے
کہ عورت فقط شہدوشبنم نہیں ہے
تبسم نہیں صرف، تلوار بھی ہے
وہ نغمہ نہیں صرف، جھنکار بھی ہے
محبت کی مسند پہ حسن وجوانی
شجاعت کے میداں میں جھانسی کی رانی

ebooksgallery.com

وہ شمعِ شبستاں ہے نورِ سحر ہے
وہ ہر گام پہ مرد کی ہمسفر ہے
مگر سب سے بڑھ کر تو یہ ہے کہ ماں ہے
وہ تخلیق کے دل کا سوزِ نہاں ہے
صدف کی چمک میں ہے موجِ گہر بھی
کلی میں نہاں گل بھی ہے اور ثمر بھی
نگاہوں میں ہے شوخیِ دلبرانہ
جبیں پہ مگر عظمتِ مادرانہ
وہ عورت کی جسمانیت کی چمک ہے
یہ عورت کی روحانیت کی جھلک ہے
جوانی کو شاداب کرتی ہے عورت
محبت کو سیراب کرتی ہے عورت
ہے انسان کی کائنات اس کے دم سے
فروزاں ہے شمعِ حیات اس کے دم سے
جس آنچل کو بچے پہ وہ ڈالتی ہے
جس آغوش میں طفل کو پالتی ہے
اس آنچل میں ہے زندگی کا شرارہ
وہ آغوشِ تہذیب کا گاہوارہ
محبت کی راتوں کی شیرینیوں کو
جوانی کی پر کیف رنگینیوں کو
نگاہوں کے رس کو لبوں کی شکر کو
مہکتے تبسم کے گل ہائے تر کو
نیا رنگ اور روپ دیتی ہے عورت
نئی شکل میں ڈھال لیتی ہے عورت

ebooksgallery.com

جاوید

جو کونپل تھی کل اب ہے پھولوں کی ڈالی
تو ہے میرے بچے کی ماں بننے والی

مریم

کوئی پہلوؤں میں پھڑکتا ہے جیسے
مری سانس میں دل دھڑکتا ہے جیسے
رگ و پے میں کوئی سمایا ہوا ہے
مری روح پر رنگ چھایا ہوا ہے
کوئی دل میں انگڑائیاں لے رہا ہے
مرے خون میں کشتیاں کھے رہا ہے
بدن میں ستاروں کی ہے سنسناہٹ
رگوں میں ہے ہلکی سی اک گنگناہٹ
مرے ذہن میں چل رہی ہیں ہوائیں
امنڈتی ہوں جیسے سنہری گھٹائیں
بگڑتی ہیں، بنتی ہیں، شکلیں فضا میں
مہکتے ہیں لاکھوں شگوفے ہوا میں
یہ اک موج طوفاں ہے جو بڑھ رہی ہے
ندی دم بدم دم بدم چڑھ رہی ہے
نگاہوں پہ نشہ سا چھانے لگا ہے
ہر اک چیز پر پیار آنے لگا ہے
زمیں، آسماں، چاند، سورج، ستارے
مجھے دور سے کر رہے ہیں اشارے
بہاریں مری رازداں ہو گئی ہیں
ہوائیں مری ہم زباں ہو گئی ہیں

ebooksgallery.com

نسیم سحر گدگداتی ہے مجھ کو
کلی دیکھ کر مسکراتی ہے مجھ کو
اک ارمان آغوش میں پل رہا ہے
تصور مرا گھٹنیوں چل رہا ہے
لہو ناچتا ہے رگیں ٹوٹتی ہیں
مرے جسم سے کونپلیں پھوٹتی ہیں

جاوید

حیاتِ بشر ہے بڑی شاعرانہ
محبت ہے جس کی بقا کا بہانہ
وہ نغمہ جو بنتا ہے سرگوشیوں سے
جو ہوتا ہے پیدا ہم آغوشیوں سے
لرزتی ہیں پلکیں، سمٹتے ہیں ابرو
پھڑکتے ہیں پہلو، مچلتے ہیں بازو
تڑپتے ہیں دل اور دھڑکتے ہیں سینے
جوانی نکلتی ہے لے کر سفینے
چمکتے ہیں ماتھے، دمکتے ہیں چہرے
مہکتے ہیں پھولوں کے شاداب سہرے
نکھرتا ہے صندل، جھلکتی ہے افشاں
لچکتی ہیں شاخیں، چٹکتی ہیں کلیاں
ابھرتے ہیں جلوے بکھرتے ہیں جلوے
بکھرتے ہیں جلوے سنورتے ہیں جلوے
ڈھلکتے ہیں گیسو، سرکتے ہیں آنچل
امنڈتے ہیں بادل، برستے ہیں بادل

ebooksgallery.com

یوں ہی اڑ رہا ہے نشاں زندگی کا
تھکتا نہیں کارواں زندگی کا
تسلسل حقیقت، تسلسل فسانہ
تسلسل ہی ہے زندگی کا ترانہ
کرن سے کرن اس طرح پھوٹتی ہے
کہ جس طرح سے پھلجھڑی چھوٹتی ہے۔

ebooksgallery.com

تیسری تصویر

بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب
اور آزادی میں بحر بے کراں ہے زندگی

اقبال

ebooksgallery.com

ebooksgallery.com

تیسری تصویر

(مریم پھٹے ہوئے کپڑوں کے ٹکڑوں سے اپنے ہونے والے بچے کے لیے ایک چھوٹا سا کرتا سی رہی ہے۔ کپڑے کے ٹکڑے مختلف رنگوں کے ہیں)

پس منظر سے کورس کی آواز

زندگی کا ترانہ

یہ آب وخاک و باد کا جہاں بہت حسین ہے
اگر کوئی بہشت ہے تو بس یہی زمین ہے

ہوائیں مشک بار ہیں فضائیں زرنگار ہیں
افق کے کوہسار میں شفق کے آبشار ہیں
نجومِ شاخِ کہکشاں فلک کے برگ وبار ہیں
یہ آب وخاک و باد کا جہاں بہت حسین ہے
اگر کوئی بہشت ہے تو بس یہی زمین ہے

ترانہ ہائے چنگ ہیں سرود موج گنگ میں
بتان آذری مچل رہے ہیں خشت وسنگ میں

ebooksgallery.com

سفینہ آفتاب کا رواں ہے نور و رنگ میں
یہ آب و خاک و باد کا جہاں بہت حسین ہے
اگر کوئی بہشت ہے تو بس یہی زمین ہے

ہمالیہ کی چوٹیاں فلک سے ہمکنار ہیں
حقیر جن کے سامنے جہاں کے تاجدار ہیں
یہ ایشیا کی آبرو یہ ہند کا وقار ہیں
یہ آب و خاک و باد کا جہاں بہت حسین ہے
اگر کوئی بہشت ہے تو بس یہی زمین ہے

تڑپ رہی ہے موجِ بحرِ عشق ماہتاب میں
ہمیشہ کشمکش میں ہے ہمیشہ اضطراب میں
ہمیشہ سوز و ساز میں ہمیشہ پیچ و تاب میں
یہ آب و خاک و باد کا جہاں بہت حسین ہے
اگر کوئی بہشت ہے تو بس یہی زمین ہے

نسیمِ صبح نکہتوں کے کارواں لیے ہوئے
شمیمِ گل سرورِ قلب و کیفِ جاں لیے ہوئے
سرور و کیف میکدے کی مستیاں لیے ہوئے
یہ آب و خاک و باد کا جہاں بہت حسین ہے
اگر کوئی بہشت ہے تو بس یہی زمین ہے

دمکتے عارضوں کا رنگ کاکلوں کی چھاؤں میں
مہکتے آنچلوں کا رقص ریشمی ہواؤں میں
لچکتے قامتوں کی تھرتھراہٹیں فضاؤں میں

ebooksgallery.com

یہ آب و خاک و باد کا جہاں بہت حسین ہے
اگر کوئی بہشت ہے تو بس یہی زمین ہے

لبوں میں شہد انکھڑیوں میں رس شراب ناب کا
رباب زندگی کا پہلا زمزمہ شباب کا
سبق دلوں کے مکتبوں میں عشق کی کتاب کا
یہ آب و خاک و باد کا جہاں بہت حسین ہے
اگر کوئی بہشت ہے تو بس یہی زمین ہے

جواں لبوں کی مسکراہٹوں میں گل فشانیاں
عرق عرق جبیں کی تابشوں میں کہکشانیاں
شکستِ حسن میں بھی فتحِ حسن کی کہانیاں
یہ آب و خاک و باد کا جہاں بہت حسین ہے
اگر کوئی بہشت ہے تو بس یہی زمین ہے

چمن میں گونجتا ہے نغمہ بلبلِ حیات کا
شگفتہ اور رنگ ہو گیا گلِ حیات کا
طفولیت میں معجزہ تسلسلِ حیات کا
یہ آب و خاک و باد کا جہاں بہت حسین ہے
اگر کوئی بہشت ہے تو بس یہی زمین ہے

ہزاروں قوتیں مچل رہی ہیں جوئبار میں
ہزاروں جلوے مسکرا رہے ہیں اک شرار میں
ازل سے بیقرار ہیں کسی کے انتظار میں
یہ آب و خاک و باد کا جہاں بہت حسین ہے

ebooksgallery.com

اگر کوئی بہشت ہے تو بس یہی زمین ہے

ہیں ذرہ ہائے آتشیں سرشتِ کائنات میں
رواں انھیں کا گرم خون ہے رگِ حیات میں
مگر یہ قوتیں ہیں آج آدمی کے ہات میں
یہ آب و خاک و باد کا جہاں بہت حسین ہے
اگر کوئی بہشت ہے تو بس یہی زمین ہے

شکستہ ہے ہر ایک حلقہ قسمتوں کے دام کا
فضائے نیلگوں پہ سکہ ہے بشر کے نام کا
یہ مہر و ماہ مشتری؟ سفر ہے ایک گام کا
یہ آب و خاک و باد کا جہاں بہت حسین ہے
اگر کوئی بہشت ہے تو بس یہی زمین ہے

یہ برق و باد و رعد سب اسیر ہیں غلام ہیں
عمل کے میکدے میں کامرانیوں کے جام ہیں
وہ نغمے پختہ ہو رہے ہیں اب تلک جو خام ہیں
یہ آب و خاک و باد کا جہاں بہت حسین ہے
اگر کوئی بہشت ہے تو بس یہی زمین ہے

سوار دوشِ کہکشاں پہ ہو رہا ہے آدمی
توہمات کی سیاہی دھو رہا ہے آدمی
خوشی کی مے میں اپنے غم ڈبو رہا ہے آدمی
یہ آب و خاک و باد کا جہاں بہت حسین ہے
اگر کوئی بہشت ہے تو بس یہی زمین ہے

ebooksgallery.com

مگر غلام قوم کی گھٹی ہوئی ہے زندگی
مثال شمع مفلسی بجھی ہوئی ہے زندگی
سیاہیوں کے درمیاں گھری ہوئی ہے زندگی

اگرچہ یہ جہانِ آب وگل بہت حسین ہے
مگر غموں سے چور چور سینۂ زمین ہے

(شور نعرے بندوقیں چلنے کی آوازیں)

مریم

ہر طرف شورِ محشر بپا ہے
شہر میں جانے کیا ہو رہا ہے

(داخل ہوتے ہوئے)

جاوید

تو کہ رنگین خوابوں میں کھوئی ہوئی ہے
اتنی غافل ہے گویا کہ سوئی ہوئی ہے
دیکھ اس ننھی منی سی جاں کو
جو ترے دل کے نیچے ترے نرم اور گرم پہلو کے گہوارے میں
بے خبر سو رہی ہے
جس کے جسم اور جاں کی ترے خون سے
پرورش ہو رہی ہے
جب وہ دنیا میں آئے گا تو مامتا کی محبت
ترے شفاف سینے سے اک دودھ کی نہر بن کر بہے گی
ترے شفاف سینے کی نوخیز کلیاں

ebooksgallery.com

جو محبت کی راتوں میں کھل اٹھتی تھیں پھول بن کر
نور سے جن کے دیوار و در جگمگاتے تھے
اور شرما کے چاند ابر میں منہ چھپا لیتا تھا
اب انھیں چھاتیوں میں تری ماستا کلبلائے گی اور تو محبت سے بچے کو آغوش میں بھینچ لے گی
اور وہ فرطِ مسرت سے ننھی سی بانہیں اٹھا کر
ڈال دے گا ترے چاند سے اس گلے میں کہ جس سے مرے گرم بوسے گلو بند کی طرح لپٹے ہوئے ہیں
اور جب اپنے ہونٹوں سے وہ پولے پولے پئے گا ترا دودھ تو نو مہینے کی کاری مشقت کی ساری تھکن
تیری رگ رگ سے کھنچ آئے گی
اور تجھے
اپنی بھرپور اٹھتی جوانی کا احساس ہوگا
جب وہ سوتے میں دیکھے گا، پریوں کے خواب
اور آہستہ سے، زیر لب مسکرائے گا، تو تجھ کو معلوم ہوگا، کہ ان ننھے معصوم ہونٹوں میں، دنیا کے سارے خزانے سمٹ آئے ہیں
پھر وہ جب گھٹنیوں چلنا سیکھے گا، اور ٹوٹے ٹوٹے ہوئے لفظ تتلا کے بولے گا تو تجھ کو محسوس ہوگا، کہ تخلیق کا رقص و نغمہ، سمٹ کر تری گود میں آ گیا ہے

یہ خوشی وہ ہے کہ جس کے مقابل، زمانے کی جتنی بھی خوشیاں ہیں سب ہیچ ہیں
لیکن اس ملک میں جس کو ہندوستاں کہتے ہیں
یہ خوشی بھی میسر نہیں
ہر طرف کال کی آندھیاں چل رہی ہیں۔
خاک سے اٹھ رہے ہیں وباؤں کے کالے بگولے

ebooksgallery.com

موت کی ڈائنیں چیختی اور چنگھاڑتی پھر رہی ہیں
مائیں بچوں کو آنچل کے نیچے چھپائے خوف سے کانپتی ہیں
ان کے کانوں میں ہر سمت سے یہ بھیانک صدائیں چلی آ رہی ہیں
'سوکھ جائیں گے ماؤں کے شاداب سینے
اور بچوں کے ہونٹوں سے اڑ جائے گی مسکراہٹ
ریگ زاروں میں تبدیل ہو جائے گا یہ چمن
دودھ کی جس سے نہریں رواں ہیں'
اور پھر تو بھی مریم
میری مریم
میرے بچے کی ماں
تو بھی بنگال کی سیکڑوں عورتوں کی طرح اپنے روتے ہوئے لال کو دل کے
ٹکڑے کو سنسان راہوں کی جلتی ہوئی خاک پر ڈال
کر بھاگ جائے گی ان قحبہ خانوں میں، جن میں
روٹی کے سوکھے ہوئے ایک ٹکڑے کی خاطر جواں
عصمتیں گوشت کے لوتھڑوں کی طرح بک رہی ہیں

تیرے مظلوم بچے کی چیخیں
دور تک تیری پرچھائیوں کا تعاقب کریں گی
خواب میں روح کو تیری آ کر جھنجھوڑیں گی لیکن
تو کسی قحبہ خانے میں روٹی کے سوکھے ہوئے ایک ٹکڑے کی خاطر
اپنے دل، جسم اور روح کو بیچ دے گی
اپنے ہاتھوں سے خود اپنی ہی مامتا کا گلا گھونٹ دے گی۔

مریم

آہ ! ظالم حکومت

ebooksgallery.com

جاوید

روٹیاں شاخ طوبیٰ میں پھلتی نہیں
روٹیاں بادلوں سے برستی نہیں
وحی والہام بن کر اترتی نہیں
روٹیاں، گندمی روٹیاں، سرخ سونے کے ترشے ہوئے گول ٹکڑے
چاند کی طرح گول اور سورج کی مانند گرم
آہ یہ روٹیاں آسمانوں میں پکتی نہیں
یہ ہیں انساں کے ہاتھوں کی تخلیق
اس کی صدیوں کی محنت کا پھل
چلچلاتی ہوئی دھوپ میں ایک دہقاں
اپنے لکڑی کے ہل اور لوہے کے پھل سے
کھیت کو جوتتا ہے
اپنی آنکھوں میں صدیوں کی بے چارگی، مفلسی اور تھکن لے کے آتا ہے
اور خاک سے پھوٹتی کونپلوں کو بڑے پیار سے دیکھتا ہے
اپنے روتے بلکتے ہوئے شیر خواروں کا دکھ بھول کر
اپنے ہاتھوں سے، بڑھتے ہوئے سبز پودوں کو، اس شوق سے سینچتا ہے
جیسے وہ اس کی گودوں کے پالے ہوئے لال ہیں
اور پھر نرم شاخوں میں گیہوں کے خوشے
موتیوں کی طرح پھلتے ہیں
اور دہقان کی روح بیتاب ہو کر انھیں چومتی ہے ——
آسماں ناچتا ہے زمیں گھومتی ہے
کھیت کٹتے ہیں، کھلیان لگتے ہیں، پھر چکیاں گاتی ہیں، لڑکیاں گاتی ہیں
کتنے ہی ہاتھوں میں لاکھ اور کانچ کی چوڑیاں گنگناتی ہیں
اور آگ کی آنچ میں تمتماتے ہیں رخسار
اس طرح گیہوں کے چاند سورج

ebooksgallery.com

گاؤں میں، شہر میں، ہر جگہ جگمگاتے ہوئے چولہوں پر ناچتے ہیں
روٹیاں، گندمی روٹیاں، سرخ سونے کے ترشے ہوئے گول ٹکڑے
چاند کی طرح گول اور سورج کی مانند گرم
روٹیاں شاخ طوبیٰ میں پھلتی نہیں
روٹیاں بادلوں سے برستی نہیں
وحی و الہام بن کر اترتی نہیں
یہ ہیں انسان کے ہاتھوں کی تخلیق
لیکن اس وقت انسان کے ہاتھوں کی پکی ہوئی روٹیوں کے لیے
عصمتیں بک رہی ہیں
عزتیں بک رہی ہیں
گولیاں چل رہی ہیں
خون کی ندیاں بہہ رہی ہیں
چکیاں چپ ہیں، خاموش ہیں، گاؤں کی لڑکیاں، چوڑیاں گنگناتی نہیں
کھیت کٹتے ہیں اب بھی
اور کھلیان لگتے ہیں اب بھی
لیکن اب گاؤں ویران ہیں
چور بازار کی رونقیں بڑھ رہی ہیں
لڑکیاں چکیاں چھوڑ کر در بدر ٹھوکریں کھا رہی ہیں
اور دہقاں کی آنکھیں جو پتھرا رہی ہیں
اپنی صدیوں کی بیچارگی، مفلسی اور تھکن کو لیے
اپنے بچوں کو فاقوں سے مرتے ہوئے دیکھتی ہیں
دیکھ تو ظالم انگریز کے راج میں
بھوک اور موت کے سائے میں
کتنے آزاد ہیں ہم

ebooksgallery.com

مریم

آہ ! ظالم حکومت

جاوید

دیکھ اپنے برہنہ بدن کو
نوجوانی کے دلکش چمن کو
جس پر افلاس رنگ خزاں کی طرح چھا گیا ہے
تیرا پیوند اور چیتھڑوں کا یہ ملبوس سوکھی ہوئی پتیوں کی طرح ہنس رہا ہے
اور تو مجھ کو ایسی نظر آ رہی ہے
جیسے پت جھڑ کے موسم میں پھولوں کی روتی ہوئی ڈالیاں ہوں
ہم ہیں اس ملک کے رہنے والے
جس کے ڈھاکے کی ململ پہ دھوکا ہو آب رواں کا
ہم وہ تن زیب بنتے ہیں جس سے جواں جسم کی جوت بادل سے
چھنتی ہوئی چاندنی کی طرح پھوٹتی ہے
جامدانی کی نازک سبک چولیاں
جن کے ہر تار میں مسکراتی ہیں بیلے کی کلیاں
اور اس سے زیادہ حسیں کامدانی کے آنچل
چھاؤں میں جن کی سوتے ہیں تارے
اور وہ کشمیر کے ریشمی پیرہن
جن پہ قربان سنجاب و دیبا و اطلس
گرچہ یہ سب ہیں ملبوس ہندوستاں کے مگر ہم غلاموں کو ان کے
پہننے کا حق ہی نہیں
ان کا اب ذکر بے کار ہے
دست کاروں کے زخمی انگوٹھے
ڈیڑھ سو سال سے ظلم کی داستاں سہہ رہے ہیں

ebooksgallery.com

ہم کو تو کارخانے کا لٹھا
چھینٹ کا ایک ٹکڑا
موٹے کھدر کا کرتا
اور گاڑھے کا بھدا کفن بھی میسر نہیں
سر کھلی عصمتیں پھر رہی ہیں
بے کفن میتیں سڑ رہی ہیں
ہاں مگر چور بازار میں 'دیش بھگتی' کے بوروں میں لپٹے ہوئے
تھان کے تھان رکھے ہوئے ہیں
دیکھ تو ظالم انگریز کے راج میں
بھوک اور موت کے سائے میں
کتنے آزاد ہیں ہم

مریم

آہ! ظالم حکومت

جاوید

اپنے آباواجداد کی اس زمیں پر
اس بہشتِ بریں پر
ہم کو اب چین سے سانس لینے کا حق بھی نہیں ہے
دیکھتا ہوں میں جب اپنے گھر کو
اس کے دیوار و در کو
اس کی گرتی ہوئی ٹوٹی چھت کو تو محسوس ہوتا ہے یہ گھر نہیں جیل کی کوٹھری ہے
جس کی دیواروں سے تیرگی رس رہی ہے
یہ مکاں کیا ہے بیماریوں اور وباؤں کا گہوارہ ہے
اس کے کونوں میں ہر طرح کی لعنتیں پل رہی ہیں

ebooksgallery.com

لیکن ایسے بھی انسان ہیں جن کو یہ کوٹھری بھی میسر نہیں ہے
ان کے سر پر ہے چھت آسماں کی
اور چاروں طرف دھوپ گرد اور بارش
غصے میں پیچ اور تاب کھاتے عناصر کی دیوار ہیں
کتنی ہی عورتیں کتیوں اور بلیوں کی طرح اپنے بچے گلی کوچوں میں جن رہی ہیں
ہم سے بہتر ہیں کیڑے مکوڑے
ان کے سر پر ہری گھاس کے سائباں ہیں
سبز پیڑوں کی ٹھنڈی گھنی چھاؤں میں طائروں کے حسیں آشیاں ہیں
سانپ بچھو بھی آرام سے رہتے ہیں اپنے اپنے بلوں میں
بھیڑیے اور گیدڑ پہاڑوں کے غاروں میں اور جنگلوں کے درختوں کے نیچے
دھوپ گرد اور بارش سے بچ کر بڑے چین سے سوتے ہیں
لیکن انسان، معمار و خلاق انسان
آج انگریز کے راج میں گھر سے بے گھر ہوا ہے
دستِ فطرت نے کہسار و دشت و بیاباں بنائے
آدمی نے گلستاں بنائے
اپنے بازو کی قوت سے قصر اور ایواں بنائے
اس نے پتھر میں محراب کا لوچ مینار کا حسن پیدا کیا
اور دیوار کو استقامت عطا کی
جن کے دروازے آغوشِ محبوب کی طرح وا ہو رہے ہیں
لیکن انگریز کے راج میں
ظالم انگریز کے راج میں
آج معمار و خلاق انساں
گھر سے بے گھر ہوا ہے

ebooksgallery.com

مریم

آہ! ظالم حکومت

جاوید

تیری ہم عمر کتنی ہی مائیں
کوئلے اور لوہے کی کانوں میں اپنی شکستہ جوانی سے لپٹی ہوئی رو رہی ہیں
ان کے بچوں کی معصومیت چھن چکی ہے
دیو ہیکل مشینوں نے لوہے کے دانتوں سے ان کی خوشی کو چبا ڈالا ہے
دیو ہیکل مشینوں کو انسان نے سیکڑوں سال کی کشمکش اور مشقت سے پیدا کیا ہے
تب کہیں جا کے لوہے کے یہ ہاتھ حاصل کئے ہیں
جن کی نبضوں میں بجلی کی لہروں کا خوں دوڑتا ہے
وہ اگر چاہیں کوہِ گراں کو اٹھالیں
کہکشاں کو زمیں پر بچھالیں
کام کی لمبی گھڑیوں کو لمحوں میں تبدیل کر کے فراغت کی مدت بڑھا دیں
مفلسی اور بے کاری سب کچھ مٹا دیں
خاک کو سونا پتھر کو پارس بنا دیں
لیکن ان آہنی ہاتھوں میں آج 'سرمائے' نے چاندی کی
ہتھکڑی ڈال دی ہے
کارخانوں کے دل سے دھواں اٹھ رہا ہے
اور مشینوں کے اعصاب جکڑے ہوئے ہیں
سخت لوہے کی نبضوں میں بجلی کا خوں جم گیا ہے
اور بیمار 'سرمایہ داری'
خون پی پی کے قے کر رہی ہے

ebooksgallery.com

مریم

آہ! ظالم حکومت

جاوید

آج انسان کی ان کنیزوں ـــــ مشینوں ـــــ کی طاقت پہ
'سرمایہ داری'
کتنی اترا رہی ہے
وہ مشینوں سے انسان کے دل کو بر مار رہی ہے
اور فراغت نہیں بلکہ بے کاری پھیلا رہی ہے
کالے کالے دھوئیں کے گھنے بادلوں سے وہ دولت کے موتی نہیں
مفلسی کے جراثیم برسا رہی ہے
دیکھ، کس طرح مزدور جو جسم پر پیرہن کی جگہ اپنی ہی کھال پہنے
ہوئے پھر رہے ہیں
صبح سورج کی پہلی کرن پھوٹتے وقت اپنے اندھیرے بلوں
سے نکلتے ہیں اور کارخانوں میں جا کر
اپنا اور اپنے بچوں کے دل کا لہو بادۂ ارغوانی میں تبدیل کر کے
خون آشام سرمائے کے جام میں ڈالتے ہیں
شام کو کارخانے اگل دیتے ہیں ان کو جھلسی ہوئی راکھ کا ڈھیر کر کے
اور پھر رات کے وقت طاعون، دق اور سل کے یہ بھوت
موت کے بھیڑیوں کی طرح آتے ہیں اور بھوکے دلوں اور سوکھی ہوئی
ہڈیوں کو چبا ڈالتے ہیں

دیکھ تو ظالم انگریز کے راج میں
بھوک اور موت کے سائے میں
کتنے آزاد ہیں ہم

ebooksgallery.com

مریم

آہ! ظالم حکومت

جاوید

آج 'سرمایہ داری' وہ چنچل حسینہ نہیں جس کی بنیاد پر بوڑھی
'جاگیرداری' خفا تھی
جو ہواؤں سے لڑتی تھی طوفان سے کھیلتی تھی
جو سمندر میں دھوتی تھی زلفیں
گوندھ کر ان میں سورج کی کرنیں
صبح سے شام تک ناچتی تھیں
اجنبی دیس کے اجنبی ساحلوں پر
قہقہے مارتی تھی
آج 'سرمایہ داری'
بوڑھی قحبہ ہے دلاّلی ہے پیشہ اس کا
اب وہ اک سانس لیتی ہوئی لاش ہے
سالہا سال سے سڑ رہی ہے
قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھی ہوئی ہے
اس نے اپنی جوانی میں اپنی غلط کاریوں سے
کتنے بچے جنے ہیں
بھوک، بیکاری، افلاس، قحط و وبا، جہل، وہم، آتشک، بینک،
زہریلی گیس اور ایٹم کے بم اس کی گودوں کے پالے ہوئے ہیں
اب یہ بچے جواں ہو گئے ہیں
زندگی کے لیے اک بلا ہو گئے ہیں
اور 'سرمایہ داری' کی بوڑھی چھنال ان کی طاقت سے انسانیت کا
لہو پی رہی ہے

ebooksgallery.com

مریم

ظلم اور جبر پر جی رہی ہے

جاوید

آج ہندوستاں میں کوئی خوش نہیں ہے
پیٹ کو روٹی، ہاتھوں کو کام اور تن ڈھانکنے کے لیے چیتھڑے بھی نہیں ہیں
خالی جو ہاتھ ہوں گے وہ بیکار کب تک رہیں گے؟
اک نہ اک روز تلوار پر جائیں گے
ہونٹ خاموش رہتے نہیں
وہ محبت کے بوسوں اور آسودگی کے ترانوں سے محروم ہوں گے تو مجبور ہو کر
انقلاب اور بغاوت کے چھیڑیں گے نغمے
اور آزادی کے زمزمے گائیں گے
آج ایک ایک دریا میں طوفان ہے
کوہساروں کے سینے میں ہیجان ہے
ذرہ ذرہ بغاوت پہ آمادہ ہے
سیکڑوں اور ہزاروں مجاہد قدم قدم کو ملائے ہوئے بڑھ رہے ہیں
گولیاں سنسناتی ہیں اڑتے ہیں پرچم
بادشاہی کے گھر میں ہے ماتم
موت کی چھاؤں میں زندگی رقص فرما رہی ہے

مریم

مرحبا

جاوید

عہدِ نو آ رہا ہے

ebooksgallery.com

دولتیں، برکتیں، راحتیں ملاؤ تمیں لا رہا ہے
خاک کے بطن میں ان جنی کونپلیں ناچتی ہیں
کھیتیاں لہلہانے کو بیتاب ہیں
گیہوں اور دھان کی نرم ناپید اشاخیں
رنگ اور نور میں کھیلنے کے لیے مضطرب ہیں
خاک چلا رہی ہے کہ 'جاگیردار اور زمیندار نے اپنے ناپاک
قدموں سے مجھ کو نجس کردیا ہے'

خارزار اور بنجر زمینیں
کہہ رہی ہیں کہ 'گنگا کے پانی سے دھو دو ہمیں
پاک اور صاف کردو ہمیں
تاکہ ہم اپنے مخمل کے پیراہنوں کو پہن کر
جشنِ صبحِ بہاراں منائیں'
اور دھرتی کے سینے میں کانوں کے اندر
کتنی دھاتیں ہیں جو کروٹیں لے رہی ہیں
ان کے جوہر میں جنبش ہے اور دل میں ارمان یہ ہے
'کوئی آکر ہمیں قیدِ فطرت سے آزاد کردے
ہم مشینوں کی صورت میں انسان کی خدمت کریں گے'
ان کی آنکھوں میں اک خواب سا لہرا رہا ہے
ریشم اور سوت کے کارخانے
ابر کی طرح دھنکی ہوئی روئی کے نرم گالے
ناچتی چرخیاں، گنگناتی ہوئی تکلیاں، سیکڑوں رنگ کے تانے بانے
جیسے سورج کی رنگین کرنیں
اپنی لاکھوں لچکتی ہوئی انگلیوں سے
آسمانوں پہ قوسِ قزح کی حسیں چادریں بن رہی ہوں

ebooksgallery.com

ملک کے سنگ اور خشت میں
سرخ پتھر کی اونچی چٹانوں کے دل میں
کتنی محرابیں انگڑائیاں لے رہی ہیں
کتنے دیوار و در، کتنے مینار جو سنگ مرمر کے سینے میں سوئے ہوئے ہیں
جو عدم کے اندھیرے میں کھوئے ہوئے ہیں
آج انسان کے دست تعمیر کے منتظر ہیں
کاش صناع و معمار انھیں ان کے خواب گراں سے جگا دیں
سنگ اور خشت کے ڈھیر کو قصر و ایواں بنا دیں
ہم اجنتا کے نقاش، بت گر ایلورا کے معمار ہیں تاج اور سیکری کے
ہم وہ صناع ہیں انگلیاں جن کی پتھر کو بھی موم کر کے سبک اور حسیں
شکل میں ڈھالتی ہیں

لیکن ان انگلیوں کو
ڈیڑھ سو سال کی مفلسی اور غلامی
ڈیڑھ سو سال کی کوڑھ نے کھا لیا ہے

آج ہندوستاں جاگ اٹھا ہے
یہ حسیں بوستاں جاگ اٹھا ہے
اس کی انسانیت اور روحانیت جاگ اٹھی ہے
بچے گہواروں سے رینگ کر آج باہر نکل آئے ہیں
اور انگریز سے اپنا کھویا ہوا بھولا پن مانگتے ہیں
عورتیں اپنی کھوئی ہوئی عصمتیں
مائیں بے آب سینوں کی شادابیاں مانگتی ہیں
دست کار اپنے مضبوط انگوٹھے
اور صناع و معمار اپنی سبک انگلیاں مانگتے ہیں
جنگ آزادی میں لڑنے والے سپاہی

ebooksgallery.com

کارخانوں کے مزدور کھیتوں کے دہقاں
اپنے دریا و دشت و جبل اپنا ملک و وطن مانگتے ہیں
یہ حسیں بوستاں ہے ہمارا
سارا ہندوستاں ہے ہمارا
ہم اس اپنے وطن، اپنے گلزار میں، اور کچھ بھی نہیں،
صرف جینے کا حق مانگتے ہیں۔

ebooksgallery.com

ebooksgallery.com

چوتھی تصویر

آج سے کوچہ و بازار میں مرنا ہے روا
ظلم کی چھاؤں میں چپ بیٹھ کے جینا ہے حرام

جعفری

ebooksgallery.com

ebooksgallery.com

چوتھی تصویر

تاریخ کا ترانہ

میں نے لاکھوں بہاریں دیکھی ہیں
آگ کے پھول ، آگ کے گلزار
انگڑیوں کے دہکتے انگارے
آہ کے شعلے آنسوؤں کے شرار

روم و یونان کے غلام اٹھے
شیر ا پنجروں سے جیسے چھوٹ گئے
ظالموں کے محل لرزنے لگے
ہاتھ تھرّائے ،جام ٹوٹ گئے

آج تک گونجتے ہیں کانوں میں
ہم ہے جاگتے کسانوں کے
روح میں میری زخم ہیں پنہاں
عہد وسطیٰ کے باغبانوں کے

ebooksgallery.com

میں نے دیکھیں طلوع ہوتی ہوئی
غازیوں کی حسین تلواریں
میری آنکھوں کے سامنے بیٹھیں
تخمسوں کی بلند دیواریں

میری نظروں کے سامنے گزرے
انقلابِ فرانس کے پرچم
میرے سینے پہ ثبت ہیں اب تک
باغیوں کے جوان نقشِ قدم

میری نبضوں میں ، میرے خون میں ہے
جوش زن والگا کا سرخ ابال
نور افشاں ہے میرے ماتھے پر
روس کے انقلابیوں کا جلال

میں نے لاکھوں بہاریں دیکھی ہیں
آگ کے پھول ، آگ کے گلزار
انگڑیوں کے دہکتے انگارے
آہ کے شعلے آنسوؤں کے شرار

وقت کا ترانہ

تو نے لاکھوں بہاریں دیکھی ہیں
اب کی اس ملک کی بہار ہے اور
وادیاں گونجتی ہیں نعروں سے
سازو آہنگِ آبشار ہے اور

ebooksgallery.com

قافلہ انقلاب کا ہے رواں
بج رہی ہے خوشی کی شہنائی
زلزلوں سے دہل رہی ہے زمیں
لے رہے ہیں پہاڑ انگڑائی

سلگ اٹھی ہے انتقام کی آگ
برف کی چوٹیاں دہکتی ہیں
ظلم کے جبر کے اندھیرے میں
سیکڑوں بجلیاں چمکتی ہیں

جن کو کچلا گیا ہے صدیوں سے
آج تک ان کے دل دھڑکتے ہیں
زندگی کے بجھے ہوئے شعلے
اک نئی شان سے بھڑکتے ہیں

فصل کے ساتھ ساتھ کھیتوں سے
اُگ رہی ہے بغاوتوں کی سپاہ
جگمگاتی ہے عدل کی شمشیر
مل سکے گی نہ ظالموں کو پناہ

کارخانوں کے آہنی دل سے
ایک سیلاب سا ابلتا ہے
سرخ پرچم ہوا کے سینے پر
بن کے رنگِ شفق مچلتا ہے

ebooksgallery.com

یہی ہندوستاں کا ساحل ہے
جس پہ ٹوٹا غرور سلطانی
آگ سی لگ گئی ہے پانی میں
موجیں کرتی ہیں شعلہ افشانی

بادباں کھل گئے بغاوت کے
بمبئی کے جہازیوں کو سلام
جو شہنشاہیت سے ٹکرائے
ایسے جاں باز غازیوں کو سلام

دیدنی اہلِ شہر کا ہے شکوہ
گولیاں روکتے ہیں سینوں پر
لب پہ نعرے، نگہ میں عزمِ جہاد
حریت ضو فگن جبینوں پر

ہر سڑک پر سمندروں کا اُبال
ہر گلی میں ہے جوشِ طوفانی
غرق کر دے گی بادشاہی کو
آدمی کے لہو کی طغیانی

خون چہرے پہ مل کے اٹھی ہے
یہ ہے کشمیر کی دلہن کا سہاگ
ہر کلی بن گئی ہے چنگاری
شاخِ گل سے نکل رہی ہے آگ

ebooksgallery.com

ان حسیں زعفران زاروں میں
یوں تو ہر سال پھول آتے ہیں
اس برس کاسنی شگوفوں میں
زخم ہی زخم مسکراتے ہیں

جھیل ہے یہ کنول کے پھولوں کی
پاک اور صاف اس کا پانی ہے
مل گیا ہے لہو شہیدوں کا
آج ہر موج ارغوانی ہے

ہے یہ عرصہ گہہ ٹراونکور
ناز کر ناز سرزمینِ دکن
رقص کر رقص موج بحرِ عرب
مسکرا اے بہادروں کے وطن

وہ اٹھیں ایک لاکھ بندوقیں
گولیاں ایک لاکھ چلنے لگیں
جھپٹے وہ ایک لاکھ متوالے
ایک لاکھ آندھیاں مچلنے لگیں

رہ گئیں ایک لاکھ سینوں میں
ٹوٹ کر ایک لاکھ شمشیریں
گر گئیں ایک لاکھ جسموں سے
ٹوٹ کر ایک لاکھ زنجیریں

ebooksgallery.com

حیدرآباد کے جوانوں کی
فوج میدان میں اتر آئی
پھر سے ٹیپو کی تیغ جوہر دار
خون میں ڈوب کر اُبھر آئی

بجلیوں کی طرح کڑکتی ہوئی
ٹولیاں آ گئیں کسانوں کی
کیا گھٹا جھوم کر برستی ہے
گونج ہے فتح کے ترانوں کی

شور ہے، جوش ہے، تلاطم ہے
اُڑ گئے ہوش حکمرانوں کے
جاگ اٹھے ہزار جوالہ مکھی
آگ اُبلنے لگی دہانوں سے

اک طرف ظلم اک طرف انصاف
فوج سے فوج آ کے ٹکرائی
جن کے دل میں تھا جوش قربانی
آج ان کی مُراد بر آئی

بہہ رہے ہیں جوان جسموں سے
سرخ اور گرم خون کے دھارے
پھوٹ نکلے افق کے سینے سے
روشنی کے طلسمی فوارے

ebooksgallery.com

یہ انھیں عورتوں کی لاشیں ہیں
جن کے چہروں پہ رنگ تھا نہ نکھار
آج دامن میں کھل رہے ہیں چمن
آنچلوں میں ٹکی ہوئی ہے بہار

خاک پر سو رہے ہیں جو بچے
اپنے ہی خون میں نہائے ہوئے
'ناامیوں' کو شدید نفرت ہے
دیکھتے ہیں نظر جمائے ہوئے

یہ ہیں وہ لال جو نشانی تھے
اپنے ماں باپ کی محبت کے
آج سے یادگار ہیں لیکن
ملک اور قوم کی شجاعت کے

مجھ سے کیا پوچھتی ہے اے 'تاریخ'
کیا ہے ہندوستان کا تحفا؟
اس دہکتے ہوئے گلستاں سے
ایک دو سرخ پھول لیتی جا

فرنگی

تم کو معلوم ہے یہ جگہ کون سی ہے؟

جاوید

نہیں

ebooksgallery.com

فرنگی

یہ وہ ایوان ہے جس میں انصاف، عدل اور صداقت کی قندیل
سیکڑوں سال سے جل رہی ہے
یہ وہ ایوان ہے جس کے سائے میں ہندوستاں کی رعایا
امن اور چین سے پل رہی ہے
دیکھو دیوار پر شاہ برطانیہ اور شہنشاہ ہندوستاں کی شبیہ مبارک لگی ہے
جس کی آنکھوں میں رحم اور دل میں محبت بھری ہے
اس کے نزدیک آؤ
ہاتھ اٹھاؤ
اور قسم کھاؤ سچ بولنے کی

مریم

پہلے تم یہ بتاؤ کہ سچائی کی تاب بھی لا سکو گے؟

جاوید

سچ تو یہ ہے کہ انصاف، عدل اور صداقت کی قندیل
ایوانِ شاہی میں روشن نہیں ہے

مریم

سچ تو یہ ہے کہ انگریز کے ہاتھ میں سچ کا دامن نہیں ہے
پتھروں کو پگھلتے ہوئے، ریگزاروں میں پھولوں کو کھلتے ہوئے
ہم نے دیکھا نہیں ہے

جاوید

سچ تو یہ ہے کہ اب کوئی ہندوستانی
شاہ برطانیہ کی رعایا نہیں ہے

مریم

سچ تو یہ ہے کہ انگریز کے ڈیڑھ سو سال کے راج میں
ایک انساں نے بھی امن اور چین پایا نہیں

ebooksgallery.com

جاوید

سچ تو یہ ہے کہ یہ اجنبی شخص جس کی شبیہ مبارک یہاں
لاش کی طرح لٹکی ہوئی ہے
یہ نہ تو شاہِ برطانیہ ہے، نہ شاہنشہ ملک ہندوستاں ہے
اک فریب ایک دھوکا ہے اک وہم ہے اک گماں ہے

فرنگی

چپ رہو، چپ رہو شاہِ برطانیہ کے غلامو
چپ رہو
اپنا اعمال نامہ سنو
تم نے جاوید و مریم
تم نے جمہور کے ساتھ مل کر
انقلاب اور بغاوت کا فتنہ جگایا
تم نے ایک ایک کونے میں طوفاں اٹھایا
تم یہ کہتے ہو جمہور کا راج ہو
ایک ایک گھر میں سوراج ہو
کھیتیوں میں کسانوں کی ہو حکمرانی
کارخانے ہوں مزدوروں کی راجدھانی
تم پر الزام یہ ہے کہ تم
شاہ برطانیہ اور شہنشاہ ہندوستاں کی حکومت
سلطنت اور قانون ہی کے نہیں
امن و تہذیب و اخلاق کے بیخ کن ہو
مختصر یہ کہ تم بدچلن ہو

جاوید

جانتے ہو ہماری نگاہوں میں تم کون ہو
عصر حاضر کے فرعون ہو!

ebooksgallery.com

تم وہ قاتل ہو گردن پہ جن کی
ایک دو کا نہیں بلکہ لاکھوں کروڑوں کا خوں ہے
تم وہ پاپی ہو کہ پاپ بھی شرم سے سرنگوں ہے

جب تم اس ملک میں آئے تھے ہم نے مہماں سمجھ کر
اپنی آنکھوں پہ تم کو بٹھایا
بھائی کہہ کر گلے سے لگایا
تم مگر مکر اور فن میں استاد نکلے
بھیس سوداگروں کا بنایا تھا دراصل جلاّد نکلے
بھائی سے بھائی کو تم نے آ کر لڑایا
خون پانی کی صورت بہایا
اور پھر اپنے آئین و قانون کے نام پر
اونچے قلعے بنائے
فوج لائے
میزبانوں پہ پہرے بٹھائے
ظلم اور جبر کے تازیانے لگائے
اور ہندوستاں کی بھری بستیاں لوٹ لیں
تم وہ ہو جن کے ہاتھ اپنے ہی محسنوں کے لہو میں بھرے ہیں
تم تو خود جانتے ہو کہ جس شے کو آئین و قانون کا نام
تم نے دیا ہے وہ کیا ہے
یہ ہے وہ سانپ جو سیکڑوں سال سے ایشیا اور افریقہ کو ڈس رہا ہے
جس کو لندن کے شاہی مداری
اپنی مکاریوں کی پٹاری میں لے کر
ایک اک ملک میں ایک اک دیس میں پھر رہے ہیں
یہ وہ کوڑا ہے جس کے لگائے ہوئے زخم انسان کے جسم اور روح میں

ebooksgallery.com

سڑ رہے ہیں
یہ وہ بجلی ہے جو سالہا سال سے مفلسوں کے گھروں پر گر رہی ہے
یہ وہ تلوار ہے جو نہتوں کی سوکھی ہوئی گردنوں پر
ڈیڑھ سو سال سے پھر رہی ہے
یہ وہ مخمل ہے جس میں تمھارے تشدد کے خونخوار پنجے چھپے ہیں
اپنے قانون کا ڈھونگ اچھا رچایا ہے تم نے
جابرانہ حکومت کا اچھا بہانہ بنایا ہے تم نے
لیکن اس ملک میں ایسے قانون کی دھجیاں اڑ چکی ہیں
ہم نے اپنے تڑپتے ہوئے دل کے جلتے ہوئے خون سے
اپنی بے غیرتی اور محکومیت کی سیاہی کو دھو ڈالا ہے
اب یہاں ایک آئین ہے ایک قانون ہے
جس کو جمہور نے انقلاب اور بغاوت کی بھٹی میں پگھلا کے اپنے
عزم کے سانچے میں ڈھالا ہے

فرنگی

اور جاوید کی بیوی مریم
تم کو کیا کہنا ہے؟

مریم

جب سے تم آئے ہو گھر کی سب برکتیں اٹھ گئی ہیں
تم نے ہندوستاں کی لہکتی ہوئی کھیتیوں سے
ان کی زرخیزیاں چھین لی ہیں
تم نے اس ملک کے سبزہ زاروں کی شادابیاں چھین لی ہیں
تم نے پھولوں کو کھلنے، ہواؤں کو چلنے سے روکا
تم نے چشموں کو بہنے سے، فواروں کو رقص کرنے سے روکا
اور دریاؤں میں زہر گھولا
کل جہاں ناچتی تھیں بہاریں

ebooksgallery.com

دودھ اور شہد کی پڑ رہی تھیں پھواریں
آج ان وادیوں اور میدانوں میں قحط وافلاس کے بھوت منڈلا رہے ہیں
اور آئین وقانون کے گدھ ہمارے
جسم کی بوٹیاں نوچ کر کھا رہے ہیں

تم کو معلوم ہے آج کیوں نوجواں عارضوں کے کنول مسکراتے نہیں ہیں؟
چاند سے ماتھے، سورج سے مکھڑے
کس لیے جگمگاتے نہیں ہیں؟
تم نے بچپن کے پھولوں سے خوشبو چُرالی
اور جوانی کے آئینے سے اس کی رونق اُڑالی
تم نے ہنستی ہوئی مانگ اور مسکراتی جبینوں سے افشاں چھڑالی
صندلی ہاتھوں سے ان کا رنگ حنا لے لیا ہے

جاوید

پھر بھی تم امن وتہذیب واخلاق کا نام لے کر
اک نیا جال پھیلا رہے ہو
ساری دنیا کو بہکا رہے ہو

مریم

خود ہی اپنے گریباں میں منہ ڈال کر پوچھ لو
امن وتہذیب کا نام کس نے مٹایا
کس نے دکھیاری ماؤں کے کڑیل جوانوں کو توپوں کا ایندھن بنایا
کس نے شہروں کو اور بستیوں کو جلایا
کس کے بمبار برسوں سے دنیا کے سر پر
موت کی راگنی گا رہے ہیں
کس کے لشکر ہیں جو غیر ملکوں میں طاعون پھیلا رہے ہیں

ebooksgallery.com

خود ہی اپنے گریباں میں منہ ڈال کر پوچھ لو
کس نے قبروں کو کھودا
اور لاشوں کو باہر نکالا
کس نے لاشوں کے ٹکڑے کیئے کس نے مردوں کو کوڑے لگائے
کس نے آئین وقانون کے نام پر سولیاں گاڑ دیں
اور پھانسی کے پھندے بنائے.
کس نے ماؤں کی گودوں سے بچوں کو چھینا
چیر کر کس نے معصوم بچوں کا سینہ
نرم، نازک، دھڑ کتے دلوں کو چبایا

خود ہی اپنے گریباں میں منہ ڈال کر پوچھ لو
ملک میں انقلاب اور بغاوت کا طوفان کس نے اٹھایا
تم جسے جرم کہتے ہو وہ اصل تہذیب ہے اصل اخلاق ہے
ظالموں کے خلاف انقلاب اور بغاوت
آدمیت کی معراج ہے
آدمیت کی معراج ہے

جاوید

ہم کو اپنی غلامی گوارہ نہیں
ایک بھی ذرہ اس ملک میں اب تمھارا نہیں
آج پیڑوں کے پیروں میں جنبش ہے کہسار چلنے لگے ہیں
ریگزاروں کے سوکھے ہوئے زرد سینوں کے سیلاب ابلنے لگے ہیں
کھیتیاں خاک کی گود سے اٹھ رہی ہیں
اب کی سال ان کی شاخوں میں ہنسیے پھلے ہیں
کارخانے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں کروڑوں ہتھوڑے
اٹھائے ہوئے آرہے ہیں

ebooksgallery.com

اور لوہے کے پہیئے
وقت و تاریخ کے تیز رفتار پہیوں کے مانند
انقلاب اور بغاوت کے رتھ میں لگے فتح کی راگنی گا رہے ہیں

دیکھو کتنی ہی فوجیں اُفق سے
آندھیوں کی طرح آ رہی ہیں
بجلیاں ظلم کے سر پہ منڈلا رہی ہیں
یہ وہ روحیں ہیں جو رود کاویری کے ساحلوں پر
اور پلاسی کے میدان میں سیکڑوں سال سے سو رہی ہیں
یہ وہ اجسام ہیں غدر کے وقت جن کو
اپنی توپوں سے باندھا تھا تم نے
یہ وہ لاشیں ہیں جن سے ہزاروں کتوں اور گدھوں کو پالا تھا تم نے
یہ وہی سر ہیں تم نے جنھیں گردنوں سے جدا کر دیا تھا
یہ وہی گردنیں ہیں جنھیں تم نے پھانسی کا پھندا دیا تھا
یہ وہی ہاتھ ہیں جن میں اب تک
آہنی ہتھکڑی کے نشاں ہیں
یہ وہی پیر ہیں جن میں اب تک تمھاری پنہائی ہوئی بیڑیاں ہیں
یہ وہی سینے ہیں جن میں دل کی جگہ سیسے کی گولیاں سو رہی ہیں
یہ وہی دل ہیں جن کے ہر اک زخم میں زہر آلود سنگینیوں کی ٹوٹی
نوکیں پڑی رو رہی ہیں

دیکھو کتنی ہی فوجیں اُفق سے
آندھیوں کی طرح آ رہی ہیں
بجلیاں ظلم کے سر پہ منڈلا رہی ہیں

ebooksgallery.com

بھاگو بھاگو
اپنا جسم، اپنی جان، اپنا امن، اپنا اخلاق و تہذیب و قانون
سب لے کے بھاگو اس زمیں کے دہکتے ہوئے سینے سے سلطنت کی
پرانی بساط اب اٹھالو
زندگی تم سے تنگ آ چکی ہے
ساری دنیا اب اُکتا چکی ہے
موت کے بادباں کھول دو اور اپنے جہازوں کے لنگر اٹھالو
جاؤ جاؤ ——————!

فرنگی

اس کا مطلب تو یہ ہے کہ تم کو
اپنے سارے جرائم کا اقرار ہے

جاوید

ہم کو انکار ہے

مریم

ہم کو انکار ہے

فرنگی

پر یہ قانون کی منصفانہ نگاہوں میں اقرار ہے

جاوید

انقلاب اور بغاوت کا اقرار لیکن جرائم سے انکار

مریم

انکار ہے

فرنگی

تم اسی طرح انکار کرتے رہو گے
پھر بھی قانون کا فیصلہ، فیصلہ ہے

ebooksgallery.com

تم نے —— جاوید و مریم

تم نے جمہور کے ساتھ مل کر

انقلاب اور بغاوت کا فتنہ جگایا

تم نے ایک ایک کونے میں طوفاں اٹھایا

تم یہ کہتے ہو جمہور کا راج ہو

ایک اک گھر میں سوراج ہو

کھیتیوں میں کسانوں کی ہو حکمرانی

کارخانے ہوں مزدور کی راجدھانی

تم پر الزام یہ ہے —— کہ تم

شاہِ برطانیہ اور شہنشاہِ ہندوستان کی حکومت

سلطنت اور قانون ہی کے نہیں

امن و تہذیب و اخلاق کے بیخ کن ہو

اس لیے شاہِ برطانیہ اور شہنشاہِ ہندوستاں کی عدالت سے تم کو

تم کو جاوید

یہ سزا دی گئی ہے کہ سرکار نے تم سے جینے کا حق لے لیا ہے

جاوید

مجھ سے کیا، سارے ہندوستاں سے یہ حق، جب سے تم آئے ہو چھن چکا ہے

فرنگی

......تم سے جینے کا حق لے لیا ہے

اب تمھارے لیے قید خانے میں ریشم کا پھندا لگا ہے

تا کہ اس میں تمھارا گلا باندھ کر تم کو پھانسی پہ لٹکایا جائے یہاں تک کہ دم توڑ دو

شاہ برطانیہ اور شہنشاہ ہندوستاں کی سلطنت چھوڑ دو

جاوید

اور تم ہم غریبوں کے ہندوستان کی

ebooksgallery.com

مملکت چھوڑ دو

فرنگی

اور تم کو

تم کو مریم

یہ سزا دی گئی ہے کہ تم عمر بھر

عمر بھر صرف رویا کرو

اپنے اشکوں سے اپنے گناہوں کو دھویا کرو

یہ وہ ایوان ہے جس میں انصاف عدل اور صداقت کی قندیل

سیکڑوں سال سے جل رہی ہے

یہ وہ ایوان ہے جس کے سائے میں ہندوستاں کی رعایا

امن اور چین سے پل رہی ہے

مریم

ایسے ایوانِ عدل وصدات پہ لعنت

ایسی ظالم حکومت پہ لعنت

(دیر تک آواز گونجتی رہتی ہے)

لعنت، لعنت، لعنت

ebooksgallery.com

ebooksgallery.com

پانچویں تصویر

آج کی رات اور باقی ہے
مجاز

ebooksgallery.com

ebooksgallery.com

پانچویں تصویر

موت کا راگ

ہر چیز آنی، ہر چیز جانی
ہر رنگ فانی، ہر نقش فانی
دنیا پریشاں خوابوں کی بستی
رنگیں فسانہ، غمگیں کہانی

ساز ازل کا نغمہ اجل ہے
شمع جہاں کا جلوہ اجل ہے
رقصان اجل کی پرچھائیاں ہیں
پنہاں اجل سے پیدا اجل ہے

نکہت گل کی ، تاروں کی ضو ہو
موجِ نظر ہو، بجلی کی رو ہو
چلتا ہے سب پر جادو اجل کا
نقشِ کہن ہو، یا نقشِ نو ہو

ebooksgallery.com

ہر پھول بے بس، ہر خار بے بس
ہر ساز بے بس ، ہر تار بے بس
پنجے سے میرے کوئی نہ چھوٹا
تسبیح بے بس، زنّار بے بس

آنکھوں کا کاجل اشکوں سے دھویا
میں نے خوشی کو غم میں بھگویا
بچ کر نہ نکلا کوئی سفینہ
سب کو ڈبویا، سب کو ڈبویا

قیدی ہیں گورے، قیدی ہیں کالے
انسان و حیواں میرے نوالے
محفل میں میری کرتے ہیں گردش
خوں کے پیالے، خوں کے پیالے

چنگیز و تیمور، نشتر ہیں میرے
خاقان و فغفور خنجر ہیں میرے
میرے پھریرے قحط اور وبائیں
ظلم اور افلاس لشکر ہیں میرے

مجھ کو زمانہ کہتا ہے سفاک
میری نگاہیں سرد اور بے باک
ہر وار بھرپور، ہر وار بھرپور
دست اجل ہے چست اور چالاک

ebooksgallery.com

لینن فرنگی میرا بھی استاد
مجھ سے بھی بڑھ کر سفاک و جلاد
سہمی ہوئی ہے دیوارِ زنداں
پھانسی کے پھندے کرتے ہیں فریاد

مریم کی آواز

زندگی ایک بارِ گراں ہے
میرا جاوید آخر کہاں ہے؟

جاوید

آ میرے پاس آ میری مریم
میری غم خوار و دلدار ہمدم
میں سلاخوں کے پیچھے کھڑا ہوں
راہ کب سے تری تک رہا ہوں

(مریم سامنے آتی ہے)

فرض اپنا ادا کر چکا ہوں
دامنِ شوق کو بھر چکا ہوں
بوجھ کوئی نہیں قلب و جاں پر
فخر کرتا ہوں ہندوستاں پر
میرے دل میں نہ ڈر ہے نہ غم ہے
آنکھ تیری محبت میں نم ہے
دل میں بس ایک ہی آرزو تھی
دیکھ لیتا بھری گود تیری

(آگے بڑھ کر)

ebooksgallery.com

مریم

کوئی دیوار زنداں کو ڈھا دے
ان سلاخوں کو پیچھے ہٹا دے
(سلاخوں کو زور سے ہلاتی ہے)

جاوید

کیوں یہ آنکھیں تری لال کیوں ہیں؟
اتنے الجھے ہوئے بال کیوں ہیں؟
کیوں ہے غمگین صورت بنائی؟
رخ پہ کیوں اڑ رہی ہے ہوائی؟
نظریں اس طرح کیوں بجھ گئی ہیں؟
ہاتھ میں چوڑیاں کیوں نہیں ہیں؟
تیرے چہرے پہ افسردگی ہے
تیرے لہجے میں پژ مردگی ہے

مریم

میرے دل میں محبت ہے تیری

جاوید

تیرے ہی ہاتھ عزت ہے میری
روک لے آنسوؤں کی روانی
پھیر قربانیوں پر نہ پانی

مریم

تجھ سے کہتی ہوں پھیلا کے آنچل
مجھ کو بھی اپنے ہی ساتھ لے چل

جاوید

مجھ کو مت دیکھ ، دیکھ اس چمن کو
لٹ گئی ہے، جو اس انجمن کو

ebooksgallery.com

دیکھ اے جانِ ہندوستاں کو
اپنے اجڑے ہوئے بوستاں کو
جس کے ہر گل پہ رنگ خزاں ہے
جس کا ہر برگ و بر نوحہ خواں ہے
گھر کے آئے اگر ابرِ باراں
خاک سے پھوٹے رنگ بہاراں
آنسوؤں کی نہیں کوئی حاجت
اس کو ہے گرم خوں کی ضرورت

مریم

میرے سر میں بھی آخر جنوں ہے
میری نبضوں میں بھی گرم خوں ہے
موت کا مجھ کو پیغام آتا
کاش میرا لہو کام آتا

جاوید

سرخ رو ہو گی اک روز تو بھی
کام آئے گا تیرا لہو بھی
یوں گزرنا بھی سب کچھ نہیں ہے
صرف مرنا ہی سب کچھ نہیں ہے
اور بھی ہیں بہت سے طریقے
خدمتِ ملک و قوم و وطن کے

مریم

جا کے دوں کس کے در پر دہائی
شاق ہے مجھ کو تیری جدائی
آہ کل تو بہت دور ہوگا
میری نظروں سے مستور ہو گا

ebooksgallery.com

سوگ چھا جائے گا زندگی پر
اوس پڑ جائے گی ہر خوشی پر
دکھ اٹھاؤں گی صدمے سہوں گی
عمر بھر اب اکیلی رہوں گی
مجھ کو ہر وقت یاد آئے گا تو
میرے خوابوں میں لہرائے گا تو
آنسوؤں میں چمکتا رہے گا
میرے دل میں دھڑکتا رہے گا
شرم ہے اپنی ناکامیوں پر
فخر ہے تیری قربانیوں پر
لیکن اس دل کو سمجھاؤں کیسے
میں تجھے چھوڑ کر جاؤں کیسے
جشنِ نو آئے گا جب وطن میں
ہوں گی تنہا بھری انجمن میں

جاوید

کل کا انداز کچھ اور ہو گا
بزم میں اک نیا دور ہو گا
جنگ ہوگی نہ پیکار ہو گی
تو مسرت سے سرشار ہو گی
گود میں تیری اک چاند ہو گا
جس سے خورشید بھی ماند ہو گا
جب جوانی کا انعام پاتا
اس کو میری طرح کا بناتا
اس طرح مجھ کو پا جائے گی تو
پھر نہ اک پل بھی گھبرائے گی تو

ebooksgallery.com

کتنی دل چسپ ہے یہ کہانی
مٹ کے بنتی ہے پھر زندگانی

ساری انسانیت اک تڑپتا ہوا شعلہ ہے
اور افراد چنگاریاں ہیں
جن کے سینوں میں کتنے ہی بیباک و بے تاب شعلے
پرورش پا رہے ہیں
اس تڑپتے ہوئے شعلے سے
جتنی چنگاریاں ٹوٹتی ہیں
اتنی ہی اور چنگاریاں پھوٹتی ہیں
اس طرح زندگی
گل بہ آغوش چنگاریوں سے
ہر گھڑی
اک نیا اور مہکتا ہوا ہار اپنے لیے گوندھتی ہے

کچھ تو چنگاریاں ایسی ہیں جو بھڑکتی نہیں جو تڑپتی نہیں
صرف اڑتی ہیں اور ناچ کر ایک لمحے میں کھو جاتی ہیں،
موت کی سرد آغوش میں جا کے سو جاتی ہیں
لیکن ایسی بھی کتنی ہی چنگاریاں ہیں
جن کے سینوں میں شعلے بھڑکتے ہیں اور خار و خس پر لپکتے ہیں
اور بجھتے بجھتے بھی دنیا اور انسانیت کو
رنگ اور نور کے ایک طوفان میں غرق کر جاتے ہیں
گرمیِ بزم صرف ایک رقصِ شرر تک نہیں ہے

ہم نسیمِ سحر کی طرح آتے ہیں باغِ انسانیت میں

ebooksgallery.com

دو گھڑی سبزہ و گل سے اٹھکھیلیاں کرتے ہیں
شاخ پر جھولتے ہیں
کنج کے سائے میں کھیلتے ہیں
اور گلوں کو
رنگ و بو دے کے اس باغ میں رقص کرتے چلے جاتے ہیں

ابر کی طرح چھاتے ہیں دنیا کے سر پر
اور پھر سبز کھیتوں کو سیراب کر کے
وادی و دشت و کوہ و بیاباں کو شاداب کر کے کڑکتے، گرجتے،
برستے، گزر جاتے ہیں

ہم ہمیشہ سے لمحوں کے مانند آتے رہے ہیں
اور آتے رہیں گے
لمحے جو وقت کی وسعت بیکراں سے امنڈتے ہیں اور ڈوب جاتے ہیں
پھر وقت کی وسعت بیکراں میں
یوں تو سب لمحے ہیں ایک سے
ایک سی ان کی رفتار ہے
ایک سی ان کی جھنکار ہے
پھر بھی یکساں نہیں
جو بھی لمحہ ہے وہ اک نئی آرزو
اک نئی جستجو
اک نیا ساز ہے، اک نیا سوز ہے
اک نئی جوت ہے، اک نئی روشنی

ہم ہیں انسانیت کے زمانے کے موسم

ebooksgallery.com

جو بدلتے رہے ہیں
اور بدلتے رہیں گے
جو نئے پھول پھل ساتھ لاتے رہے ہیں
اور لاتے رہیں گے
جو نئے رنگ سے کیاریوں کو سجاتے رہے ہیں
اور سجاتے رہیں گے
جو نئی کونپلوں سے نئے پیرہن
شاخساروں کو ہر سال لاکر پنہاتے رہیں گے

ہم زمانے کے دریا سے موجوں کی صورت ابھرتے رہے ہیں
اور ابھرتے رہیں گے
زندگانی کی کشتی کو ہم اپنے سیّال سینے پہ لے کر
آگے بڑھتے رہے ہیں
اور بڑھتے رہیں گے
اس سفینے کے ملاح روزِ ازل سے بدلتے رہے ہیں
اور بدلتے رہیں گے
بادباں بن کے افراد اٹھتے رہے ہیں
اور اٹھتے رہیں گے
یہ حسیں ناؤ انسانیت کی اسی طرح چلتی رہی ہے
اور چلتی رہے گی

ہم ہیں معمار انسانیت کے
اپنے آباواجداد معمار تھے
ہم بھی معمار ہیں
آنے والے زمانے کی نسلیں بھی معمار ہوں گی

ebooksgallery.com

زندگی کا فلک بوس ایوان اسی طرح بنتا رہا ہے
اور بنتا رہے گا
ہم جہاں اپنی صناعیاں ختم کر کے چلے جائیں گے
کل وہیں سے نئے عہد کے حوصلہ مند صناع
اپنے فن اور صنعت کا آغاز آ کر کریں گے

ہم اگر کل نہ ہوں گے تو کیا وقت کی تیز رفتار رک جائے گی؟
زندگی کی کمر بوجھ سے غم کے جھک جائے گی؟
گردش ماہ و انجم میں کیا فرق آ جائے گا؟
کیا اندھیرا زمانے پہ چھا جائے گا؟

کل کے دن ہم نہ ہوں گے مگر
زندگی مسکراتی رہے گی
اپنی شمعیں جلاتی رہے گی
آسمانوں کا فیروزئی رنگ اتنا ہی دلکش رہے گا
اور افق کی جبیں روشنی سے چمکتی رہے گی
آج کی طرح کل بھی زمیں
اپنے محور پہ گھوما کرے گی
اور فضاؤں کی لاانتہا نیلی پہنائیوں میں
آج کی طرح کل بھی جھوما کرے گی
آرتی بزم انجم اتارا کرے گی
آج کی طرح کل بھی زمیں
چشمۂ نور میں غسل کر کے
سرخ سورج کے آئینے میں اپنی زلفیں سنوارا کرے گی

ebooksgallery.com

ہاں مگر آج اور کل میں اک فرق ہوگا
زندگی کل کی بھرپور ہوگی
کامرانی کا مے پی کے مخمور ہوگی
کل یہ لوہے کی موٹی سلاخیں
جو مرے اور ترے درمیاں ہیں پگھل جائیں گی
ظلم اور جبر کی ساری زنجیریں گل جائیں گی
کل غلامی کی لعنت، غریبی کی ذلت، مصیبت، مشقت،
صعوبت، عداوت، جہالت
وہم کی بادشاہت، بہیمانہ خصلت، درندوں کی سی ظالم عادت، جبلت
خاروخس کی طرح آدمیت کے طوفاں میں بہہ جائے گی
آدمیت کا طوفان روزِ اول سے امنڈ تا رہا ہے
اور ابد تک امنڈ تا رہے گا
یہ طوفان ہے جس کے ریلے میں فطرت کی سفاکیاں بہہ گئی ہیں
یہ وہ طوفان ہے جو ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں برس سے گرجتا رہا ہے
اور گرجتا رہے گا

ہم جو برطانوی سلطنت کی
کھوکھلی اور پرانی چٹانوں سے ٹکرا رہے ہیں
ہم بھی انسانیت کے اسی جاودانی سمندر کی اک موج ہیں
زندگی، ارتقاء اور تاریخ کی فوج ہیں
ہم بڑھیں گے تو تاریخ آگے بڑھے گی
ظلم اور جبر کی قوتوں سے لڑے گی
آج جس سمت میں ہم مڑیں گے اسی سمت میں ساری دنیا مڑے گی
زندگی سرخ شہپر لگا کر اڑے گی

ebooksgallery.com

ہم ہیں وہ موج طوفاں کہ جو بڑھ کے گھٹتی نہیں
لاکھ دشمن ہوں لیکن ہماری سپہ پیچھے ہٹتی نہیں

جب سے انسان نے اپنے نقشِ قدم سے
پشت گیتی پہ عظمت کی مہریں لگائی ہیں اس وقت سے
ساری فطرت
آدمیت سے لڑنے پہ آمادہ ہے
اس کا ہمدرد و غم خوار کوئی نہ تھا
اس کا دلدار کوئی نہ تھا
ہر طرف صرف دشمن ہی دشمن نظر آ رہے تھے
وادیاں، دشت، میداں، پہاڑ
اپنے دامن سمیٹے ہوئے تھے
دیو کی طرح سانس لیتے سمندر
اپنے سیال جسموں کی جھاگ اور طوفان کی چادروں میں
لپیٹے ہوئے تھے
اپنے تاریک سینوں کے جنگل
اپنے اسرار اور بھید سب کچھ چھپائے کھڑے تھے
اونچے اونچے درخت اپنے میٹھے پھلوں کو
آدمی کی پہنچ سے بہت دور سر پر اٹھائے ہوئے تھے
کوہساروں کی نیلی چٹانیں
اور زمیں کی سنہری تہیں
اپنی گہرائیوں میں ہزاروں خزانے دبائے ہوئے تھیں
ندیاں غیظ میں پیچ و خم کھا رہی تھیں
سانپ کی طرح لہرا رہی تھیں
بجلیاں کالی کالی گھٹاؤں میں اپنی

ebooksgallery.com

آتش افشاں زبانوں سے پھنکارتی تھیں
زلزلے آتے تھے
برف اور آگ کے سخت طوفان چھاتے تھے
اور چاند سورج ستارے
ان میں کھو جاتے تھے
لیکن ان سیکڑوں دشمنوں کی
دشمنی کے اندھیرے میں انساں
اپنے ہاتھوں میں محنت، عمل اور تجسس کی قندیل لے کر
درد، دکھ، شوق، ارماں، مسرت، امنگ، آرزو اور امید
کا بوجھ سر پر اٹھائے
آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا
اور ہر ہر قدم پر
کامرانی کے اور کامیابی کے پرچم
نصب فرما رہا تھا

آخرش وادیاں، دشت، میداں، پہاڑ اس کے قدموں کے نیچے
فرش کی طرح سے بچھ گئے
ندیاں اس کے فاتح قدم چومنے کے لیے رک گئیں
اونچے اونچے درختوں کی اونچی ثمر دار شاخیں
اس کی تسلیم کو جھک گئیں
برف کی چوٹیاں اس کی تعظیم کو جھک گئیں
کوہساروں کی دولت
آبشاروں کی طاقت
اور زمیں کے خزانے
اس کی خدمت میں حاضر ہوئے

ebooksgallery.com

اور انساں ہواؤں پہ اڑنے لگا
موج طوفاں پہ چلنے لگا
بجلیاں اس کی آغوش میں آ گئیں اور دنیا
ذہن انساں کے انوار سے جگمگانے لگی
ساز لے کر تمدن اٹھا اور تہذیب گانے لگی

سوچ ان مرحلوں کو
سوچ ان راستوں اور ان منزلوں کو
جن سے انسان اب تک گزرتا رہا ہے
اس کی راہوں میں دونوں طرف ڈھیر تھے ہڈیوں کے
اور ہر ہر قدم پر
خوں میں لتھڑے ہوئے بریدہ سروں کے فلک بوس ٹیلے کھڑے تھے
جن کی چوٹی پہ راتوں کو بھوت اور جنات
اپنی محفل سجاتے تھے اور آتشیں حلقوں میں ناچتے تھے
اور تاریخ کے سبزہ زاروں میں بہتے ہوئے خون کی تیز بو سے
ہواؤں کا دم گھٹ رہا تھا

یہ پرانے زمانے کے ان حکمرانوں کے نقش قدم تھے
جن کی سفاکیوں کے فسانے
آج بھی دل کو دہلا رہے ہیں
لیکن انسان ان مرحلوں سے گزر کر
آج ان منزلوں پہ کھڑا ہے جہاں ہر خزاں کے عقب سے بہاریں
گل افشانیاں کر رہی ہیں
اور غم کے اندھیرے افق سے مسرت کی چھنتی ہوئی تیز کرنیں
رنگ اور نور سے دشت و کہسار کی گودیاں بھر رہی ہیں

ebooksgallery.com

اپنے اجڑے ہوئے ملک کی کھیتیاں لہلہائیں گی شاداب ہوکر
دھان کی بالیاں مسکرائیں گی گیہوں کے خوشوں میں تارے
پھلیں گے
اور دھرتی کے سینے سے پھولوں کے فوارے اُبلیں گے

مریم

جن میں نہائیں گے ہم

جاوید

آسمانوں سے اتریں گی رنگیں بہاروں کی پریاں
دور ہو جائیں گی قحط کی کالی پرہول پر چھائیاں
ہر طرف نور ہی نور ہوگا
نور ہی نور ہوگا

مریم

میرے جاوید کی تیز آنکھوں کا نور، اس کے سینے سے
بہتے ہوئے خون کا رنگ

جاوید

کارخانوں سے نغموں کے طوفاں اٹھیں گے
اور غریبوں کے سوکھے ہوئے زرد چہروں پہ رنگ آئے گا
زندگی اور آسودگی کا
ان کی مغموم آنکھیں خوشی کی نئی روشنی سے چمکنے لگیں گی

مریم

ہجر کی لمبی راتوں کے آنسو محبت کے ہلکے تبسم میں شہد وشکر
بن کے گھل جائیں گے

جاوید

گرد آلود آئینے دھل جائیں گے

ebooksgallery.com

اور ماؤں کی گودوں سے ہنستے ہوئے ننھے ننھے فرشتے
اتر کر زمیں پر چلیں گے
جس طرح باغ میں پھول، آکاش پر چاند تاروں کے جھرمٹ
سبز مخمل کی وادی میں شبنم کے شفاف قطرے
اور چالیس کروڑ آدمی، وہ جو ہلکی سی مسکراہٹ سے محروم تھے
اس طرح کھلکھلا کر ہنسیں گے کہ جس طرح جوالہ مکھی پھوٹتا ہے
اور یہ قہقہہ، ایک آزاد، بیباک، ابھرتی ہوئی قوم کا قہقہہ
آسمان و زمیں پر
نور بن کر بکھر جائے گا

مریم

سارا عالم سنور جائے گا

جاوید

سچ بتا اب بھی غمگین ہے تو

مریم

ہاں میں غمگین ہوں، اب بھی غمگین ہوں، اب بھی غمگین ہوں
آہ یہ غم ہمیشہ میرے دل میں پلتا رہے گا
میری روتی ہوئی آنکھوں سے اشک بن بن کے ڈھلتا رہے گا
کون ہے وہ جو پتھر کے سینے سے وزن اور دہکتے ہوئے سرخ
انگاروں کے دل سے ان کی تپش چھین لے گا؟
کون ہے وہ جو دل کی ہری شاخ سے غم کے چبھتے ہوئے
کانٹوں کو بین لے گا
یہ جدائی نہیں دل کو وہ درد ہے جس کی ٹیسیں
عمر بھر میرے پہلو سے اٹھتی رہیں گی
آہیں سینے میں گھٹتی رہیں گی

ebooksgallery.com

جاوید

لیکن انسان کی روح سے غم کے دھبے
وقت کے ساتھ آہستہ آہستہ دھل جاتے ہیں
کشتیِ زندگانی کے لپٹے ہوئے بادباں
آنے والی مسرت کی ٹھنڈی ہواؤں سے کھل جاتے ہیں

مریم

پھر بھی بچھڑے ہوئے دوست احباب ملتے نہیں
ہاں تسلی سے تھوڑی سی تسکین ہوتی ہے لیکن
قلب اور روح کے زخم سلتے نہیں
رات کی تیرگی میں
پھول شبنم کے بوسوں سے مدہوش ہوتے ہیں کھلتے نہیں ہیں
چاند کی کرنیں جب اپنی نرم اور نازک
سیم گوں انگلیوں سے
رات کے الجھے الجھے ہوئے ریشمی بال سلجھانے لگتی ہیں تو
اس کی نیلی رگوں میں
چاندنی خون کی طرح سے دوڑ جاتی ہے لیکن
پھر بھی اس کی جبیں سے اندھیرے کی پرچھائیں ہٹتی نہیں ہے
ہاں تسلی سے تھوڑی سی تسکین ہو جاتی ہے
لیکن اس کے سہارے
عمر کٹتی نہیں ہے

جاوید

یہ زبانی تسلی نہیں
بلکہ ایسی حقیقت ہے جو تیری آغوش میں پرورش پا رہی ہے
جو تری روح اور دل کو گرما رہی ہے
ہاں یہ سچ ہے کہ میں آج پھانسی کے پھندے کے نیچے کھڑا ہوں

ebooksgallery.com

ایک برگ خزاں ہوں
تجھ کو جتنا بھی غم ہو وہ کم ہے
تو مگر ایک کھلتا ہوا پھول ہے
ایک پھلتی ہوئی شاخ ہے
جس کے ایک اک رگ و ریشے سے کونپلیں پھوٹتی ہیں
تو مسرت کا پیغام ہے
ملک اور قوم کی آرزو کا چھلکتا ہوا جام ہے
اپنے سینے میں عہدِ نو کی بشارت چھپائے ہوئے ہے
زندگانی کا بارِ امانت اٹھائے ہوئے ہے

... ...

(خاموشی)

(صرف ساز بجنے کی آواز)

رات کو میں نے اک خواب دیکھا
گود میں تیری مہتاب دیکھا
رات تاریک تھی اور سلاخوں سے باہر
آسماں ابر آلود تھا
ہر طرف موت کی سی خموشی
گویا پتھر کی اک سل تھی جو جیل کی رات کے دل پر رکھی ہوئی تھی

میری تنہائی میں میری ہمدم بس اک ٹمٹماتی ہوئی شمع تھی
جس نے چھت اور دیوار پر
ہلکے ہلکے اک نور کا جال پھیلا دیا تھا
جیسے مایوسیوں کے اندھیرے میں امید کی جھلملاتی ہوئی روشنی ہو
میں تھا، یہ کوٹھری اور سلاخیں
جن کی پرچھائیاں صحن کی خاک پر لیٹ کر سو گئی تھیں

ebooksgallery.com

اتنے میں نیند آئی
اپنی آنکھوں میں صدیوں کا کاجل لگائے ہوئے
اپنے آنچل میں سکھ کے ستارے چھپائے ہوئے
جیل کے پاسبانوں سے بچتی ہوئی
ہر قدم پر دلہن کی طرح سے ٹھٹکتی، جھجکتی ہوئی
آہنیں سن کے دیوار کی آڑ لے کر دبکتی ہوئی
چپکے سے کوٹھری میں چلی آئی اور میرے سینے پہ سر رکھ دیا
اپنی کالی گھنی زلف کو میرے شانوں پہ پھیلا دیا
آسماں کی بلندی سے نیلی گھٹائیں اترنے لگیں
اور پرچھائیاں سی بکھرنے لگیں
ہر طرف تیرگی چھا گئی
سنتری، پاسباں، بھوری دیواریں، چھت اور سلاخیں
شمع اور شمع کی ٹمٹماتی ہوئی روشنی
ایک پرکیف و مخمور اندھیرے میں گم ہو گئیں
نیند کی مدھ بھری گود میں سو گئیں

نیند ہے اک حسینہ
سرمئی آنکھیں ہیں نیلگوں اس کا سینہ
اس کی پلکوں کے سائے میں خوابوں کی
مدہوش پرچھائیاں کھیلتی ہیں
وہ غریبوں کی غم خوار دکھیوں کی دلدار ہے
اور فرق مراتب سے بیزار ہے
رات کو آتی ہے
تھپکیاں دے کے سارے جہاں کو سلا جاتی ہے
بچوں کو لوریاں دیتی ہے، پھولوں کو پیار کرتی ہے اور سارے

ebooksgallery.com

عالم پہ جادو بھری انگلیوں سے چھڑکتی ہے شبنم
اس طرح بزم فطرت کی ہر چیز کو
اک نئی زندگی بخشتی ہے
اک نئی تازگی بخشتی ہے

رات وہ مجھ کو اپنے سبک بازوؤں میں اٹھا کر
جیل سے لے گئی
دور ــــــــ احساس وادراک کی سرحدوں سے بھی دور
ایک افسانوی سرزمیں تھی
ماضی و حال کی سوتی اور جاگتی وادیوں میں
خواب آلود ہلکے دھندلکے کے ایواں
چاندنی کے ستوں اور شفق رنگ محرابیں، پیشانیاں
جن کی عقدِ ثریا سے آراستہ تھیں
واں نہ یہ جیل تھی اور نہ اس جیل کے پاسباں تھے
اور نہ یہ سخت اور سرد دیواریں تھیں
اور نہ پر ہول تنہائی تھی
خواب کی خلوتیں انجمن بن گئی تھیں
کتنے بھولے ہوئے چہرے، بسری ہوئی آنکھیں
گزرے ہوئے ماہ و سال کے مسکراتے افق سے ابھر آئی تھیں
کتنی آوازیں خاموشی کے ساز سے پھوٹتی تھیں
اک عجب رقص تھا اک عجب زمزمہ تھا
ساغروں کی کھنک، بانسری کی پگھلتی ہوئی لے، ہواؤں کی سرگوشیاں
دوب کے فرش پر شبنم آلود ملبوس کی سرسراہٹ
چاند تاروں کے گیت اور ستاروں کی گنگناہٹ
وقت کے پاؤں کی نرم آہٹ

ebooksgallery.com

قہقہوں کی صدا اور کلیوں کے کھلنے کی آواز
سب کی سب ایک پُر کیف نغمے میں حل ہو گئی تھیں

ناگہاں جنگ کے طبل بجنے لگے
اور کروڑوں قدم ایک آہنگ کے ساتھ اٹھنے لگے
آسماں ہل گیا اور زمیں تھرتھرائی
زندگی تلملائی
اور کوہِ ہمالہ
اپنے ہاتھوں میں ہندوستاں کے علم کو اٹھائے ہوئے بڑھ رہا تھا
اور اس کی جلو میں
ساری انسانیت
ایک غضب ناک سیلاب کی طرح اُمڈی چلی آ رہی تھی
سارے ہندوستاں کے بہادر مجاہد
اپنے سر کو ہتھیلی پہ رکھے ہوئے
اپنے دشمن سے ٹکرا رہے تھے
سرخ اور سبز پرچم
ترنگے کے پہلو میں لہرا رہے تھے
گولیاں چل رہی تھیں
لاکھوں سینے سے جلتے ہوئے خون کی ندیاں بہہ رہی تھیں
پھر بھی کوہ ہمالہ
اپنے ہاتھوں میں ہندوستاں کے علم کو اٹھائے ہوئے بڑھ رہا تھا
دشمنوں کی صفوں پہ
چڑھ رہا تھا
غم کی ماری ہوئی ماؤں کی ہچکیاں
بھوک سے بلبلاتے ہوئے بچوں کی سسکیاں

ebooksgallery.com

نعروں، جے کاروں، للکاروں میں ڈھل گئی تھیں
ہر طرف سے صدا آ رہی تھی
'عہدِ نو تو کہاں ہے'
اور پھر شور اٹھا
میں جو پلٹا تو اک اور تصویر دیکھی
تیری گودی میں اک چاند تھا جس کے لب مل رہے تھے

'عہدِ نو آ گیا ہے

میں ہوں گوتم کے سینے کی آواز
میں ہوں تخئیل انساں کی پرواز
میں ہوں ٹیپو کی تلوار
میں ہوں جھانسی کی رانی کے خوابوں کی تعبیر
میں شہیدوں کے ماتھے کی تنویر
میں بھگت سنگھ کی روح ہوں
میں نئے عہد کے سخت طوفان میں
کشتیِ نوح ہوں
میں ہوں چٹاگاؤں کے باغیوں کا ترانہ
میں محمد علی کا فسانہ
میں ہوں اقبال و ٹیگور کا زمزمہ
میں ہوں دہقان و مزدور کا ہمہمہ
میرے خوں میں ہے گنگ و جمن کی روانی
اور رگوں میں ہمالہ کی کڑیل جوانی
عہدِ نو آ گیا ہے
عہدِ نو آ گیا ہے
دور ہو اے شہنشاہیت کے جذام

ebooksgallery.com

جاگ ہندوستاں کے غلام
انتقام، انتقام، انتقام، انتقام

یہ صدا ان کے افلاک پر بجلیاں کڑکڑانے لگیں
اور میں چونک اٹھا
رات تاریک تھی اور سلاخوں سے باہر
آسماں ابر آلود تھا
جیل کی اونچی دیواروں پر بجلیاں آتشیں راہواروں کو دوڑا رہی تھیں
اپنے کوڑوں کو کڑکا رہی تھیں
ابر آلود اندھیرے کے دل میں سنہرے عقابوں کے شہپر
چمک اٹھے تھے
بجلیوں کی کڑک اور چمک، بادلوں کی گرج
انقلاب اور بغاوت کی الہڑ حسینہ کی پازیب کی تیز جھنکار تھی
یہ اندھیرے اجالے کی پیکار تھی
جس کے ادنیٰ سپاہی ہیں ہم

فرنگی

وقت باقی رہا ہے زیادہ نہ کم
اب جدا تم کو ہونا ہے باچشم نم

جاوید

دیکھ افق پر اندھیرا مچلنے لگا
دن شفق کی سنہری پہاڑی سے ڈھلنے لگا
اب تلک شام کا چمپئی رنگ آنچل فضاؤں میں لہرا رہا تھا
آسماں پھول برسا رہا تھا
لیکن اب یک بیک سرخ پھولوں کی ہر پنکھڑی سرمئی ہو چلی ہے

ebooksgallery.com

روشنی تیرگی کے سیہ غار میں کھو چلی ہے
اور فرنگی کے چہرے پہ تاریکیاں ایک بھیانک ہنسی ہنس رہی ہیں
نظر بن غیظ اور نفرت کے شعلوں سے دہکی ہوئی ہیں
اور رعونت سے اینٹھے ہوئے ہونٹ یہ کہہ رہے ہیں
'وقت باقی رہا ہے زیادہ نہ کم'
اب جدا ہم کو ہونا ہے باچشمِ نم
میری مریم
میری مریم

مریم (گھبرا کر)

ہر طرف ہے یہ کیسا اندھیرا؟

جاوید

اس کے پیچھے چھپا ہے سویرا
جا کے کہنا ہے یہ اہلِ وطن سے
روح خوش ہو کے نکلی ہے تن سے
ہاتھ میں جام ہندوستاں کا
لب پہ ہے نام ہندوستاں کا

مریم

جو ہے مرنے پہ باندھے کمر ہے
ملک سارا ترا ہم سفر ہے

جاوید

اور کچھ اور نزدیک آ جا
اک خلش سی ہے دل میں مٹا جا
دیکھ لوں آخری بار تجھ کو
کر لوں اک رخصتی پیار تجھ کو

(مریم کے ہاتھ کو بوسہ دیتا ہے)

ebooksgallery.com

مریم

رخصت اے میرے جاوید رخصت
ڈوبنے والے خورشید رخصت

(جاتی ہے)

جاوید

رخصت اے مریم، اے 'جانِ مریم'
رخصت اے آدم، اے نسلِ آدم

(اس کی آواز مریم کے قدموں کی آواز کا تعاقب کرتی ہے)

رخصت اے زندگی کی بہارو
رخصت اے جاوِدانی شرارو
رخصت اے آسمانی نظارو
رخصت اے چاند، سورج، ستارو
رخصت اے نیلگوں کوہسارو
رخصت اے نقرئی آبشارو
رخصت اے گنگناتی ہواؤ
رخصت اے مسکراتی فضاؤ
رخصت اے صبح اے شام رخصت
رخصت اے حسنِ گلفام رخصت
رخصت اے انقلابی جوانو
رخصت اے ہند کے باغبانو
جب نئے خاک میں رنگ بھرنا
ہم شہیدوں کو بھی یاد کرنا

ebooksgallery.com

ebooksgallery.com

چھٹی تصویر

کل اس شاخ سے ٹوٹتے بھی رہے
اسی شاخ سے پھوٹتے بھی رہے

(اقبال)

ebooksgallery.com

ebooksgallery.com

چھٹی تصویر

مریم کا نوحہ

میرے ہندوستاں کے سپاہی
اے محبت کی منزل کے راہی

تیری محبوب مریم بلاتی ہے تجھ کو
کیا کبھی اس کی بھی یاد آتی ہے تجھ کو
اب تو آنکھیں ترستی ہیں صورت کو تیری
ہو گئیں میری تو تیسوں راتیں اندھیری
زہر لگتی ہے اجڑی ہوئی زندگانی
آہ رکتی نہیں آنسوؤں کی روانی
غم کی سل ہوتی جاتی ہے کچھ اور بھاری
بڑھتی جاتی ہے کچھ اور بھی بیقراری
روٹھ کر جانے والے مناتی ہوں تجھ کو
تیری مریم ہوں میں، میں بلاتی ہوں تجھ کو
ملک تیرا ہے مصروف پیکار اب بھی
خاک ہے سرخ بوندوں سے گلنار اب بھی

ebooksgallery.com

خوں بھرے پرچم انگڑائی لیتے ہیں آ جا
جنگ کے طبل آواز دیتے ہیں آ جا
کب تلک، کب تلک کوئی آخر پکارے
آ بھی جا، آ بھی جا آ بھی جا میرے پیارے

میرے ہندوستاں کے سپاہی
اے محبت کی منزل کے راہی

میری آنکھوں میں پہلی سی اب بھی چمک ہے
میرے ہونٹوں میں پھولوں کی اب بھی مہک ہے
میں تری آرزوؤں کا گلشن ہوں اب بھی
تیرے رنگین خوابوں کا مسکن ہوں اب بھی
میرے سینے میں ہے زندگی کا شرارہ
میرے پہلو میں ہے حریت کا ستارہ
باندھ کر اپنے ماتھے پہ سونے کا سہرا
یاد ہے تو نے الٹا تھا گھونگھٹ کسی کا
بیاہ کی میرے ہاتھوں میں مہندی لگی تھی
صندلی مانگ تھی اس میں افشاں چنی تھی
اور اب مہندی ہاتھوں میں رچتی نہیں ہے
کوئی چوڑی کلائی میں بجتی نہیں ہے
ہائے کس نے وہ مہندی کی رنگت اڑا لی
کس نے یہ میرے ماتھے سے افشاں چھڑا لی

میرے ہندوستاں کے سپاہی
اے محبت کی منزل کے راہی

ebooksgallery.com

یاد ہو گا تجھے وہ مرا لال جوڑا
تو نے کیا اپنا وہ عہد و پیماں بھی توڑا؟
میرے سنسان دل میں ہے کیسا اندھیرا
کیا کبھی میری دنیا میں ہو گا سویرا؟
تو نہیں ہے تو بھاتا نہیں کچھ بھی مجھ کو
کیا کہوں کس طرح یاد کرتی ہوں تجھ کو
ہار اشکوں کے بیٹھی ہوئی گوندھتی ہوں
میں تجھے رات بھر تاروں میں ڈھونڈتی ہوں
ہوک اٹھتی ہے چڑیوں کی آواز سن کر
پھینک دیتی ہوں رنگیں دوپٹوں کو چن کر

میرے ہندوستاں کے سپاہی
اے محبت کی منزل کے راہی

ہنستی اور کھیلتی چاندنی رات آئی
گرمیوں بعد بھرپور برسات آئی
چھائیں ساون کی وہ کالی کالی گھٹائیں
اور پھر چیت پھاگن کی سنگیں ہوائیں
آم کے سبز باغوں میں پھر بور آیا
کوئلوں نے محبت بھرا گیت گایا
سب ہی آئے مگر ایک تو ہی نہ آیا
اپنے گھر اپنی مریم کو تو نے بھلایا
یوں تو دنیا کی ہر چیز ہے آنی جانی
ہو گئیں کل کی باتیں پرانی کہانی
اس طرح اپنی نظریں پھراتا ہے کوئی

ebooksgallery.com

کیا محبت کو بھی بھول جاتا ہے کوئی
شام ہوتی ہے اور ڈوب جاتا ہے سورج
صبح ہوتے ہی پھر لوٹ آتا ہے سورج
میرا سورج مگر جا کے واپس نہ آیا
جانے کیوں میرے پیارے کو پردیس بھایا

میرے ہندوستاں کے سپاہی
اے محبت کی منزل کے راہی

ندیاں دوڑ کر ملتی ہیں ساگروں میں
بھر کے رس لڑکیاں لاتی ہیں گاگروں میں
رات کی گود میں سوتے ہیں چاند تارے
چومتے ہیں زمیں کو فلک کے کنارے
باغ میں دور سے اڑ کے آتے ہیں بھنورے
پھول کو گیت اپنا سناتے ہیں بھنورے
ساری دنیا پہ چھائی ہوئی ہے محبت
بے محبت کے ممکن نہیں ہے مسرت

(ایک عورت کے ہنسنے کی آواز)

ہنس رہی ہے کہیں کوئی میری سہیلی
اور میں گھر میں بیٹھی ہوئی ہوں اکیلی
دیکھتی ہوں میں جب اپنی ہم جولیوں کو
پیت کے پھولوں سے بھرتی ہیں جھولیوں کو
ان کی آنکھوں کے تارے چمکتے ہیں کیسے
ان کے دوشیزہ آنچل مہکتے ہیں کیسے
مسکراتے ہیں رہ رہ کے ان کے گریباں

ebooksgallery.com

ان کی سانسوں میں کھلتی ہیں رنگین کلیاں
جگمگاتا ہے چاند ان کی پیشانیوں پہ
ان کے سینے ہنسی اورخوشی کے سمندر
میرے دل سے نکلتی ہیں کتنی دعائیں
ان کو اپنی بہاروں کے دن راس آئیں
ناچتی آرزو پہ نہ پھر جائے پانی
ہو نہ غمگین و افسردہ ان کی جوانی
اور بھی ان کی شاداب کھیتی ہری ہو
مانگ صندل سے بچوں سے گودی بھری ہو

میرے ہندوستاں کے سپاہی
اے محبت کی منزل کے راہی

وہ مسرت کے بیتے دلوں کی کہانی
میرے حسن و محبت تری نوجوانی
ان کو میں واپس آتے ہوئے دیکھتی ہوں
زیر لب مسکراتے ہوئے دیکھتی ہوں
رنگ ہی رنگ بس تیرتے ہیں فضا میں
سیکڑوں تتلیاں اڑ رہی ہیں ہوا میں
گزری راتوں کے طوفان دل میں چھپائے
لمحے اڑتے ہیں ہاتھوں پہ شمعیں جلائے
دن بنے ہفتے، ہفتے بنے ہیں مہینے
وقت کے چلتے رہتے ہیں یوں ہی سفینے
اک نیا رنگ بھر لیتی ہے زندگانی
بن کے ماں مسکراتی ہے الہڑ جوانی

ebooksgallery.com

خواب میں مجھ کو آواز دیتا ہے کوئی
کروٹیں میرے پہلو میں لیتا ہے کوئی
جیسے بجلی سی لہراتی ہو بادلوں میں
جیسے جھنکار ہو نقرئی چھاگلوں میں
یوں مچلتا ہے وہ جیسے سوتوں میں پانی
جیسے بیتاب رگ رگ میں ہو نوجوانی
سنسنی جسم میں، چیونٹیاں جیسے رینگیں
درد پیڑو میں رہ رہ کے لیتا ہے پینگیں
زندگی کا نیا پھول ہے کھلنے والا
ہے مرے صبر کا پھل مجھے ملنے والا
سوچتی ہوں کہ وہ تیری تصویر ہو گا
میرے بچپن کے خوابوں کی تعبیر ہو گا
اس کے چہرے پہ ہو گا محبت کا ہالہ
اس کے ماتھے پہ تیری جبیں کا اُجالا
کھائے جاتی ہے اس وقت تو تیری دوری
ہائے رہ جائے گی یہ خوشی بھی ادھوری
کھول کر اپنی آنکھیں وہ دیکھے گا کس کو
ہائے وہ باپ کہہ کر پکارے گا کس کو
یہ نہیں کہتی ہوں مجھ سے ملنے کو آنا
اپنے بچے کو بس اک نظر دیکھ جانا
وہ مری آنکھ کا تارہ وہ میرا دلبر
باپ کے پیار کو رہ نہ جائے ترس کر

میرے ہندوستاں کے سپاہی
اے محبت کی منزل کے راہی

ebooksgallery.com

کب تلک کب تلک کوئی آخر پکارے
آ بھی جا آ بھی جا آ بھی جا میرے پیارے
آ بھی جا میرے پیارے
میرے دل کے سہارے

(نامہ بر آتا ہے)

کیا یہ جاوید و مریم کا گھر ہے؟

مریم

ہاں مگر یہ بتا کیا خبر ہے؟
تجھ کو اپنا کہوں یا پرایا؟
نامہ بر کس کا خط لے کے آیا؟
موت کا جام یا زندگی کا؟
غم کا پیغام ہے یا خوشی کا؟

نامہ بر

زندگی ہے غموں کی کہانی
موت کا راگ ہے جاودانی
موت کی چھاؤں دیوار و در پر
موت کے پاؤں ہیں بحر و بر پر
موت کا رنگ ہے آب و گل میں
موت سوتی ہے پھولوں کے دل میں
موت سے کس کو ہے رستگاری
آج وہ کل ہماری ہے باری
لیکن ایسے بھی ہیں مرنے والے
اپنی ماؤں کی گودوں کے پالے
جو اندھیرے سے ڈرتے نہیں ہیں
چڑھ کے سولی پہ مرتے نہیں ہیں

ebooksgallery.com

وہ ہیں ہمت کے جرأت کے پیکر
چلتے ہیں موت کا سر کچل کر
موت کا دل دہلتا ہے ان سے
موت کا دم نکلتا ہے ان سے
زندگی قوم پر وارتے ہیں
موت پر قہقہے مارتے ہیں
تازہ ہے ان شہیدوں کا گلشن
نام ان کا ہمیشہ ہے روشن

مریم

تو تو آیا ہے لے کر سنانی
لٹ گئی ہائے میری جوانی

نامہ بر

تیرا شوہر جہاں سے سدھارا
اب ہے وہ آسماں کا ستارہ
خوش ہو وہ فخر ہندوستان ہے
آج سے زندۂ جاوداں ہے

مریم

کیا کہا؟ زندۂ جاوداں ہے؟
سچ بتا میرا شوہر کہاں ہے؟
اس نے جام محبت پیا تھا
لوٹ آنے کا وعدہ کیا تھا؟
تیرے ہاتھ اس نے پیغام بھیجا؟
کیا کوئی خط مرے نام بھیجا؟

(خط دکھا کر)

ebooksgallery.com

نامہ بر

آخری اس کا پیغام ہے یہ
پر کسی اور کے نام ہے یہ

مریم

اس کا کیا کوئی میرے سوا ہے؟
مجھ کو کیا جانے کیا ہو رہا ہے
میں نے دی اس کو اپنی جوانی
آرزو، دلکشی، شادمانی
اپنے ہونٹوں کی شادابیاں دیں
اپنے سینے کی بیتابیاں دیں
روح کو اس کی میں نے جگایا
اس کے سنسان دل کو بسایا
میں نے مہکا دیا اس کا گلشن
حسن سے بھر دیا اس کا دامن
عشق کی پیاس میں نے بجھائی
شمع تاریک گھر میں جلائی
اس کے جذبات کی ترجماں ہوں
اس کے ننھے سے بچے کی ماں ہوں

نامہ بر

اس کی الفت کا پیغام ہے یہ
تیرے بچے ہی کے نام ہے یہ

مریم

میرا بچہ؟ مگر وہ کہاں ہے؟
میرے پہلو میں اب تک نہاں ہے
کیسے وہ تیری باتیں سنے گا؟

ebooksgallery.com

کیسے جاوید کا خط پڑھے گا؟

نامہ بر

وہ جو پہلو میں اب تک نہاں ہے
عہدِ نو کا مبارک نشاں ہے
جوش و ہمت کا پیغام یہ خط
ہے نئی نسل کے نام یہ خط
وہ نئی نسل جو آ رہی ہے
وقت کا خون گرما رہی ہے
تیرے شوہر نے مرنے سے پہلے
خط لکھا تھا یہ اپنے لہو سے
وہ اندھیرے سے ڈرتا نہیں ہے
چڑھ کے سولی پہ مرتا نہیں ہے

مریم

خوش ہوں وہ فخر ہندوستاں ہے
آج سے زندۂ جاوداں ہے
زندۂ جاوداں ہے
زندگی جاوداں ہے
آرزو جاوداں ہے
حسن بھی جاوداں، عشق بھی جاوداں
میرا بچہ
میرا بچہ
وہ بھی تو زندۂ جاوداں
میرا شوہر
میرا جاوید
فخرِ ہندوستاں ہے

ebooksgallery.com

آسمان و زمیں کو سنا دو
ساری دنیا کو جا کر بتا دو
اس نے مجھ کو بھلایا نہیں ہے
نقشِ الفت مٹایا نہیں ہے
عہدِ نو کو بلانے گیا ہے
چاند سورج کو لانے گیا ہے
آئے گا اور ضرور آئے گا وہ
صبحِ نو بن کے چھا جائے گا وہ
جب گریں گے غلامی کے ڈیرے
جب اڑیں گے خوشی کے پھریرے
راگنی قہقہوں کی چھڑے گی
ایک آزاد دنیا بنے گی
مسکراتا ہوا آئے گا وہ
جگمگاتا ہوا آئے گا وہ
اس نے آنے کا وعدہ کیا ہے
میرا جام محبت پیا ہے
آئے گا اور ضرور آئے گا وہ
صبحِ نو بن کے چھا جائے گا وہ

(مبہوت کھڑی رہتی ہے)

نامہ بر نامہ بر ——— میرا شوہر
کیا کہا اس نے پھانسی پہ چڑھ کر؟
کیا مجھے یاد اس نے کیا تھا؟
کیا مرا نام اس نے لیا تھا؟

نامہ بر

ہاں لیا اور لیا نام تیرا

ebooksgallery.com

مرتے مرتے پیا جام تیرا
چوم کر اس نے پھانسی کی رسی
آنے والی سحر کی خبر دی
رنگ سا اس کے چہرے پہ آیا
اور وہ زیر لب مسکرایا
اور پھر یوں گرج کر پکارا
موت سے کیا رکے گا یہ دھارا
بن کے سورج اٹھیں گے ستارے
پھول بن کر کھلیں گے شرارے
موت کے لاکھ طوفان آئیں
ظلم کے ابر کتنے ہی چھائیں
رات کتنی ہی تاریک ہو جائے
آسماں چاہے نظروں سے کھو جائے
پر اندھیرا پگھل کر رہے گا
صبح سورج نکل کر رہے گا
پھول کو کون کھلنے سے روکے؟
کون آتے زمانے کو ٹوکے؟

یہ حکومت، یہ ظلام حکومت کے ظالم شکنجے
کیا یہ ہندوستاں کے غلاموں کے لاکھوں کروڑوں
گلے گھونٹ دیں گے؟
کیا یہ جیلیں، یہ جیلوں کے پاپی ستم گار بدکار جیلر
کیا یہ فوجیں، یہ توپیں، یہ بندوق، سنگین اور بم کے گولے
کیا ہمالہ سے سیلون تک اور بنگال و آسام سے لے کے کشمیر تک
سارے ہندوستاں کو تشدد کے جلتے ہوئے تند اور تیز
دوزخ کی پگھلی ہوئی آگ میں جھونک دیں گے؟

ebooksgallery.com

کیا یہ بڑھتی ہوئی نسلِ انساں کو بھی روک دیں گے؟
ہاں کھوان سے سینے میں دل میں کچوکے لگائیں
اور زخموں سے انسان کے جسم و روح میں لاکھ سوراخ کر دیں
لیکن اب وہ گھڑی آ گئی ہے کہ ہر زخم سے ہوں گی پیدا ہزاروں زبانیں
جو دریا کو وادی کو، کہسار کو، دشت کو، در کو، میدان کو، ایک اک
اینٹ ایک ایک پتھر کو ایک ایک ذرہ کو پیغام دیں گی بغاوت
اور ان پھانسیوں اور جیلوں کے پیچھے دہکتے افق پر مچلتے
ہوئے سرخ خوں کے سمندر سے موجوں کے بیتاب سینے کو یوں چیر کر
آسماں پر ابھر آئے گا سرخ آزاد دنیا کا آزاد سورج
جس طرح ماں کی گودی میں بچہ

مریم

جیسے جاوید و مریم کا بچہ
موت کے لاکھ طوفان آئیں
ظلم کے ابر کتنے ہی چھائیں
رات کتنی ہی تاریک ہو جائے
آسماں چاہے نظروں سے کھو جائے
پر اندھیرا پگھل کر رہے گا
میرا بچہ
کیا کہا میں نے؟
میرا بچہ؟
میرا شوہر؟
میرا سورج نکل کر رہے گا
نامہ بر خط کو پڑھ کر سنا دے
سو رہی ہے یہ دنیا جگا دے
بیت جائیں پرانے زمانے

ebooksgallery.com

عہدِ نو کے بجیں شادیانے

نامہ بر (خط کو پڑھ کر سناتا ہے)

محبت کے ننھے شرارے سلام
کے روشن ستارے سلام
ابھی ماں کے پہلو میں مستور ہے
ابھی زندگی سے بہت دور ہے
اندھیرے میں گم ہیں ترے فکروہوش
ابھی ہیں عدم میں ترے چشم و گوش
تری آنکھ محروم نظارہ ہے
ابھی بطن مادر ہی گہوارہ ہے
ابھی تک ہے ہستی تری بے نمود
فقط گردشِ خوں ہے تیرا وجود

ابھی بن رہے ہیں وہ نقش ونگار
کہ جن کا زمانے کو ہے انتظار

مبارک تجھے گردش ماہ وسال
ابھرنے ہی کو ہیں ترے خط وخال
کلی تیری ہستی کی کھل جائے گی
مسرت تری ماں کو مل جائے گی
ترے نقش کو بخش دے گی ثبات
پلائے گی وہ تجھ کو آب حیات
ترے دل میں ہو گی تمنائے نور
تری سانس میں زندگی کا سرور
کریں گی ہوائیں تجھے آ کے پیار

ebooksgallery.com

تجھے لوریاں دیں گے لیل و نہار
تجھے دیکھ کے مسکرائے گا چاند
اشاروں سے تجھ کو بلائے گا چاند
ستاروں کو حیرت سے دیکھے گا تو
انھیں توڑ لینے کو لپکے گا تو

یہی سوچ کر مسکراتا ہوں میں
تجھے زندگی دے کے جاتا ہوں میں

ڈھلا دن مری عمر کا آئی شام
اجل لائی ہے زہر آلود جام
مجھے ڈر نہیں موت کی رات کا
جو غم ہے تو ہے صرف اس بات کا
وہ دنیا وراثت میں پائے گا تو
جسے دیکھ کر تلملائے گا تو
یہ ہے تیرے ماضی کی کل کائنات
حوادث کے طوفاں مصائب کی رات
عداوت کے نغمے، کدورت کے ساز
لہو کے سمندر، ستم کے جہاز

مگر پھر بھی جنس گراں ہے حیات
رواں ہے دواں ہے جواں ہے حیات

نئی تیری صہبا، نئے ہیں سبو
مری شرم کے داغ دھوئے گا تو

ebooksgallery.com

بنانا چٹانوں کے سینے پہ راہ
مگر اپنے ماضی پہ رکھنا نگاہ
کہیں ہمتوں کا نفس رک نہ جائے
ترے حوصلوں کی جبیں جھک نہ جائے
جوانی کہ جذبات کی آگ ہے
تمناؤں کا آتشیں راگ ہے
بھلانا نہ اس آتشیں راکھ کو
بجھانا نہ جذبات کی آگ کو
خود اپنے لہو سے جلانا اسے
ہوا و ہوس سے بچانا اسے
جبیں تیری اس سے دمکتی رہے
نظر تیری اس سے چمکتی رہے

اسی آگ میں تپ کے نکھرے گا تو
افق سے زمانے کے ابھرے گا تو

نہ کرنا کبھی چشم حیرت کو بند
نہ ٹوٹے کبھی جستجو کی کمند
بتاتا ہوں میں تجھ کو راز حیات
عمل ہے عمل کارساز حیات
عمل کے لیے ہے فضا سازگار
شکاری ہے انساں زمانہ شکار
جو طوفان آئیں تو ڈرنا نہیں
مصیبت میں بھی آہ بھرنا نہیں
کبھی جذبۂ شوق گھٹنے نہ پائے

ebooksgallery.com

نظر آسمانوں سے ہٹنے نہ پائے
گزرنا مصائب سے منہ موڑ کر
حوادث کی زنجیر کو توڑ کر
یہ مانا کہ تاریک ہوتی ہے رات
ستاروں کے موتی پروتی ہے رات
جہانِ کہن کا یہ دستور ہے
سیاہی کے آغوش میں نور ہے

اگر دل میں ہے آرزو کا سرور
تو ہے زندگی نغمہ و رنگ و نور
مسرت نہاں سنگ پاروں میں ہے
فضاؤں میں ہے شاخساروں میں ہے
ہوائیں بجاتی ہیں جس دم ستار
پہاڑوں پہ گاتے ہیں جب آبشار
ہرے ہو کے جب لہلہاتے ہیں کھیت
بھری دھوپ میں جب چمکتی ہے ریت
کرن پھوٹتی ہے جب افلاک سے
نکلتی ہیں جب کونپلیں خاک سے
افق سے ابلتا ہے جب رنگ ونور
ہواؤں میں اڑتے ہیں جس دم طیور
تو بجتا ہے دل میں خوشی کا رباب
مسرت پلاتی ہے آ کر شراب

یہ دریا یہ وادی یہ صحرا یہ پھول
مسرت نے بھیجے ہیں اپنے رسول

ebooksgallery.com

کوئی شے نہیں ہے جہاں میں حقیر
لبوں کا تبسم نگاہوں کے تیر
یہ شبنم کے قطرے خس و خار پر
یہ ڈھلتی ہوئی دھوپ دیوار پر
یہ شاخوں میں ہنستی ہوئی پتیاں
یہ پانی کے چشمے یہ پگڈنڈیاں
یہ مکڑی کے جالے یہ چاندی کے تار
یہ پیڑوں کی گردن میں پھولوں کا ہار
یہ آندھی سے طوفان سے کم نہیں
سمندر کے ہیجان سے کم نہیں
انھیں سب سے مل کر بنی ہے حیات
یہ سانچے ہیں جن میں ڈھلی ہے حیات

نہ ہو زندگی سے کبھی دل فگار
عمل سے بنا لے اسے سازگار

شکاری ہے انساں زمانہ شکار

ebooksgallery.com

حرفِ آخر

یہ آدمی کی گزرگاہ ——— شاہراہِ حیات
ہزاروں سال کا بارِ گراں اٹھائے ہوئے
جبیں پہ کاتبِ تقدیر کی جلی تحریر
گلے سے سیکڑوں نقشِ قدم لگائے ہوئے
گزرتے وقت کے گرد و غبار کے نیچے
حسین جسم کی تابندگی چھپائے ہوئے
گزشتہ دور کی تہذیب کی منازل کو
جوان ماں کی طرح گود میں سلائے ہوئے

یہ آدمی کی گزرگاہ ——— شاہراہِ حیات
ہزاروں سال کا بارِ گراں اٹھائے ہوئے
ادھر سے گزرے ہیں چنگیز و نادر و تیمور
لہو میں بھیگی ہوئی مشعلیں جلائے ہوئے
غلاموں اور کنیزوں کے کارواں آئے
خود اپنے خون میں ڈوبے ہوئے نہائے ہوئے
شکستہ دوش پہ دیوارِ چین کو لادے
سروں پہ مصر کے اہرام کو اٹھائے ہوئے
جلالِ شیخ و شکوہِ برہمنی کے جلوس
ہوس کے سینوں میں آتشکدے چھپائے ہوئے

ebooksgallery.com

جہالتوں کی طویل و عریض پرچھائیں
توہمات کی تاریکیاں جگائے ہوئے
سفید قوم کے عیار تاجروں کے گروہ
فریب و مکر سے اپنی دکاں سجائے ہوئے
شکست خوردہ سیاسی گداگروں کے ہجوم
ادب سے ٹوٹی ہوئی گردنیں جھکائے ہوئے
غموں سے چور مسافر، تھکے ہوئے راہی
چراغ روح کے، دل کے کنول بجھائے ہوئے

یہ آدمی کی گزرگاہ ——— شاہراہِ حیات
ہزاروں سال کا بار گراں اٹھائے ہوئے
نئے افق سے نئے قافلوں کی آمد ہے
چراغ وقت کی رنگین لو بڑھائے ہوئے
بغاوتوں کی پہ انقلاب کے لشکر
زمیں پہ پاؤں فلک پہ نظر جمائے ہوئے
غرور فتح کے پرچم ہوا میں لہراتے
ثبات و عزم کے اونچے علم اٹھائے ہوئے
ہتھیلیوں پہ لیے آفتاب اور مہتاب
بغل میں کرۂ ارض حسیں دبائے ہوئے
اٹھو اور اٹھ کے انھیں قافلوں میں مل جاؤ
جو منزلوں کو ہیں گرد سفر بنائے ہوئے
قدم بڑھائے ہوئے اے مجاہدان وطن
مجاہدان وطن ہاں قدم بڑھائے ہوئے

28دسمبر1946

ebooksgallery.com

2

جمہور

ایک سیاسی مثنوی

ebooksgallery.com

طبع اول	مارچ1946

طبع دوم	فروری1647

طبع سوم	جون 1972

ebooksgallery.com

پیش لفظ

اردو میں سیاسی مثنوی کا رواج نہیں ہے۔ 'جمہور' اس قسم کی پہلی چیز ہے۔

پرانی مثنویوں میں عام طور سے دیو پریوں کے قصے اور شہزادوں کے عشق کی داستانیں ہوتی تھیں۔ عام انسان تو کیا اس کی پرچھائیں بھی کہیں نظر نہیں آتی تھی۔ مرزا شوق لکھنوی ان روایتی بلندیوں سے صرف اتنے نیچے اتر سکے کہ پری کی جگہ سوداگر کی بیٹی اور شہزادے کی جگہ لکھنؤ کے نواب صاحب نے لے لی۔ اقبال نے پہلی بار مثنوی کو اعلیٰ خیالات کے اظہار کا ذریعہ بنایا۔ لیکن انھوں نے انسپریشن ایرانی شعراء اور خصوصیت کے ساتھ مولانا روم کی مثنوی سے حاصل کیا تھا۔ حالانکہ اقبال کی مثنوی میں بھی عام انسان کا کردار نہیں ابھرتا۔ صرف 'جاوید نامہ' کے آخری حصہ میں عوام کا ذکر اس طرح آتا ہے کہ 'دیدہ ام صدق و صفا ر اور عوام' پھر بھی انھوں نے آنے والے شعراء کے لیے نئی راہ کھول دی۔

حیرت ہے کہ اس مفید صنف سے ترقی پسند شعراء نے اب تک کوئی کام نہیں لیا۔ جہاں تک مجھے علم ہے کیفی کے سوا کسی دوسرے شاعر نے مثنوی کی طرف توجہ نہیں کی ہے۔ شاید انھوں نے مثنوی کو پرانی چیز سمجھ کر ترک کر دیا ہے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس صنف میں بہت امکانات ہیں میرا تجربہ یہ ہے کہ ہم اس سے بہت کچھ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ جب میں ہندستان اور دنیا کے موجودہ حالات قومی اور بین الاقوامی جدوجہد اور کشمکش اور ان سے پیدا ہونے والے انسانی جذبات و احساسات کی وسعت اور پھیلاؤ کو دیکھتا ہوں تو محسوس کرتا ہوں کہ مثنوی کے سوا اور کوئی صنف شعر انھیں اپنے دامن میں سمیٹ نہیں سکتی۔ فردوسی کے 'شاہنامہ' سے اقبال کے 'ساقی نامہ' تک فارسی اور اردو مثنوی کا ورثہ ہمارا بہت بڑا سرمایہ، بہت بڑی دولت ہے۔ پھر یہ کفرانِ نعمت کیوں؟

ابھی تک عصر حاضر کا شاندار رزمیہ نہیں لکھا گیا ہے جس کا تار و پود وقت نے تیار کر دیا ہے۔ 'جمہور'

ebooksgallery.com

ایک حقیر سی کوشش ہے۔ اس کے ہیرو عوام ہیں۔ محنت کش اور باعمل عوام جن کے ہاتھوں میں زندگی کی باگیں ہیں۔ وہ سطحِ زمین پر کیڑوں کی طرح نہیں رینگ رہے بلکہ کرۂ ارض کو اپنی گرفت میں لیے ہوئے ہیں۔ اسی لیے رجعت پرستوں کا نعرہ یہ ہے کہ عوام آرٹ اور شعر کا موضوع نہیں ہو سکتے۔

عوام سب سے بڑی حقیقت ہیں۔ ان کے خواب سب سے سہانے خواب ہیں۔ ان کا نصب العین سب سے بلند نصب العین ہے۔ وہ سماج اور تاریخ کی رگوں میں خون کی طرح دوڑ رہے ہیں۔ زندگی انھیں سے حرارت حاصل کرتی ہے اور انھیں سے رنگ شعر و ادب انھیں سے حسن و قوت حاصل کر سکیں گے۔

اس درخت کی پتیاں توڑی جا سکتی ہیں۔ شاخیں کاٹی جا سکتی ہیں لیکن اس کی جڑیں بہت گہری ہیں۔ انھیں اس وقت تک نہیں اکھاڑا جا سکتا جب تک کرۂ ارض کو پاش پاش نہ کر دیا جائے۔ اس لیے کٹی ہوئی شاخوں سے نئی کونپلیں پھوٹتی رہیں گی۔ نئی پتیاں نکلتی رہیں گی، نئے پھول کھلتے رہیں گے۔

سردار جعفری

بمبئی دسمبر 1946

ebooksgallery.com

حرفِ اول

اٹھو ہند کے باغبانو اٹھو
اٹھو انقلابی جوانو اٹھو
کسانو اٹھو کامگارو[1] اٹھو
نئی زندگی کے شرارو اٹھو
اٹھو کھیلتے اپنی زنجیر سے
اٹھو خاک بنگال و کشمیر سے
اٹھو وادی و دشت و کہسار سے
اٹھو سندھ و پنجاب و ملبار سے
اٹھو مالوے اور میوات سے
مہاراشٹر اور گجرات سے
اودھ کے چمن سے چہکتے اٹھو
گلوں کی طرح سے مہکتے اٹھو
اٹھو کھل گیا پرچم انقلاب
نکلتا ہے جس طرح سے آفتاب
اٹھو جیسے دریا میں اٹھتی ہے موج
اٹھو جیسے آندھی کی بڑھتی ہے فوج
اٹھو برق کی طرح ہنستے ہوئے
کڑکتے، گرجتے، برستے ہوئے
غلامی کی زنجیر کو موڑ دو
زمانے کی رفتار کو موڑ دو

1۔ کامگار : مزدور

ebooksgallery.com

جمہور

یہ ہندوستاں رشکِ خلد بریں — اگلتی ہے سونا وطن کی زمیں
کہیں کوئلے اور لوہے کی کان — کہیں سرخ پتھر کی اونچی چٹان
کہیں سنگ مرمر کی شفاف سل — پھسلتا ہے جس کی صفائی سے دل
بہت سے خزینے ہیں اس خاک میں — ہزاروں دفینے ہیں اس خاک میں
ہماری گھٹائیں گہر بار ہیں — ہمارے بیاباں بھی گلزار ہیں
بڑے رس بھرے ہیں ہمارے ثمر — بہت ہی گھنے ہیں ہمارے شجر
گل و لالہ و یاسمن کے ایاغ — مہکتے ہوئے آم کے سبز باغ
لٹکتے ہوئے خوشے انگور کے — چھلکتے ہوئے جام بلور کے
ہرے اور بھرے جنگلوں کی بہار — جھلاجھل چمکتے ہوئے ریگزار
یہ سورج کی رنگین کرنوں کا جال — کہ جس طرح فطرت نے کھولے ہوں بال
افق سے ابلتا ہوا رنگ و نور — فضاؤں میں پرواز کرتے طیور
کہستان کے یہ سنہرے عقاب — ہواؤں میں اڑتے ہوئے آفتاب
کنول جھیل میں مسکراتے ہوئے — چراغاں کا منظر دکھاتے ہوئے
یہ پھولوں سے گل پیرہن شاخسار — غزالوں سے معمور یہ مرغزار
تڑپتی مچلتی ہوئی بجلیاں — سمندر میں ملتی ہوئی ندیاں
یہ نیلم اور الماس کے کوہسار — یہ چاندی کے پگھلے ہوئے آبشار

ebooksgallery.com

یہ مخمل میں لپٹی ہوئی وادیاں — ہمالہ کی گل پوش شہزادیاں
یہ گنگا کا آنچل، یہ جمنا کی ریت — یہ دھان اور گیہوں کے شاداب کھیت

مگر یہ خزانے ہمارے نہیں
ہمارے نہیں ہیں تمھارے نہیں

یہاں سے جو اٹھتی ہے لے کے گھر — گھٹا وہ برستی ہے انگلینڈ پر
ہمارے مقدر میں افلاس ہے — غلامی کی ہر جسم میں باس ہے
ہماری زمیں جتنی زرخیز ہے — وبا قحط کی اتنی ہی تیز ہے
جسے دیکھو مفلس ہے کنگال ہے — ہر اک شہر ہر گاؤں بنگال ہے
کوئی سسکیاں بھر رہا ہے یہاں — کوئی بھوک سے مر رہا ہے یہاں
کہیں ماؤں بہنوں کا ہے مول تول — کہیں بے حیائی کے بجتے ہیں ڈھول
نہ کھانے کو روٹی نہ کرنے کو کام — اندھیری ہیں صبحیں المناک شام
نہ ہو عمر کیوں جھونپڑوں میں بسر — کہ ہے بھیک پر اب ہماری گزر

ہمیں حکم ہے اس طرح سے جئیں
کہ گنگا کہ ساحل پہ پیاسے مریں

ہے ٹوٹا ہوا سازِ بزمِ وطن — ہے صدیوں سے افسردہ یہ انجمن
نہ رادھا نہ رادھا کے نوخیز گیت — کشن کی نہ وہ بانسری اور نہ پیت
نہ وہ رام کی تمکنت اور وقار — نہ لچھمن کی الفت نہ سیتا کا پیار
نہ گوتم کے سینے کا صدق و صفا — نہ ساوتری کا خلوصِ وفا
نہ برنائیاں اور نہ رعنائیاں — نہ وہ ہیر رانجھا کی انگڑائیاں
نہ نانک کی گفتار کی نرمیاں — نہ ٹیپو کی پیکار کی گرمیاں
بھگت سنگھ کے خون کا وہ ابال — نہ چٹگاؤں کے باغیوں کا جلال
محمد علی کے نہ وہ ہمہمے — نہ اقبال و ٹیگور کے زمزمے
نہ عصمت نہ عفت نہ عزت نہ شان — نہ غیرت نہ ہمت نہ وہ آن بان
جو جوہر تھے اخلاق و کردار میں — وہ بکتے ہیں اب چور بازار میں
کدورت ہے سینوں میں اور افتراق — نگاہوں میں نفرت دلوں میں نفاق

ebooksgallery.com

چلاتا ہے خود بھائی پہ تیر　　غلامی نے بدلا ہمارا ضمیر

بس آپس میں دست و گریباں ہیں ہم

خود اپنے ہی ہاتھوں پریشاں ہیں ہم

مگر پھوٹ کی شاخ پھلتی نہیں　　دعاؤں سے قسمت بدلتی نہیں

سیاست کے ہارے جواری ہیں ہم　　حکومت کے در کے بھکاری ہیں ہم

بچھاتے ہیں جو بادشاہی کا دام　　بناتے ہیں جو آدمی کو غلام

جو چنگیز سے بڑھ کے سفاک ہیں　　جو دجال کی طرح ناپاک ہیں

جو بدکیش و بدذات و بدکار ہیں　　ہم ان سے کرم کے طلب گار ہیں

وہ قاتل فلسطین و یونان کے　　وہ دشمن ہیں جاوا کے ایران کے

وہ چینے پہ ہیں ایشیا کے سوار　　وہ انسان کا کھیلتے ہیں شکار

انھیں ہے شہنشاہیت کا جنوں　　وہ بچوں کا بھی چوس لیتے ہیں خوں

اٹھا ہے گناہوں سے ان کا خمیر　　بنا ہے سیاہی سے ان کا ضمیر

فسوں ان کا بربط جنوں ان کا راگ　　دہکتی ہے ان کے کلیجے میں آگ

نہ بوئے وفا ان میں ہے اور نہ مہر　　رگوں میں ہے ان کی حکومت کا زہر

وہ مظلوم پر رحم کھاتے نہیں　　کبھی بھیڑیے مسکراتے نہیں

ٹپکتا ہے جبڑوں سے جن کے لہو　　بدلتی نہیں ہے کبھی ان کی خو

نہ جانے ہمیں آئے گا کب یقیں　　کہ شعلوں سے شبنم ٹپکتی نہیں

اتارا نہیں توڑا جاتا ہے تاج

کہ مرتا نہیں خود بخود سامراج

ہماری نگاہیں لگی ہیں جہاں　　نئی سازشیں ہو رہی ہیں وہاں

وہ بس وار کرنے کو تیار ہیں　　کہ غافل ہیں ہم اور وہ ہشیار ہیں

غلامی نئے بھیس میں آئے گی　　وہ اک اور سانچے میں ڈھل جائے گی

نیا جال لائے گا صیاد ابھی　　کرے گا ہمیں اور برباد ابھی

حکومت کی اک اور تجویز ہے　　مداری کی جھولی میں ہر چیز ہے

وطن ٹکڑے ٹکڑے کیا جائے گا　　یہاں یونین جیک لہرائے گا

ebooksgallery.com

دکھائی نہ دے گا ہلالی نشاں ترنگے کی اڑ جائیں گی دھجیاں

نحوست یہاں رقص فرمائے گی

غلامی کی زنجیر کس جائے گی

مگر غم نہ کر اے زمینِ وطن اندھیرے کے سینے سے پھوٹی کرن

اب اٹھتے ہیں ہندوستاں کے سپوت لرزتا ہے جن سے حکومت کا بھوت

کسان اور مزدور گاتے ہوئے اٹھے اپنا پرچم اڑاتے ہوئے

یہ ہندو بھی ہیں اور مسلمان بھی یہ دریا بھی ہیں اور طوفان بھی

ہر اک ان میں کمزور و نادار ہے مگر اتحاد ان کی تلوار ہے

بڑی سخت راہوں سے گزرے ہیں یہ بڑے جوش کے ساتھ ابھرے ہیں یہ

وطن کے شہیدوں کی روحیں ہیں ساتھ سروں پہ ہے جھانسی کی رانی کا ہاتھ

انھوں نے کیا کوہساروں کو پست حکومت نے مانی ہے ان سے شکست

یہ لڑتے ہیں آندھی سے طوفان سے یہ ہٹتے نہیں اپنے میدان سے

یہ سولی سے پھانسی سے ڈرتے نہیں یہ سو بار مر کر بھی مرتے نہیں

یہ جی چھوڑنا جانتے ہی نہیں یہ منہ موڑنا جانتے ہی نہیں

یہ خود اپنے ہاتھوں سے کرتے ہیں کام بدلتے ہیں آ کر پرانا نظام

یہ ذوقِ عمل کے پرستار ہیں یہی عصرِ حاضر کے معمار ہیں

انھیں اپنی دولت پہ ہے اعتماد انھیں اپنی قوت پہ ہے اعتماد

محبت سے دل ان کا معمور ہے نیا ان کی محفل کا دستور ہے

نیا ان کا ساقی نئے ان کے جام نئی ان کی مجلس نیا اہتمام

یہ انساں کی وحدت کے پیغامبر

نئے دور کی دے رہے ہیں خبر

ebooksgallery.com

جمہور کا اعلان نامہ

زمانے کے انداز بدلے گئے
نئے راگ ہیں ساز بدلے گئے
پرانی سیاست گری خوار ہے
زمیں میر و سلطاں سے بیزار ہے
گیا دور سرمایہ داری گیا
تماشا دکھا کر مداری گیا
ہمالہ کے چشمے ابلنے لگے
گراں خواب چینی سنبھلنے لگے
اٹھا خاکِ جاوا سے طوفانِ نور
بغاوت نے پھونکا قیامت کا صور
بھڑکتی ہیں ایراں میں چنگاریاں
یہ ہیں صبحِ عشرت کی تیاریاں
اجالا ہے مشرق کے ایوان میں
سحر ہو گئی شام و لبنان میں
بڑھی لے کے جمہوریت اپنی فوج
ملی نیل سے جا کے دجلے کی موج
جل اٹھے غلاموں کے سینے کے داغ
بنگھم میں گل ہو رہے ہیں چراغ
گرے قصرِ شاہی جلے تخت و تاج
نئی کروٹیں لے رہا ہے سماج
ملے زندگی کو نئے بال و پر
نئی منزلیں ہیں نیا ہے سفر
نئے میکدے مسکرانے لگے
نئے جام گردش میں آنے لگے

نئی صبح ہے اور نیا آفتاب
مبارک زمانے کو یہ انقلاب

ہمیں صبحِ نو ہیں ہمیں آفتاب
ہمیں ہیں بغاوت ہمیں انقلاب
اندھیری شبوں کے ستارے ہیں ہم
جو بجھتے نہیں وہ شرارے ہیں ہم
پہاڑوں کو ہٹتے ہیں ہم ریل کر
نکلتے ہیں طوفان سے کھیل کر
امیروں نے ہم کو ستایا بہت
حکومت نے ہم کو دبایا بہت
ہمارے لیے قید خانے بنے
ہمارے لیے تازیانے بنے
ہمیں پتھروں پر سلایا گیا
ہمیں سولیوں پر چڑھایا گیا
مگر ہم یہ سب ظلم سہتے رہے
مصائب کے دریا میں بہتے رہے

ebooksgallery.com

طمانچے حوادث کے کھاتے رہے
مگر اپنا پرچم اڑاتے رہے
غریبی کے ہاتھوں پریشاں رہے
ہواؤں کی زد پر فروزاں رہے
تڑپتے، مچلتے، اچھلتے رہے
چٹانوں کے دل سے ابلتے رہے
شعاعوں کی صورت نکھرتے رہے
بکھرتے نکھرتے سنورتے رہے
ابھرتے رہے مٹ کے ہم بار بار
بڑھاتے رہے زندگی کا وقار

کبھی بزدلی ہم پہ چھائی نہیں
ہمیں موت کی نیند آئی نہیں

مگر جو بناتے تھے ہم کو غلام
جو جیتے تھے پی کر لہو صبح و شام
بڑا ناز تھا جن کو تلوار پر
جو سوتے تھے لاشوں کے انبار پر
جو کرتے تھے دنیا کو زیروزبر
وہ جن کی کنیزیں تھیں فتح وظفر
انھیں کھا گئے آسمان و زمیں
نشاں ان کی قبروں کے ملتے نہیں
کہاں ہیں وہ فرعون و ہامان اب
کہاں ہیں وہ خونخوار سلطان اب
وہ شاہان نسل کیانی کہاں
وہ جبر وتشدد کے بانی کہاں
وہ نادر کہاں ہے سکندر کہاں
کہاں ہے مسولینی، ہٹلر کہاں
وہ چین اور تاتار کے کج کلاہ
جو بیٹھے تھے بن بن کے عالم پناہ
درندے جو دشمن تھے انسان کے
جو پھوڑے تھے طاعون وسرطان کے
وہ سب موت کی گود میں سو گئے
وہ سب وقت کی گرد میں کھو گئے
نہ چنگیز ہے اور نہ تیمور ہے
جو باقی ہے کوئی تو جمہور ہے

زمانے کے دریا کی موج رواں
ازل سے ابد تک رواں اور دواں

ہزاروں برس کی کہانی ہیں ہم
کہ فانی نہیں جاودانی ہیں ہم
ہمیں سے ہیں تہذیب کے نقش ورنگ
ہمیں سے تمدن کی دل کی امنگ
ہمارے ہی دم سے نشان حیات
ہمیں دیں گے انسانیت کو نجات
مسیحا کے ہونٹوں کا اعجاز ہم
محمد کے سینے کی آواز ہم
ہماری جبیں پر ہے محنت کا تاج
ہمیں نے لیا ہے زمیں سے خراج

ebooksgallery.com

ہماری ہی قوت سے چلتے ہیں مِل　　دھڑکتے ہیں ہم سے مشینوں کے دل
ہواؤں میں پرواز کرتے ہیں ہم　　طرارے سمندر میں بھرتے ہیں ہم
کیا ہم نے فطرت کو زیرِ نگیں　　جھکا دی زمیں پر فلک کی جبیں
کیا زندگی سے اندھیرے کو دور　　نچوڑا ہے سورج کی کرنوں سے نور

ہمیشہ سے ہم گرمِ پیکار ہیں
تواریخ کی تیز تلوار ہیں

فرانسیس کے سر پہ کڑکے تھے ہم　　شکاگو کے پہلو میں بھڑکے تھے ہم
دیا ہے نئے عہد کو ہم نے خون　　بنایا تھا پیرس میں ہم نے کمیون
جو لینن کے سینے میں طوفان تھا　　ہمارے سمندر کا ہیجان تھا
وہ انساں کی جنت وہ سرخ انجمن　　ہماری جبیں کی ہے پہلی کرن
جو یورپ کی راتوں میں ہیں ضوفشاں　　ہماری نگاہوں کی ہیں بجلیاں
دلِ ایشیا میں جو ہے اضطراب　　ہماری ہی ہے روح کا پیچ و تاب

یہ صدیوں کے انسان کا سوز ہے
یہ جمہور کا جشنِ نو روز ہے

ہماری نگاہوں میں پیغام عید　　ہمیں سے ہے ہندوستاں کی امید
ہمیں ڈھال ہیں ہم ہی تلوار ہیں　　ہمیں فوج ہیں ہم ہی ہتھیار ہیں
زمیندار ہوں یا کہ سرمایہ دار　　ولایت کے حاکم ہوں یا شہریار
وجود ان کا ہندوستاں پر ہے بار　　کہ جس طرح سورج کے رخ پر غبار
یہ ہیں فخر حیوانیت کے لیے　　یہ ہیں کوڑھ انسانیت کے لیے
بلندی سے نیچے گرا دو انھیں　　یہ پیغام جا کر سنا دو انھیں

حیات آپ سے آج بیزار ہے
حضور آپ کی قبر تیار ہے

چمن اس کا ہے جو چمن میں رہے　　وطن اس کا ہے جو وطن میں رہے
ہر اک قوم آزاد و آباد ہو　　ہر اک اپنے گھر رہ کے دلشاد ہو
ہر اک اپنے خطے میں پھولے پھلے　　ستاروں سے ہم دوش ہو کر چلے

ebooksgallery.com

مٹے اس طرح عمر بھر کا فساد　　وطن میں ہو قائم نیا اتحاد

دھنک میں کئی طرح کے رنگ ہوں
مگر پھر بھی وہ سب ہم آہنگ ہوں

یہ دولت ہے میراث انسان کی　　زمیں پر حکومت ہے دہقان کی
ملوں پر ہے مزدور کا اختیار　　وطن پر ہے جمہور کا اختیار
جو موتی نکالے وہ دامن بھرے　　جو محنت کرے وہ حکومت کرے

ہماری کسوٹی ہے انسانیت
اخوت، مساوات اور حریت

محبت کے جذبے ابھاریں گے ہم　　پریشان زلفیں سنواریں گے ہم
عناصر کے گھوڑوں پہ ہو کے سوار　　کریں گے غریبی کے سینے پہ وار
سمندر سے موتی نکل آئیں گے　　زمیں کے خزانے ابل آئیں گے
گھٹاؤں میں تبدیل ہو گا دھواں　　برسنے لگیں گے ستارے یہاں
نہ پھر خوف ہو گا نہ پھر احتیاج　　نئے سر سے تعمیر ہو گا سماج
یہ افلاس کی رات ڈھل جائے گی　　کسانوں کی دنیا بدل جائے گی
رہے گا نہ کوئی بھی بے روزگار　　مصیبت سے چھوٹ جائیں گے کامگار
نہ ہو گا مشینوں کا انساں غلام　　مشینوں پہ قبضہ کریں گے عوام
سجا دیں گے چیزوں سے بازار ہم　　لگا دیں گے دولت کے انبار ہم
پنہائیں گے بچوں کو رختِ حریر　　ہمالہ سے لائیں گے ہم جوئے شیر
سنہرے دوپٹے اڑھائیں گے ہم　　ستاروں سے آنچل بنائیں گے ہم
پھلے اور پھولے گا بھارت کا باغ　　جلیں گے ہر اک گھر میں گھی کے چراغ
کریں گے یہاں رقص حسن و شباب　　زمیں پر اتر آئے گا آفتاب
وہ شاداب چہروں پہ ہو گا نکھار　　کہ جھینپیں اجنتا کے نقش و نگار

نئی دیں گے ماتھے کو تنویر ہم
بدل دیں گے انساں کی تقدیر ہم

11 / دسمبر 1946

ebooksgallery.com

ebooksgallery.com

خون کی لکیر

1949

ebooksgallery.com

سلطانہ کے نام

ebooksgallery.com

سردار جعفری نے وعدہ کیا تھا کہ خون کی لکیر کا پیش لفظ وہ خود لکھیں گے لیکن حکومت بمبئی نے پبلک سیفٹی آرڈیننس کے تحت ان کو گرفتار کر لیا مجبوراً یہ کتاب پیش لفظ کے بغیر شائع کی جا رہی ہے۔

ناشر

ebooksgallery.com

قد و گیسو میں قیس و کوہکن کی آزمائش ہے
جہاں ہم ہیں وہاں دار و رسن کی آزمائش ہے

غالبؔ

ebooksgallery.com

تمہید

زندگانی کی اندھیری رات میں
درد اور دکھ کی بھری برسات میں
لے کے اک ماہِ تمام آیا ہوں میں
میکشو آتش بجام آیا ہوں میں
میرے پیمانے میں گُم ہے کائنات
میرے میخانے میں صہبائے حیات
میرے آئینے میں عکس صبح نو
آفتابِ عہد آزادی کی ضو
شہسوار گردش ایام ہوں
انقلاب وقت کا پیغام ہوں
ہے مری چشم تخیل پر عیاں
اک نئے میلاد آدم کا سماں
تاکہ ہو آسان پیکار حیات
کر رہا ہوں فاش اسرار حیات

ebooksgallery.com

اب جرس کو حکم خاموشی نہیں
کارواں میں خود فراموشی نہیں
حسنِ معنی ہو رہا ہے بے نقاب
اٹھ رہے ہیں استعاروں کے حجاب
آشکارا تیغ کا جوہر ہے آج
کسوتِ مینا سے مے باہر ہے آج
خون پیمانوں میں اب ڈھلتا نہیں
اب امیری کا فسوں چلتا نہیں
زلزلہ ہے ظلم کی بنیاد میں
تہلکہ ہے قصر استبداد میں
دم بخود ہیں قیصر و فغفور آج
تیز تر ہے نغمۂ جمہور آج

حلقۂ زنجیر گلنے ہی کو ہے
زندگی کروٹ بدلنے ہی کو ہے

ebooksgallery.com

ایک جھلک

صرف لہرا کے رہ گیا آنچل
رنگ بن کر بکھر گیا کوئی

گردشِ خوں رگوں میں تیز ہوئی
دل کو چھو کر گزر گیا کوئی

پھول سے کھل گئے تصوّر میں
دامنِ شوق بھر گیا کوئی

ebooksgallery.com

غم کا ستارہ

میری وادی میں وہ اک دن یوں ہی آ نکلی تھی
حسن اور نور کا بہتا ہوا دھارا بن کر

محفلِ شوق میں اک دھوم مچا دی اس نے
خلوتِ دل میں رہی انجمن آرا بن کر

شعلۂ عشق سرِ عرش کو جب چھونے لگا
اڑ گئی وہ مرے سینے سے شرارا بن کر

اور اب میرے تصور کا افق روشن ہے
وہ چمکتی ہے جہاں غم کا ستارا بن کر

ebooksgallery.com

غزل

حسن کی رنگیں ادائیں کارگر ہوتی گئیں
عشق کی بیباکیاں بیباک تر ہوتی گئیں

یاں مری بہکی ہوئی نظریں بہکتی ہی رہیں
واں نگاہیں اور بھی کچھ معتبر ہوتی گئیں

زندگانی اپنے نشتر آزماتی ہی رہی
ان کی نظریں بخیۂ چاکِ جگر ہوتی گئیں

لب پہ ہلکے سے تبسم کی مٹھاس آتی گئی
زندگی کی تلخیاں شیر و شکر ہوتی گئیں

آرزوئیں نارسائی کا گلہ کرتی رہیں
اور وہ زلفیں زینتِ دوش و کمر ہوتی گئیں

ebooksgallery.com

حسنِ سوگوار

کیا کہوں کیا ہے وہ حسنِ سوگوار
جس کو نظریں دور سے کرتی ہیں پیار
خال و خد میں رس نگاہوں میں شراب
مہکی مہکی سانس میں روحِ گلاب
انکھڑیوں میں خواب و بیداری لئے
زلف کے ہر خم میں دلداری لئے
بات کرتی ہے تو یوں جھڑتے ہیں پھول
جیسے گلشن میں بہاروں کا نزول
ہو کے چپ جب بیٹھ جاتی ہے کبھی
خامشی سے پھوٹتی ہے راگنی
آنکھ اٹھا کر دیکھ لیتی ہے کبھی
جم کے رہ جاتی ہے سورج کی نظر
پھر بھی رخ پر ہے اداسی کا غبار
جس طرح پھولوں پہ شبنم کی پھوار
آسماں پر شام کی پرچھائیاں

ebooksgallery.com

آئینے پر ہلکی ہلکی جھائیاں
صبح کے منظر پہ کہرے کا اثر
ابر کی چادر عروسِ ماہ پر
ادھ کھلے مخمور آنکھوں کے کنول
ابروؤں کی نوک پر ہلکا سا بل
قہقہوں میں گریۂ غم کی خراش
انگلیوں میں ایک مبہم ارتعاش
شوق کی برنائیوں سے بیقرار
عشق کی ناکامیوں سے سوگوار
رسم کی زنجیر میں جکڑی ہوئی
حلقۂ تقدیر میں جکڑی ہوئی
لاکھ چاہے پھر بھی خوش رہتی نہیں
دل میں کڑھتی ہے مگر کہتی نہیں
ہنستے ہنستے جیسے کھو جاتی ہے وہ
بات کرتے کرتے سو جاتی ہے وہ
سوچ کر کچھ ڈبڈبا آتی ہے آنکھ
چپکے چپکے اشک برساتی ہے آنکھ
روتے روتے مسکرا دیتی ہے پھر
دل میں شمعیں سی جلا دیتی ہے پھر

اس کی خوشیاں جتنی غم انگیز ہیں
اس کے غم اتنے ہی دلآویز ہیں

ebooksgallery.com

تذبذب

آج تو شوق کے ساحل پہ کھڑی ہے خاموش
موج کا رقصِ جنوں پاس بلاتا ہے تجھے
ریت پر گزرے ہوئے عہد کا ہر نقش قدم
ایک بھولا ہوا افسانہ سناتا ہے تجھے
تھپکیاں دے کے سلا دیتی ہے ساحل کی ہوا
اور اٹھتا ہوا طوفان جگاتا ہے تجھے
ڈوبتی شام کے ماتھے کا چمکتا تارا
زندگانی کا نیا خواب دکھاتا ہے تجھے
شب کا بڑھتا ہوا پُرہول سیہ رنگ فسوں
اک المناک اندھیرے سے ڈراتا ہے تجھے

بحر کی سطح حسیں رات کی پرچھائیں سے
ایک آئینۂ تاریک ہوئی جاتی ہے
چھپ گیا مہر مبیں اور شفق کی قندیل
سرد بے رحم ہواؤں سے بجھی جاتی ہے
ظلمتیں چیر کے دامانِ فلک نکلی ہیں
نور کے ہاتھ کی تصویر مٹی جاتی ہے

ebooksgallery.com

اے ''مرے چاند'' محبت کے افق سے ہو طلوع
جگمگا آج فروغِ مہِ تاباں ہو کر
نور ہی نور سے اطراف جہاں کو بھر دے
پھیل جا جلوۂ بے باک فروزاں ہو کر
برق کی طرح چمک، شعلے کی مانند لپک
عمر بھر یوں تو نہ جل، شمع شبستاں ہو کر
موج کی طرح سے وابستۂ ساحل ہی نہ رہ
حسن کی بحر سے اٹھ عشق کا طوفاں ہو کر
قطرۂ اشک لرزتی ہوئی پلکوں پہ نہ بن
جھلملا گوہرِ خوش آب و درخشاں ہو کر
پھول کی طرح سے کھل شوق کے گلزاروں میں
پھیل جا نکہتِ گل رنگِ بہاراں ہو کر

دل کی بجھتی ہوئی شمعوں کو فروزاں کر دے
تابشِ رخ سے اندھیرے میں چراغاں کر دے

ebooksgallery.com

حسن ناتمام

کس قدر شاداب و دلکش ہے وہ حسن ناتمام
جس کی فطرت غنچگی، دوشیزگی ہے جس کا نام

جس طرح پچھلے پہر کا صاف و پاکیزہ افق
جس کے سینے میں ابھی پہلی کرن پھوٹی نہیں
جس طرح اک کھلنے والی ناشگفتہ سی کلی!
جس کے دامن تک ابھی بادِ سحر پہنچی نہیں
برگِ گل پر جس طرح شبنم کی اک ننھی سی بوند
جو شعاعِ مہر تاباں سے ابھی الجھی نہیں
جس طرح ساغر میں صہبا جیسے مینا میں شراب
جو ابھی مچلی نہیں ، چھلکی نہیں، اُبلی نہیں
جس طرح اک شوخ بجلی بادلوں کی آڑ میں
جو ابھی تڑپی نہیں، چمکی نہیں، ٹوٹی نہیں
جس طرح گیسوئے پیچاں، جیسے زلفِ خم بہ خم
جو ابھی کھل کر ہوا کے دوش پر مہکی نہیں
جس طرح دریا میں موتی جیسے موجوں میں صدف

ebooksgallery.com

چشمِ انساں نے ابھی جن کی چمک دیکھی نہیں
جیسے ذہنِ پاک شاعر میں تخیل کی پری
جو ابھی تک شیشۂ الفاظ میں اتری نہیں
جس طرح آنکھوں میں ہلکے سے تبسم کی جھلک
جو کرن بن کر لب ورخسار پر بکھری نہیں

اب تلک یوں ہی اچھوتا ہے وہ حسنِ ناتمام
جس کی فطرت غنچگی ، دوشیزگی ہے جس کا نام

ebooksgallery.com

لکھنؤ کی ایک شام

یہ مال روڈ یہ گرمی کی شام کیا کہنا
وفورِ جلوۂ دیدارِ عام کیا کہنا
بساط ارض پہ عرشِ بریں کے مہ پارے
زمیں کی گود میں ماہِ تمام کیا کہنا
دلہن کی طرح سے آراستہ دکانوں پر
جوانیوں کا حسیں اژدہام کیا کہنا
کشیدہ قامت و گل پیکر و سبک اندام
غزال وحشت و آہو خرام کیا کہنا
کوئی ہلال، کوئی ماہ، کوئی مہر مبیں
کوئی تمام کوئی ناتمام کیا کہنا
کسی کی شوخیِ انداز لغزشِ پا میں
ہزار ناز و نیاز و پیام کیا کہنا
کسی کی آنکھ کے ہلکے سے اک اشارے میں
شکستِ شیشہ و مینا و جام کیا کہنا
فضا میں رات کی پرچھائیوں کی بیتابی
زمیں پہ رقص کناں روحِ شام کیا کہنا
مچل رہی ہے جوانی ابل رہی ہے شراب
نگاہِ شوق ہے پھر تشنہ کام کیا کہنا

ebooksgallery.com

خیر مقدم

مبارک ہو کہ وہ غم خوار جانِ بے قرار آیا
سوادِ لکھنؤ میں آہوئے دشتِ تتار آیا
نگارِ نو بہار و نو بہارِ گل عذار آیا
چمن بے رنگ ساماں رنگ سامانِ بہار آیا
عنا دل سے کہو گائیں ترانے خیر مقدم کے
بہاروں کو خبر دو مطربِ سازِ بہار آیا
دلِ بے تاب کی تسکین کو پہلے خبر آئی
بڑی مدت کے بعد آخر وہ جانِ انتظار آیا
جسے سمجھا تھا دل نے دشمنِ تمکین و ہوش اب تک
سکونِ روح و دل بن کر وہ یارِ غمگسار آیا
ادا کی برق چمکی زلف پیچاں کی گھٹا برسی
اودھ کے میکدے پر گھر کے ابرِ کوہسار آیا
ہوائے شوق سے کھلنے لگیں کلیاں تبسم کی
نویدِ موسمِ گل مژدۂ فصلِ بہار آیا
رگوں میں خون بن کر لذتوں کی بجلیاں دوڑیں
نگہ میں لوٹ کر شبہائے عشرت کا خمار آیا
سنا کرتے تھے حسن وینس و ہیلن کے افسانے
جمالِ وینس و ہیلن کا آخر اعتبار آیا

ebooksgallery.com

اکیلا ستارہ

افق کے کونے میں اک اکیلا ستارہ یوں جگمگا رہا ہے!
کہ کوئی جیسے غموں کی یورش میں زیرِ لب مسکرا رہا ہے

فضاؤں کے سرمئی دھندلکے میں شام تحلیل ہو رہی ہے
ہوا میں اڑتا ہے شب کا آنچل اندھیرا بڑھتا ہی جا رہا ہے

ٹپک پڑا ہے سیاہ شب کی سیاہ پلکوں سے ایک آنسو
شفق کے خسارسے ڈھلک کر زمیں کے دامن میں آ رہا ہے

☆☆☆☆☆☆☆

ebooksgallery.com

سرمایہ دار لڑکیاں

شہر کے رنگیں شبستانوں کی تنویریں ہیں یہ!
نو جوانی کے حسین خوابوں کی تعبیریں ہیں یہ
ہے انھیں کے دم سے مصنوعی تمدن کی بہار
ہیں یہی تہذیب کے آذر کدے کی شاہکار
دیدنی ان کی بہشتِ کیف و فردوسِ نشاط
خوش رخ وخوش پیرہن، خوش پیکر وخوش اختلاط
محفلوں کی شادمانی رقص گاہوں کا سرور
دل کے کاشانوں کی آبادی طرب گاہوں کا نور
اک لطافت اک نزاکت نطق گوہر بار کی
اک شعاعِ نور شاعر کے تجلّی زار کی
اک مغنّی کے نفس کا نغمۂ کیف و بہار
اک مصوّر کے قلم کی جنبشِ بے اختیار
بزم آرائی کی خو ذوقِ کم آمیزی کے ساتھ
جنبشِ مژگاں بھی اک شانِ دلآویزی کے ساتھ
گردنوں کا خم، کمر کا لوچ، سینوں کا ابھار
صندلی ہاتھوں سے بت خانوں کی صبحیں آشکار

ebooksgallery.com

قہقہے سوئے ہوئے جذبے جگانے کے لئے
گفتگو ہر سننے والے کو لبھانے کے لئے
بیقرار آنکھیں دلوں کو دعوتیں دیتی ہوئی
نوجوانی بار بار انگڑائیاں لیتی ہوئی
ولولے ہر ہر نفس زیروزبر ہوتے ہوئے
دم بدم جھونکے ہوا کے تیز تر ہوتے ہوئے
سامنے اک بار آ جانا ٹھٹکنے کے لئے
نوجوانوں سے الجھ پڑنا جھجکنے کے لئے
اہرمن تو اہرمن ہو جائے یزداں بھی شکار
ان کا ہر انداز تاجر ہر ادا سرمایہ دار
عشق کے ذوقِ نظارہ نے نکھارا ہے انھیں
مرد کی صدیوں کی محنت نے سنوارا ہے انھیں

ڈوب تو سکتی ہیں یہ لیکن ابھر سکتی نہیں
یہ کناروبوس کی حد سے گزر سکتی نہیں

ebooksgallery.com

مزدور لڑکیاں

گردشِ افلاک نے گودی میں پالا ہے انھیں
سختیِ آلام نے سانچے میں ڈھالا ہے انھیں
گھورتی رہتی ہے گرمی میں نگاہِ آفتاب
آسماں کرتا ہے نازل ان پہ کرنوں کا عتاب
سر سے ساون کی گھٹا جاتی ہے منڈلاتی ہوئی
سرد جاڑوں کی ہوا سینوں کو برماتی ہوئی
بیکسی ان کی جوانی مفلسی ان کا شباب
ساز ان کا سوزِ حسرت خامشی ان کا رباب
سر سے پا تک داستانیں حسرتِ ناکام کی
نرم و نازک قہقہوں میں تلخیاں ایّام کی
خشک لب، پھیکی نظر، مدقوق چہرے، زرد گال
وہ دھنسی آنکھیں، فسردہ رنگ، گرد آلود بال
پپڑیاں ہونٹوں پہ زخموں کے کناروں کی طرح
گرم ہاتھوں پر عرق مدھم ستاروں کی طرح
بوجھ کا مرہون منت ان کے ابرو کا تناؤ
ان کا حاکم ظلم ان کا پاسباں بے جا دباؤ

ebooksgallery.com

ان کے ساتھی پھاوڑے ان کی سہیلی ہے کدال
زندگی پر یہ وبال اور زندگی ان پر وبال
لیکن ان کی پستیوں کو اپنی رفعت سے نہ دیکھ
ان کی غربت پر نہ جا ان کو حقارت سے نہ دیکھ
اپنی نظروں سے یہ لکھ سکتی ہیں تاریخوں کے باب
ان کے تیور دیکھتی رہتی ہے چشمِ انقلاب
ٹھوکروں پر ان کی جھک سکتے ہیں ایوان و قصور
توڑ دیتی ہیں ہتھوڑوں سے چٹانوں کا غرور
ان کی چوٹوں پر نکلتے ہیں پہاڑوں سے شرار
یہ اگر چاہیں الٹ ڈالیں بساطِ روزگار

بن کے قوت ایک دن ابھرے گی صدیوں کی تھکن!
دیکھ لینا یہ بدل دیں گی نظامِ انجمن

ebooksgallery.com

انتظار نہ کر

میں تجھ کو بھول گیا اس کا اعتبار نہ کر
مگر خدا کے لئے میرا انتظار نہ کر

عجب گھڑی ہے میں اس وقت آ نہیں سکتا!
سرورِ عشق کی دنیا بسا نہیں سکتا
میں تیرے سازِ محبت پہ گا نہیں سکتا

میں تیرے پیار کے قابل نہیں ہوں پیار نہ کر
نہ کر خدا کے لئے میرا انتظار نہ کر

خراج اپنی جوانی سے لے رہا ہوں میں
سفینہ خون کے دریا میں کھے رہا ہوں میں
صدا اجل کے فرشتے کو دے رہا ہوں میں

بس اب نوازشِ پیہم سے شرمسار نہ کر
نہ کر خدا کے لیے میرا انتظار نہ کر

ebooksgallery.com

عذارِ نرم پہ رنگ بہار رہنے دے
نگاہِ شوق میں برق و شرار رہنے دے
لبوں پہ خندۂ بے اختیار رہنے دے

متاعِ حسن و جوانی کو سوگوار نہ کر
نہ کر خدا کے لئے میرا انتظار نہ کر

شکستہ ساز کے ٹوٹے ہوئے سبو کی قسم
دھڑکتے دل کی ٹپکتے ہوئے لہو کی قسم
تجھے وطن کے شہیدوں کی آبرو کی قسم

اب اپنے دیدۂ نرگس کو اشکبار نہ کر
نہ کر خدا کے لئے میرا انتظار نہ کر

ebooksgallery.com

عہدِ حاضر

وقت کی پلکوں پہ اک آنسو چمکتا ہے مگر
تھرتھرا سکتا ہے عارض پر ٹپک سکتا نہیں

عمر کی بوڑھی رگوں میں نوجوانی کا لہو
دوڑتا پھرتا ہے چہرے پر جھلک سکتا نہیں

تاجِ انگریزی میں اک ہیرا ہے مثلِ آفتاب
ہند کے بے نور ماتھے پر دمک سکتا نہیں

چپکے چپکے کھِل رہا ہے عہدِ نو کا سرخ پھول
مسکرا سکتا ہے زیرِ لب مہک سکتا نہیں

ایک انگارہ چھپا ہے زندگی کی راکھ میں
راکھ کے نیچے سلگتا ہے دہک سکتا نہیں

ebooksgallery.com

ایک سوال

معلوم نہیں ذہن کی پرواز کی زد میں
سرسبز امیدوں کا چمن ہے کہ نہیں ہے

لیکن یہ بتا وقت کا بہتا ہوا دھارا
طوفان گر و کوہ شکن ہے کہ نہیں ہے

سرمایے کے سمٹے ہوئے ہونٹوں کا تبسّم
مزدور کے چہرے کی تھکن ہے کہ نہیں ہے

وہ زیرِ افق صبح کی ہلکی سی سپیدی
ڈھلتے ہوئے تاروں کا کفن ہے کہ نہیں ہے

پیشانیٔ افلاس سے جو پھوٹ رہی ہے
اٹھتے ہوئے سورج کی کرن ہے کہ نہیں ہے

ebooksgallery.com

نیا زمانہ

اے دوست نیا زمانہ آیا
بہنے لگا زندگی کا دھارا

مشاطۂ عہد نو نے بڑھ کر
فطرت کی عروس کو سنوارا

غنچوں نے نیا لباس پہنا
کلیوں نے بھی پیرہن اتارا

لالے کے جگر کی آگ بھڑکی
نرگس نے نگہ کا تیر مارا

رنگین شفق نے گود کھولی
سورج نے افق سے سر ابھارا

انوارِ سحر میں ہو گیا گم
ڈھلتی ہوئی رات کا ستارا

ebooksgallery.com

غزل

گہری بہت شکن ہے جبینِ حیات کی
یہ خط نہیں مصوّرِ رنگیں کمال کا

ابروئے کائنات پہ ہے بجلیوں کی ضو
پرتو نہیں ہے عارضِ آتش جمال کا

یہ وقت کے کھنچے ہوئے خنجر کی دھار ہے
یہ بانکپن نہیں ہے عروسِ ہلال کا

فولاد کی گرج ہے یہ آہن کا شور ہے
نغمہ نہیں ہے شاعرِ نازک خیال کا

1940

ebooksgallery.com

اختلافِ رائے

کیوں نہیں تجھ کو گوارا مرا اظہارِ خیال
یہ کوئی زہر بھرا جام نہیں ہے اے دوست

اختلافات سے کھلتی ہے تخیل کی گرہ
یہ بھی اک رائے ہے دشنام نہیں ہے اے دوست

کشمکش عظمتِ کردار عطا کرتی ہے
زندگی عافیت انجام نہیں ہے اے دوست

ebooksgallery.com

ٹوٹا ہوا ستارہ

آ رہا ہے اک ستارہ آسماں سے ٹوٹ کر
دوڑتا اپنے جنوں کی راہ پر دیوانہ وار
اپنے دل کے شعلۂ سوزاں میں خود جلتا ہوا
منتشر کرتا ہوا دامان ظلمت میں شرار
اپنی تنہائی پہ خود ہی ناز فرماتا ہوا
شوق پر کرتا ہوا آئین فطرت کو نثار
کس قدر بیباک، کتنا تیز، کتنا گرم رو
جس سے سیاروں کی آسودہ خرامی شرمسار
موجۂ دریا اشاروں سے بلاتی ہے قریب
اپنی سنگیں گود پھیلائے ہوئے ہے کوہسار
ہے ہوا بے چین آنچل میں چھپانے کے لئے
بڑھ رہا کرۂ گیتی کا شوقِ انتظار

لیکن ایسے انجم روشن جبیں و تابناک
آپ ہو جاتے ہیں اپنی تابناکی کا شکار

ebooksgallery.com

وہم وخیال

(زمانہ ماقبل تاریخ کے انسان کا ذہنی تجزیہ)

وقت

مسکراتے ہیں مناظر رقص کرتے ہیں نجوم
گنگناتی ہیں چٹانیں گا رہے ہیں آبشار
چھن رہا ہے ابر کے پردے سے نورِ آفتاب
اور فضا میں پڑ رہی ہے ہلکی ہلکی سی پھوار
وقت کے میلے بدن پر دھاریاں ہیں نور کی
تھرتھراتے ہیں ہوا میں سینکڑوں چاندی کے تار
عارضِ گل رنگ پر صبحِ تمدّن کی نمود
گود میں تہذیبِ انسانی کا طفلِ شیر خوار
آنکھ میں ماضی کا جادو رخ پہ مستقبل کا نور
انگھڑیوں میں ارتقاء کے جام رنگیں کا خمار
اپنے سینے میں لئے انسان کے سینے کا جوش
دوش پر اپنے اٹھائے فکرِ انسانی کا بار

ebooksgallery.com

فکرِ انسانی

ٹوٹتی ہے کیوں شعاعِ مہرِ تاباں کی کمند
شب اٹھا لیتی ہے کیوں ناہید و پرویں کا ستار
رات کے ڈھلتے ہی پڑ جاتی ہے پھیکی چاندنی
صبح ہوتے کیوں بکھر جاتا ہے تاروں کا غبار
جھوم کر اٹھتی ہے کیوں اودی فضاؤں میں گھٹا
کوہ و صحرا پر برس جاتا ہے کیوں ابرِ بہار
کیوں پلٹ جاتا ہے موسم کیوں بدل جاتی ہے رت
کھیلتی ہے کیوں خزاں کی گود میں فصلِ بہار
موت اڑا لیتی ہے کیوں گل فام رخساروں کا رنگ
ہے اجل کی نیند کا کیوں چشمِ ہستی میں خمار
رات کو ہوتا ہے کیوں گذرے مناظر کا ہجوم
خواب میں رہتی ہے کیوں پیشِ نظر تصویرِ یار
ذہن کی تاریکیوں میں نور پھیلاتا ہے کون
کس کے نغمے ہیں سرودِ زندگی پر بے قرار
زیرِ دامانِ افق سے پھول برساتا ہے کون
کون ہوتا ہے شفق کے رنگ میں آئینہ کار
کون سوتا ہے ردائے برف میں لپٹا ہوا

ebooksgallery.com

کوہ کی چوٹی ہے کس دوشیزہ سینے کا ابھار
آندھیوں سے اس طرح سرگوشیاں کرتا ہے کون
گونجتی ہے وادیٔ کہسار میں کس کی پکار
کس کی ہیبت ہے کہ گیتی کا دہل جاتا ہے دل
"کانپتے ہیں کوہسار و مرغزار و جوئبار"
آسمان پر ہے یہ کس کے تازیانوں کی صدا
آرہا ہے کون یہ بادل کے گھوڑے پر سوار

اٹھ رہا ہے کیوں پہاڑی کے کلیجے سے دھواں
ناچتا ہے کون یہ پہنے ہوئے شعلوں کے ہار

الاماں اے عالم فطرت کی ارواح عظیم
ہے حد ادراک سے باہر تمہارا اقتدار
ہے عناصر میں تمہارے حسن و ہیبت کی نمود
آتش و آب و ہوا پر ہے تمہارا اختیار
تم وہاں رہتی ہو انسانی تخیل سے پرے
جس جگہ جھک کر زمیں کو آسماں کرتا ہے پیار
اور لائے ہیں تمہاری بارگاہِ ناز میں
خوف کے مارے ہوئے مجبور انسانوں کی ہار

دیکھ کر انساں کی پستی وقت بھی تھرا گیا
ارتقاء کے نرم ماتھے پر پسینہ آگیا

ebooksgallery.com

ارتقا

آہ اے ناداں خیالی دیوتاؤں کو نہ پوج
ذہن میں بنتے ہیں جو ایسے خداؤں کو نہ پوج
جو برستے ہیں یہاں بھی اور وہاں بھی ہم نشیں
ایسے آوارہ طبیعت بے وفاؤں کو نہ پوج
ہاں مرادیں اپنی ان گونگی چٹانوں سے نہ مانگ
قدر کر اپنے ارادوں کی دعاؤں کو نہ پوج
پوجنا ہے پوج اپنی فطرتِ آزاد کو
مشرق و مغرب کی آوارہ ہواؤں کو نہ پوج
گود میں سمٹی ہوئی رعنائیوں کو چھوڑ کر
وادی و کہسار کے رنگیں اداؤں کو نہ پوج
بھول کر اپنے سرود لذتِ گفتار کو
آسماں میں گونجنے والی صداؤں کو نہ پوج

یہ خدا یہ دیوتا دو روز ہی رہ پائیں گے
جہل سے پیدا ہوئے ہیں علم سے مر جائیں گے

ebooksgallery.com

غالبؔ

آسمانوں کی بلندی کو بڑا کا ناز تھا
پست ہمت جس سے ذوقِ رفعتِ پرواز تھا
رہگزارِ ماہ و انجم تک کوئی جاتا نہ تھا
کوئی شاخِ کہکشاں پر بیٹھ کر گاتا نہ تھا
عرش پر جبریل کا دمساز ہو سکتا تھا کون
طائرِ سدرہ کا ہم آواز ہو سکتا تھا کون
جو لگا دے آگ کوئی نغمہ زن ایسا نہ تھا
تجھ سے پہلے کوئی داوٗدِ سخن ایسا نہ تھا
تو نے چھیڑے ہیں وہ نغمے شاعری کے ساز پر
لحنِ داوٗدی کو رشک آئے تری آواز پر
تیرا بربط کہکشاں، ناہید ہے تیرا رباب
آسماں کیا ہے ترے بحرِ تخیل کا حباب
تیرا نغمہ ساحری، تیرا بیاں پیغمبری
تیرے قبضہ میں ہے اقلیمِ سخن کی داوری
تیری فکرِ نکتہ رس حسنِ تخیل کا شباب
شعر تیرا معجزہ تیری کتاب ام الکتاب

ebooksgallery.com

وہ صداقت، وہ حقیقت، وہ جمالِ برق پاش
زندگی جس کے لئے قرنوں سے سرگرمِ تلاش
وہ صداقت عکس افگن ہے تری تقریر میں
وہ حقیقت جلوہ فرما ہے تری تحریر میں
حسن کے جلووں سے جب محروم ہو جاتے ہیں ہم
کذب کے ظلمت کدے میں جا کے کھو جاتے ہیں ہم
جب کہ ہوتا ہے شبِ غم میں بلاؤں کا نزول
جب نگاہیں پھیر لیتے ہیں مہ و مہر و نجوم

شعر تیرے جگمگا اٹھے ہیں اس ظلمات میں
جس طرح جگنو چمکتے ہیں بھری برسات میں
تو نے دل کو گرم سینوں کو فروزاں کر دیا
روح کو روشن، دماغوں کو چراغاں کر دیا
تو مثالِ شمع ماضی کے سیہ خانے میں ہے
نور تیرا حال و مستقبل کے کاشانے میں ہے

تیرے گلشن کی بدولت گل بداماں ہم بھی ہیں
تیرے نغموں کے اثر سے نغمہ ساماں ہم بھی ہیں

ebooksgallery.com

موت اور زندگی

وہ جبیں جس پہ چمکتا تھا دمکتا ہوا چاند
سرد ہے اوس میں بھیگے ہوئے پھولوں کی طرح
جسم لکڑی کی طرح سخت ہوا جاتا ہے
ہاتھ ہیں خشک بیاباں کے ببولوں کی طرح

آنکھ ہے بند لبِ نغمہ فشاں ہے خاموش
موت کی برف جمی جاتی ہے رخساروں پر
مردنی چہرے پہ یوں چھائی ہوئی ہے جیسے
راکھ کا ڈھیر ہے بجھتے ہوئے انگاروں پر

اب نہ دوڑے گا لہو اب نہ چلیں گی نبضیں
اب نہ مہکیں گے ترے عارضِ رنگیں کے گلاب
اب تنیں گی نہ بھویں اب نہ جھکیں گی پلکیں
اب نہ ٹپکے گی نگاہوں سے محبت کی شراب

ebooksgallery.com

اب نہ پھیلے گی تری زلفِ پریشاں کی شمیم
عکس تیرا نہ نظر آئے گا آئینے میں
اب نہ چونکائیں گی قدموں کی صدائیں تجھ کو
کوئی طوفان اٹھے گا نہ تیرے سینے میں

چوڑیاں تیری کلائی کے لئے روئیں گی
کنگھیاں ترسیں گی الجھے ہوئے بالوں کے لیئے
ہوگی سرمے کو ترے دیدۂ و مژگاں کی تلاش
غازہ رکھا ہی رہے گا ترے گالوں کے لئے

کونلیں کوکیں گی، گائیں گے پپیہے لیکن
آہ تو پیار بھرے گیت سنے گی نہ کبھی
گھر کے آکاش پہ ساون کی گھٹا آئے گی!
تو مگر اپنے دوپٹے کو چنے گی نہ کبھی

رات ڈھونڈھے گی تجھے لیکے ستاروں کے چراغ
شمعیں بھٹکیں گی بیاباں میں کہستانوں میں
جا کے ہر سمت پکاریں گی ہوائیں تجھکو
پھول دیکھیں گے تری راہ گلستانوں میں

ڈھونڈ ھنے والے تجھے ڈھونڈ کے تھک جائیں گے
بزمِ فطرت کی کسی شے میں نہ پائیں گے سراغ
صبر کر لیں گے تری موت پہ رونے والے
جھلملا جاتے ہیں انسان کی یادوں کے چراغ

ebooksgallery.com

کیا بس اتنا ہی ہے اس پیکرِ خاکی کا مآل؟
سیلِ بیباکِ حوادث میں بشر کچھ بھی نہیں؟
یک نفس بیش نہیں فرصتِ ہستی یہ کیا؟
گرمیٔ بزم بجز رقصِ شرر کچھ بھی نہیں؟

(ماخوذ از غالب)

اپنی گڑیا سے مگر کھیل رہا ہے یہ کون؟
مجھ کو جیسے تری تصویر نظر آتی ہے
اس کی ننھی سی دمکتی ہوئی پیشانی پر
ایک کھوئی ہوئی تنویر نظر آتی ہے

اس کے چہرے پہ ترے حسن کی تابانی ہے
اس کی آنکھوں میں لچکتی ہے جوانی تیری
نرم سینے میں تری موجِ نفس ہے بیتاب
لبِ معصوم پہ ہے نغمہ فشانی تیری

موت جب آ کے کوئی شمع بجھا دیتی ہے
زندگی ایک کنول اور جلا دیتی ہے

ebooksgallery.com

نئی شاعری

آگ محفل میں غلاموں کی لگا دیں اے دوست
دل کی بجھتی ہوئی شمعوں کو فروزاں کر دیں
گائیں ٹوٹے ہوئے بربط پہ ترانے دل کے
بزم کو اپنی نواؤں سے غزل خواں کر دیں
کعبہ و دیر و کلیسا کی بجھا دیں قندیل
ہر طرف مشرق و مغرب میں چراغاں کر دیں
توڑ دیں وہم نے پہنائی تھیں جو زنجیریں
آ گیا وقت کہ اب وا درِ زنداں کر دیں
ڈال دیں وقت کی افسردہ نگاہوں میں نگاہ
عہد پارینہ کو اک خواب پریشاں کر دیں
رنگِ خوں بھر کے بنائیں وہ نئی تصویریں!
کاوشِ مانی و بہزاد کو حیراں کر دیں
چھین لیں ہاتھ بڑھا کر مہ و پروین سے چمک
ہند کی خاک کے ذرّوں کو درخشاں کر دیں
مسندِ عیش سے شاہوں کو اٹھا دیں چل کر
"مورِ بے مایہ کو ہم دوشِ سلیماں کر دیں"

ebooksgallery.com

کب تلک راہ کے کانٹوں سے بچائیں گے قدم
ان کو تھوڑا سا لہو دے کے گلستاں کر دیں

اب نظر پھیر لیں ایران کے گلزاروں سے
نگہ شوق کو کشمیر بداماں کر دیں

دے کے احساس نیا ہند کے مہ پاروں کو
حسن یوسف کو تہ چراغ تہ داماں کر دیں

عام ہو غالب و اقبال کی رعنائی فکر
بے زبانوں کو زباں دے کے زباں داں کر دیں

کھول دیں سب کے لئے قفل در میخانہ
حضرت جوش کو سر حلقۂ زنداں کر دیں

ebooksgallery.com

بغاوت

بغاوت میرا مذہب ہے بغاوت دیوتا میرا
بغاوت میرا پیغمبر بغاوت ہے خدا میرا

بغاوت رسم چنگیزی سے تہذیب تاری سے
بغاوت جبر و استبداد سے سرمایہ داری سے
بغاوت سرسوتی سے لکشمی سے بھیم وارجن سے
بغاوت دیویوں سے دیوتاؤں کے تمدن سے
بغاوت اہم کی پابندیوں سے قید ملت سے
بغاوت آدمی کو پیسنے والی مشیت سے
بغاوت عزت و پندار و نخوت کی اداؤں سے
بغاوت بوالہوس ابلیس سیرت پارساؤں سے
بغاوت زرگری کے مسخ مذہب کے ترانوں سے
بغاوت عہد پارینہ کی مردہ داستانوں سے
بغاوت اپنی آزادی کی نعمت کھونے والوں سے

ebooksgallery.com

بغاوت عظمتِ رفتہ کے اوپر رونے والوں سے
بغاوت دورِ حاضر کی حکومت سے ریاست سے
بغاوت سامراجی نظم و قانون و سیاست سے
بغاوت سخت پتھر کی طرح بے حس خداؤں سے
بغاوت مفلسی کی عاجزانہ بد دعاؤں سے
بغاوت درد سہنے سے بغاوت دکھ اٹھانے سے
بغاوت ایک انساں کے سوا سارے زمانے سے

بغاوت حریت کے دیوتا کا آستانہ ہے
بغاوت عصرِ حاضر کے جوانوں کا ترانہ ہے

1937

ebooksgallery.com

جوانی

نہ چھیڑ اے ہم نفس ٹوٹے ہوئے بربط کے تاروں کو
جگایا یوں نہیں کرتے ہیں خوابیدہ شراروں کو
مری آشفتہ حالی دیکھ کر تو مسکراتا ہے
مرے بوسیدہ پیراہن سے تو نظریں چراتا ہے
مری آواز تیرے نرم کانوں پر گراں کیوں ہے؟
مری افسردگی سے اس قدر تو بدگماں کیوں ہے؟
زمانے کا ستم ہر دم رہا ہے رازداں میرا
بھرا ہے ایسے ہی کانٹوں سے سارا گلستاں میرا
غموں کو روند کر ہنستا ہوا پھرتا ہوں دنیا میں
طمانچے موج کے کھاتا ہوا جاتا ہوں دریا میں
زمانے بھر میں تنہا رازداں ہوں لذتِ غم کا
سراپا درد ہو کر بھی ہوں درماں سارے عالم کا
مری فطرت زمیں کی وسعتوں کو تنگ کہتی ہے
مری عزت اضافی عزتوں کو ننگ کہتی ہے

ebooksgallery.com

امنگوں نے مجھے دودھ اپنے سینے سے پلایا ہے
ہزاروں ولولوں نے میرا گہوارہ ہلایا ہے
کھلایا ہے مجھے گودوں میں جرأت نے حمیت نے
سلایا لوریاں دے کر مجھے ہمت نے عزت نے
جہاں کی گردشوں نے دردوغم کی راحتیں بخشیں
مری خودداریوں نے زندگی کی لذتیں بخشیں
میرے نعروں میں ہے جاہ و جلالِ جوشِ طوفانی
میری آہوں پہ بل کھاتی ہوئی موجوں کی طغیانی
مری آواز میں لاکھوں یتیموں کی دعائیں ہیں
مرے نغموں میں زنجیروں کے بجنے کی صدائیں ہیں
مرے زخموں میں حدت زندگی کے آفتابوں کی
مری ٹھوکر میں پنہاں داستانیں انقلابوں کی
نیا نغمہ کوئی جب سانس لے لیتا ہے سینے میں
ہزاروں داغ پڑ جاتے ہیں پتھر کے کلیجے میں
چٹانوں کا جگر پھٹتا ہے اس نغمہ سرائی سے
پگھل جاتا ہے دل آہن کا اس آتش نوائی سے
گرج گولوں کی اکثر بے اثر ہوتی ہے کانوں پر
کبھی جب نیند آ جاتی ہے توپوں کے دہانوں پر
گزر جاتا ہوں طوفاں بن کے دریا کے کناروں سے
پہاڑوں کو ہٹا دیتا ہوں آنکھوں کے اشاروں سے
زمانے بھر پہ چھا جاتا ہوں شفقِ آسماں ہو کر
اچھل جاتا ہوں جب ساحل سے موجِ بیکراں ہو کر
میں چشمہ بن کے پتھر کے شگافوں سے ابلتا ہوں
تڑپ موجوں کی بن کر سنگ ریزوں پر مچلتا ہوں

ebooksgallery.com

سکوں کو لا کے ہنگاموں کے پہلو میں سلاتا ہوں
نوائے تلخ سے میں سارے عالم کو جگاتا ہوں
پکڑ کر ہاتھ مسند سے اٹھا دیتا ہوں سلطاں کو
بٹھا دیتا ہوں لا کر تخت پر قیصر کے دہقاں کو
مرا جی لگ نہیں سکتا ہے شاہوں کی شبستاں میں
بنایا ہے نشیمن میں نے زخمون کے گلستاں میں
مرے ہونٹوں پہ نغمے کانپتے ہیں دل کے تاروں کے
میں ہولی کھیلتا ہوں خون سے سرمایہ داروں کے

حقیقت سے مری کیوں بے خبر دنیائے فانی ہے
بغاوت میرا مسلک میرا مذہب نوجوانی ہے

1936

ebooksgallery.com

سماج

چھپی بیٹھی ہے مکاری حریمِ زہد و تقویٰ میں
گناہوں کی جھلک ہے حسنِ معصومِ کلیسا میں
عیاں سفاکیاں پرہیزگاروں کی جبینوں سے
ٹپکتا ہے لہو پیرِ حرم کی آستینوں سے
ریاکاری اشارے کر رہی ہے چشمِ پُرفن سے
تعصب کی صدا آتی ہے ناقوسِ برہمن سے
اخوت کی زباں محرومِ اندازِ تکلم ہے
بتانِ رنگ و خوں کے لب پہ زہریلا تبسم ہے
نہ جانے کیوں یہ دنیا قومیت کے راگ گاتی ہے
یہ وہ چکی ہے جس میں آدمیت پیسی جاتی ہے
نظامِ کہنہ کے کندھوں پہ اصلاحوں کے لاشے ہیں
بہت سے بت ملوکیت کے آزر نے تراشے ہیں
دھمک پیروں کے نیچے ہے گرج توپوں کی کانوں پہ
گھٹائیں جنگ کی منڈلا رہی ہیں آسمانوں پہ

ebooksgallery.com

فضا بگڑی ہوئی ہے زہر پھیلا ہے ہواؤں میں
نئی پرخاش ہے جھوٹی سیاست کے خداؤں میں
بیابانوں پہ حملہ ہے پہاڑوں پر چڑھائی ہے
سمندر پر چھڑی ہے جنگ شہروں پر لڑائی ہے
قیامت کب تلک ڈھائیں گے یہ آفت کے پرکالے
یہ جمہوری کمیں گاہوں میں چھپ کر بیٹھنے والے
تمناؤں میں کب تک زندگی الجھائی جائے گی
کھلونے دے کے کب تک مفلسی بہلائی جائے گی
نیا چشمہ ہے پتھر کے شگافوں سے ابلنے کو
زمانہ کس قدر بیتاب ہے کروٹ بدلنے کو

1937

ebooksgallery.com

سالِ نو

یہ ٹیلی فون پہ دی سالِ نو کی تہنیت کس نے
تمنا رقص کرتی ہے تخیل گنگناتا ہے

تصور اک نئے احساس کی جنت میں لے آیا
نگاہوں میں کوئی رنگین چہرہ مسکراتا ہے

جبیں کا عکس پڑتا ہے فلک کے ماہ پاروں پر
ضیاء پھیلی ہوئی ہے سارا عالم جگمگاتا ہے

شفق کے نور سے روشن ہیں محرابیں فضاؤں کی
ثریا کی جبیں زہرہ کا عارض تمتماتا ہے

پرانے سال کی ٹھٹھری ہوئی پرچھائیاں سمٹیں
نئے دن کا نیا سورج افق پر اٹھتا آتا ہے

زمیں نے پھر نئے سر سے نیا رختِ سفر باندھا
خوشی میں ہر قدم پر آفتاب آنکھیں بچھاتا ہے

ebooksgallery.com

ہزاروں خواہشیں انگڑائیاں لیتی ہیں سینے میں
جہانِ آرزو کا ذرہ ذرہ گیت گاتا ہے

امیدیں ڈال کر آنکھوں میں آنکھیں مسکراتی ہیں
زمانہ جنبشِ مژگاں سے افسانے سناتا ہے

مسرت کے جوں ملاح کشتی لے کے نکلے ہیں
غموں کے ناخداؤں کا سفینہ ڈگمگاتا ہے

خوشی مجھ کو بھی ہے لیکن میں یہ محسوس کرتا ہوں
مسرت کے اس آئینے میں غم بھی جھلملاتا ہے

ہمارے دور محکومی کی مدت بڑھتی جاتی ہے
غلامی کے زمانے میں اضافہ ہوتا جاتا ہے

یہی انداز گر باقی ہیں اپنی سست گامی کے
نہ جانے اور کتنے سال آئیں گے غلامی کے

ebooksgallery.com

آتشیں ستارہ

(ہندستانی طلبا کے نام جن کے سرخ رنگ کے جھنڈے پر ایک چمکتے ہوئے
ستارے کے نیچے لکھا ہے۔ ''آزادی۔ امن۔ اتحاد۔'')

دوشیزہ ایک آئی نظر رہگزار میں
گویا اُٹھی ہوئی تھی شفق کے غبار میں
نورِ سحر سے لوحِ جبیں تھی دھلی ہوئی
چہرے کی آب و تاب میں شبنم گھلی ہوئی
پارہ بدن میں برق کی لہریں نگاہ میں
اک ''آتشیں ستارہ'' تھا زلفِ سیاہ میں
پوچھا یہ میں نے ''آئی ہے تو کس جہان سے؟
کس طرح پھول توڑ لیا آسمان سے؟
یوں مسکرائی وہ کہ کرن سی بکھر گئی
اک موجِ نور تھی کہ افق سے گزر گئی

ebooksgallery.com

کہنے لگی کہ دخترِ ہندوستاں ہوں میں
خود کارواں نہیں، جرسِ کارواں ہوں میں
بالوں میں آسماں کا ستارہ نہیں ہے یہ
سورج کے جلتے دل کا شرارہ نہیں ہے یہ
اس کی جبیں پہ نقش ہیں عزمِ ثبات کے
ابھرا ہے یہ حسین افق سے حیات کے
اس کی چمک نہیں ہے خوشی کا شگون ہے
اس کی رگوں میں صرف جوانی کا خون ہے
سینے میں سرخ آگ دبی ہے شباب کی
شعلے میں روح ہے تڑپ انقلاب کی
یہ اتحادِ قوم و وطن کا رسول ہے
آزادی، امن اور ترقی کا پھول ہے''

ebooksgallery.com

جنگ اور انقلاب

رقص کر اے روحِ آزادی کہ رقصاں ہے حیات
گھومتی ہے وقت کے محور پہ ساری کائنات
زندگی مینا و ساغر سے ابل جانے کو ہے
کامرانی کے نئے سانچے میں ڈھل جانے کو ہے
اڑ رہا ہے ظلم و استبداد کے چہرے سے رنگ
چھٹ رہا ہے وقت کی تلوار کے ماتھے سے زنگ
ہے فضاؤں میں نوید شادمانی کا سرور
پڑ رہا ہے عشرتِ فردا کی پیشانی پہ نور
موت ہنس کر دیکھتی ہے آئینہ تلوار میں
زر پرستی کا سفینہ آ گیا منجدھار میں
خون کی بو سے مشامِ زندگی مخمور ہے
گولیوں کی سنسناہٹ سے فضا معمور ہے
یہ ہے وہ زنجیر خود ہاتھوں سے ڈھالا تھا جسے
یہ ہے وہ بجلی کہ خود خرمن نے پالا تھا جسے

ebooksgallery.com

تیر جو چٹکی میں تھا پیوست اب بازو میں ہے
آستیں میں تھا جو خنجر آج وہ پہلو میں ہے
آ گیا ہے وقت وہ جو آ کے ٹلتا ہی نہیں
اپنا لنگر آج اپنے سے سنبھلتا ہی نہیں
ہل چکا ہے تخت شاہی، گر چلا ہے سر سے تاج
ہر قدم پر ڈگمگایا جا رہا ہے سامراج
ڈھل رہی ہے زرگری کی رات کے تاروں کی چھاؤں
مفلسی پھیلا رہی ہے وقت کی چادر میں پاؤں
انقلابِ دہر کا چڑھتا ہوا پارہ ہے جنگ
وقت کی رفتار کا مڑتا ہوا دھارا ہے جنگ
ہم سے خودداروں کا اس دم گیت گانا خوب ہے
سر پھرے باغی جوانوں کا ترانا خوب ہے
غم کے سینے میں خوشی کی آگ بھرنے دو ہمیں
خوں بھرے پرچم کے نیچے رقص کرنے دو ہمیں
رقص کے پہیئے کی گردش رک نہیں سکتی کبھی
عمر کی نبضوں کی جنبش رک نہیں سکتی کبھی
روحِ آزادی کو سینے میں جکڑ سکتا ہے کون
ناچتے سورج کی کرنوں کو پکڑ سکتا ہے کون

ستمبر 1949

سامراجی لڑائی

مے خانے کی رسم و راہ بدلی ساقی کی حسیں نگاہ بدلی
بدلے ارض و سماں کے تیور ہیں شعلہ فشاں فضا میں خنجر
طیارے ہیں پرفشاں ہوا میں بمبار گرجتے ہیں فضا میں
توپوں سے دہل رہی ہے دنیا اک آگ میں جل رہی ہے دنیا
شائستگی حسن کھو رہی ہے تہذیب آنکھ رو رہی ہے
بندوقوں کے شور سے ہیں پھیکے طاؤس ورباب کے بھی نغمے
بارود کی بو میں غرق یکسر پھولوں کی شمیم روح پرور
فرصت نہیں جام اور سبو کی قیمت نہیں موج رنگ و بو کی
ویران ہیں ساری رقص گاہیں چوروں سے بھری ہوئی ہیں راہیں
بے رنگ حیات زندگانی بے کیف شباب ہے جوانی
میدا ہے جنگ ہے جدل ہے سرمائے کے پیڑ کا یہ پھل ہے
شرمندہ ہیں دیکھ کر یہ لشکر! چنگیز و ہلاکو وسکندر
دنیا ہے کہ تاجروں کی بستی مہنگی ہے حیات موت سستی
جان بیچ کے لڑتے ہیں سپاہی انسان پہ آ گئی تباہی

یہ ظلم وستم کا راج کب تک
یہ تخت شہی یہ تاج کب تک

1940

ebooksgallery.com

ایک خط

(جیل سے ایک دوست کے پہلے خط کا جواب)

یہ ترا چھوٹا سا خط تیری محبت کا پیام
کر رہا ہے دل سے سرگوشی نگاہوں سے کلام
اس کی خاموشی میں ہے تیرے تکلم کی نمود
توڑ ڈالا اس نے آ کر قید خانے کا سکوت
آرزوئیں ناچ اٹھی ہیں دلِ بیتاب میں
کتنی قندیلیں ہیں روشن وقت کی محراب میں
جھلملاتے ہیں پرانی زندگی کے ماہ و سال
مسکراتی ہے تمنا رقص کرتا ہے خیال

آج روحِ شادمانی کس قدر مخمور ہے
آج دل احساسِ ناکامی سے کوسوں دور ہے

جنوری 1941

ebooksgallery.com

موت

(جیل میں ایک دوست کے مرنے کی خبر سن کر)

اک شرر کی طرح گزرا عمر کی منزل سے تو
ہم نشیں کیا بات تھی کیوں اٹھ گیا محفل سے تو؟
ہم سنوں کی انجمن کس واسطے بھائی نہیں
راس کیوں آب و ہوائے زندگی آئی نہیں
دل کی جمعیت ترے جانے سے برہم ہوگئی
دم کے دم میں بزمِ عشرت بزمِ ماتم ہوگئی
تو نے سازِ دل پہ نغمے شوق کے گائے نہ تھے
مر گیا تو اور ابھی مرنے کے دن آئے نہ تھے
بجلیوں کی طرح لہرا کر فضا میں کھو گیا
ایک ہلکی سی جھلک دکھلا کے غائب ہو گیا
جس قدر سیماب پا تھا اس قدر پیارا تھا تو
قطرۂ شبنم تھا تو یا صبح کا تارا تھا تو
مسکرایا تھا مگر آنسو بہانے کے لئے
تو وہ تارا تھا جو چمکا ٹوٹ جانے کے لئے

ebooksgallery.com

اے انیسِ برق فطرت اے رفیقِ تیز گام
مڑ کے لیتا جا اسیرانِ محبت کا سلام
میرے طاقِ دل میں اک رنگین گلدستہ ہے تو
بچپنے کی سیکڑوں یادوں سے وابستہ ہے تو
زندگی کا مکتبہ دل میں سبق لیتے تھے ہم
ناؤ طفلی کی، جوانی کی طرف کھیتے تھے ہم
چاہے جب مکتب سے اٹھ کر بھاگ آنا یاد ہے
پھر خوشی میں ہنستے ہنستے لوٹ جانا یاد ہے
آپ لڑتے آپ ہی جھگڑا چکا لیتے تھے ہم
اس طرح اپنی محبت آزما لیتے تھے ہم
تھی کسی کو بھی نہ ہم دونوں میں فکرِ روزگار
آہ ہم دونوں ہی تھے دلدادۂ سیر و شکار
تیز دوڑاتے ہوئے گھوڑوں کو اتراتے تھے کیا
باغ و صحرا کی ہوا کھا کھا کے لہراتے تھے کیا
زندگی بے فکریوں کی راگنی گاتی رہی
باغِ طفلی میں جوانی کی ہوا آتی رہی
ہائے وہ خلدِ علی گڈھ کی پرانی صحبتیں
کھو گئیں ماضی کے ویرانے میں کتنی جنتیں

ebooksgallery.com

قید کی تنہائیوں میں یاد آتی ہے تری
بجلیاں سی کوند جاتی ہیں نگاہوں میں مری
دل دعائیں دے رہا ہے جیل کی دیوار کو
رہ گئیں آنکھیں ترس کر آخری دیدار کو

یوں تو ہے بزمِ جہاں میں موت قانونِ حیات
ہے تغیر ہی سے روحِ زندگانی کو ثبات
موت ہی سے زندگی کا رقص دنیا کا وجود
موت کیا ہے ایک تغیرِ عناصر کی نمود
یہ وہ کہنہ مے ہے جو ہستی کے پیمانے میں ہے
موت عکس افگن جہاں کے آئینہ خانے میں ہے
موت کا غم کر کے کوئی شخص جی سکتا نہیں
موت سے گھبرا کے کوئی زہر پی سکتا نہیں
دل مگر ٹکڑے ترے ناوقت مر جانے سے ہے
غم یہ نو آراستہ زلفیں بکھر جانے سے ہے

"پھول تو دو دن بہار جانفزا دکھلا گئے
حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے"

اپریل 1941

ebooksgallery.com

رہائی

اس نظارے کے تصور ہی سے ہے دل پاش پاش
اک پھٹے کمبل کے ٹکڑے پر ہے اک قیدی کی لاش
کھنچ کے آیا دل سے پتھرائی ہوئی آنکھوں میں درد
اینٹھتے ہونٹوں پہ جم کے رہ گئی اک آہ سرد
نزع کے عالم میں یوں رگڑیں زمیں پر ایڑیاں
گر گئیں کٹ کر غلامی کی پرانی بیڑیاں
چھٹ گئی قیدِ حوادث سے وہ جانِ بے قرار
موت نے سینے پہ اپنے لے لیا دھرتی کا بار

تھا غلام آباد میں تجھ کو نہ جینے کا دماغ
نصف شب آئی نہ تھی اور بجھ گیا تیرا چراغ
زندگی کی مٹ گئی دھندلی سی اک تصویر آج
ڈھونڈتی ہے تجھ کو اک ٹوٹی ہوئی زنجیر آج
گھر پہ تڑپاتا ہے سب کو تیرا دردِ انتظار
رو رہی ہے جیل اس پہ چھن گیا منہ سے شکار
کوئی تجھ سے جبریہ اب کام لے سکتا نہیں
کوئی روکھے پن سے اب آواز دے سکتا نہیں

ebooksgallery.com

زندگانی تھی تری بے منتِ مینا و جام
عمر کی راہوں میں بے آواز پا تیرا خرام
تیری جانب اٹھ نہ سکتی تھی زمانے کی نظر
تو تھا اک آنسو کا قطرہ وقت کے رخسار پر
گو ترا دل شوق کی لذت سے بیگانہ نہ تھا
تو جہاں میں شہرت وعزت کا دیوانہ نہ تھا
کام تھا تجھ کو اگر کوئی تو اپنے کام سے
کوئی بھی واقف نہ تھا دنیا میں تیرے نام سے
تیرے رخ پر تربیت کی آئینہ کاری نہ تھی
تیرے لب پر علم کی سنجیدہ گفتاری نہ تھی
تو تھا دنیا کے سمندر میں وہ موج بے خروش
جس کے بل بوتے پہ اتراتا ہے طوفانوں کا جوش
تیری محنت پر ہمیشہ دوسروں کی تھی نگاہ
تیرا خرمن تھا ہزاروں بجلیوں کی رزم گاہ
سر سے لے کر پاؤں تک اک حسرتِ ناکام تھا
تیرے آئینے میں عکسِ گردشِ ایام تھا

تو نے آخر ختم کر دی داستانِ زندگی
تنگ ہے محکوم قوموں پر جہانِ زندگی
مر کے بھی گو زندگی کی طرح تو مجبور ہے
لیکن انگریزی حکومت کی حدوں سے دور ہے

بنارس سنٹرل جیل

1941

ebooksgallery.com

انقلابِ روس

(سرخ انقلاب کی 27ویں سالگرہ کے موقع پر)

رخِ حیات کو بخشیں تجلیاں تو نے
بکھیر دی ہیں فضاؤں میں سُرخیاں تو نے
جلائی عزم کی مشعل عمل کی راہوں میں
دیا ہے منزلِ مقصود کا نشاں تو نے
شگاف ڈال دیا تاجِ شہریاری میں
گرائیں ظلم کے خرمن پہ بجلیاں تو نے
فریبِ زار بھی توڑا فسونِ قیصر بھی
اجاڑ دی ہیں لٹیروں کی بستیاں تو نے
جو خونِ خلق کے دریامیں ناؤ کھیتے تھے
اتارے ان کے سفینوں کے بادباں تو نے
دکھائی جس نے غلاموں کو راہِ آزادی
دیا زمانے کو وہ میرِ کارواں تو نے
جہانِ پیر کی طرح کہن بدل ڈالی
مٹائے فرقہ و طبقات کے نشاں تو نے

ebooksgallery.com

عنانِ وقت ہے محنت کشوں کے ہاتھوں میں
یہ راز وہ ہے جسے کر دیا عیاں تو نے
بجھے بجھے سے پڑے تھے جو رہگذاروں میں
بنا دیا انھیں ذرّوں کو کہکشاں تو نے
جہالتوں کا اندھیرا تھا جن کے ذہنوں پر
دکھائیں علم کی ان کو تجلیاں تو نے
کبھی جو سوت کے کپڑوں کو بھی ترستے تھے
عطا کیا ہے انھیں رختِ پرنیاں تو نے
نکالی سخت چٹانوں سے جوئے آبِ رواں
بنائے ریگ کے دامن میں بوستاں تو نے
دیے ہیں رنگ سمرقند کی بہاروں کو
سجائے پھر سے بخارا کے گلستاں تو نے
بلا کا جوش ہے تیرے سبو کی مستی میں
شرابِ سرخ میں حل کی ہیں بجلیاں تو نے
جہاں میں دھوم ہے جمہور کے ترانوں کی
کچھ ایسے شوق سے چھیڑا ہے سازِ جاں تو نے
مٹا سکیں نہ تجھے سازشیں حریفوں کی
دکھائیں تیغ کے جوہر کی خوبیاں تو نے
گلوں نے خونِ شہیداں سے کی حنا بندی
پلٹ کے باغ میں آنے نہ دی خزاں تو نے
تری بہار گلستاں بدوش ہے اب بھی
عروسِ لالہ و گل سرخ پوش ہے اب بھی

ebooksgallery.com

تاجکستان کا ایک گیت

اے امیر اب نہ بدخشاں کی طرف رخ کرنا
راہ میں تیرے لئے سنگِ گراں ہیں لاکھوں
تاجکستان کے پیڑوں کی گھنی چھاؤں میں
نیزہ و خنجر و شمشیر و سناں ہیں لاکھوں

اے امیر اب نہ بدخشاں کی طرف رخ کرنا
بیلیں انگوروں کی زنجیر لئے بیٹھی ہیں
مرد شمشیر بہ کف تیری پذیرائی کو
عورتیں جذبۂ تحقیر لئے بیٹھی ہیں

اے امیر اب نہ بدخشاں کی طرف رخ کرنا
کوہساروں کی بلندی کو جلال آئے گا
سنگریزوں کے کلیجے سے دھواں اٹھے گا
اور دریاؤں کے سینے میں ابال آئے گا

(ترجمہ)

ebooksgallery.com

تعمیرِ نو

انقلابِ روس نے مشرق میں چھیڑا ہے رباب
ایشیاء کی روح میں ہے زندگی کا اضطراب
زندہ باد اے انقلاب

رسمِ پرویزی گئی، آئینِ چنگیزی گیا
اب ہمیشہ کے لئے دستورِ خوں ریزی گیا
زندہ باد اے انقلاب

عارضِ لعلِ بدخشاں پر ہے کیسی آب و تاب
سرخ رو خونِ شہیدانِ وطن سے ہے گلاب
زندہ باد اے انقلاب

پھر سے نکھرا ہے سمرقند و بخارا کا جمال
اس افق پر ماہ کامل بن کے چمکا ہے ہلال
زندہ باد اے انقلاب

ذرہ ذرہ سوزِ آزادی سے دے اٹھا ہے لو
کارخانے گا رہے ہیں نغمۂ تعمیرِ نو
زندہ باد اے انقلاب

جھومتی ہے کشتِ زاروں پر بہارِ لازوال
ریگ زاروں میں بچھا ہے نقرئی نہروں کا جال

ebooksgallery.com

زندہ باد اے انقلاب

کیوں نہ ہو کشت و چمن آسودہ خرمن باغ باغ
خانۂ دہقاں میں روشن ہیں فراغت کے چراغ

زندہ باد اے انقلاب

اہلِ محنت کا نہالِ آرزو ہے بارور
آدمی کے دستِ قدرت میں ہیں فطرت کے ثمر

زندہ باد اے انقلاب

اپنی دولت لے کے حاضر ہو رہے ہیں کوہسار
برق کی جوئے رواں برسا رہے ہیں آبشار

زندہ باد اے انقلاب

بزمِ گیتی کے ہیں خادم عرشِ اعظم کے سفیر
دامِ حکمت میں شعاعِ مہرِ تاباں ہے اسیر

زندہ باد اے انقلاب

کٹتی جاتی ہیں فضائیں کانپتا ہے آفتاب
مائلِ پرواز ہیں فولاد و آہن کے عقاب

زندہ باد اے انقلاب

عزمِ انسانی عناصر سے ہے سرگرمِ جہاد
دخترِ دہقاں کے ہاتھوں میں ہے سازِ برق و باد

زندہ باد اے انقلاب

آدمِ خاکی کا ہنگامِ نمود آ ہی گیا
اس زمیں پر آسماں بہرِ سجود آ ہی گیا

زندہ باد اے انقلاب

ebooksgallery.com

لینن

دوستوں کے لئے الفت کی زباں ہے لینن
دشمنوں کے لئے شمشیر و سناں ہے لینن
رگِ مزدور میں خوں بن کے رواں ہے لینن
دل پہ سرمائے کے اک سنگ گراں ہے لینن
کشتِ دہقاں کے لئے بادِ بہاری کا پیام
شہر یاری کے لئے برقِ تپاں ہے لینن
سرخ فوجوں کے تجمل میں جھلک ہے اس کی
نوجوانوں کے ارادوں میں جواں ہے لینن
جس نے ہر قوم کو ہر ملک کو سیراب کیا
سرخ میخانے کا وہ پیرِ مغاں ہے لینن
جس کی ہر بات ہے تفسیر حیاتِ ابدی
جس کو ہر شخص نے سمجھا وہ زباں ہے لینن
جس پہ شاہد ہے سمرقند و بخارا کا شکوہ
وہ ہنر مند وہ معمارِ جہاں ہے لینن
ظلمت آبادِ غلامی کے بیابانوں میں
مشعلِ راہِ یقیں سنگِ نشاں ہے لینن
ہٹلریت کے نشاں جس سے جھکے جاتے ہیں
حریت کا وہ سر افراز نشاں ہے لینن

ebooksgallery.com

آخری خط

(جو ایک سرخ سپاہی نے اپنی بیوی کو لکھا تھا)

اے پرستانِ محبت کی پری
اے فروغِ شمعِ بزمِ دلبری
اے سمرقند و بخارا کی بہار
اے مری تنہائیوں کی غم گسار
تیرے شوہر کا سلامِ آخری
ہے محبت کا پیامِ آخری
ملک پر اپنے فدا ہوتا ہوں میں
اب ہمیشہ کو جدا ہوتا ہوں میں
گو مرے مرنے سے تو ہے درد مند
اپنی ہم جنسوں میں ہو گی سربلند
خوش ہے استالین میرے کام پر
حرف آئے گا نہ تیرے نام پر
تیرا شوہر موت سے ڈرتا نہیں
پاؤں پہ دشمن کے سر دھرتا نہیں

ebooksgallery.com

دشمنوں سے برسر پیکار ہوں
لذتِ کردار سے سرشار ہوں
سیل حملے کا کبھی تھمتا نہیں
تیغ پر میری لہو جمتا نہیں
ایک لمحے کو نہیں رکتی ہے جنگ
رچ گیا ہے خون کا آنکھوں میں رنگ
زلزلوں کی زد میں ہے ہر بستی ہر پول
بج رہے ہیں کان کے پردوں پہ ڈھول
ڈگمگاتے ہیں پہاڑوں کے قدم
سر پہ اولوں کی طرح گرتے ہیں بم
بحر کے سینے میں پیدا جوش ہے
ساحلِ دریا بھی آہن پوش ہے
دور جنگی کے سفینوں کی قطار
جیسے بہہ کر آ گئے ہوں کوہسار
الاماں پرہول بمباروں کی آگ
اف وہ ہیبت ناک طیاروں کی آگ
الاماں لاشوں پہ لاشے الاماں
موت کے بجتے ہیں تاشے الاماں
پشتِ گیتی پر ہے انگاروں کی ڈھال
ہے ہوا کے دوش پر شعلوں کا جال
شہر سارا آگ کا خرمن ہے آج
ذرہ ذرہ شعلہ پیراہن ہے آج
سرخ ہے شعلوں سے روئے آفتاب
سرخ ہے شعلوں سے دامانِ سحاب

ebooksgallery.com

سرخ شعلوں سے سحر ہے سرخ شام
سرخ ہیں شعلوں سے بام و در تمام
سرخ شعلے کھا رہے ہیں پیچ و تاب
تپ رہی ہے ان میں روحِ انقلاب

الغرض ہم بے خطر لڑتے رہے
روز و شب شام و سحر لڑتے رہے
جنگ کا سیلاب چڑھتا ہی گیا
دشمنوں کا زور بڑھتا ہی گیا
ایسے طوفاں میں ابھرنا ہے محال
اب یہاں پر جنگ کرنا ہے محال
بند کر دیں وار یہ ممکن نہیں
ڈال دیں ہتھیار یہ ممکن نہیں
چھوڑ کر یہ مورچہ ہٹ جائیں گے
ہٹ کے پیچھے سورما ڈٹ جائیں گے
ان کی پس قدمی پہ ہم ہوں گے نثار
اپنے جسموں سے بنائیں گے حصار
ہم ہیں کیسے سورما دکھلائیں گے
مرتے مرتے اک سبق دے جائیں گے
ہم جئیں گے بھی تو اپنی آن سے
ہم مریں گے بھی تو اپنی شان سے
زندگی کے راز سے واقف ہیں ہم
موت کے انداز سے واقف ہیں ہم
غول دشمن کا جب آئے گا یہاں
خاک کے سینے سے اٹھے گا دھواں

ebooksgallery.com

بام باقی اور نہ در رہ جائے گا
شہر کے بدلے کھنڈر رہ جائے گا
شہر لینن کے سپوتوں کے لئے
اور کھنڈر فاشسٹ بھوتو ں کے لئے

نور ہے آئینۂ ایام میں
زندگی کی مے ہے میرے جام میں
دل میں ہے سوز و گدازِ آرزو
ہے رگ و پے میں جوانی کا لہو
عالمِ ہستی کا دلدادہ ہوں میں
پھر یہ کیوں مرنے پہ آمادہ ہوں میں
زندگی میں رنگ بھرنے کے لئے
موت کو تسخیر کرنے کے لئے
موت کی جانب بڑھا جاتا ہوں میں
موت کے منہ میں چلا جاتا ہوں میں
کام جب آئے گا لاکھوں کا شباب
سرخ تارہ تب بنے گا آفتاب
جان جائے آبرو جانے نہ پائے
جیتے جی دشمن یہاں آنے نہ پائے
معرکے کا زور گھٹ سکتا نہیں
یہ قدم اب جم کے ہٹ سکتا نہیں

گو نہیں ہے مجھ کو مرنے کا ملال
دل میں رہ رہ کر یہ آتا ہے خیال
ہے جوانی کا چمن بے رنگ بو

ebooksgallery.com

بے ثمر ہے میرا نخلِ آرزو
باغ کے آغوش میں گل چاہئے
زندگانی میں تسلسل چاہئے
ہو اگر دل کو تسلسل کا یقیں
موت بن جاتی ہے جامِ انگبیں
سر سے ڈھل جاتی ہے مایوسی کی دھوپ
موت بھر لیتی ہے پیدائش کا روپ

ہاں یہ سچ ہے تو مجھے کرتی ہے پیار
تیرا پیمانِ وفا ہے استوار
عمر بھر اب تجھ کو یاد آؤں گا میں
تیرے دل میں درد بن جاؤں گا میں
ہو گی غم انگیز رعنائی تری
تیری ہمدم ہو گی تنہائی تری
لیکن اے تسکین جانِ بیقرار
عمر بھر یوں ہی نہ رہنا سوگوار
تو ہے جن اچھائیوں کی مایہ دار
دوسروں پر بھی تو ہوں وہ آشکار
گر نہ ہو سطحِ زمیں پر جلوہ تاب
بے حقیقت ہے طلوعِ آفتاب
شمعِ محفل سے اگر مستور ہے
فائدہ پھر کیا جو اس میں نور ہے
ساز سے پیدا نہ ہوں نغمے اگر
جنبشِ مضراب ہے ناکارگر

ebooksgallery.com

اس لئے تنہا نہ رہنا چاہئے
تیرا دل سونا نہ رہنا چاہئے
گر بخارا میں ہو کوئی نوجوان
جو سمجھتا ہو ترے غم کی زبان
ہو جو واقف تیرے دل کے درد سے
جو جھجکتا ہو نہ آہ سرد سے
سوگ تیرا ہو نہ جس کے دل پہ بار
جس کو کر سکتی ہو تو تھوڑا سا پیار
عشق میں اپنے سمو لینا اسے
ہار میں اپنے پرو لینا اسے
اس ہوا سے گر کوئی غنچہ کھلے
یاد کرنا۔ اس کو میرے نام سے
میرے گلشن کا ثمر کہنا اسے
ہاں مرا نورِ نظر کہنا اسے
اور جب دشمن کو مل جائے شکست
اس کے سارے حوصلے ہو جائیں پست
مجھ سے ملنے کے لئے آنا یہاں
پھول لالے کے چڑھا جانا یہاں

جانتا ہوں وہ گھڑی بھی آئے گی
دشمنوں کی نبض جب چھٹ جائے گی
بحر اسود سے اٹھے گی فوج فوج
سرخ طوفاں کی ظفر انجام موج
دامنِ ساحل بھگویا جائے گا
دشمنوں کے خوں سے دھویا جائے گا

ebooksgallery.com

سرخ فوجیں لوٹ کر آئیں گی پھر
سرخ پرچم بن کے لہرائیں گی پھر
شہر یہ دلشاد ہو گا ایک دن
یہ کھنڈر آباد ہو گا ایک دن
پھر نسیمِ جانفزا اٹھلائے گی
لالہ و گل پر بہار آ جائے گی
مسکرائے گی تبسم کی کلی
گونج اٹھے گی قہقہوں کی راگنی

ریگ ساحل پرنیاں ہو جائے گی
یہ زمیں پھر آسماں ہو جائے گی

1944

ebooksgallery.com

جبر

نیلگوں آسمان، سبز زمین
شب کے بستر پہ سوئے جاتے ہیں
شام کے نرم قرمزی سائے
اس اندھیرے میں کھوئے جاتے ہیں

ایک بے گھر کسان دوشیزہ
کھوئی کھوئی ہوئی اداس اداس
چیتھڑوں میں بدن چھپائے ہوئے
چپ کھڑی ہے سڑک کے موڑ کے پاس

سوچتی ہے کہ میں کدھر جاؤں
اے خدا جلد رات کٹ جائے
گر پڑے کاش آسماں سر پر
ہو سکے تو زمین پھٹ جائے

ebooksgallery.com

ایک بدرنگ جیپ آ کے رکی
سانپ کی طرح ایک ہاتھ بڑھا
اور پھر گرد کے پھریروں نے
اس کی بے چارگی کو ڈھانپ لیا

اب بھی اس راستے میں راتوں کو
زخمی چیخیں سنائی دیتی ہیں
تیرگی کے سیاہ دامن پر
خوں کی بوندیں دکھائی دیتی ہیں

اپنے بیٹوں کی بے حیائی پر
مائیں ہندوستاں کی روتی ہیں
بیٹیوں کے لہو کے دھبّوں کو
خون کے آنسوؤں سے دھوتی ہیں

ebooksgallery.com

عظمت انساں

(مئی 1945ء میں فتح برلن کے موقع پر لکھی گئی۔)

دل غلامی میں سکوں کا لطف پاتا ہی نہیں
کوئی غنچہ آرزو کا مسکراتا ہی نہیں
ہے کچھ ایسا درد پہلو میں کہ جاتا ہی نہیں
اب خوشی کا سانس سینے میں سماتا ہی نہیں
کیا کشش ہے فتح برلن کے سنہرے راگ میں
غم کا خرمن جل رہا ہے اس خوشی کی آگ میں

سرخ پرچم کی ہوا سے شوق لہرانے لگا
دست استالن میں ٹوٹا ساز بھی گانے لگا
ذرّہ آغوش ہوا میں جا کے اترانے لگا
پست ہمت ولولوں کو بھی جلال آنے لگا
ڈوبتی کشتی کو بھی آخر کنارا مل گیا
ظلم کے مارے ہوئے دل کو سہارا مل گیا

پار لگ جائے گی اب مظلوم انسانوں کی ناؤ
حریت کی سمت ہے دنیا کے دھارے کا بہاؤ

ebooksgallery.com

وقت کی نازک ترازو میں ہے جمہوری جھکاؤ
پڑ رہا ہے آج کے مقیاس پر کل کا دباؤ
شمع جو لینن نے روشن کی تھی بزمِ روس میں
جل رہی ہے ارتقا کے احمریں فانوس میں

موت کے مسکن پہ جھپٹے زندگی کے پاسبان
شب کے سینے میں ورائے صبحِ نو کے ترجمان
گر گئی کٹ کر شہیدوں کے گلے سے ریسمان
لے کے انگڑائی اٹھی مرقد میں روحِ تھالماںؔ
گلشن دیمترؔ میں گلہائے طرب کھلنے لگے
سینہ چاکانِ چمن اٹھ کر گلے ملنے لگے

سرخ توپوں سے شرر نکلے، ستارے بن گئے
بم کے گولے آسماں پر ماہ پارے بن گئے
جب غبار اٹھا تو کچھ رنگیں غبارے بن گئے
نعرے شیروں کے موسیقی کے دھارے بن گئے
بربریت کے دل وحشی کو دہلاتے ہوئے
آ گئے علم و ہنر کے پھول برساتے ہوئے

ختم آخر ہو گیا فاشزم کا پر ہول خواب
چونک اٹھی نیند سے پیرس کی ارضِ انقلاب
رومتہ الکبریٰ پہ چمکا حریت کا آفتاب
آج ہے یونان کے ہاتھوں میں ہومرؔ کا رباب
روس کے محنت کشوں نے کام پورا کر دیا
فتح کے پھولوں سے اک دنیا کا دامن بھر دیا

ebooksgallery.com

اب نہ آئیں گے بھری محفل میں زہر آلود جام
صبح کے زرّیں سر پہ اب نہ منڈلائے گی شام
اب نہ دھوکا کھائیں گے سرمایہ داری کا عوام
تیرگی اب اٹھ کے جا سکتی نہیں بالائے بام
کوئی اب اڑتے شرارے کو دبا سکتا نہیں
کوئی بادل سرخ تارے کو چھپا سکتا نہیں

جاگ اٹھے کوہ و صحرا ناچ اٹھے آبشار
ہو گئے بیدار شام و نجد وایران و تتار
چین کا خونیں افق بھی بن گیا ہے لالہ زار
کیوں نہیں ہے ہند کے اجڑے گلستاں میں بہار؟
سازشیں کرتے ہیں گل چیں سر سے سر جوڑے ہوئے
باغباں بیٹھے ہیں اک مدت سے منہ موڑے ہوئے

مژدہ اے جوشِ ہمت تہنیت اے ذوقِ جنگ
اور بھی اونچی ہو اے بیتاب سینے کی امنگ
موجۂ راوی ہے ہم آہنگ ہوائے موجِ گنگ
ہو گیا ہے عرصۂ ہستی ملوکیت پہ تنگ
اب نہیں ہے کوئی گہرا رنگ اس تصویر میں
چند کڑیاں رہ گئی ہیں ظلم کی زنجیر میں

اٹھ گیا ہٹلر کے ساتھ اہلِ ضرر کا اقتدار
آج سے چنگیزیت کا نخل ہے بے برگ و بار
ہو گیا ہے سرد شعلہ، بجھتے جاتے ہیں شرار
ہند کی گردن پہ ہے شاہی کا ''دستِ رعشہ دار''

ebooksgallery.com

ایک ہی ہلکے سے جھٹکے میں کلائی موڑ دے
اے مجاہد سامراجی انگلیوں کو توڑ دے

مٹ چکی ہے اسکی طاقت اڑ چکے ہیں اس کے ہوش
ہو چکا ہے بند اس منحوس سینے کا خروش
اب سمندر میں نہ لہریں ہیں، نہ طوفاں ہے، نہ جوش
اب ابد تک اس کے ہنگاموں کی دنیا ہے خموش
دور خاص آخر ہوا اب دورِ عام آنے کو ہے
جس سے سب سیراب ہو جائیں وہ جام آنے کو ہے

اے زمیں، اے آسماں، اے آفتاب، اے ماہتاب
اے جلال عصر حاضر، اے ہوائے انقلاب
اے مقدس وید، اے انجیل، اے ام الکتاب
آج پورا ہو رہا ہے عظمتِ انساں کا خواب
اک نئی جنت میں اب آدم کو گھر مل جائے گا
سیکڑوں صدیوں کی محنت کا ثمر مل جائے گا

شاعر

لے کے آیا ہوں زمانے کے لئے پیغامِ گل
میں ہوں خوشبوئے چمن ، پیغمبرِ فصلِ بہار

میں غلامی کے اندھیرے میں ہوں آزادی کا نور
میں حق و باطل کی پیکاروں میں تیغِ آب دار

کذب کی تاریک راتوں میں صداقت کا ظہور
وقت کے سادہ افق پر رنگِ صبحِ زرنگار

موت کی پرہول وادی میں ہوں طوفانِ حیات
غم کے سینے پر مسرت کا سنہرا آبشار

یوں میری آغوش میں کھلتی ہوئی ہے زندگی
جس طرح قوسِ قزح میں سات رنگوں کا نکھار

میں انیسِ شامِ ہجراں ، میں ندیمِ صبحِ وصل
میں شریکِ بزمِ عشرت ، میں رفیقِ کارزار

ebooksgallery.com

ہم نشین لالہ و گل، ہمنوائے عندلیب
ہم رکابِ رنگ نکہت ہم دمِ بادِ بہار

میں ہوں صدیوں کا تفکر، میں ہوں قرنوں کا خیال
میں ہوں ہم آغوش ازل سے، میں ابد سے ہم کنار

میرے نغمے قیدِ ماہ و سال سے آزاد ہیں!
میرے ہاتھوں میں ہے لافانی تمنا کا ستار

گاہ تبلیغ محبت، گاہ کی تبلیغ حسن
بے حسوں کے دل کو بخشا سوزِ شامِ انتظار

نقش مایوسی میں بھر دیتا ہوں امیدوں کا رنگ
میں عطا کرتا ہوں شاخِ آرزو کو برگ و بار

چن لئے ہیں باغِ انسانی سے ارمانوں کے پھول
جو مہکتے ہی رہیں گے، میں نے گوندھے ہیں وہ ہار

عارضی جلووں کو دی ہے تابشِ حسنِ دوام
میری نظروں سے ہے روشن آدمی کی رہگذار

ebooksgallery.com

گوالیار

(ایک گیارہ برس کے بچے کے نام جس نے پہلی گولی اپنے سینے پر کھائی)

یہ دیسی حکمراں جو نسلِ انسانی سے خارج ہیں
وہ کہتے ہیں جنھیں انگریز آقاؤں نے پالا ہے
بھیانک انکی روحیں ہیں تو مردہ ہے خمیر ان کا
سفید ان کی رگوں کا خون ہے دل ان کا کالا ہے
کروڑوں مفلسوں کا خون جلتا ہے چراغوں میں
جواں منحوس رجواڑوں کے محلوں کا اجالا ہے
یہ سب بے آسرا مظلوم بیواؤں کے آنسو ہیں
چمکتے موتیوں کی ان کی گردن میں جو مالا ہے
یہ بچوں کے دلوں کی سسکیاں ماؤں کی چیخیں ہیں
انھوں نے جن کو ساز و رنگ کے سانچے میں ڈھالا ہے
برہنہ ہو گئی ہوں گی نہ جانے عصمتیں کتنی
کہ ان کی رانیوں کے سر پہ کشمیری دوشالہ ہے
خدا معلوم کتنے پیٹ بھوکے رہ گئے ہوں گے
کہ ان کے خوں بھرے جبڑوں میں سونے کا نوالہ ہے
یہ سب برطانیہ کے تاجِ شاہی کے نگینے ہیں
ہر اک ان میں سے بھارت ورش کے سینے کا چھالا ہے

ebooksgallery.com

جو ہو ویران اس بستی میں الو شور کرتے ہیں
غلام آباد ہندستاں میں ان کا بول بالا ہے
یہ کشتی بچ نہیں سکتی ہے آخر ڈوب جائے گی
شکستہ ناؤ کو منجدھار میں کس نے سنبھالا ہے

بغاوت کے جنوں کا تند دریا چڑھتا جاتا ہے
لہو بہتا ہے جتنا، اتنا طوفاں بڑھتا جاتا ہے
یہ کس نے بڑھ کے گولی روک لی معصوم سینے پر
یہ کس کے دل کا ٹکڑا کس کی آنکھوں کا ستارا ہے
یہ کیسی عورتیں ہیں جن سے سنگینیں جھجکتی ہیں
انھیں میدان میں جوشِ شجاعت نے پکارا ہے
یہ مزدوروں کی طوفاں خیز موجوں کا طلاطم ہے
بہالے جائے گا جو ظلم و نخوت کو، وہ دھارا ہے
ڈھلے ہیں ان کے بازو کارخانوں میں بغاوت کے
تپا کر زندگی کی آگ نے ان کو نکھارا ہے
وہ کچلا جانہیں سکتا تشدد کے ہتھوڑوں سے
ہمارے جوشِ آزادی نے جو جذبہ ابھارا ہے
ابھی ہندوستاں میں اور انگارے دہکتے ہیں
گو اس میں جو بھڑکا ہے وہ پہلا شرارہ ہے

غلامی کی اندھیری رات میں شعلہ لپکتا ہے
شہیدوں کا لہو رنگِ شفق بن کر جھلکتا ہے

(جنوری 1946)

ebooksgallery.com

ملّاحوں کی بغاوت

بمبئی تیرے شہیدانِ محبت پر سلام
مر کے جو دے گئے ہم سب کو بغاوت کا پیام

دیکھنا ہند کی تقدیر بدل جائے گی
سر بکف اترے ہیں میدانِ سیاست میں عوام

زخم کھائے ہوئے سینوں میں ہیں خورشید نہاں
خون آلودہ جبینیں ہیں کہ ہیں ماہِ تمام

آج تلوار کی محراب ہے محرابِ حرم
آج کے روز ہے سجدے سے کہیں بڑھ کے پیام

آج سے کوچہ و بازار میں مرنا ہے روا
ظلم کی چھاؤں میں چپ بیٹھ کے جینا ہے حرام

جاگ اے روحِ عمل، جوشِ حمیّت بیدار
رہبرِ قوم بناتا ہے فرنگی کو امام

ebooksgallery.com

کوہساروں کی چٹانوں سے کھوہٹ جائیں
تم سے رکنے کا نہیں موجۂ دریا کا خرام

مرد آزاد کو ہے جامِ شہادت کی تلاش
اور غلاموں کے مقدر میں فقط مرگِ دوام

خوف سے خود تو دبک جاتے ہیں ہنگام جہاد
اور دیتے ہیں شہیدانِ وطن کو الزام

یہ سپوتوں کو بتاتے ہیں ذلیل اور اوباش!
ڈالدو بڑھ کے کوئی ان کے دہانوں میں لگام

ہم نشیں ان سے نہ رکھ کوئی عمل کی امید
کھا گیا روح کو رہبر کی غلامی کا جذام

اب وہ سنتے نہیں مجروح وطن کی فریاد
منتظر بیٹھے ہیں آئے گا بکنگھم سے پیام

کر رہے ہیں وہ فرنگی سے طلب آزادی
موت سے مانگتے ہیں بادۂ جاں بخش کا جام

کل تلک راگ بغاوت کے الاپے لیکن
اب وہ دن رات جپا کرتے ہیں انگریز کا نام

ebooksgallery.com

صرف بکھرے ہوئے دانوں پہ نظر ہے ان کی
اور پوشیدہ نگاہوں سے ہے صیّاد کا دام

جنگ میں قوم کے سرداروں سے بن آئے گا کیا
تیغ کے بدلے لئے پھرتے ہیں ہاتھوں میں نیام

جن میں لڑنے کی سکت ہے نہ ہے مرنے کی امنگ
وہ یہ کہتے ہیں کہ کافی ہے فقط زورِ کلام

رہبرِ قوم کی ناکارہ سیاست کے طفیل
آج بھی ہم ہیں فرنگی کی حکومت کے غلام

مل کے چہرے پہ اٹھو خون شہیدانِ وطن
توڑ دو بڑھ کے شہنشاہ پرستی کا نظام

فروری 1946

ebooksgallery.com

گردِ کارواں

(قومی حکمرانوں کے نام!)

یہ مانا آج سرافراز مثلِ آسماں تم ہو
یہ مانا حریت کی منزلوں کے رازداں تم ہو
یہ مانا فخرِ عالم، نازشِ ہندوستاں تم ہو
مگر گذرے ہوئے عہدِ طرب کی داستاں تم ہو

تمھیں نے ہند کے دریاؤں سے طوفاں اٹھایا تھا
تمھیں نے راگ آزادی کا ہم سب کو سکھایا تھا
تمھیں نے ساز چھیڑا تھا، تمھیں نے گیت گایا تھا
بھری محفل میں لیکن آج اپنے نوحہ خواں تم ہو

تمھیں میدان میں انگڑائی پر انگڑائی آئی تھی
تمہارے حوصلوں پر خود شجاعت مسکرائی تھی
تمھیں نے اپنے خوں سے شمعِ آزادی جلائی تھی
مگر اب شمعِ آزادی کے سینے کا دھواں تم ہو

تمھیں آگے بڑھے تھے زندگی کا جام لینے کو
تمھیں اٹھے تھے سوزِ عشق کا پیغام دینے کو
تمھیں نکلے تھے کل جمہوریت کی ناؤ کھینے کو
اسی جمہوریت سے آج لیکن بدگماں تم ہو

ebooksgallery.com

کسانوں سے پریشاں ہو تو مزدوروں سے نالاں ہو
بغاوت سے ہو خائف اشتراکیت سے لرزاں ہو
عدو کو چھوڑ کر اپنوں ہی سے دست و گریباں ہو
خفا ہو دوستوں سے دشمنوں پر مہرباں تم ہو

جنہوں نے اپنے سکّے چور بازاروں میں ڈھالے تھے
جنہوں نے اپنی ماں بہنوں کے سینے چیر ڈالے تھے
ابھی کل تک جنہیں تم خود ہی سولی دینے والے تھے
یہ کیا ہے آج ان سرمایہ داروں کی زباں تم ہو

جھلس کر رہ گئے تہذیب انسانی کے باغ اس میں
چمن بن کر کھلے ہیں سینۂ مفلس کے داغ اس میں
جلے ہیں کتنی بیواؤں کے اشکوں سے چراغ اس میں
نکل کر جیل سے جس انجمن میں میہماں تم ہو

برا لگتا ہے سازِ زندگی کا زیر و بم تم کو
نظر آتا ہے سیدھا آج ہر ٹیڑھا قدم تم کو
ڈسے لیتے ہیں قومی راستوں کے پیچ و خم تم کو
جرس کل تک تھے لیکن آج گردِ کارواں تم ہو

نہ تم ٹوٹے ہوئے دل جوڑ سکتے ہو محبت سے
نہ تم شاہی کا جادو توڑ سکتے ہو سیاست سے
نہ تم طوفان کا رخ موڑ سکتے ہو فراست سے
نہ جانے کس لئے آخر امیرِ کارواں تم ہو

ebooksgallery.com

خود پرستی

میں نے پوچھا رات اک ٹوٹے ہوئے تارے سے یہ
''اے سراپا روشنی اے بزم انجم کے سفیر
مٹ گئی کیوں آسماں سے ایک ہی لمحے کے بعد
تو نے کھینچی تھی جو اک ہلکی سی سونے کی لکیر''
وہ ستارہ بجھتے بجھتے مجھ سے اتنا کہہ گیا
''خود پرستی کے غلط جذبے کی بیداری تھی وہ
جس کو سمجھا تو نے اک ہلکی سی سونے کی لکیر
میری آوارہ تمنا کی فسوں کاری تھی وہ''

ebooksgallery.com

چلمنیں اٹھتی ہیں مشرق کی حریمِ ناز سے
منتظر تھیں جس کی آنکھیں جلوہ گر ہونے کو ہے
خونِ شب سے گل بداماں ہے شفق زار وجود
آسماں پر نور سا پھیلا سحر ہونے کو ہے
کتنے آنسو بہہ چکے ہیں زندگی کی آنکھ سے
آج ان اشکوں کا ہر قطرہ گہر ہونے کو ہے
ارتقا ہے اسکا جادہ، اس کی منزل انقلاب
کاروانِ شوق سرگرمِ سفر ہونے کو ہے
گلشن ہندوستاں میں لوٹ آئی ہے بہار
آرزو کی شاخ نازک بارور ہونے کو ہے
کھل گیا در، پڑ گیا دیوار زنداں میں شگاف
اب قفس میں جنبشِ صد بال و پر ہونے کو ہے
جس کا چہرہ تھا غریبوں کے لہو سے تابناک
وہ نظامِ کہنہ اب زیر و زبر ہونے کو ہے
خواب کے آغوش سے بیداریاں پیدا ہوئیں
زندگی کی راکھ سے چنگاریاں پیدا ہوئیں

ebooksgallery.com

قطعات

1

آزمائش ہے تری جرأتِ رندانہ کی
آب ہے موجِ مے ناب میں تلواروں کی
چشمِ ساقی میں ہے اب ہوش و خرد کا پیغام
آج پرسش نہیں بہکے ہوئے میخانوں کی

2

جنت و کوثر و افرشتہ و حور و جبریل
مانتا ہوں تری تخئیل کی رعنائی کو
لیکن اک عمر سے اجڑی ہوئی دنیا کی زمیں
ڈھونڈتی ہے ترے ذوقِ چمن آرائی کو

3

چشمِ بینا میں ستاروں کی حقیقت کیا ہے
عالمِ خاک کا جو ذرہ ہے مہ پارہ ہے
آسمانوں میں بھٹکتی ہوئی روحوں سے کہو
یہ زمیں خود بھی چمکتا ہوا سیارہ ہے

(ماخوذ از گورکی)

ebooksgallery.com

4

تو حقیقت کو سمجھتا ہے طلسمی تصویر
تیرے نزدیک یہ احساس کی رعنائی ہے
تو یہ کہتا ہے "مرے دل میں ہے ہیجان بہار"
میں یہ کہتا ہوں "گلستاں میں بہار آئی ہے"

5

موت کو جانتے ہیں اصل حیات ابدی
زندگی کو مگر خوار و زبوں کہتے ہیں
اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انھیں کچھ نہ کہو
جو زمانے کو تصور کا فسوں کہتے ہیں

6

ان کو ملتا ہی نہیں ہے دُرِ مقصود کہیں
جو صدف ہے وہی خالی نظر آتا ہے انھیں
حلقۂ زلف ہو یا سرمۂ چشمِ خوباں
حلقۂ دامِ خیالی نظر آتا ہے انھیں

7

یہ حکومت کے پجاری ہیں یہ دولت کے غلام
جو جہنم کی مصیبت سے ڈراتے ہیں مجھے
خود تو دنیا میں بنا لیتے ہیں جنت اپنی
خواب کھوئی ہوئی جنت کے دکھاتے ہیں مجھے

ebooksgallery.com

8

ظلم اور جہل پر اصرار کرو گے کب تک
عقل اور فہم سے پیکار کرو گے کب تک
کب تلک عظمت افلاک کے گن گاؤ گے
عظمت ''خاک'' سے انکار کرو گے کب تک

9

گر چہ ہے مشت غبار آدم و حوا کا وجود
ان کی رفعت پہ برستے ہیں ستاروں کے سجود
لالئہ و گل تو فقط نقش قدم ہیں اس کے
اصل میں ''خاک'' کی معراج ہے انساں کی نمود

10

سالہا سال فضاؤں میں شرربار رہی
ایک پر سوز ہیولیٰ میں گرفتار رہی
''خاک'' ہر چند کہ تھی پست و حقیر و نادار
اپنی فطرت سے مگر بر سر پیکا رہی

11

منتشر ہو گئی وسعت میں ستاروں کی طرح
تلملاتی رہی بیتاب شراروں کی طرح
''خاک'' صدیوں کی مگر جنبش پیہم کے طفیل
متحد ہو گئی گوندھے ہوئے ہاروں کی طرح

ebooksgallery.com

12

کہیں دریا کہیں وادی، کہیں کہسار بنی
کہیں شعلہ، کہیں شبنم ، کہیں گلزار بنی
''خاک'' اک شکل سے سو شکل میں تبدیل ہوئی
کہیں الماس، کہیں گوہر شہوار بنی

13

ذہن و جذبات و اشارات و کنایات بنی
صوت و الفاظ و حکایات و روایات بنی
''خاک'' جب صورت انساں میں نمودار ہوئی
زمزمے وید کے قرآن کی آیات بنی

14

چھلکی ساغر میں مے ناب و گوارہ بن کر
چمکی آنکھوں میں محبت کا ستارہ بن کر
''خاک'' سے ذیست بنی زیست سے احساس نشاط
اور پھر ناچ اٹھی حسن دل آرا بن کر

15

اک کرن ٹوٹ کے سو رنگ بکھر جاتے ہیں
بکھرے جلوے بصد انداز سنور جاتے ہیں
جاودانی ہے یہ دنیا کا تماشا جس میں
نقش مٹتے ہیں تو مٹتے ہی ابھر آتے ہیں

ebooksgallery.com

16

کوئی ہر کام پہ سو دام بچھا جاتا ہے
راستے میں کوئی دیوار اٹھا جاتا ہے
موت کی وادیٔ ظلمت میں علم کھولے ہوئے
کارواں زیست کا بڑھتا ہی چلا جاتا ہے

17

موت کی آگ میں تپ تپ کے نکھرتی ہے حیات
ڈوب کر جنگ کے دریا میں ابھرتی ہے حیات
زلف کی طرح بگڑتی ہے، سنورتی ہے حیات
وقت کے دوش بلوریں پہ بکھرتی ہے حیات

18

ابھی پوشیدہ ہیں نظروں سے خزانے کتنے
گوش انساں سے ہیں محروم ترانے کتنے
ختم ہو سکتا نہیں سلسلۂ عمر دراز
بطنِ تخلیق میں پنہاں ہیں زمانے کتنے

19

حسن ہی حسن ہے فطرت کے صنم خانے میں
نور ہی نور ہے اس "خاک" کے کاشانے میں
رات آتی ہے ستاروں کی ردا اوڑھے ہوئے
صبح سے پیتی ہے خورشید کے پیمانے میں

ebooksgallery.com

20

کس قدر نورِ سحر دیکھ کے شرماتے ہیں
شب ہوئی ختم ستاروں کو حجاب آتا ہے
بامِ گردوں پہ ہے اب نیرِ اعظم کا جلوس
کوئی معشوق بر افگندہ نقاب آتا ہے

21

کبھی پہلو میں سمندر کے تڑپ اٹھتی ہیں
اور کبھی ریت کے سینے سے لپٹ جاتی ہیں
ان کو آتا نہیں آغوشِ محبت میں قرار
موجیں منہ چوم کے ساحل کا پلٹ جاتی ہیں

22

یک بیک کیوں چمک اٹھی ہیں نگاہیں تیری
اک کرن پھوٹ رہی ہے تری پیشانی سے
اور بھی تیز ہوئی جاتی ہے رخسار کی آگ
جذبۂ شوق و محبت کی فراوانی سے

23

رنگ پر رنگ نکھرتے ہی چلے آتے ہیں
روح ہوتی ہی نہیں سیر وہ نظارہ ہے
جسمِ محبوب ہے یا قامتِ رعنائے بہار
جیسے پھولوں کا ابلتا ہوا فوارہ ہے

ebooksgallery.com

24

زلفِ شب رنگ کی گھنگھور گھٹا سے چھن کر
پڑ رہی ہے کسی چہرے پہ تبسم کی پھوار
جیسے برسات کی راتوں میں چمکتے جگنو
یا شبِ ماہ کے ایوان میں بجتا ہے ستار

25

اپنے اڑتے ہوئے آنچل کو نہ رہ رہ کے سنبھال
حسن کے پرچم زرتار کو لہرانے دے
گر گیا پھول، مہکتے ہوئے جوڑے سے تو کیا
زلف کو تا بہ کمر آ کے مچل جانے دے

26

تو نہیں ہے نہ سہی، تیری محبت کا خیال
ڈھونڈھ لیتا ہے تجھے حسن کی نظاروں میں
مسکراتا ہے دمِ صبح افق سے کوئی
رقص کرتا ہے کوئی رات کو سیاروں میں

27

جس طرح خواب کے ہلکے سے دھندلکے میں کوئی
چاند تاروں کی طرح نور سا برساتا ہے
ہاں یونہی میرے تصور کے گلستانوں میں
پھول کھل جاتے ہیں جب تیرا خیال آتا ہے

ebooksgallery.com

28

میں تو بھولا نہیں، تم بھول گئی ہو مجھ کو
خیر گر تم بھی نہیں ہو میرے غم خواروں میں
تم نہ آؤ گی تو کیا اب نہیں آئے گی بہار؟
پھول کیا اب نہ کھلیں گے مرے گلزاروں میں؟

29

بجھ گیا تیری محبت کا شرارہ تو کیا
ڈوبتے دیکھے ہیں گردوں کے ستارے میں نے
سرد ہوتے ہوئے دل برف کی قاشوں کی طرح
منجمد ہوتے ہوئے دیکھے ہیں دھارے میں نے

30

شمع کی طرح پگھلتے ہوئے دل دیکھے ہیں
اشک بن بن کے نکلتے ہوئے دل دیکھے ہیں
تو نے دیکھی ہی نہیں گرمیٔ رخسارِ حیات
میں نے اس آگ میں جلتے ہوئے دل دیکھے ہیں

31

ان کے کیا رنگ تھے اب یاد نہیں ہے مجھ کو
کتنے آنچل مری تخئیل میں لہرائے ہیں
ہائے بھولے ہوئے چہروں کے دل آویز نقوش
جھلملاتے ہوئے اشکوں میں جھلک آتے ہیں

ebooksgallery.com

32

اپنے اعصاب کے مارے ہوئے بے چارے ادیب
یہ ترقی کے منادی ہیں تنزل کے نقیب
یہ ''عمود'' اور ''مثلث'' کے مظالم کے شکار
زندگی سے ہیں بہت دور فرائڈ سے قریب

33

جذبۂ شوق کی تکمیل نہیں ہو سکتی!
زندگی موت ہے احساسِ مسرت کے بغیر
فقط اعصاب کی تسکین ہے توہینِ حیات
صرف حیوان ہے انسان محبت کے بغیر

34

عشق اک جنس گراں مایہ ہے اک دولت ہے
یہ مگر عمر کا حاصل تو نہیں ہے اے دوست
منزلیں اور بھی ہیں، اس سے حسیں اس سے جمیل
''وصل'' کچھ آخری منزل تو نہیں ہے اے دوست

35

ماں کی آغوش میں ہنستا ہوا اک طفلِ جمیل
جس طرح ذہنِ ازل میں ہو ابد کی تخئیل
دیکھ لیں وہ جو سمجھتے ہیں کہ فانی ہے حیات
زندگانی کے طربناک تسلسل کی دلیل

ebooksgallery.com

36

تو نے خود تلخ بنا رکھی ہے دنیا اپنی
زندگی کتنی حسیں ہے تجھے معلوم نہیں
ہے جو گہری سی شکن، وقت کی پیشانی پر
تیری ہی چیں بہ جبیں ہے تجھے معلوم نہیں

37

سارے عالم میں یہ اڑتا ہوا گل رنگ نشاں
سچ بتا سرخیِ رخسارِ سحر ہے کہ نہیں
یہ تڑپتا ہوا شعلہ، یہ چمکتا تارا
جنتِ جلوۂ فردوس نظر ہے کہ نہیں

38

دیکھو تو تیرہ و تاریک فضا کا عالم
کس قدر درہم و برہم ہے ستاروں کا نظام
تو چمکتا ہے افق پر ابھی مانند ہلال
آسماں وقت کا ہے منتظرِ ماہِ تمام

39

حشر یہ ہٹلر و ٹوجو کا بتاتا ہے ہمیں
کہ زمانے میں پنپتا نہیں نفرت کا جنوں
اک نہ اک روز ابل آتا ہے سیلابِ حیات
خاک میں جذب نہیں ہوتا ہے مزدور کا خوں

ebooksgallery.com

40

نکہت و رنگ کا طوفان امنڈ آیا ہے
آگ سی لگ گئی یورپ کے سمن زاروں میں
اس طرف سے بھی گذر قافلۂ صبح بہار
ایک بھی پھول نہیں میرے چمن زاروں میں

41

زندگانی نے دیا ہے یہ مجھے حکم کہ تو
شب تاریک کے دامن میں ستارے بھر دے
پھونک دے جمع ہے جتنا خس و خاشاک نفاق
قلب انساں میں محبت کے شرارے بھر دے

42

میں نے اپنا ہی بھگویا ہے ابھی تو دامن!
تیرا دامن بھی تو اے دوست بھگونا ہے مجھے
داغ غم تو نے جو سینے میں چھپا رکھا ہے
اپنے اشکوں سے اسی داغ کو دھونا ہے مجھے

43

میری دنیا میں محبت نہیں کہتے ہیں اسے
یوں تو ہر سنگ کے سینے میں شرر ملتا ہے
سیکڑوں اشک جب آنکھوں سے برس جاتے ہیں
تب کہیں ایک محبت کا گہر ملتا ہے

ebooksgallery.com

44

گردِ نفرت سے بچا لیتا ہوں دامن اپنا
میں محبت کا پجاری ہوں مسرت کا ندیم
لالہ و گل کا کیا کرتی ہے گلشن میں طواف
پھر بھی کانٹوں سے الجھتا نہیں دامانِ نسیم

45

شیشۂ دل کو اگر ٹھیس کوئی لگتی ہے
آنسو بے ساختہ آنکھوں سے چھلک پڑتے ہیں
لیکن ایسے بھی ہیں کچھ اشک جو ہنگامِ نشاط
مسکراتی ہوئی پلکوں سے ٹپک پڑتے ہیں

26

آدمی لاکھ ہو مایوس مگر مثلِ نسیم
رقص کرتا ہے تمناؤں کے گلزاروں میں
راستے وادیٔ و صحرا میں بنالیتے ہیں
چشمے رک کر نہیں رہ جاتے ہیں کہساروں میں

47

پھانس کی طرح ہر اک سانس کھٹکتی ہے مجھے
نغمے کیوں گھٹ کے رہے جاتے ہیں دل ہی دل میں
رازداں اپنے نظر آتے ہیں ہر سمت مگر
پھر بھی تنہائی کا احساس بھری محفل میں

ebooksgallery.com

48

گو مرے سر پہ سیہ رات کی پرچھائیں ہے
میرے ہاتھوں میں ہے سورج کا چھلکتا ہوا جام
میرے افکار میں ہے تلخیٔ امروز مگر
میرے اشعار میں ہے عشرت فردا کا پیام

49

یہ تو ہیں چند ہی جلوے جو جھلک آئے ہیں
رنگ ہیں اور مرے دل کے گلستاں میں ابھی
میرے آغوش تخیل میں ہیں لاکھوں صبحیں
آفتاب اور بھی ہیں میرے گریباں میں ابھی

ebooksgallery.com

زندگی ہوتی ہے کیوں کر کامراں یہ بھی تو دیکھ
صرف اک مٹتی ہوئی دنیا کا نظارہ نہ کر
عالمِ تخلیق میں ہے اک جہاں یہ بھی تو دیکھ
موت کے بڑھتے ہوئے قدموں کی آہٹ ہی نہ سن
زندگی ہے تیزگام و نوجواں یہ بھی تو دیکھ
خاک پر پھیلے ہوئے دامِ غلامی پر نہ جا
حریت ہے کس قدر اوجِ آشیاں یہ بھی تو دیکھ
نبضِ گلشن بن کے چلتی ہے رگِ برگِ گلاب
خاروخس سے بن رہے ہیں گلستاں یہ بھی تو دیکھ
کشتیِ شب غرقِ دریائے شفق ہونے کو ہے
کھلنے والا ہے سحر کا بادباں یہ بھی تو دیکھ
ریزہ ریزہ ذرہ ذرہ خاکدانِ شرق کا
پرتوِ خورشید کا ہے رازداں یہ بھی تو دیکھ
آج ہے آباد کتنی شاہراہِ انقلاب
آرہے ہیں ہر طرف سے کارواں یہ بھی تو دیکھ
میں نے مانا مرحلے ہیں سخت راہیں ہیں دراز
مل گیا ہے اپنی منزل کا نشاں یہ بھی تو دیکھ
راستے کے پیچ و خم سے ہول آتا ہے مگر
آج ہے جمہورِ میرِ کارواں یہ بھی تو دیکھ

}{}{}{

غزل نما یہ نظم اس دور میں کہی گئی جب ہیئتی تجربے بھی ہو رہے تھے۔ اس لیے اس کو یونہی رکھا گیا ہے (مرتب)۔

ebooksgallery.com

خواب

حادثہ وہ جو ابھی پردۂ افلاک میں ہے

عکس اس کا مرے آئینہ ادراک میں ہے

اقبالؔ

1

میں کہ صدیوں کی سرگوشیاں سن چکا ہوں
کتنے سربستہ رازوں کو سینے کے اندر چھپائے ہوئے ہوں
کتنے پرہول المناک افسانوں کو اپنے دل میں دبائے ہوئے ہوں
کتنے ہی جشن، کتنی ہی عیدیں
میری یادوں کے دامن میں محفوظ ہیں
ظلم اور جبر کی خوں بھری داستانیں
بادشاہوں کی جنگی حکایات
دیو اور پریوں کے قصے کہانی
انقلاب اور بغاوت کے دلکش ترانے
میرے ہونٹوں پہ سوئے ہوئے ہیں
میں انھیں جب بھی چاہوں جگا لوں

ebooksgallery.com

مجھ کو معلوم ہے بابل و نینوا کے کھنڈر

وہ فرات اور دجلے کی موجیں جنھیں لوریاں دے رہی ہیں

کس لئے آج ویران ہیں

ان میں اُن مطلق الحکم شاہوں کے ایوان تھے

جن کے ہونٹوں کی جنبش

موت کی ہم زباں تھی

ساحلِ نیل پر وہ ابوالہول سکتے کے عالم میں اب تک کھڑا ہے

مصر کے سر بلند آسماں بوس اہرام مبہوت ہیں

علم و تہذیب کی اس پرانی زمیں پر

سر پھرے اور مغرور فرعون چھائے ہوئے تھے

جو خدا بن کے انسان کو لوٹتے تھے

(ماخوذ از کارل سینڈ برگ)

اور وہ یونان کے قصر میں

روم کے اونچے اونچے ستون میں

وہ بھی اک داستاں کہہ رہے ہیں

ان کے سائے میں بردہ فروشی کے بازار تھے

جن میں انسان انسان کو بیچتا تھا

(ماخوذ از کارل سینڈ برگ)

وہ سمرقند کے سبز گنبد

اور بخارا کے ایوان ہیں

جن پہ خونخوار تاتاریوں کی اڑائی ہوئی گرد بیٹھی ہوئی تھی

اف یہ چنگیز و تیمور کی عیش گاہیں

ان کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے روندی ہوئی آدمیت کی مظلوم

ebooksgallery.com

چیخوں سے گونجی ہوئی تھیں

اور وہ بسٹیل کے قید خانے کی دیواریں ہیں
جن کی اینٹیں شرابی، زناکار، جاگیرداروں پہ جی کھول کر ہنس رہی ہیں
ان کے لوہے کے در پر کلیساؤں کے پادری پاسباں تھے
وہ امیروں کو جنت کے پروانے اور مفلسوں کو
صبر و شکر و سکون اور روحانیت کا سبق دے رہے تھے

اور وہ ماسکو کا کریملین ہے
جس کے ماتھے کا روشن ستارہ
سرخ کرنوں کی تنویر برسا رہا ہے
اس کے اندر ابھی کل تک
روس کے زار، کھیتوں کے اور کارخانوں کے مالک
روئی، فولاد، تیل اور بارود کے بین الاقوامی بیوپاری بیٹھے ہوئے جنگ کی سازشیں کر رہے تھے

میں کہ صدیوں کی سرگوشیاں سن چکا ہوں
آج دلّی کی آواز بھی سن رہا ہوں
جس کے سینے پر ظالم فرنگی کے پٹھو بغل بچوں کی ڈگمگاتی حکومت کا ایک بوجھ رکھا ہوا ہے
آہ یہ میری اپنی ہی آواز ہے
میرے اہلِ وطن کے دلوں کی صدا ہے
جو ہمارے گلوں میں
ایک زخمی پرندے کے مانند
ڈیڑھ سو سال تک پھڑپھڑاتی رہی ہے

ebooksgallery.com

اب نہ وہ بابل و نینوا کے شہنشاہ ہیں
اور نہ وہ مصر کے سر پھرے اور مغرور فرعون ہیں
اور وہ روم و یونان کے بردہ فروش
اور نہ خونخوار چنگیز و تیمور
اب نہ بستیل کے پاسباں ہیں
اور نہ وہ روس کے زار ہیں
صرف ان کے مظالم کی اک خوں بھری داستاں رہ گئی ہے

آج خونخوار و خودسر فرنگی کا خونیں سفینہ بھی گرداب میں پھنس چکا ہے
اور ان کے غلام ان کے پٹھو
زخم کھائے درندوں کے مانند چلّا رہے ہیں
ان کی آواز میں موت کا راگ ہے
ان کے سینے میں بجھتی ہوئی آگ ہے
اور جمہور کے کاروانوں کی گرد سفر ان کی عظمت کی لاشوں کو کفنا رہی ہے
اور وہ حادثہ جو ابھی پردۂ آسماں میں چھپا ہے
میرے ادراک کے آئینے میں نظر آ رہا ہے

(2)

آج دلّی کی کھوئی ہوئی رفعتیں اس کو پھر مل گئی ہیں
اس کا مکھڑا خوشی سے دمکنے لگا ہے
جس کی تنویر سے ایشیا جگمگایا ہوا ہے

کتنے ہی تخت دیکھے ہیں اس نے

ebooksgallery.com

کتنے ہی تاج پہنے ہیں اس نے
اس کے سینے پہ کتنے ہی شاہوں کے نقش قدم ہیں
کتنی تہذیبیں، کتنے تمدن
اس کی آغوش میں سو رہے ہیں
کتنے ٹوٹے ہوئے آفتاب اور مہتاب
اس کے کھنڈروں میں بکھرے پڑے ہیں
کتنے ہی گیت، کتنے ہی نغمے
اس کی سانسوں میں الجھے ہوئے ہیں
اس کے ماتھے پہ سورج بھی چمکا
چاند بھی جگمگایا
غم کی گھنگھور کالی گھٹائیں بھی چھائیں
دکھ کی راتیں بھی بیتیں
سکھ کی صبحیں بھی آئیں
یہ مگر اک نئے عہد کی، اک نئی نسل کی منتظر تھی

میری دلّی
میری محبوب دلّی
غالبؔ و میرؔ کی سرزمین
اب تو غاصب شہنشاہوں کی داشتہ
اور خودکام جاگیرداروں کی لونڈی نہیں ہے
غیر ملکوں کے سرمایہ داروں کی منڈی نہیں ہے
تو ہماری امیدوں کا مرکز ہے، خوابوں کی تعبیر ہے
آرزوؤں کی تصویر ہے
تیرے چہرے پہ میں آج اک نور سا دیکھتا ہوں
جیسے تیری جبیں پر کروڑوں ستارے سمٹ آئے ہیں

ebooksgallery.com

یہ اشوک اور اکبر کے عہد حکومت کی تنویر ہرگز نہیں ہے
بلکہ جمہور کی مشعلوں کی ضیا ہے
دیکھ ہندوستاں کے کروڑوں سپوتوں کی نظریں
آج تیری طرف اٹھ رہی ہیں
یہ ہماری نگاہوں کی کرنیں ہیں جو تیرے رخسار پر نور کا جال سا بن رہی ہیں

روٹیوں کے لئے کتنے سوکھے ہوئے ہاتھ پھیلے ہوئے ہیں
کتنے ننگے بدن ایک کپڑے کی خاطر کھڑے ہیں
ان کو نفرت سے ان کو حقارت سے مت دیکھ
یہ فقیر اور بھکاری نہیں ہیں
تیرے ہندوستاں کے بہادر سپاہی ہیں جو
انقلاب اور بغاوت کی پگھلی ہوئی آگ میں جل چکے ہیں
ننگی تلواروں کی دھار پر چل چکے ہیں
یہ تری مملکت کے طرفدار ہیں
تیری قسمت کے معمار ہیں
تیری آزادی کے پاسباں ہیں
یہ انھیں کی رگوں کا لہو ہے
ان کے سینے کا خوں ہے
تیرے ماتھے پہ جو آج رنگ شفق
اور ہتھیلی پہ رنگ حنا بن گیا ہے

(3)

جاگ ہندوستان اپنے خواب گراں سے
دیکھ آزادی کی صبح کا نور پھیلا ہوا ہے

ebooksgallery.com

تیرے برسوں کے بچھڑے ہوئے لال گھر آرہے ہیں
یہ غلامی کی زنجیر کو توڑ آئے
قید خانوں کے در کھول آئے
اپنی آغوش میں ان کو بڑھ کر اٹھا لے
اپنے دل میں بٹھا لے
یہ ہمالہ ہے، یہ وندھیا چل ہے، یہ نیلگیری
یہ ترے کھیت ہیں، تیرے کھلیان ہیں
تیری کانیں ہیں یہ، باغ ہیں، یہ ترے کارخانے
یہ ترے سبز و شاداب میدان یہ ہنستی ہوئی وادیاں ہیں
یہ تری صاف و شفاف بہتی ہوئی ندیاں
تیری گودوں کی پالی ہوئی بیٹیاں ہیں
ان کو اپنے گلے سے لگا لے
اپنے پاکیزہ آنچل کے نیچے چھپا لے

دیکھ یہ اپنے خونیں کفن میں
تیرے لاکھوں شہیدوں کی روحیں کھڑی ہیں
جو تجھے تہنیت دے رہی ہیں
ان کی آنکھیں مسرت کے اشکوں سے نمناک ہیں
لیکن ان کے گریباں ابھی چاک ہیں
ان کو اپنی محبت سے سی دے
پرچموں سے کہو کھل کے انگڑائیاں لیں
فوجیں اپنی شکستہ صفوں کو جمائیں
فتح اور کامرانی کے ڈنکے بجائیں
توپیں جمہوریت کی سلامی اتاریں
اور طیاروں کو حکم دو

ebooksgallery.com

آسمانوں پہ چھوڑیں
اپنے مضبوط فولادی شہپروں کو ذرا آزمائیں
چاند تاروں کو آکاش سے توڑ لائیں
کشتیاں اپنے لپٹے ہوئے بادباں کھول دیں
اور جہاز اپنے لنگر اٹھائیں
سینۂ بحر سے شاہی جھنڈے ہٹا کر
اپنے جمہوری اور اشتراکی پھریرے اڑائیں

بچے گہواروں میں کھلکھلا کر ہنسیں
مائیں اشکوں میں بھیگے ہوئے آنچلوں کو سکھائیں
دیویاں مانگ میں اپنی سیندور بھریں
بیبیاں اپنے ہاتھوں پہ افشاں لگائیں
ناچیں ناچیں اجنتا کی شہزادیاں
اور ایلورا کی پریاں
اپنی صدیوں کی خاموشی کو توڑ کر گیت گائیں

کیتکی اور چمپا کی کلیاں
اپنی خوشبو بکھیریں
اور ہمالہ کی جھیلوں میں ہنستے ہوئے سرخ دلکش کنول
اپنی نازک ہتھیلی پہ رنگین شمعیں جلائیں
وادیاں مسکرائیں
کھیتیاں لہلہائیں
کوہسار اپنے سینوں کی دولت نکالیں
آبشار اپنی قوت دکھائیں
کانیں اپنے خزانوں کے در کھول دیں

ebooksgallery.com

اور ہندوستاں کے قدم پر
اپنے لعل و جواہر نچھاور کریں
آہنی کارخانوں سے کہہ دو
اپنے پہیوں کی رفتار کچھ تیز کر دیں
اور نغموں کے طوفاں اٹھائیں

(4)

آسماں پر چمکتے ہوئے صبح آزادی کے سرخ سورج
تو ہمیں دور سے کس لئے دیکھتا ہے؟
آ ہماری زمیں پر اتر آ

تیرے سینے میں وہ روشنی اور حرارت نہیں ہے
جو ہمارے دلوں میں
تیرے ماتھے پہ رنگ شفق ہے
اور ہماری جبیں پر ہمارے شہیدوں کا خوں ہے
روشنی تیری کرنوں کی سطح زمیں تک
اور ہماری نگاہوں سے دل کے کنول جل رہے ہیں
تو فقط صبح نو کا پیمبر ہے
ہم نئے عہد کے ترجماں ہیں

اپنے آکاش کے اونچے آسن پر بیٹھے ہوئے دیوتا
تو کروڑوں برس سے
اپنی ہی آگ میں جل رہا ہے
ایک ہی راہ پر صبح سے شام تک

ebooksgallery.com

شام سے صبح تک چل رہا ہے
آ ہماری زمیں پر اتر آ
ہم ترے دل کو انسان کی روح کا سوز دے دیں

اے ہزاروں برس کے تھکے ماندے بوڑھے مسافر
آ ہماری زمیں پر اتر آ
دو گھڑی ہند کے سبزہ زاروں میں آرام کر لے
اپنی جھولی کو پھولوں سے بھر لے
اور اپنے سفر پر چلا جا

ebooksgallery.com

فریب

15 راگست اور اس کے بعد

ناگہاں شور ہوا
لو شبِ تارِ غلامی کی سحر آپہونچی
انگلیاں جاگ اٹھیں
بربط و طاؤس نے انگڑائی لی
اور مطرب کی ہتھیلی سے شعاعیں پھوٹیں
کھل گئے ساز میں نغموں کے مہکتے ہوئے پھول
لوگ چلّائے کہ فریاد کے دن بیت گئے
راہزن ہار گئے
راہرو جیت گئے

قافلے دور تھے منزل سے، بہت دور، مگر
خود فریبی کی گھنی چھاؤں میں دم لینے لگے
چن لیا راہ کے روڑوں کو حذف ریزوں کو
اور سمجھ بیٹھے کہ بس لعل و جواہر ہیں یہی
راہزن ہنسنے لگے چھپ کے کمیں گاہوں میں

ebooksgallery.com

ہمنشیں یہ تھا فرنگی کی فراست کا طلسم
رہبرِ قوم کی نا کردہ قیادت کا فریب
ہم نے آزردگئی شوق کو منزل جانا
اپنی ہی گردِ سرِ راہ کو محمل جانا
گردشِ حلقۂ گرداب کو ساحل جانا

اب جدھر دیکھو ادھر موت ہی منڈلاتی ہے
درو دیوار سے رونے کی صدا آتی ہے
خواب زخمی ہیں، امنگوں کے کلیجے چھلنی
میرے دامن میں ہیں زخموں کے دہکتے ہوئے پھول
خون میں لتھڑے ہوئے پھول
میں جنہیں کوچہ و بازار سے چن لایا ہوں
قوم کے راہبرو، راہزنو
اپنے ایوانِ حکومت میں سجالو ان کو
اپنے گلدانِ سیاست میں لگالو ان کو

اپنی صد سالہ تمناؤں کا حاصل ہے یہی
موجِ پایاب کا ساحل ہے یہی
تم نے فردوس کے بدلے میں جہنم لے کر
کہہ دیا ہم سے گلستاں میں بہار آئی ہے
چند سکوں کی عوض چند ملوں کی خاطر
تم نے ناموسِ شہیدانِ وطن بیچ دیا
باغباں بن کے اٹھے اور چمن بیچ دیا

ebooksgallery.com

2

کون آزاد ہوا؟
کس کے ماتھے سے سیاہی چھوٹی؟
میرے سینے میں ابھی درد ہے محکومی کا
مادرِ ہند کے چہرے پہ اداسی ہے وہی

خنجر آزاد ہیں سینوں میں اترنے کے لئے
موت آزاد ہے لاشوں پہ گذرنے کے لئے

چور بازاروں میں بدشکل چڑیلوں کی طرح
قیمتیں کالی دکانوں پہ کھڑی رہتی ہیں
ہر خریدار کی جیبوں کو کترنے کے لئے

کارخانوں پہ لگا رہتا ہے
سانس لیتی ہوئی لاشوں کا ہجوم
بیچ میں ان کے پھرا کرتی ہے بیکاری بھی
اپنا خونخوار دہن کھولے ہوئے

اور سونے کے چمکتے سکّے
ڈنک اٹھائے ہوئے پھن پھیلائے
روح اور دل پہ چلا کرتے ہیں
ملک اور قوم کو دن رات ڈسا کرتے ہیں

روٹیاں چکلوں کی قحبائیں ہیں
جن کو سرمایہ کے دلّالوں نے
نفع خوری کے جھروکوں میں سجا رکھا ہے

ebooksgallery.com

بالیاں دھان کی گیہوں کے سنہرے خوشے
مصر و یونان کے مجبور غلاموں کی طرح
اجنبی دیس کے بازاروں میں بک جاتے ہیں
اور بدبخت کسانوں کی بلکتی ہوئی روح
اپنے افلاس میں منہہ ڈھانپ کے سو جاتی ہے

ہم کہاں جائیں، کہیں کس سے کہ نادار ہیں ہم
کس کو سمجھائیں، غلامی کے گنہگار ہیں ہم
طوق خود ہم نے پنہا رکھا ہے ارمانوں کو
اپنے سینے میں جکڑ رکھا ہے طوفانوں کو

اب بھی زندان غلامی سے نکل سکتے ہیں
اپنی تقدیر کو ہم آپ بدل سکتے ہیں

3

آج پھر ہوتی ہیں زخموں سے زبانیں پیدا
تیرہ و تار فضاؤں سے برستا ہے لہو
راہ کی گرد کے نیچے سے ابھرتے ہیں قدم

تارے آکاش پہ کمزور حبابوں کی طرح
شب کے سیلاب سیاہی میں بہے جاتے ہیں
پھوٹنے والی ہے مزدور کے ماتھے سے کرن
سرخ پرچم افق صبح پہ لہراتے ہیں

ebooksgallery.com

آنسوؤں کے چراغ

ہندستان کے شرنارتھیوں، اور پاکستان کے مہاجرین کے نام

1

میں سُن رہا ہوں
وہ سسکیاں جو زمیں کے سینے میں داغِ غم بن کے رہ گئی ہیں
وہ ہچکیاں جن کے سخت پھندے
رباب و بربط کی گردنوں میں پڑے ہوئے ہیں
وہ آہیں جو ظالموں کے ڈر سے
دلوں میں محبوس ہو گئی ہیں
وہ چیخیں جو مادرِ وطن کی
جراحتوں کے ہجوم میں جا کے کھو گئی ہیں
وہ گیت جو نوحۂ و فغاں کے
سیاہ خانوں میں چھپ گئے ہیں
وہ نغمے جو فریب کاری کے سبز باغوں میں سو گئے ہیں
وہ سازشیں جن کا زہر کام و دہن کو بیکار کر چکا ہے
وہ عہد ے جن کا نکیلا نشتر رگوں کے اندر اتر چکا ہے
وہ عہد و پیماں

ebooksgallery.com

کہ جن کے حرفوں سے وقت و تاریخ کی جبیں پر
سیاہ دھبے پڑے ہوئے ہیں

(2)

یہ کون ظالم ہے، جس نے قانون کے دہکتے ہوئے قلم سے
وطن کے سینے پہ خونِ ناحق کی ایک گہری لکیر کھینچی
یہ کیا ہوا ایک دم سے محفل میں سارے سازوں کے راگ بدلے
قدامتوں کے کھنڈر میں ماضی کے بھوت دیوانہ وار ناچے
بہار کے سرخ آنچلوں سے خزاں کے بیمار رنگ برسے

سحر کی رنگین وادیوں میں سیہ بگولے مچل رہے ہیں
ہزاروں سورج نکل نکل کر گہن کے سانچے میں ڈھل رہے ہیں
ہرے بھرے کھیت گرم شعلوں کے پیرہن میں دہک رہے ہیں
شگوفے لپٹے ہوئے دھویں کے سیہ کفن میں سلگ رہے ہیں
کٹے ہوئے ہاتھ اپنی بانہوں سے راہ روکے کھڑے ہوئے ہیں
پھٹے ہوئے آنچلوں کے ٹکڑوں میں عصمتوں کی جوان لاشیں
چھدی ہوئی دھرم اور مذہب کے خنجروں میں دلوں کی قاشیں
کٹی ہوئی چھاتیوں کی نس نس سے دودھ خوں بن کے رس رہا ہے

(3)

یہ رات ہے کس قدر بھیانک
یہ خواب ہے کس قدر پریشاں
ہزاروں سہمی ہوئی نگاہیں
بلکتی آنکھیں سسکتی پلکیں
اندھیری شب میں

ebooksgallery.com

کروڑوں اشکوں کے جھلملاتے چراغ لے کر
ہجوم میں قاتلوں کے انصاف کے فرشتے کو ڈھونڈتی ہیں

مگر میں یہ پوچھتا ہوں تم سے
شریف بہنو
غیور ماؤ
تمہاری آنکھوں میں بجلیوں کی چمک کے بدلے
یہ آنسوؤں کا وفور کیوں ہے

میں جانتا ہوں
تمہارے سینے میں، دل میں، زخموں میں، کتنے آنسو بھرے ہوئے ہیں
تم ان کی بوندوں سے آسمان و زمیں کا دامن بھگو چکی ہو
تم اس طلاطم میں وندھیا اور ہمالیہ کو ڈبو چکی ہو
مگر یہ خونابہ بار آنکھوں کی بہتی گنگا
زمیں پہ پھیلے ہوئے لہو کے سیاہ دھبے نہ دھو سکے گی
یہ جھلملاتے ہوئے دیئے ہیں
جو ظلم کے جھکڑوں مصیبت کی آندھیوں میں نہ جل سکیں گے
تم ان کی مدھم سی روشنی میں
حسین انصاف کے فرشتے کو کب تلک ڈھونڈھتی رہوگی
کہ وہ بھی اس مستقل وطن میں
تمہاری ہی طرح زخم خوردہ ہے اور آوارہ پھر رہا ہے

(4)

یہ کس سے فریاد کر رہی ہو
یہ کس کو آواز دے رہی ہو
تم اپنے زخموں کی راکھیاں لے کے کس کی محفل میں جا رہی ہو

ebooksgallery.com

تمہارے یہ راہبر نہیں ہیں
تمہارے یہ دادگر نہیں ہیں
یہ کاٹھ کی پتلیاں ہیں جن کو
سیاسی پردوں کے پیچھے بیٹھے ہوئے مداری
سفید ریشم کی ڈوریوں پر نچا رہے ہیں
یہ سامراجی بساطِ شطرنج کے پیادے ہیں جن کو شاطر
ہزار چالوں سے شاہ و فرزیں بنا بنا کر چلا رہے ہیں
یہی تو ہیں وہ جنھوں نے قانون کے دہکتے ہوئے قلم سے
وطن کے سینے پہ خونِ ناحق کی ایک گہری لکیر کھینچی
انھیں نے محفل کے ساز بدلے
انھیں نے سازوں کے راگ بدلے
یہی تو ہیں جو تمہارے اشکوں سے اپنے موتی بنا رہے ہیں
تمہاری عصمت، تمہاری عزت، تمہاری غیرت چرا رہے ہیں

یہ قصر وہ ہے کہ جس کے دیوار و در میں صدیوں کی لانتیں بس کے رہ گئی ہیں
یہ تاج وہ ہے کہ جس کی ضو میں
وطن کے چہرے کا رنگ تحلیل ہو گیا ہے
یہ تخت وہ ہے کہ جس کے پائے
ہمارے دل میں گڑے ہوئے ہیں
یہ فرش وہ ہے جہاں فرنگی کے بھوت دن رات چل رہے ہیں
یہاں شہیدوں کا خوں چھلکتا ہے موجِ رنگِ شراب بن کر
یہاں بلکتا ہے دردِ دل کا سرود چنگ و رباب بن کر
یہاں امیدوں کے پھول اور آرزو کے غنچے نہ کھل سکیں گے
یہاں تمہیں عدل اور انصاف کے فرشتے نہ مل سکیں گے

ebooksgallery.com

یہ ظالموں کا محل ہے، یہ قاتلوں کا مسکن ہے، یہ لٹیروں کی انجمن ہے

(5)

شریف بہنو، غیور ماؤ
تمہارے بھائی
تمہارے بیٹے
تمہاری فریاد سن رہے ہیں
ملوں سے، کھیتوں سے، کانوں سے تم کو آواز دے رہے ہیں
وہ دیکھو ان کے جوان سینوں میں عدل اور انصاف کی جوالا بھڑک رہی ہے
نگہ میں بجلی چمک رہی ہے
اندھیری شب سے پرے شفق کی سنہری مینا چھلک رہی ہے

وہ اپنے سینے کا سوز لائیں
میں اپنے نغموں کی آگ لاؤں
تم اپنی آہوں کی مشعلوں کو جلا کے نکلو
ہم اپنی روحوں کی تابنا کی سے اس اندھیرے کو پھونک دیں گے
کہ جس کے منحوس دامنوں میں
گناہ پروان چڑھ رہے ہیں

ebooksgallery.com

کشاکش

انقلابی صفوں میں اصلاح پسندی کے خلاف احتجاج

میں نے سرمایۂ افلاس کے ہنگامے میں!
سینۂ چاک سے اٹھتا ہوا دیکھا ہے دھواں
نعرۂ جنگ ہے، بیداد کی فریاد نہیں
نغمہ سنجانِ گلستاں کے کلیجے کی فغاں

سر پہ تلوار ہے، شہ رگ پہ دھرا ہے نشتر
گیت اس ساز پہ وہ کون ہے جو گائے گا
اب تو ممکن نہیں اس تلخ حقیقت سے فرار
قوم کا نام ہے اور راج ہے سرمائے کا

کیسے سمجھاؤں بہاروں کا گلابی جوڑا
آج تک روحِ خزاں زیبِ بدن کر نہ سکی
تشنگی کھیتوں کی، شبنم سے بجھی ہے نہ بجھے
چاندنی زخموں میں کافور کبھی بھر نہ سکے

ebooksgallery.com

کیسے ممکن ہے کہ سورج کی شعاعوں کی پھوار
شب کے فوارۂ تاریک میں رقصاں ہو گی
خارزاروں کی رگ و پے سے کھلیں گے غنچے
ریگ زاروں میں جواں روح گلستاں ہو گی

ایٹمی بم سے نہ گیہوں کے پھلیں گے خوشے
ٹینک لائیں گے نہ کھلیان میں کھیتوں سے اناج
پھول برسیں گے نہ تبسم کے نہ بمباروں سے
قتل و غارت سے بڑھے گا نہ محبت کا رواج

ہڈیاں جلتی ہیں اور خوں کے ابلتے ہیں کڑھاؤ
ایک آسیب ہے سرمایہ پرستی کا سماج
سر کٹی ہاتھ کٹی، پاؤں کٹی لاشوں سے
زندگی موت کے دربار کو دیتی ہے خراج

کارخانوں کے خدا ہوں گے زمیں کے مالک
جرم اور قتل پہ ہے ان کی حکومت کا مدار
یہ مجالس، یہ دفاتر، یہ عدالت گاہیں
ان میں انسان کا قانون سے ہوتا ہے شکار

آستینوں میں پروہت کے چھپے ہیں خنجر
بت تو معصوم ہیں، بیٹھے ہیں صنم خانوں میں
دھوم ساقی کی سخاوت کی بہت ہے لیکن
خون جمہور ہے، بٹتا ہے جو پیمانوں میں

ebooksgallery.com

بانجھ ہیں بانجھ غریبوں کی دعائیں جن کی
کوکھ سے امن کی دیوی تو نہ پیدا ہوگی
ہاں بدلتی ہے فقط جوشِ عمل سے تقدیر
حریت جنگ کے میداں میں ہویدا ہوگی

کاٹنا پڑتا ہے تلواروں کو تلواروں سے
اپنی طاقت کو ذرا اور بڑھانا ہوگا
ہے زمانے میں تشدد ہی تشدد کا جواب
جبر سے، ظلم کی ہستی کو مٹانا ہوگا

موجیں جب بڑھتی ہیں دریاؤں میں طوفان بدوش
اپنے ہر لوچ کو شمشیر بنا لیتی ہیں
جب اترتی ہیں فضاؤں سے زمیں پر کرنیں
سرخ نیزوں پہ اندھیرے کو اٹھا لیتی ہیں

ebooksgallery.com

غزل

سکوں میسّر جو ہو تو کیونکر، ہجوم رنج و محن وہی ہے
بدل گئے ہیں اگر چہ قاتل، نظامِ دار و رسن وہی ہے

فریب یہ دے دیا ہے کس نے کہ حریّت کی برات آئی
ترنگی چلمن اٹھاکے دیکھو تو ساحرِ مکر فن وہی ہے

ابھی تو جمہوریت کے پردے میں نغمۂ قیصری چھپا ہے
نئے ہیں مطرب اگر تو کیا ہے، نوائے سازِ کہن وہی ہے

ابھی تو دیوار و در پہ منڈلا رہے ہیں بیکاریوں کے سائے
ملوں کے اعصاب کا تشنج وہی رگوں کی تھکن وہی ہے

وہی ہے سرمایہ دار و مزدور کی کشاکش جو کل تلک تھی
لہو میں بھیگا ہوا زمانے کے جسم پر پیرہن وہی ہے

ebooksgallery.com

ناج کے رخ پہ ہے غریبوں کے خون ناحق کا گرم غازہ
ہیں جس میں پیچیدہ مار وکژدم یہ زلفِ عنبر شکن وہی ہے

لبوں پہ مہریں لگی ہوئی ہیں، زباں پہ تالے پڑے ہوئے ہیں
وہی ہیں آدابِ محفل اب بھی طریقۂ انجمن وہی ہے

بجھا رہا ہے زمانہ پیاس اپنی علم و حکمت کے میکدوں سے
ہماری محفل میں وہمِ شیخ و جہالتِ برہمن وہی ہے

جنھیں ہم اپنا سمجھ رہے تھے وہ آج بیگانے ہوگئے ہیں
جو غیر کے ابروؤں پہ کل تھی جبیں پہ ان کے شکن وہی ہے

ابھی تو خاشاک کے لئے ہے ہزار طوفان کی ضرورت
اٹھی تھی جو پیچ و تاب کھاتی یہ موجِ گنگ و جمن وہی ہے

بلند محلوں کے بام و گنبد پہ جھوٹی کرنوں کو ناچنے دو
جو کالی کٹیاؤں کو اجالا عطا کرے گی کرن وہی ہے

ebooksgallery.com

تلنگانہ

تلنگانہ کے چالیس لاکھ کسانوں کے نام جو آج مسلح بغاوت کررہے ہیں

1

تیز ہے وقت کی نبضوں میں لہو کی گردش
زلزلہ خیز ہے بپھرے ہوئے تاروں کا خرام
دھڑکنیں دل کی بجاتی ہیں دہل سینے میں
ہاتھ لہراتے ہیں سرمست پھریروں کی طرح

سیکڑوں سال کے لب بستہ دہن کھلتے ہیں
جوش گفتار میں پگھلے ہوئے لاوے کا ابال
کتنا بیباک ہے صدیوں کی خموشی کا خروش
آج فریاد میں تاثیر ہے للکاروں کی
آج ہر سانس میں جھنکار ہے تلواروں کی

تہلکہ رات کی سرحد پہ مچا رکھا ہے
لشکر صبح میں شب خون کی تیاری ہے
یہ ابلتے ہوئے نعرے ہیں کہ سیلاب عظیم

ebooksgallery.com

جو در و بام سے ایوانوں کے ٹکراتے ہیں
خس و خاشاک بہا جاتا ہے جاگیروں کا

آہنی قدموں کی آہٹ سے دہلتی ہے زمیں
ان کی رفتار کو دیتے ہیں بگولے بھی خراج
بجلیاں نقشِ قدم چوم کے رہ جاتی ہیں

2

یہ مجاہد، یہ بہادر، یہ جیالے، یہ کسان
برق و باراں کے حریف
جن کے چہروں پہ ہے دھرتی کا سکوں اور وقار
اور ہتھیلی میں لکیروں کے سوا کچھ بھی نہیں
کیاریاں بوتے تھے اشکوں کی، لہو کاٹتے تھے
آج ہر کھیت میں ہر دشت میں ہر میداں میں
اپنے سینے سے چھڑکتے ہیں لہو کے قطرے
بجلیاں پھلتی ہیں، گل کھلتے ہیں، بم اگتے ہیں

بوڑھے ہونٹوں سے جوانوں کو دعا ملتی ہے
انگلیاں پیار سے بندوقوں کو سہلاتی ہیں
گھر میں ڈھالے ہوئے بم گولوں کی پیشانی کو
عورتیں پھولوں سے صندل سے سجا دیتی ہیں
مائیں بچوں سے یہ کہتی ہیں کہ اکرام کرو
دیوتا آئے ہیں پرنام کرو
رات دن گاؤں میں، کھیتوں میں، بیابانوں میں

ebooksgallery.com

دیوتاؤں کا نکلتا ہے جلوس
نوجواں ہنستے ہوئے گاتے ہوئے
موت سے لڑنے کو میداں میں چلے جاتے ہیں
اور بغاوت سے سلگتی ہوئی دوشیزائیں
صندلی ہاتھوں میں شربت کے کٹورے لے کر
اپنا دل اپنی نگاہوں میں اٹھالاتی ہیں

نیند آنکھوں کی چرا لیتے ہیں ہتھیاروں کے خواب

کھیتیاں خوش ہیں کہ اب ان کی بہاروں کی خزاں
چھد کے رہ جائے گی جمہور کی سنگینوں میں
راہیں رقصاں ہیں کہ ذرّوں کے دھڑکتے ہوئے دل
ظلم کی فوج کے قدموں سے نہ زخمی ہوں گے
پانی ہنستا ہے کہ اب اس کا چھلکتا ہوا خون
کھیت سینچے گا نہ بدکار زمینداروں کے
گنگناتی ہیں ہوائیں کہ کلیجے ان کے
دکھ بھری چیخوں کے نشتر سے نہ چھلنی ہوں گے
قہقہے ٹوٹے ہوئے سازوں کو کرتے ہیں درست
صبحیں خوش رنگ ہیں شاموں کی جبیں ہے روشن
رات کی گود میں جلتے ہیں بغاوت کے الاؤ
ڈالیاں کرتی ہیں تیار شگوفوں کا لباس
فتح کے جشن منانے کے لئے

لب بیٹوٹے ہوئے بکھرے ہوئے جکڑے ہوئے ہاتھ
بڑھ کے محلوں کو اٹھا لیں گے کھلونوں کی طرح

ebooksgallery.com

3

میں بہت دور سہی تجھ سے پرے ارضِ دکن
تیرے جذبات وخیالات سے نزدیک ہوں میں
مرے سینے میں ترے نقشِ قدم روشن ہیں
تیرے بچوں نے مری گود میں بوئے ہیں جو بیج
وہ مرے نغمہ واشعار میں پھل آئے ہیں

ان دنوں تیرا تصور ہی ہے ہمدم میرا

"خبریں" جب آتی ہیں کاندھوں پہ اٹھائے ہوئے لاش
گود میں جنگ کے ٹوٹے ہوئے ہتھیار لئے
بھر کے چلو میں شہیدوں کے لہو کی بوندیں
وہ مری روح کے چہرے پہ چھڑک دیتی ہیں
اور مرے سینے میں اک آگ سی لگ جاتی ہے
میرا ہر قطرۂ خوں مجھ سے یہ کرتا ہے سوال

بولو ہم جنگ کے میدان میں کب اتریں گے؟
اس بغاوت کی حسیں راہ سے کب گذریں گے؟

ebooksgallery.com

غزل

تری ادائیں ہیں ساحرانہ، نہ تیرے انداز دل ربانہ
تو ہی بتادے کہاں سے آئیں گے مجھ کو آدابِ عاشقانہ

حقیر ہوکر نہ رہ سکے گی تری بلندی سے میری پستی
میں اپنے سجدوں سے کیوں بساؤں تری رعونت کا آستانہ

مرے لئے ایک سے ہیں دونوں وہ کوئی صیاد ہو، کہ گل چیں
نظامِ گلشن میں شاخِ گل سے الگ نہیں شاخِ آشیانہ

فریب دے کر حیات نو کا حیات ہی چھین لی ہے ہم سے
ہم اس زمانے کا کیا کریں گے اگر یہی ہے نیا زمانہ

خلیق بھی ہے، شفیق بھی ہے، کسی کو کوئی گلا نہ ہوتا
بس اک شکایت یہ ہے کہ پیرِ مغاں کی فطرت ہے تاجرانہ

ebooksgallery.com

غزل

امتحاں بزم وطن میں ہے وفاداری کا
اہرمن تخت نشیں ہے اسے یزداں کہیئے
کیجئے روح کو تیار غلامی کے لئے
شوق آزادیٔ انساں کو گریزاں کہیئے
کسی بھوکے کو بھی بھوکا نہ سمجھئے ہرگز
کوئی عریاں نظر آئے تو نہ عریاں کہیئے
یہ نہ کہیئے کی حکومت ہے مصائب کا سبب
گردش چرخ کہن، گردش دوراں کہیئے
کیجئے شاعری اس طرح کہ سمجھے نہ کوئی
ظلم اور جور کو بھی ناز حسیناں کہیئے
کوئی بھی بات سمجھنے کی نہ زحمت کیجئے
قلب اور ذہن کو آئینۂ حیراں کہیئے
کھینچ لیجئے رگِ الفاظ سے خونِ معنی
رقصِ بسمل کی جگہ رقصِ غزالاں کہیئے
ہر درندے کو پنہا دیجئے انساں کا لباس
اور جی کھول کے انسان کو حیواں کہیئے
رات دن کیجئے سرکار کی چوکھٹ کا طواف
اور اسے حاصلِ جاں حاصلِ ایماں کہیئے
شب تاریک کو سینے سے لگا کر رکھئے
اور اسے چشمۂ خورشید درخشاں کہیئے

ebooksgallery.com

دیجیے خاکِ وطن سے یہ محبت کا ثبوت
کہ خس و خار کو بھی رشکِ گلستاں کہیے
کیجیے کوچہ و بازار میں لاشوں کا شمار
اور پھر ہند کو فردوس بداماں کہیے
سیکھیے ساز پہ آہوں کے غزلخواں ہونا
جھلملاتے ہوئے اشکوں کو چراغاں کہیے
زہر کے جام کو نوشینہ سمجھ کر پیجیے
دل میں اترے ہوئے نشتر کو رگِ جاں کہیے
اپنے ہر زخم کو اک پھول تصور کیجیے
سرخیِ خونِ عزیزاں کو بہاراں کہیے
چارہ گر جانئے اس دور میں ہر قاتل کو
زندگی موت کو، اور درد کو درماں کہیے
تن سے چھن جائے تو رہزن کو دعائیں دیجیے
چاک ہوجائے تو دامن کو گریباں کہیے
خاک پر سوئیے آکاش کے سائے کے تلے
بسترِ مخمل و کمخواب و شبستاں کہیے
دخترِ دشمنِ ناپاک کو دیجیے بوسہ
اور اسے قیمتِ ناموسِ شہیداں کہیے
مختصر یہ ہے کہ اب سانس بھی لینا ہے حرام
تاکجا قصۂ احوالِ پریشاں کہیے

لطف تو جب ہے کہ دل دار و رسن سے کھیلے
اور اس شغل کو بازیچۂ طفلاں کہیے

25/ستمبر 1948

سیلابِ چین

انقلاب اب کہاں ہے
کون سی وادیوں میں
کون سی منزلوں میں
مرے شوق کا کارواں ہے؟
روس بھی سرخ رو اور یورپ کا مشرق بھی گلنار ہے
ہم بھی اس جانِ عصرِ رواں کے لئے
اپنی آنکھیں بچھائے ہوئے ہیں
اپنے زخموں کی پوشاک پہنے کھڑے ہیں
اپنے خوابوں کی شمعیں جلائے ہوئے ہیں
میں نے تاریک راتوں کے روشن ستاروں سے پوچھا
برق رفتار لمحوں کے اڑتے ہوئے شراروں سے پوچھا
انقلاب اب کہاں ہے؟
آفتاب اب کہاں ہے؟
''چین میں''
کوہساروں سے آواز آئی
مرغزاروں

ebooksgallery.com

گرجتے ہوئے آبشاروں

دہکتے ہوئے لالہ زاروں سے آواز آئی

''چین میں، چین میں''

وادیاں گونج اٹھیں

کوہ کی چوٹیاں گونج اٹھیں

ندیاں چین کا نام لے کر سمندر میں دوڑیں

چین کا نام لے کر سمندر سے گھٹائیں اٹھیں

شرق اور غرب میں

چین کا نام بارش کے قطروں کی صورت میں ٹپکا

پیاسی دھرتی نے اس نام سے اپنے لب تر کئے

اور کسانوں نے کھیتوں کو سینچا

کونپلیں نرم مٹی سے اس نام کو اپنے دل میں چھپا کر اگیں

اور یہ نام سو پھول بن کر کھلا

شہد اور عطر اور رنگ بن کر زمانے میں پھیلا

ہواؤں میں لہرایا

شعلوں میں لپکا

اور اک آتشیں داستاں بن گیا

پاک اور صاف کاغذ نے اس نام کو اپنے دل پر لکھا

پرچموں نے اسے اپنی پیشانیوں پر سجایا

اور سازوں نے گایا

اب ہوا

چین کے نام کو گنگناتی ہے

اور اب فضا

چین کے نام پہ مسکراتی ہے

ebooksgallery.com

اور کرۂ ارض کے شاعروں کے لئے

چین سب سے بڑا آیت، سب سے حسیں نظم ہے
چین ایک حوصلہ، اک امنگ اور اک عزم ہے
چین اک وحی ہے، ایک اپدیش ہے، ایک پیغام
ایشیا کے لئے ایک انعام ہے

چین کیا چیز ہے بیقراروں سے پوچھو
چین کیا چیز ہے غم کے ماروں سے پوچھو
چین بھوکوں کی روٹی ہے
ننگوں کا کپڑا ہے
بے گھر کا گھر ہے
چین مفلس کے زخموں کا مرہم
امیروں کا زخم جگر ہے
چین لاکھوں کروڑوں غلاموں کی آزادی
اور قیدیوں کی رہائی کا اعلان ہے
چین سرمایہ داری کی جلتی دھوپ میں
اک گھنے پیڑ کی چھاؤں ہے
چین چرچل، پنپل اور نہرو، ٹرومین اور مارشل کے لئے
چیانگ اور چیانگ کی طرح کے ڈاکوؤں کی سیہ کاریوں کے لئے
زہر اور موت کا جام ہے
چین انسانیت کا نیا نام ہے
اس لئے میں
کہ انسانیت کا مغنی ہوں
اس آتشیں راگ سے
اپنے بربط کو شعلہ فشاں کر رہا ہوں

ebooksgallery.com

چین اے ہند کے ہم نشیں،
ماؤزے تنگ کی سرزمیں،
لوہوسن کے وطن
اپنے گمبھیر سنگیت کی ایک ہلکی سی لے
ایک مدھم سی تان
اپنے طوفان کی ایک دو بجلیاں
اپنے جوالا مکھی کے خزانے کی دو چار چنگاریاں
میرے سینے میں بھر دے
اپنے شاعر کو سیراب کر دے
تاکہ میں تیری ہمت کی یہ داستاں اس طرح کہہ سکوں
جیسے بندوق کی باڑھ چلتی ہے
بارود جلتی ہے
جوالا مکھی پھوٹتا ہے

2

چین اک ملک تھا
بادشاہوں، غلاموں، کنیزوں، کسانوں کا اک دیس تھا
جس کے میداں قحط اور وباؤں سے آباد تھے
جس کے دریاؤں میں زرد سیلاب بہتے تھے
اور نیلے آکاش پر
بادلوں کی طرح ٹڈیاں اڑ رہی تھیں

چین اک سن رسیدہ گنہگار تھا
جس کے پیروں میں زنجیر، گردن میں طوق گراں تھا

ebooksgallery.com

جس کے سینے میں دل کی جگہ اک بڑا زخم تھا
ایک ناسور تھا
اور رگوں میں لہو کی جگہ صرف آنسو بھرے تھے
چین اک داشتہ، اک کنیز، ایک دوشیزہ کا نام تھا
جو ہزاروں برس سے برہنہ
زمانے کے بازار میں بک رہی تھی
جس کے رخسار خوف اور دہشت کے دو تمتمائے ہوئے پھول تھے
اور آنکھوں کی یخ بستہ جھیلوں میں غم جم گیا تھا
جس کے ٹھٹھرے ہوئے پیر مسلی روایات کی پٹیوں میں بندھے تھے

چین ایک بوڑھی ماں تھی
چیانگ نے جس کو بدکار جاپانیوں کی ہوس اور زنا کے لئے دے دیا تھا

چین ایک لاش تھی
جس پر انگریز، امریکی اور دوسرے سامراجی
گدھوں کی طرح سالہا سال منڈلائے ہیں
بوٹیاں جس کے سرمایہ داروں میں تقسیم ہوتی رہی ہیں
چین ظالم زمیندار اور جنگجو ڈاکوؤں کا وطن تھا
اپنے کاغذ کے پھولوں
چائے کی پیالیوں
اور افیون کی گولیوں کے لئے
ساری دنیا میں مشہور تھا
رحم اور بھیک، صبر اور قناعت کا بے جان پیکر تھا جس سے
حکمراں، مذہبی پیشوا، سامراجی لٹیرے
جونک کی طرح لپٹے ہوئے تھے

ebooksgallery.com

کل تلک چین اک شمع بے نور تھا
نغمۂ بے صدا تھا
ایک بے رنگ تصویر، اک بے اثر بددعا تھا
اور اب چین اک کارخانہ ہے جس میں
بجلیاں بن رہی ہیں
اور بم ڈھل رہے ہیں
جس کے کھیتوں میں دل اگ رہے ہیں
جس کی شاخوں میں گیہوں کے خوشے لگے ہیں
دھان کی بالیاں پھل رہی ہیں

3

ماؤزے تنگ کی فوج کتنی حسیں فوج ہے
ارتقا اور انسانیت کے سمندر کی اک موج ہے
جو کومنتانگ کے ریگزاروں کو غرقاب کرنے کو بیتاب ہے

اس میں مزدور ہیں
اس میں دہقان ہیں
اس میں جتنے سپاہی ہیں سب صرف انسان ہیں
اس میں رستے ہوئے زخم ہیں
درد کی ٹیسیں
آہوں کی بپھری ہوئی آندھیاں
آنسوؤں کے امنڈتے ہوئے گرم طوفاں
ماؤں کی گائی ہوئی لوریاں
اور محبت کی سرگوشیاں

ebooksgallery.com

ننھے معصوم بچوں کی کلکاریاں
نوجوانی کے خواب
آرزؤں کی تعبیریں
کھیتوں کی ہریالیاں
ندیوں کی روانی
لہکتے ہوئے سبز میدان کی وسعتیں
ریل کی پٹریاں
کارخانوں کے سرکش ہتھوڑے
مشینوں کے دل
اور کسانوں کے بھاری ہلوں کی چمکتی ہوئی تیز پھالیں
کدالوں کا فولاد
بندوق کی گولیاں
گوپھنیں، پھاوڑے، رسیاں، لاٹھیاں
چاولوں کی مہک، دھان کی بالیاں
اور لکڑی کے ٹوٹے کھلونے
اور اس فوج کے سامنے
چیانگ کے ٹینک بیکار
فاشزم کے سارے بمبار بیکار ہیں
یہ اندھیرے کے ڈیرے پہ دلکش اجالے کی یلغار ہے
نفرتوں سے محبت کی پیکار ہے
موت پر زندگانی کا اک آخری وار ہے
سرخ لشکر کے جرار دستوں کی یورش نہیں
بلکہ جنبش میں اب چین کی اونچی دیوار ہے
کس کی ہمت ہے جو اس کو ڈھائے
کس کی ہمت ہے جو اس کو پیچھے ہٹائے

ebooksgallery.com

اب یہ دیوار بڑھتی چلی جائے گی
ایک طوفان کی طرح چڑھتی چلی جائے گی

ماوزے تنگ کی فوج اک خوں کا سیلاب ہے
اس میں ملبار کا اور تلنگانے کا خون ہے
شعر کا اور افسانے کا خون ہے
اس میں کشمیر کا اور اِل نیر کا خون ہے
اس میں اسپین و یونان کا خون ہے
اس میں انسان کا خون ہے
جو بہایا گیا ہے
اور چوسا گیا ہے
جس سے سرمایہ داری کو جاگیرداری کو سینچا گیا ہے
کس کی ہمت ہے جو اس کی یورش کو روکے
کس کی ہمت ہے جو اسکو ٹوکے
اب یہ سیلاب بڑھتا چلا جائے گا
چین کی سرزمیں سے ملایا تلک
اور ملایا سے برما تلک
اور برما سے ہندوستان
اور ہندوستان سے فلسطین و یونان و اسپین تک
اب یہ طوفان چڑھتا چلا جائے گا
چین کے سرکشو، چین کے باغیو، مرحبا
اور آگے بڑھو، اور آگے بڑھو
وار پر وار کرتے چلو
دشت و کہسار کو اپنے دامن میں بھرتے چلو
موت اور خون کو فتح کرتے چلو

ebooksgallery.com

چین کی سرزمیں ایک قالین کی طرح قدموں کے نیچے بچھی ہے
شہراور گاؤں شربت کے لبریز پیالے ہیں
جو وادیوں اور میدانوں کی
کشتیوں میں سجائے گئے ہیں
ایک اک کر کے ان کو اٹھالو
اپنی صدیوں کی پیاس اب بجھالو

ساتھیو آج تم جنگ اور امن کے آخری کھیل میں
امن کے پاسباں ہو
ساری دنیا کی نظریں تمھیں پر لگی ہیں

دور تم سے بہت دور بنگال کے ایک گمنام سے گاؤں میں
ایک ماں ہے
اس کے آنچل میں اک لال ہے
جو ہمک کر تمھیں دیکھتا ہے

اور پیرس کے باغات کے ایک حسیں کنج میں
دودھڑکتے ہوئے دل تمہاری
فتح کے منتظر ہیں

اور افریقہ کے جنگلوں کی گھنی چھاؤں میں
اک حبشی حسینہ
اپنے محبوب کی یاد میں گا رہی ہے

اور اسپین میں

ebooksgallery.com

ایک دہقان زیتون کے باغ میں سو رہا ہے

اور جو ہو پہ نیلے سمندر کی موجیں
اپنے چاندی کے پانی سے ساحل کا منہ دھو رہی ہیں

ساتھیو آج یہ سب تمہارے طرفدار ہیں
سب تمہارے مددگار ہیں
اب تمہارے لئے لڑ رہے ہیں
اور میں گا رہا ہوں
اور مرے ساتھ پبلو نرودا، چلی کا جواں سال شاعر ہے
پیرس کا آتش نفس آراگوں ہے
سویت یونین کا جوالامکھی مایا کاوسکی ہے
لورکا، والٹ وہٹ مین،
گورکی اور پشکن
دانتے اور ہومر
سب ہم آواز ہیں
رات کی آبنوسی ہتھیلی پہ تاروں کے روشن کنول ہیں
صبح کے ہاتھ میں سرخ سورج کا آئینہ ہے
شوخ پھولوں کے سینے میں شبنم کے موتی بھرے ہیں
اور تمہاری دہکتی ہوئی انگلیاں
رائفل اور بندوق تھامے ہوئے ہیں
جن کی آواز میں امن کا گیت
آدمیت کا سنگیت ہے۔

ebooksgallery.com

جیل

تیرگی رِستی ہے
جیسے زخموں سے سیہ خون کی بوندیں ٹپکیں
خامشی چلتی ہے
چیونٹیاں جیسے بدن پر رینگیں
قید میں چلتے ہوئے سایوں کے
اور پتھرائی ہوئی آنکھوں کی اندھی دیوار
ٹکٹکی باندھے ہوئے دیکھتی ہے
درد کی طرح سے اٹھتی ہیں امنگیں دل میں
ٹیس کی طرح سے بھولی ہوئی یاد آتی ہے
جیل کی خاک سے آہوں کا دھواں اٹھتا ہے
اور لوہے کی سلاخوں میں بدل جاتا ہے
بیڑیاں روتی ہیں، زنجیریں فغاں کرتی ہیں
کوڑے چیخ اٹھتے ہیں جلاّدوں کی خونخواری پر
کتنی صدیوں سے ہے قائم یہ تشدد کا نظام
آج اہنسا کے پجاری ہیں محافظ جس کے
دھارے اس وادیٔ خاموش میں تھم جاتے ہیں
آنسو آنکھوں سے ٹپکتے نہیں جم جاتے ہیں
نالے بے سود ہیں بیکار ہے فریاد یہاں
ہم ہیں صید اور ہر اک ذرّہ ہے صیّاد یہاں
اپنے ہاتھوں سے تشدد کو مٹانا ہوگا
آہن و سنگ کی دیوار کو ڈھانا ہوگا

☆☆☆☆

ebooksgallery.com

جشنِ بغاوت

ساتھیو لال سلام

آج ٹکراتے ہیں ایوانِ حکومت سے عوام
آج آقاؤں کی گردن پہ جھپٹتے ہیں غلام
آج ہے خاک بسر ظلم و تشدد کا نظام
آج شاعر کی زباں پر ہے بغاوت کا پیام
ساتھیو لال سلام

آج ہر گام پہ سو سرخ علم لہراؤ
گاؤ استالن و لینن کے ترانے گاؤ
اک ایڑ اور بھی رہوارِ بغاوت کو لگاؤ
لکھ دو پیشانیٔ تاریخ پہ مزدور کا نام
ساتھیو لال سلام

وادیٔ سنگ سے نکلا ہے شراروں کا جلوس
شب کی راہوں سے گزرتا ہے ستاروں کا جلوس
چین کے سرخ افق پر ہے بہاروں کا جلوس
ماؤ کے ہاتھ میں آزادیٔ انسان کا جام
ساتھیو لال سلام

ebooksgallery.com

آسمانوں کو ہلاتا ہے زمیں کا بھونچال
ناچتی پھرتی ہے ویران ملوں میں ہڑتال
موجیں دیتی ہیں گرجتے ہوئے طوفان کو تال
ڈھل گیا وقت کی رفتار میں بجلی کا خرام
ساتھیو لال سلام

بجھ گئی سینۂ انجن میں دہکتی ہوئی آگ
سو گئے چمن سے شعلوں کے لپکتے ہوئے ناگ
بھاپ گاتی نہیں اب تیز ئی رفتار کے راگ
پٹریاں بیٹھی ہیں لوہے کا بچھائے ہوئے دام
ساتھیو لال سلام

ڈوبتی رات کے تاروں کو کفن پہنادو
مارشل چیانگ کے پیاروں کو کفن پہنا دو
ہند کے راج دلاروں کو کفن پہنا دو
گھر میں سرمایہ کے مدت سے مچا ہے کہرام
ساتھیو لال سلام

پھونک دو کالے فرنگی کے صنم خانے کو
کھود کر گاڑ دو بزدلی کے افسانے کو
آج جاتی ہے ہراک راہ تلنگانے کو
قافلے کر نہیں سکتے کسی منزل پہ قیام
ساتھیو لال سلام

ebooksgallery.com

رومان سے انقلاب تک

(پندرہ برس کی ترقی پسند شاعری پر تنقید)

ساتھیو اب میری انگلیاں تھک چکی ہیں
اور مرے ہونٹ دکھنے لگے ہیں
آج میں اپنے بے جان گیتوں سے شرما رہا ہوں
میرے ہاتھوں سے میرا قلم چھین لو
اور مجھے ایک بندوق دے دو
تا کہ میں اپنے نغموں میں فولاد و بارود کا زور بھر دوں
میں تمھاری صفوں میں تمہاری طرح
اپنے دشمن سے لڑنے چلوں گا
میں تمھارے نفس کی حرارت
تمھارے لہو کی روانی
تمہارے دلوں کی تڑپ چاہتا ہوں

میں ادب کی بلندی سے واقف ہوں مجھ کو
شعر کی قوتوں کا بھی احساس ہے
جن سے ریگ بیاباں میں طوفاں اٹھے ہیں

ebooksgallery.com

لیلیٰ اب مجھ کو اس دور کے
سارے اشعار بے کیف سے لگ رہے ہیں
وہ مرے اپنے اشعار ہوں یا کسی اور کے
ان میں تلوار کی دھار بجلی کی تیزی نہیں ہے
صرف اشکوں کے طوفان، خوابوں کے رومان ہیں
خوں کی گرمی نہیں ہے

میں نے ہر طرح کے گیت گائے
میں نے ہر رنگ کے پھول برسائے لیلیٰ
پھول زخموں میں اور گیت فریاد میں کھو گئے

میں نے زخموں پہ اشکوں کا مرہم لگایا
میں نے آہیں بھریں
میں نے اپنی امنگوں کی لاشوں پہ ماتم کیا
اپنی مردہ محبت کی قبریں بنائیں
اور انھیں جا کے بازار میں بیچ آیا

میں نے برفاب جسموں کو پگھلا دیا
تھرتھراتے ہوئے نرم آنچل کو سینوں سے ڈھلکا دیا
اور پہلی محبت کے پھولوں سے شبنم کے موتی چنے
اور انھیں
چند کاغذ کے ٹکڑوں میں
کپڑے کی جلدوں میں محفوظ کر کے
کتب خانوں میں رکھ دیا
ان کے اوراق پر تہہ بہ تہہ

ebooksgallery.com

ماہ اور سال کی گرد جمتی رہی
اور میں اپنے جذبات کی دھندلی دھندلی فضاؤں میں کھوتا گیا
زندگانی کی شورش سے کچھ اور بھی دور ہوتا گیا

میں نے دہلی میں پنجاب میں اپنے نغموں کی جھولی پساری
اور ایک ایک سے امن کی بھیک مانگی
ان کو مجھ پر ترس آ گیا
(اس سے کیا بحث وہ کون تھے
راہزن تھے کہ جلاد تھے
پھر بھی انسان تھے
آخرش وہ مرے ہم وطن تھے)
اور انھوں نے میری گود میں
چند جھلسے ہوئے ہاتھ
ٹوٹی ہوئی ہڈیاں
خوں میں لتھڑی ہوئی چھاتیاں پھینک دیں
روٹیوں کو کبھی میں نے چاند اور سورج سے تشبیہہ دی اور کبھی رنڈیوں سے
اور وہ چاند سورج کی مانند ہم سے بہت دور نیلی فضاؤں میں اڑتی رہیں
صرف خوابوں میں صورت دکھاتی رہیں
رنڈیوں کی طرح
نفع خوری کے اونچے جھروکوں میں بیٹھی ہوئی مسکراتی رہیں
آنتیں روتی رہیں پیٹ یوں ہی بلکتے رہے
بھوک کی آگ میں روح اور دل سلگتے رہے

میں نے اپنے تخیل میں خوابوں سے کپڑے بنے
اور ستاروں سے آنچل بنائے

ebooksgallery.com

میں نے ان کارخانوں کے نغمے سنے
جو ابھی صرف میرے تصور میں محبوس ہیں
اور میرا وطن چیتھڑوں میں ہی لپٹا رہا

ریت سے میں نے کتنے گھروندے بنائے
اور ہمالہ کی نیلی چٹانوں کے دل کو ٹٹولا
میں نے پتھر کے سینے میں محراب و مینار کا حسن دیکھا
اور مرا ذہن کیا جانے کتنے ستوں، کتنے دیوار و در ڈھال لایا
میں نے اپنے وطن کو سجایا
اس کے ایک ایک ذرّے کے دل میں اجنتا ایلورا بسایا
پھر بھی میرا وطن آج ویران ہے
اس کے محلوں میں چور اور ڈاکو بسے ہیں
اور انسان سڑکوں پر آوارہ ہیں

اور میں سوچتا ہوں کہ میں کون ہوں
کس کا شاعر ہوں
کس کے لئے گا رہا ہوں

اک طرف اونچے اونچے محل ہیں
اک طرف جھونپڑے ہیں
اک طرف گوشت کے اور چربی کے بورے دھرے ہیں
اک طرف سخت فولاد کے سخت اعصاب ہیں
اک طرف ظلم اور جبر کی قوتیں ہیں
اک طرف عدل و انصاف کا زور ہے
اک طرف ماؤ ہے اک طرف جیا نگ ہے

ebooksgallery.com

اک طرف مارشل ہے اک طرف مالوتاف
اک طرف کالی فسطائیت اک طرف انقلاب
اک طرف ایلیٹ اک طرف گورکی
اک طرف فصل گل اک طرف کارزار خزاں
اک طرف عہد ماضی کی ویرانیاں
اک طرف آنے والے زمانے کی تعمیر
اک طرف شب کی پرہول پرچھائیں ہے
اک طرف سرخ سورج کی تنویر ہے
اک طرف موت ہے اک طرف زندگی ہے
اک طرف تیرگی اک طرف روشنی ہے
اک طرف خامشی اک طرف شاعری ہے

شاعرو، ساتھیو
وقت نے فیصلہ کر دیا ہے
بولو تم آج کس کے طرفدار ہو
کس کے غم خوار ہو
آج بندوق بربط ہے فولاد کی گولیاں راگنی ہیں

شاعرو ساتھیو
اپنے تاریک اندیش رومان کے ساز کو توڑ دو
اپنی مضراب کو پھینک دو
اس کے نغموں سے آنسو ٹپکتے رہیں گے
اپنی شہرت کے اونچے مناروں سے
نیچے اتر آؤ
اپنے کتب خانوں سے

ebooksgallery.com

آؤ باہر نکل آؤ
اور زندگانی کی رفتار دیکھو
عہد حاضر کے انسان کا جوش دیکھو

شاعرو ساتھیو
کاکلوں کی گھنی چھاؤں سے
سرخ پرچم کے گھنے سائے میں آؤ
اور نئے گیت گاؤ
گاؤ مزدور کے ساز پر
گاؤ جمہور کے ساز پر
آہنی کاروانوں کے قدموں کی آواز پر
گاؤ جس طرح میداں میں کوئی مجاہد رجز پڑھ رہا ہو
گاؤ جیسے سمندر میں طوفان کا دیوتا چڑھ رہا ہو
گاؤ گاؤ گرجتے ہوئے بادلوں کی طرح
گاؤ گاؤ کڑکتی ہوئی بجلیوں کی طرح
آندھیوں کی طرح
زلزلوں کی طرح
گولیوں کی طرح اپنے الفاظ دشمن پہ برساؤ
سارے عالم پہ چھا جاؤ

مارچ 1949

ebooksgallery.com

ebooksgallery.com

امن کا ستارہ

1950

ebooksgallery.com

ebooksgallery.com

امن عالم کے مجاہدوں کے نام!

ebooksgallery.com

جنگ باز خونخوارو

ہم تمھیں سزا دیں گے

یہ غرورِ زر داری

خاک میں ملا دیں گے

خون کے پیاسے ہو

ہم مزا چکھا دیں گے

وہ نظام، وہ دنیا

جس میں جنگ پلتی ہے

ایک دن مٹا دیں گے

سردار جعفری

ebooksgallery.com

پیش لفظ

یہ تین طویل نظموں کا مجموعہ ہے جسے کسی پیش لفظ یا دیباچے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں وہ میں نے اپنی نظموں میں کہا ہے۔ صرف ایک نظم ''استالن گتھا'' کے بارے میں تھوڑی وضاحت کی ضرورت ہے۔

''یہ نظم اردو ہندی کی سب سے عام اور مقبول بحر میں لکھی گئی ہے۔ میں نے عام طور سے ساڑھے سات ارکان استعمال کیے ہیں لیکن کہیں کہیں جذباتی بہاؤ اور اس کی پیدا ہونے والی شاعرانہ روانی سے مجبور ہو کر آٹھ ارکان بھی استعمال کر لیے ہیں۔ میں بڑی آسانی سے ساڑھے سات ارکان تک محدود رہ سکتا تھا لیکن میں نے اس کی ضرورت نہیں سمجھی۔ کیوں کہ اس پر غیر ضروری اصرار کٹر قسم کی فنی اصول پرستی اور اس سے پیدا ہونے والی تنگ نظری اور تعصب کے سوا کچھ نہیں۔

دو چار لفظ زبان کے متعلق زبان میرے نزدیک مقصود بالذات نہیں ہے وہ ایک سماجی وسیلہ ہے جس کے ذریعہ سے ایک انسان کے خیالات اور جذبات دوسرے انسان تک پہونچتے ہیں اور اس لیے وہ خیالات و جذبات اور سماجی ضروریات کی پابند ہے۔ میری شاعری خواص کے لیے نہیں ہے بلکہ عوام کے لیے ہے اور میری خواہش اور کوشش ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس کو سمجھ سکیں کارخانوں میں کام کرنے والے مزدور اور کھیتوں میں ہل جوتنے والے کسان۔ اس لیے میں نے بول چال کی زبان کو بنیاد بنایا ہے اور کہیں کہیں ''بازاری'' محاورے اور الفاظ بھی استعمال کر لیے ہیں جو بہت سے ''سخن شناسوں'' کو ناگوار گزریں گے۔ لیکن ''ناشناسوں'' کو بہت مزہ آئے گا، میں عام طور سے اچھی شاعری میں ''بازاری'' محاوروں اور زبان کا استعمال جائز سمجھتا ہوں لیکن ایک ایسے سماج میں جس کی اکثریت کا بہت بڑا حصہ جان بوجھ کر ان پڑھ اور جاہل رکھا گیا ہو اگر عوامی شاعری ''بازاری'' محاوروں اور الفاظ ہی سے نہیں بلکہ گالیوں سے بھی کام لے تو کوئی ہرج نہیں ہے کیوں کہ ہم جس طبقے کے خلاف جدوجہد کر رہے ہیں اس کے کردار و افعال اتنے گھناؤنے ہیں کہ ہماری زبان کے ''مہذب'' الفاظ اس گھناؤنے پن کو ادا کرنے سے قاصر ہیں۔ اس لیے ان کے خلاف نفرت کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے ''بازاری'' محاوروں اور الفاظ کو یہ سماجی فریضہ انجام دینا پڑے گا۔

ebooksgallery.com

میں نے ایک اور جرأت کی ہے یعنی دیہاتی بولی کے ساتھ ہندی اور اردو کی ادبی زبان کی آمیزش کردی ہے اور کہیں کہیں لفظوں کا وہی تلفظ باقی رکھا ہے جو ان پڑھ زبانوں پر ہے۔ مثلاً کارخانوں کی جگہ ''کرخانوں'' اور بدمعاشوں کی جگہ ''بدماشوں'' لکھا ہے۔

اس نظم میں رومانیت کی آمیزش ضرور ہے لیکن مبالغہ کہیں نہیں ہے۔ لیکن یہ رومانیت تاریک اندیش نہیں بلکہ روشن نظر ہے۔ مبالغے کی ضرورت مجھے اس لیے پیش نہیں آئی کہ اشتراکی حقیقت خود مبالغے اور تخئیل سے بھی زیادہ حسین اور شاعرانہ ہے۔ انسانی تخئیل اور جذبات نے صدیوں جس حسین وجمیل دنیا کی تعمیر کے خواب دیکھے ہیں اور جنھیں گیتوں داستانوں اور کہانیوں میں بند کردیا ہے، سوویت یونین کی تعمیر اس سے بھی کہیں زیادہ حسین ہے۔ خوابوں، افسانوں اور گیتوں پر حقیقت کی یہ فتح استالن کے خلاق اور معمار ہاتھوں کی مرہونِ منت ہے۔

سوویت یونین سرمایہ داری، سامراج، ظلم اور استحصال کو مدت ہوئی ختم کرچکا۔ آج وہاں کے سائنس داں مریخ کا نباتاتی مطالعہ کرکے ٹنڈرا کے برفستانوں میں ہرے بھرے پودے اگانے کی کوشش کررہے ہیں، وہ ہزاروں میل لمبے دریاؤں کا رخ موڑ کر ریگستانوں کی آب پاشی کررہے ہیں۔ پہاڑوں کو گراکر یا نئے جنگل لگا کر موسموں کو تبدیل کررہے ہیں۔ وہ ٹینکوں سے ہل جوتتے اور بمباروں سے ٹڈیاں مارنے کا کام لیتے ہیں۔ وہ ایسا ''سدابہار'' گیہوں اگا رہے ہیں جسے بار بار بونے کی ضرورت نہیں۔ اور سائنس کی قوتوں کو ایٹم بم بنانے کے بجائے گائے کا دودھ بڑھانے اور باجرے کی بہتر فصل اگانے کے لیے استعمال کررہے ہیں انھوں نے ذہنی اور جسمانی محنت کا فرق مٹادیا ہے اور اس طرح ایک ایسی تخلیق کی ہے جسے صحیح معنوں میں انسان کہتے ہیں۔

اس انسان سے سرمایہ داری دنیا خائف ہے خون اور آنسوؤں کے بیوپاری، بنکوں، رائفلوں اور بمباروں کے مالک اور تاجر بوکھلائے ہوئے ہیں اور اس انسان کو مٹانے کے لیے جنگی تیاریاں کر رہے ہیں کیونکہ یہ انسان اس حیوان کی موت کا اعلان ہے جسے سامراجی اور فاشسٹ کہتے ہیں۔ لیکن یہ انسان جو سب سے پہلے سوویت یونین میں جوان ہوا ہے، جو مشرقی یورپ اور چین میں بھی پیدا ہوچکا ہے اور دنیا کے ہر ملک میں پیدا ہونے کے لیے بیتاب ہے، دنیا کے امن کی سب سے بڑی ضمانت ہے۔

استالن اسی انسان کا معمار ہے، وہ دیوتا، پیمبر اوراوتار نہیں ہے بلکہ اس انسان کی سب سے مکمل تصویر ہے، اس لیے ہمارے دل استالن کی محبت اور عقیدت سے سرشار ہیں۔

بمبئی، فروری 1949 سردار جعفری

ebooksgallery.com

سویت یونین
اور
جنگ باز

یہ سوویت کی سر زمیں جو فخرِ روزگار ہے
محبتوں کی انجمن جو سب کی دوست دار ہے

بدل دیا ہے موسموں کو جس نے وہ ہوا ہے یہ
نئے ستارے ناچتے ہیں جس میں وہ فضا ہے یہ
جو زندگی کو موہ لے وہ دلربا ادا ہے یہ
یہ عشق کی زمین ہے یہ حسن کا دیار ہے

ملوں میں کھیتیوں میں محنتوں کی حکمرانیاں
ٹرکٹروں کے گرد ناچتی ہوئی جوانیاں
سرور، کیف، شعر، نغمہ، داستاں، کہانیاں
خزاں کا نام بھی نہیں بہار ہی بہار ہے

ebooksgallery.com

تھرک رہی ہے زندگی فراغتوں کی چھاؤں میں
حسین گیت تیرتے ہیں نیلگوں فضاؤں میں
یہاں غموں کی بیڑیاں نہیں کسی کے پاؤں میں
نہ کوئی اشک بار ہے نہ کوئی سوگوار ہے

درخت، پھول، پھل، بہار، آدمی کے واسطے
زمین، کھیت، کوہسار آدمی کے واسطے
شکوہ و عظمت و وقار آدمی کے واسطے
یہاں ہر ایک شے پہ آدمی کا اختیار ہے

یہ دشمنوں کے ساتھ اپنا زور آزما چکے
یہ زرگری کی سازشوں کو خاک میں ملا چکے
یہ لوٹ اور کھسوٹ کی بساط ہی اٹھا چکے
اب ان کی محنتوں سے ان کی خاک لالہ زار ہے

ستم کو ختم کر دیا ستم کے ہاتھ کاٹ کر
ہزار گل کھلا دیئے ہیں شاخ گل کو چھانٹ کر
یہ کتنے خوش ہیں باہمی مسرتوں کو بانٹ کر
نگاہ باشعور ہے، شعور پختہ کار ہے

یہ سب کے خیر خواہ ہیں انھیں کسی سے کد نہیں
یہ سب کے دوست ان کی دوستی کی کوئی حد نہیں
دلوں میں فتنہ و فساد و کینہ وحسد نہیں
بدی کو خوف، نیکیوں کو ان پہ اعتبار ہے

جو ہاتھ روس کی طرف بڑھے گا ٹوٹ جائے گا
جو جان لینے آئے گا وہ اپنی جاں گنوائے گا

ebooksgallery.com

جو جنگ کیلیے اٹھے گا بچ کے جا نہ پائے گا
یہ نازیت کی قبرسامراج کا مزار ہے

ادھر قدم بڑھاؤ گے تو پھر پلٹ نہ پاؤ گے
لہو بہاکے اپنے ہی لہو میں ڈوب جاؤ گے
یہاں تم اپنی قبراپنے ہاتھ سے بناؤ گے
یہ روح و دل کا مورچہ حیات کا حصار ہے

تم اسکو دیکھتے ہو صرف نقشہ ہائے جنگ میں
اسیر کر دیا ہے سوویت کو ایک رنگ میں
مگر بسا ہوا ہے وہ ہماری ہر امنگ میں
ہمارے دل کا گیت ہی ہمارے دل کا تار ہے

یہ سرحدیں وہ سرحدیں ہیں جن کی انتہا نہیں
یہ نقش نقش دل ہے، کاغذوں پہ جو لکھا نہیں
اسے مٹا سکے کسی میں اتنا حوصلہ نہیں
یہ آدمی کی روح ہے، یہ روح کا وقار ہے

ہے ایک سوویت کا دیس خاک پر بسا ہوا
مگر اک اور ہے ہمارے خون میں رچا ہوا
ہماری آرزو، ہمارے خواب میں سجا ہوا
یہ خواب وہ ہے جس کا کل زمیں کو انتظار ہے

نومبر 1948

ebooksgallery.com

استالن کتھا

(ڈھولک پر گانے کے لیے)

آزادی کے لڑنے والو، سنو کتھا استالن کی
سارے جگ میں جسکے دم سے اجیاری ہے لینن کی
جس نے نربل نردھن جن کو مکتی مارگ دکھایا ہے
جس نے جنتا کی شکتی سے جنتا راج بنایا ہے
جس نے پونجی واد کے ہتھیارے ہاتھوں کو کاٹ دیا
جس کے لوہ نے انیائے کے بھاڑ سے منہہ کو پاٹ دیا
اجڑے ہوئے دل پھر سے بسائے سینوں کو آباد کیا
مزدوروں کے ادھنا یکتو سے دنیا کو شاد کیا
چمکا سوریہ کرن بن کر جس کے ماتھے کا اجیالا
دہک اٹھی جسکی درشٹی سے وشو کرانتی کی جوالا
جسکا خزانہ میری تیری خوشیاں ہیں ایسا دھنوان
جس نے سمے کی دھارا کا رخ موڑ دیا ایسا بلوان
لینن اسکا گرو اور ساتھی جنتا اس کی سینا ہے
وہ کہہ دے تو مرنا ہے اور وہ کہہ دے تو جینا ہے

ebooksgallery.com

آزادی کے لڑنے والو سنو کتھا استالن کی!
سارے جگ میں جسکے دم سے اجیاری ہے لینن کی
روس کی پرجا بھوکوں مرتی جیسے ہند کی پرجا آج
روس کا راجہ لہو کا پیاسا جیسے ہند کے نیتا آج
فوج پولس اور لاٹھی گولی، جیلیں پھانسی کوڑے تھے
روس کے تن پر سونے چاندی کے پھوڑے ہی پھوڑے تھے
جال بچھا تھا انگریزی اور امریکی دھن والوں کا
دھرتی دولت والوں کی تھی دیس تھا وہ کنگالوں کا
مل کے مالک مزدوروں کا خون چراتے رہتے تھے
انسانوں کو لوہے کے دانتوں سے چباتے رہتے تھے
پیلے پیلے بھوک کے دیدے ہونٹ پیاس کے نیلے تھے
انیائے کے کالے ہاتھ نیائے کے خون سے گیلے تھے
گاؤں گاؤں کے گھائل دل میں جاگیروں کے خنجر تھے
امیدوں کے پہلو میں ناامیدی کے پتھر تھے
کھیت کی ساری فصلیں پکنے سے پہلے چھن جاتی تھیں
دہقانوں کے باغ کی کلیاں کھلتے ہی بن جاتی تھیں
بھوکے رہتے دھوبی، موچی، بنجارے اور لکڑہارے
دھن کی ناگن روٹی پانی پر بیٹھی تھی کنڈلی مارے
رین دنا محنت کرتے تھے، سانجھ سکارے روتے تھے
اندھوں آگے روتے تھے اپنی بھی آنکھیں کھوتے تھے
ان کو مکتی راہ دکھائی لینن اور استالن نے
ان کی دنیا نئی بنائی لینن اور استالن نے
بھوک کے دل سے ہوک اٹھی اور لینن بن کر للکاری

ebooksgallery.com

مظلومی کی آہ سے بھڑکی استالن کی چنگاری
دکھ نے اپنی بھٹی میں جب لاکھ دلوں کو پگھلایا
اک نیا دل بن کر دھڑکا اور استالن کہلایا
استالن کا بچپن بیتا کاکیشس کے پہاڑوں میں
اور جوانی جیلوں میں یا سابریا کے جاڑوں میں
اسکا سر اونچا ہی رہے گولاکھ مصیبت پڑتی جائے
جتنی مصیبت بڑھتی جائے، اتنی ہمت بڑھتی جائے
موت کے گھپ اندھیارے میں وہ جیون جیوتی لے کر آئے
مزدوروں کی ہر ٹولی میں لینن کا اپدیش سنائے
کچا چٹھا بتلائے مل والوں کا دھن والوں کا
گر سکھلائے محنت کرنے والوں کو ہڑتالوں کا
بندوقوں اور سنگینوں کی باڑھ پہ بھی آگے ہی بڑھے
مزدوروں کا لشکر لے کر فوج پولس پر ٹوٹ پڑے
مزدوروں کو بتلائے سب دولت ہے مزدوروں کی
کیا ہے منافع آخر؟ فاضل محنت ہے مزدوروں کی
بارہ گھنٹے محنت کرکے چھ گھنٹے کی اُجرت پائیں
مل والوں کی دولت باڑھے محنت والوں کی بپتا ئیں
کب تک یہ اندھیر نگر، چوپٹ راجہ کا تخت و تاج
اپنی محنت، اپنا منافع، اپنی دولت اپنا راج
محنت کو یہ خواب دکھایا، لینن اور استالن نے
محنت کش دنیا کو جگایا، لینن اور استالن نے
مزدور اور کسان کی ایکتا کرانتی کا ہتھیار بنی
جن بپتا، جن شکتی، اور جن شکتی اک سنسار بنی

ebooksgallery.com

لینن نے مزدوروں کے فولاد سے اک تلوار بنائی
ستالن کے فولادی ہاتھوں نے اس کو سان لگائی
اس کی دھار نے جنتا کے پیروں کے بندھن کاٹ دیئے
سرمایہ داری کے سنہرے ہاتھ کے کنگن کاٹ دیئے
کیسی لچکتی، کیسی چمکتی، کیسی پیاری کیا کہنا
کیسی نیاری، کیسی کاری، کیسی دودھاری کیا کہنا
خوش ہوکر محنت کرنے والوں نے یہ تلوار اٹھائی
لینن کی یہ پارٹی سارے جگ میں بالشوک کہلائی
روس کے زار کی گردن باندھی پارٹی کی تدبیروں نے
مزدور اور کسانوں کے ہاتھوں کی کڑی زنجیروں نے
لینن نے جب ہاتھ اٹھایا، اور استالن للکارا
روس کے کونے کونے میں دہکا کرانتی کا انگارا
لال پھریرا لے کر نکلے نردھن مزدور اور کسان
مل پر دھرنا دیکر بیٹھے بانٹ لیے سارے کھلیان
ظلم کا سر اور انیائے کا پاپی سینہ پھاڑ دیا
دل پہ زمینداروں کے اپنے راج کا کھونٹا گاڑ دیا
فوج کسان اور مزدوروں کا پہلا پہلا راج آیا
لینن استالن نے بدل دی روسی جنتا کی کایا
مانوتا کی قسمت بدلی، بدلی ہاتھوں کی ریکھائیں
ان کے رکت میں ڈوب کے نکلیں نو یگ کی سندر سیمائیں
شبھ منگل کی گھڑی سہانی، پھل تمہاری سب کی رائے
ٹھیک ہے ایسے میں سردار کوی کی ایک غزل ہو جائے
جھنکے جھانجھن، بجے پکھاوج، یا ڈھولک گمکاؤ تم
جی چاہے تو الغوزے یا تان پورے پر گاؤ تم

ebooksgallery.com

غزل

اوروں کا زمانہ ختم ہوا، اب اپنا زمانہ ہے ساتھی
وہ دکھ کا زمانہ ختم ہوا، اب سکھ کا ترانہ ہے ساتھی

پھولوں کی طرح ہم کیوں نہ ہنسیں غم ختم ہوا دکھ بیت گیا
جو پہلے کبھی آیا ہی نہ تھا وہ جشن منانا ہے ساتھی

پلکوں پہ چمکتے آنسو کو کیسے میں ستارہ کہہ دوں گا
آنسو کی امنڈتی ندیوں سے پلکوں کو بچانا ہے ساتھی

اس بحث میں پڑنا لا حاصل یعنی کوئی جنت ہے کہ نہیں !
دھرتی ہی کو اپنے ہاتھوں سے فردوس بنانا ہے ساتھی

جو آگ لگی ہے دل میں ، اسے کچھ اور ابھی بھڑکانا ہے
اس آگ سے ہم کو دنیا کی ہر آگ بجھانا ہے ساتھی

بڑھتی ہوئی فوجوں کا نغمے کیوں ساتھ نہیں دے پاتے ہیں
ہاں ساز کی لے کو اور ابھی کچھ اور بڑھانا ہے ساتھی

دو ہاتھ ملے انسانوں کو ، دو ہاتھوں کو دو کام ملے
اک قبر بنانا ہے ساتھی اک قصر اٹھانا ہے ساتھی

کہنے کے لیے دو کام مگر یہ ایک ہی ہیں دو کام نہیں
اک دیپ بجھانا ہے ساتھی ، اک دیپ جلانا ہے ساتھی

اب جاگ بھی جا، کروٹ بھی بدل اونیند کے ماتے بھور ہوئی
راتوں کی لٹوں کو اوشا کے مکھڑے سے ہٹانا ہے ساتھی

یہ ایک صدی کے بعد بھی اب تک میر کے سُر میں روتا ہے
کس دیس کا رہنے والا ہے یہ کون دوانہ ہے ساتھی

جو سب کی سمجھ میں آ نہ سکیں بیکار ہیں سب وہ شعر و غزل
جنتا کی زباں میں کہنا ہے، جنتا کو سنانا ہے ساتھی

ebooksgallery.com

آزادی کے لڑنے والو، سنو کتھا استالن کی
سارے جگ میں جس کے دم سے اجیاری ہے لینن کی
ہو گئے دھرتی کے دو ٹکڑے تب سے ہیں دنیائیں دو
راہیں دو ہیں، دو منزل، دو مقصد ہیں آشائیں دو
اک دنیا ہے محنت کی، اور محنت کی آزادی کی
دوسری دنیا دولت کی اور دولت کی بدذاتی کی
اک دنیا ہے امرت برکھا، امن کے نغمے پریم کے گیت
دوسری دنیا بس پھیلائے اور بڑھائے جنگ کی ریت
اک دنیا میں ہنستے چہرے گاتی سانس مہکتے ہونٹ
دوسری دنیا میں آنسو کے پیالے اپنے خون کے گھونٹ
اک دنیا میں تدبیریں انسان کی شان بڑھانے کی
دوسری دنیا میں سب گھاتیں آدمی کو کھا جانے کی
اک دنیا مزدوروں کی اور وہ دنیا انسانوں کی
دوسری دنیا سرمائے کی، وہ دنیا حیوانوں کی
پچھم دیس کے پونجی وادی اس دکھ میں اپنا جیو کھوئیں
چندرما کو دیکھ کے جیسے گاؤں کے سارے کتے روئیں
کرانتی کے سورج کے آگے کالی کالی بدلی چھائی
پچھم دیس سے خون کی اور بارود کی اندھی آندھی آئی
چودہ دیس کے پونجی والے روس کے سینے پر چڑھ آئے
چودہ دیس کے لشکر ڈان کے میدانوں تک بڑھ آئے
دنیا بھر کے چور اچکے ٹھگ اور ڈاکو اور لٹیرے
روس کو نہر جان کے ڈالیں اپنی کایر فوج کے گھیرے
گھر کے بھیدی روس کے موتنے لینڈی کتے غرائیں
پورب کو لپک تھرکیں مٹکیں ٹھکن ڈھکن اترائیں

ebooksgallery.com

اترے پچھم سے ظالم ریگل کے پاپی لشکر آئیں
آؤ بیٹا بات تو جب ہے تگنی کا ہم ناچ نچائیں

لشکر لشکر سانپ سنپولے
سر پر برسیں بم کے گولے
ڈر کے مارے کوئی نہ بولے
دھرتی کانپے آسن ڈولے
تھر تھر تھر تھر کانپے ہر دل
ٹیڑھے رستے مشکل منزل
آگ کے دریا خون کے ساحل
لاکھوں زخمی لاکھوں گھائل

چلنے والے پیروں کو کب باندھ سکیں مکڑی کے جالے
کوّے چاہے جتنا کوسیں، ڈھور نہیں ہیں مرنے والے
دشمن سے سب لڑنے جائیں لینن نے اعلان کیا
زارتسین میں جا کر استالن نے اونچا کام کیا
کولک ذرگ میں دشمن سے مل جانے کی تیاری تھی!
موسری کا بِل کھود رہا تھا ٹرانسکی کی غداری تھی
دشمن اُتر میں آئے تو وہ دکھن کو جاتا تھا
کرانتی کاری سینا کو وہ الٹی راہ بتاتا تھا
کاٹنے دوڑے سچی بات بتانے والے مانس کو
چڑیا گھر میں بند کرو لے جا کے اس بن مانس کو
سمجھاؤ وہ پھر بھی نہ سمجھے بولو سنتو کون اپائے
بھینس کے آگے بین بجاؤ لیکن بھینس کھڑی پگرائے
استالن نے جان لیے اس بوڑھی بھینس کے پیچ اور داؤ

ebooksgallery.com

اس لوہے کی بھاری مورت کے ہیں ماٹی جیسے پاؤ
استالن کے گیان نے ایک نیا الاؤ سلگایا
اور اس میں ٹراٹسکی کے جنگی نقشے کا منہہ جھلسایا
چلنے لگا کر اتنی کا پہیا، آگے بڑھے لڑویا ہو
کاریگر چیخیں ہائے ری دیا روئیں اوموری میا ہو
دشمن کے سینے پر جاکر پورا پورا بیٹھا وار
ایسے بہادر لڑنے والے جن سے ہار گئی تلوار
بھاگنے والے بیری اپنی پتلونن میں موتت جائیں
بڈیونی کے گھوڑے ان کو ٹاپ کے نیچے روندت جائیں
مزدوروں پر حملہ کرنے کیوں آئے تھے دھت تیری
کس نے کہا تھا، روس میں مرنے کیوں آئے تھے دھت تیری
استالن نے کھال ادھیڑی لینن نے بھس بھروائی
کام نہ آئی کچھ پچھم کے دھن وانوں کی چترائی
سنتوزار تسین کا نام اس دن سے پڑا استالن گراد
اس کے سارے شہروں میں ہے سب سے بڑا استالن گراد

آزادی کے لڑنے والوسنو کتھا استالن کی
سارے جگ میں جسکے دم سے اجیاری ہے لینن کی

کال کی کالی ناگن روسی دھرتی پر لہرائے
کالی رات کی صورت اپنا کالا پھن پھیلائے
کالی رات ہوا میں اپنا کالا وِس برسائے
کالی رات ڈرائے
کالا پھن پھیلائے
کالی رات میں اپنے دل کی جوالا بن کر نکلو

ebooksgallery.com

کالی رات کے کالے پن پر بجلی بن کر برسو
کالی رات نہ بچنے پائے کالی رات کو کچلو
کالی رات بلائے
کال کا پھن پھیلائے
طرح طرح کے لال بجھکّو طرح طرح کی باتیں تھیں
مزدوروں کا پہلا راج مٹا دینے کی گھاتیں تھیں
سرحد پار کے بیری ہارے، گھر کے بیری باقی تھے
سوچتے تھے وہ ڈھنگ نئے ہر روز نئی غدّاری کے
کوئی بولے مزدوروں کا راج نہیں ہے چلنے والا
کوئی کہے دشکال نہیں ہے روس کے سر سے ٹلنے والا
استالن نے مزدوروں کا راج بنا کر دکھلایا
کام کٹھن تھا پھر بھی اس نے قحط مٹا کر دکھلایا
پونجی والوں کے گرگوں نے راہ میں سو روڑے اٹکائے
دانہ ڈالا، لاسا لگایا، پھندے پھینکے، جال بچھائے
ٹراٹسکی نے کچھوے کی طرح سے اپنے ہاتھ اور پاؤں نکالے
اور نجارن نے اپنے ٹوٹے پھوٹے ہتھیار سنبھالے
ٹراٹسکی بائیں بھاگے بھیّا، اور نجارن دائیں جائے
دیکھ کے سیدھی پگڈنڈی ان سب کو جیسے رتوندھی آئے
کوئی کہے کہ پہلے سارے مانو جگ میں کرانتی لاؤ
تب تم روس کے اندر مزدور اور کسان کا راج بناؤ
کوئی پاپی کولک ورگ بچانے کا سامان کرے
لینن کو گریاوے ساری جنتا کا اپمان کرے
کوئی بچھو بن کر اپنے زہر میں ڈوبا ڈنک اٹھائے
کوئی پھنکارا بن کر اپنی پھنکاروں سے زہر اڑائے
کوئی گھر کا مال چرائے لومڑی کی چالاکی سے

ebooksgallery.com

کوئی چیرے پھاڑے کھائے بھیڑیئے کی سفا کی سے
زارشاہی اور نجارن تو تھے پہلے ہی سے پگلائے
ان پگلن کے ساتھ بہت سے اور بھی کو کر بوارئے
گنے سمئے کے پونجی وادی بھوت پریت چڑیل اور ڈائن
روسی دھنوانوں کے پٹھو پادری ، ملا، نیتا، کاہن
لاکھ جتن سے اچھلیں کودیں، لاکھ جتن سے روئیں گائیں
طرح طرح کے روپ بنائیں، نرت کریں اور بھاؤ بتائیں
الٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا
آخر اس بیماریٔ دل نے ان کا کام تمام کیا
استالن کی جیت پہ بھیّا لال ستارہ مُسکائے
جن شکتی کی بہتی دھارا پل پل چھن چھن بڑھتی جائے
بیس برس میں روس نے دوسو سال کے کام کو نبٹا یا
روس کی خوش حالی سے پونجی ورگ میں اک بھونچال آیا
ایسی اونچی ملیں بنائیں جو پربت کو شرمائیں
ایسی مشینیں جو پونجی والوں کو کچا ہی کھا جائیں
پگھلا لوہا بھل بھل اُبلے پگھلی آگ کے جھرنے گائیں
پلک جھپکتے دیر نہ ہو اور موٹر انجن ہل بن جائیں
لوہے کی چنچل انگلی ریشم کے تانوں بانوں میں
سوت کے تاروں کی کرنوں سے روشنی ہے کرخانوں میں
مزدوروں کے کام کے گھنٹے دن دن کم ہوتے ہی جائیں
انسانوں کے ہاتھ ہوں ہلکے اور مشینیں بھار اٹھائیں
جوتے نکلیں فیکٹری سے ڈھونڈھیں ننگے پاؤں کو
کپڑے ریل میں بیٹھ کے جائیں شہروں کو اور گاؤں کو
تنگ گلیوں کے سینے پر چوڑی سڑکیں لہرائیں
محل کھڑے ہوں اٹھ کر جیسے نیند میں میٹھے سپنے آئیں

ebooksgallery.com

سب مزدور اب پستک بانچیں اور کسان اخبار پڑھیں
جنتا راج میں کریا اپھر بھینس برابر بن نہ سکیں
کال اکال اور سنکٹ و نکٹ دکھ بیماری کچھ بھی نہیں
بیکاری سرمایہ داری، اتیاچاری کچھ بھی نہیں

آزادی کے لڑنے والو سنو کتھا استالن کی
سارے جگ میں جسکے دم سے اجیاری ہے لینن کی
لال بسنت کی سیمائیں ریگستانوں میں پھیلا دیں
روس کی نس نس میں بجلی کی ہنستی لہریں دوڑا دیں
ندیوں کی نرمل گردن میں پُلوں کی ہنسلی پہنا دی
پیاسی مٹی کے منہ میں شربت کی کٹوری ڈھلکا دی
لکڑی کے ہل ہوئے پرانے ان سے کہو آرام کریں
کھیتوں میں مل جل کر سب بجلی کے ہل سے کام کریں
بجلی کے ہل سو سو ایکڑ لمبے کھیتوں میں دوڑیں
چالیس گز بھر نیچے گھس کر مٹی کا سینہ توڑیں
نہر بہے مٹی کے بدن سے سوندھی سوندھی خوشبو آئے
کھیتوں کی بانہوں میں پانی پگھلی ہوئی چاندی بن جائے
ڈالی ڈالی پتی پتی مست پون میں لہرائے
کھیت کی گود میں دھان کی کنواری الڑھ بالی بل کھائے
گیہوں کے لہراتے پودے آنکھ پہ سونا سا برسائیں
پھول کپاس کے مٹھی مٹھی بھر چاندی لے کر آئیں
ایسی اچھی کھاد بنائیں پودے چھ چھ ہاتھ بڑھیں
انگوروں کی بیلیں لہرالہرا کر آکاش چڑھیں
جنتا کا دکھ کاٹنے کو ہر کٹھنائی برداشت کریں

ebooksgallery.com

سال کے سال اپنی محنت سے اپنا ناج بڑھاتے جاؤ
ایک فصل میں گیہوں بودو اور کھلیان لگاتے جاؤ
پھل، سبزی، ترکاری، رنگ برنگے ہونٹوں سے مسکائیں
رستہ چلتے آدمیوں کو آنکھیں ماریں پاس بلائیں
بجلی گھر سے سیدھی بجلی مزدوروں کے گھر میں آئے
گاؤں گاؤں میں جا کر وہ دہقانوں کے چولھے سلگائے
سپن سلونے اور سہانے، میٹھی نیند کسانوں کی
گاج کرے رکھوالی اب خود کھیتوں اور کھلیانوں کی
ڈھیر ہیں ایک اک گھر کے اندر کپڑے کے اور کھانے کے
جھگڑے نمٹے کوئی نہیں ہیں اپنے اور پرائے کے
مل جل کر سب کام کریں، مل جل کر سب آرام کریں
رات کو ہنس ہنس صبح کریں، اور صبح کو ہنس ہنس شام کریں
مل کر بوئیں بیج کسان اور مل کر اپنی فصلیں کاٹیں!
سو و تیوں میں بیٹھ کے اپنا سارا ناج اور غلہ باٹیں
اپنی اپنی محنت کے پھل اپنے اپنے گھر لے جائیں
کھیلیں کودیں ناچیں گائیں، پڑھیں لکھیں تہوار منائیں
سارا راج اور پاٹ الٹ کر پھینک دیا ہتیاروں کا
کام نہیں اس دیس میں اب کچھ بنیوں ساہوکاروں کا
محنت کے پھل مزدوروں کے، مزدوروں کی محنت ہے
مزدوروں کا دیس ہے سارا، مزدوروں کی دولت ہے
مزدوروں کے جہاز چلیں، مزدوروں کی ریلیں لہرائیں
مزدوروں کے موٹر دوڑیں مزدوروں کے سپنے گائیں
مزدوروں کے سینما تھیٹر، مزدوروں کے کھیل تماشے
مزدوروں کے ساز اور باجے مزدوروں کے ڈھول اور تاشے

ebooksgallery.com

مزدوروں کی اپنی سینا، مزدوراس کے افسر ہیں
مزدور اس دھرتی کے راجہ، اس آکاش کے اِندر ہیں
مزدوروں کے سب اسکول اور مزدوروں کے باگ بگیچے
دھنوانوں کی ساری شیخی مزدوروں کے پاؤں کے نیچے
اب اتہاس بھی مزدوروں کا نام جپے اور گن گائے
اب تو سے بھی مزدوروں کے آگے اپنی سیس نوائے
مزدوروں کے نیتا بھی، مزدوروں جیسے کام کریں
مزدوروں کی شان بڑھائیں مزدوروں کا نام کریں
نفرت کے اندھیارے جگ پر پریم کی رنگیں جوت جگائیں
دکھ کی اگنی ٹھنڈی کر کے دل میں سکھ کے دیپ جلائیں
یہ کیا جادو ہے جس نے صبح بنایا راتوں کو
مل جائیں تو چوم لوں استالن کے پیارے ہاتھوں کو

دادا، ای تو سورگ ہے جو سردار کوی بتلاوت ہیں
ہمرا ناہیں ہمرا من سردار کوی جب گاوت ہیں
منگرے موڑ کھجاوت ہے جھنیامنھ بائے بیٹھی ہے
تم ہی بتاؤ رام دلارے ایسی دنیا دیکھی ہے؟
اب سنتو جس کو یہ دنیا پیاری ہے وہ ہاتھ اٹھائے
استالن کی جے بولے مزدوروں کی سنگت میں آئے
مٹھی باندھے نشچے کر لے، ایسا راج بنائیں گے
لال پھریرے کے نیچے ساری جنتا کو لائیں گے
چھوڑو جھوٹی باتیں بھیا یہ ہے سچا کام کرو!
جے پر کاش اور نہرو جی کو دور ہی سے پرنام کرو!
لاکھ مصیبت آئے لیکن ہم نہیں پیچھے ہٹنے والے
بات پہ اپنی اڑنے والے، رن میں آکر ڈٹنے والے

ebooksgallery.com

ہم نے جان لیا کیسے جیتے ہیں کیسے مرتے ہیں
اوکھلی میں سر دینے والے موسل سے کب ڈرتے ہیں

آزادی کے لڑنے والو سنو کتھا استالن کی
سارے جگ میں جسکے دم سے اجیاری ہے لینن کی
مزدوروں کے راج کے جھنڈے اور بھی اونچے ہوتے جائیں
دنیا بھر کے پونجی وادی دیکھیں اور من میں گھبرائیں
انگلینڈ امریکہ کی ملیں بند ہوویں اور بیکاری پھیلے
مالک موٹے ہوتے جائیں محنت کش جنتا دکھ جھیلے
پونجی واد کا سونا چاندی، تن کی چربی بڑھتی جائے
کال بکٹ کی جوڑی ساری مانوتا پر چڑھتی جائے
امریکہ کے مل مالک اور بیوپاری یوں تو نہ بڑھائیں
بھوکے منہ کو کورنہ دیں اور گیہوں کے کھلیان جلائیں
انگریزوں کی منڈی اور بازاروں میں بس الو بولے
روسی جنتا پینگ بڑھائے خوش حالی کا جھولا جھولے
پونجی وادی کے دل کی آشا موت کے اندھیارے میں بھٹکے
روس کی ہستی ان کے دل میں موت کا کانٹا بن کر کھٹکے
اپنے گھر کے پالتو کتے ہٹلر کو ہشکائیں وہ
ہٹلر پونجی واد کا بیٹا، ڈائن ماں کی کوکھ کا پوت
جس کی سانسیں جنگ کی اگنی پر چھائیں فاشزم کا بھوت
مزدوروں کا پاپی دشمن یونینوں کا توڑنے والا
سادھارن دنیا کے دل میں خون اور پیپ کا گند اچھالا
ظلم و ستم کا ساتھی تھا انیائے کا رکھوالا تھا
نازی راج کا بانی تھا وہ آفت کا پرکالا تھا

ebooksgallery.com

انگریز اور امریکی اس سے آس لگائے بیٹھے تھے
اس راون کو وہ اپنے دامن میں چھپائے بیٹھے تھے

نازی فوجیں روس پہ جھپٹیں جیسے کالی آندھی آئے
ہرے بھرے کھیتوں پر جیسے ٹڈی دل آکر چھا جائے
ٹینک چلیں گھڑ گھڑ گھڑ کرتے لوہے کے ہاتھی جھومیں
روسی کھیتوں اور شہروں میں توپیں منہہ کھولے گھومیں
اڑتی ہے بارود لہو کے دھرتی پر فوارے ہیں
لوہے اور فولاد کے گدھ آکاش پہ پنکھ پسارے ہیں
نبھ کو آگ کے شعلے چاٹیں لمبی لمبی جیبھ نکالے
رن میں دھوئیں کے اجگر ناچیں موٹے موٹے کالے کالے
بم کے گولے برسیں جیسے میگھ کے ساتھ میں اولے آئیں
ایسا بھیانک یدھ کہ جس میں لاکھ مہابھارت کھو جائیں
جنگل کے سب پنکھ پکھیرو اپنے گھونسلے چھوڑ کے بھاگیں
پھل کے بدلے پیڑ میں لٹکیں مزدور اور کسان کی لاشیں
کتے کے پلے نازی جن راج مٹانے آئے ہیں
دھنوانوں کا راج سنگھاسن پھر سے سجانے آئے ہیں
کھیتوں اور کھلیانوں میں وہ آگ لگاتے پھرتے ہیں
نر ناری کو بندوق اور سنگین دکھاتے پھرتے ہیں
وہ زندہ بچوں کو جلا کر ہنستے ہیں اور گاتے ہیں
استریوں کے بالوں سے سونے قالین بناتے ہیں
لاشوں سے وہ کھاد بنائیں کھوپڑیوں میں دیپ جلائیں
ایسے کپوتوں کو جن کر جرمن کی مائیں بھی پچھتائیں
ظالم سمجھے اب کیا ہے اب اپنی رات اپنا دن ہے
لیکن وہ یہ بھول گئے تھے روس میں اک استالن ہے

ebooksgallery.com

آزادی کے لڑنے والو سنو کتھا استالن کی
سارے جگ میں جسکے دم سے اجیاری ہے لینن کی
استالن نے حکم دیا اور سینا نکلی ویروں کی
میدانوں میں گونج اٹھی ہو نکار گرجتے شیروں کی
بادل گرجے، بجلی چمکے، نبھ میں پتاکا لہرائے
بھری ہوئی ندیوں کا پانی تٹ کو توڑ کے بڑھتا جائے
گولی بن کے کھیت سے نکلیں گیہوں، جندھری اور چنے
فیکٹری کی کوکھ ہلوں کے بدلے توپ اور ٹینک جنے
کانیں اپنا کوئلہ، لوہا، سیسا، تانبا لے کر دوڑیں
نازی جانور اس دیوار سے آکر اپنا ماتھا پھوڑیں
کوسک نکلیں، تاجک نکلیں، ازبک اور تاتاری بھی
لڑنے نکلیں جنگل پربت کھیتی اور پھلواری بھی
دولہنیں سیج کو چھوڑ کے سیدھی رن بھومی میں دوڑی آئیں
پوت کے انگ پہ مائیں اپنے ہاتھوں سے ہتھیار سجائیں
کھٹن کھٹن کھن کھانڈا باجے جھٹن جھٹن تلوار چلے
روکنے والا کوئی نہیں ہے کوسک کا جب وار چلے
توپ کے گولے پیچھے دوڑیں بھاگتی جرمن لاشوں کے
بندوقوں کی آنکھیں رن میں دل ڈھونڈھیں بدماشوں کے
آگے روسی پیچھے روسی، چار طرف روسی سینائیں
بھاگنا چاہیں بھی تو جرمن، روس کے باہر بھاگ نہ پائیں
منھ کے آگے لال سپاہی، پیٹھ کے پیچھے چھاپے مار
پاؤں تلے روسی دھرتی سر پہ استالن کی تلوار
اکھڑ گئے دشمن کے قدم، اور ہمت نے منھ پھیر لیا
ہٹلر کی سیناؤں کو والگا کے بھنور نے گھیر لیا

ebooksgallery.com

جیسے گھائل شیر دہاڑے پلٹ پڑا استالن گراد
جیسے بجلی ٹوٹ کے آئے جھپٹ پڑا.استالن گراد
جیسے لال آگنی کا ساگر کھولے اور موجیں مارے
جیسے برسیں لوہے کے بادل سے دہکتے انگارے
ہوش اڑے ہاتھوں کے پیروں کے، آنکھوں کے کانوں کے
لال سپاہی جھپٹے اور پر ٹوٹ گئے طوفانوں کے
پاؤں کے نیچے فرش بچھا ہے دشمن نازی سینوں کا
اونچے سروں کے اوپر سایہ فولادی شاہینوں کا
رائفلیں ہیں ہاتھوں میں ہونٹوں پر نام ہے لینن کا
لال سپوتوں کے پہلو میں دل دھڑکے استالن کا
رنگ برنگے گولوں کی لہرائے دھنش اونچائی میں
یوون سے بھرپور امنگیں جھنڈوں کی انگڑائی میں
جلے ہوئے کھیتوں کی مٹی اڑ کر آئے پیار کرے
ندی کا پانی گود میں لے کر ان کو دریا پار کرے
چاروں اور گرج گرج توپیں للکاریں بڑھتے جاؤ
روسی جنتا کی لاشیں پیڑوں سے پکاریں بڑھتے جاؤ
خاک پہ پھیلے خوں کی لکیریں راہ دکھائیں بڑھتے جاؤ
اجڑے ہوئے گاؤں کی باہیں پاس بلائیں بڑھتے جاؤ
لندن اور پیرس کے دلوں سے آئیں صدائیں بڑھتے جاؤ
کان میں چیخیں بھری ہوئی دیوانی ہوائیں بڑھتے جاؤ
سینے میں کونپل بن کر پھوٹیں آشائیں بڑھتے جاؤ
نیلی نسوں میں خون کی بوندیں گیت سے گائیں بڑھتے جاؤ
بزدل نازی، بھاگتی فوجیں پیٹھ دکھائیں بڑھتے جاؤ
ہنستے ہنستے لوٹی جائیں گیتو شائیں بڑھتے جاؤ

ebooksgallery.com

کچھ بھی نہیں ہیں پربت ٹیلے، ندی نالے بڑھتے جاؤ
تم ہو سپاہی، تم ہو بہادر، تم ہو جیالے، بڑھتے جاؤ
کیا ہے مسولینی کی شکتی، کیا ہے ہٹلر بڑھتے جاؤ
ساری مانوتا کی نظریں آج ہیں تم پر بڑھتے جاؤ
ساتھ تمہارے دکھیاری ماؤں کی آہیں بڑھتے جاؤ
تم کو دعائیں دیتی ہیں زویا کی نگاہیں بڑھتے جاؤ
دیکھ رہا ہے تم کو اپنی قبر سے لینن بڑھتے جاؤ
تم پر نازاں روس، کرملن اور استالن بڑھتے جاؤ
رات کی سرحد ختم ہوئی، لو آ ہی گیا دن بڑھتے جاؤ
دیکھو دھوئیں اور دھند کے پیچھے وہ ہے برلن بڑھتے جاؤ

آزادی کے لڑنے والو سنو کتھا استالن کی
سارے جگ میں جسکے دم سے اجیاری ہے لینن کی
یہ جنت کتنی محنت کتنی مشکل سے بنائی ہے
کتنا بڑا بلدان دیا ہے، کیا کٹھنائی اٹھائی ہے
کینا دکھ اور درد سہا ہے روسی ماؤں سے پوچھو
راکھ ہوئے جل کر دل کتنے دل کی چتاؤں سے پوچھو
کتنا لہو دھرتی پہ بہا ہے یہ دھرتی بتلائے گی
دیکھنے والا ہو کوئی تو اپنے گھاؤ دکھائے گی
ان زخموں نے راکھشسوں سے مانوتا کو بچایا ہے
استالن کے سپوتوں نے انسان کا مان بڑھایا ہے
لال جوانوں ہی کے لہو سے آج یہ دنیا زندہ ہے
آج ہمارا اور تمہارا مستقبل تابندہ ہے
یورپ کی راتوں کے ماتھے پر بھی نور کا ہالا ہے
استالن کے اجیالے سے چین میں بھی اجیالا ہے

ebooksgallery.com

ان شاہینی آنکھوں سے ہم نے بھی نگاہیں پائی ہیں
کتنی راہیں استالن کی نظروں نے چمکائی ہیں
مکتی اپنے ہاتھ میں ہے انسان کبھی مجبور نہیں
ہم کو استالن نے بتلایا ہے، منزل دور نہیں
پونجی وادی دنیا لیکن آزادی سے ڈرتی ہے
استالن اور روس کے نام پہ ٹھنڈی آہیں بھرتی ہے
وہ انسان کی نیکی سے انساں کی خوشی سے ڈرتے ہیں
میٹھے دودھ سے بچوں کی معصوم ہنسی سے ڈرتے ہیں
انگریزی امریکی لڑائی کرنے والے اتیاچاری
ماؤں کے آنسو، انسانوں کے گرم لہو کے بیوپاری
پھر سے اب سنسار کے سر پر جنگ کی آفت لاتے ہیں
سونے اور چاندی کے گدھ لاشوں کے لیے منڈلاتے ہیں
استالن اور روس کی جانب دیکھتے ہیں غرّاتے ہیں
ایٹم بم کا نام بتا کر دنیا بھر کو ڈراتے ہیں
پہلے جرمن پگلائے، اب امریکی پگلائے ہیں
ہٹلر کے دن بیت گئے اب ان کے بھی دن آئے ہیں
برمی، ہندستانی، پاکستانی نیتا بھی اترائیں
یہ برساتی مینڈک بھی ڈالر کی برکھا میں ٹرّائیں
یہ بھاڑے کے ٹٹو ان پر جنگ کا بوجھا لادا جائے
یہ بندر اور بھالو ناچیں اور مداری ناچ نچائے
ایسے نیتا، حاکم، اٹیلی اور ٹرومن روز بنائیں
جیسے کھجیلے کوکر موتیں اور کُکرمتے اُگ آئیں
مجھکو بھلا کیا کام اٹھائی گیروں سے اور چوروں سے
بات میں کرنے آیا ہوں دہقانوں اور مزدوروں سے

ebooksgallery.com

مزدوروں میں کون ہے جو جنگی سامان بنائے گا
کون کسان استالن کے بیٹوں سے لڑنے جائے گا
کون سا ایسا باپ ہے جو اپنی آنکھیں ویران کرے
یدھ کی آگ میں جلنے کو اپنے پوت کا دان کرے
کون سی ماں ڈائن بن کر بیٹے کے ہاڑ چبائے گی
اپنے دل کا ٹکڑا دے کر فوج کی پنشن کھائے گی
سامراج کا کتا بن کر جنگ میں جانے والا کون
مزدوروں کے خون سے چپڑی روٹی کھانیوالا کون
کوئی نہیں ہے ایسا پاپی، مزدور اور کسانوں میں
ایسے ہتیارے نہ ملیں گے سادھارن انسانوں میں
استالین محافظ ہے محکوموں کا مجبوروں کا
روس کا جتنا راج ہے سارے عالم کے مزدوروں کا
مزدور اور مزدور کے راج پہ وار کرے ناممکن ہے
اپنے دل پر آپ ہی اتیاچار کرے ناممکن ہے
دھن والے اپنی میا پونجی کی ارتھی آپ اٹھائیں
ٹاٹا برلا اور پدم پت فوج میں بھرتی ہو جائیں
چاند کے منہ پر جو تھوکے گا، اس کے منہ پر آئے گا
جوالا مکھی پر چڑھنے والا جوالا میں بہہ جائے گا
روس پہ حملہ کر کے بچ جانے کی کوئی تدبیر نہیں
کوئی ان کو بتلا دو یہ روس ہے کچھ کشمیر نہیں

آزادی کے لڑنے والو سنو کتھا استالن کی
سارے جگ میں جسکے دم سے اجیاری ہے لینن کی
پونجی کی پاپی دنیا میں جنگوں کی تیاری ہے
استالن کے باغ میں لینن امن کا چشمہ جاری ہے

ebooksgallery.com

امن کی روٹی، امن کا پانی، امن کے نغمے امن کے ہار
امن کی کلیاں، امن کی خوشبو، امن کے بلبل اور گلزار
امن کی فصلیں اور بہاریں امن کا گیہوں، امن کا دھان
امن کا قانون، امن کی شکتی، امن کا دستور اور ودھان
امن کا جادو پریم کے دل میں، امن کا شہد نگاہوں میں
امن کی رچنا ہاتھوں میں اور امن کی قوت بانہوں میں
شہر اور قصبے امن و امان کی ہنستی ہوئی تصویریں ہیں
آنکھوں میں اب خواب نہیں ہیں خوابوں کی تعبیریں ہیں
انسانوں کی تقدیریں ہیں ہاتھوں میں تدبیروں کے
گونج رہے ہیں جنگل پربت گیتوں سے تعمیروں کے
تعمیروں کے راگ مشینیں اور ہتھوڑے گاتے ہیں
تعمیروں کے خواب مجسم ہو کر سامنے آتے ہیں
کھوج کسانوں کے گھر کی ہے ٹیلیفون کے تاروں کو
ایٹم شکتی موڑ رہی ہے دریاؤں کے دھاروں کو
ٹنڈرا میں اور ٹیگا میں تہذیب و تمدن بستے ہیں
اپنی بہاریں دیکھ کے ان کی آنکھ سے پھول برستے ہیں
علم کا دریا بہتا ہے، بڑھتا ہے ذوق کتابوں کا
پرتو جہل کی راتوں پر ہے حکمت کے مہتابوں کا
تند ہواؤں کی زد پر ہمت کی شمع فروزاں ہے
اپنے کام کی عظمت پر انسان کی محنت نازاں ہے
کہنے کو تو روس کے واشی مزدور اور کسان ہیں سب
علم و ہنر کے جاننے والے سائنس کے ودوان ہیں سب
شاعر، گیانی، وید، کلاونت اور گوالے ایک ہوئے
ذہنی اور جسمانی محنت کرنے والے ایک ہوئے

ebooksgallery.com

اُن کے اشاروں پہ سورج کی سرکش کرنیں کام کریں
بادل، بجلی، آندھی، طوفاں، سب جھک کر پہ نام کریں
منظر بدلے، موسم بدلے، بدلی چال ہواؤں کی!
ٹرکٹر اور مشینیں کیا ہیں؟ سکھیاں ہیں کنیاؤں کی!
شبنم کی شہزادی حکم چلاتی ہے انگاروں پہ
خاک کے ذرّے پھینک رہے ہیں اپنا جال ستاروں پہ
جنگ کی ڈائن، امن کو ہنستا دیکھ کے تھرّا جاتی ہے
کچی روئی کی خوشبو سے بارود کی بو گھبراتی ہے

آزادی کے لڑنے والو سنو کتھا استالن کی
سارے جگ میں جسکے دم سے اجیاری ہے لینن کی
مزدوروں کا لال استالن مزدوروں کا بیرن ہے
مزدوروں کا جیون ہی بس استالن کا جیون ہے
اسکا جیون گیہوں کے خوشوں میں روئی کے بالوں میں
ماں کے دل کی ممتا میں، بچوں کے مہکتے گالوں میں
اس کا جیون گہواروں میں، پریوں کے افسانوں میں
اس کا جیون خاک کے نیچے، کونپل بنتے دانوں میں
اسکا جیون پہیوں کی گردش میں دلوں کی دھڑکن میں
ازبک کھیت میں، تاجک گھر میں، قفقازی پیراہن میں
اسکا جیون باکو اور باطوم کے تیل کے چشموں میں
اسکا جیون لہراتی شاخوں میں ہوا کے نغموں میں
اسکا جیون انسانوں کی آشاؤں میں خوابوں میں
اسکا جیون ہنستی پلکوں گاتی ہوئی مضرابوں میں
اسکا جیون چک چی اور کریا کی ماہی گیروں میں
اسکا جیون انگوروں میں سیبوں میں انجیروں میں

ebooksgallery.com

اسکا جیون ہند میں ہے ایران میں ہے اور شام میں ہے
اسکا جیون جنتا کی آزادی کے سنگرام میں ہے
وہ صرف اک انسان نہیں ہے اک بڑا سنسار ہے وہ
ایٹم بم کی اس دنیا میں شانتی کا آدھار ہے وہ
استالن اک پیڑ ہے جس کی چھایا بڑھتی جاتی ہے
اس چھایا میں دکھ کی ماری مانوتا ستاتی ہے
استالن اک ندی جو پیاسی مٹی کو سیراب کرے
اک ایسی برکھا جو ساری دھرتی کو شاداب کرے
ہم نے استالن کے دل سے جینے کا ارمان لیا
استالن سے شکتی لی ہے، استالن سے گیان لیا

روس کی آنکھوں کا تارا ہے دنیا بھر کا سہارا ہے
ہم سب ہیں استالن کے اور استالین ہمارا ہے
استالن کی طرح لڑیں استالن جیسے کام کریں
اپنے نیتا استالن کو اٹھ کر لال سلام کریں!

دسمبر 1948

ebooksgallery.com

امن کا ستارہ

ایک شاعرانہ تقریر!

میرا آدرش انسان ہیں
وہ مرادین وایمان ہیں
ان کے ناموں سے اخبار و تاریخ واقف نہیں
ان کے ماتھوں پہ عظمت کی کلغی نہیں
سر پہ ادبار ہے
پیٹھ پر بوجھ ہے
ان کو شہرت کی کوئی ہوس ہے
نہ عزت کی خواہش
نہ انعام واکرام کی جستجو
وہ ہوا کی طرح صاف دل
پانی کی طرح پاکیزہ
سورج کی پہلی کرن کی طرح گرم دل
پھول کی طرح خاموش
دریاؤں کی طرح فیاض
اور پیڑ کی پتیوں کی طرح ان گنت

ebooksgallery.com

سادگی اور ایمانداری سے دن رات محنت میں مصروف ہیں
زندگی ان کی دن رات کی گردشوں کے سوا کچھ نہیں
ان کے کاندھوں پہ بھاری ملیں اور مشینیں پہاڑوں کی مانند رکھی ہوئی
ریل کی پٹریاں ان کے سینوں پر لیٹی ہوئی
گرم بجلی کے تار ان کی نیلی رگوں سے گزرتے ہوئے
اور ان کے لہو کی دہکتی ہوئی سرخ بانات پر
جنگ، غارتگری، لوٹ اور حکمرانی، جلوسوں کی صورت میں چلتی ہوئی

میں اسی سیدھے سادھے غریب اور مجبور انسان کا دردمند
اس کی آشاؤں، اس کی تمناؤں کا ترجمان
اس کے خوابوں کی تعبیر کا رازداں
اپنے جوشِ عقیدت، خراجِ محبت کو لیکر چلا ہوں *

(2)

یہ زمیں رہنماؤں سے اور سورماؤں سے خالی نہیں
زندگی اور سماج انقلاب اور تغیر کے گہواروں میں جھولتے آئے ہیں
وقت و تاریخ کے دل پہ طبقات کی کشمکش زلزلے بن کے چلتی رہی
انقلابات جوالامکھی بن کے پھٹتے رہے
آدمیت سنبھلتی رہی اور گرتی رہی
اور گر کر سنبھلتی رہی
ورگ سنگھرش لڑتی رہی
زندگی اپنے اوراق الٹتی رہی
رہبری اور پیغمبری، زرگری، اور جادوگری

---

*اس نظم کے کچھ بند سردار جعفری نے اپنے ہاتھوں سے کاٹ دیے تھے، اس لیے اسے شامل کرنا مناسب نہیں سمجھا گیا۔

ebooksgallery.com

شعبدے اور تماشے دکھاتی رہی
آدمیت کے پیروں کی زنجیریں گلتی رہیں اور ڈھلتی رہیں
قید خانوں کے نام اور غلامی کی شکلیں بدلتی رہیں
سورما اور ساونت آتے رہے
اپنے طبقات کے خادم اپنے مفادات کے پاسباں
رہنما اپنے جلوے دکھاتے رہے
ان میں سے کوئی بھی کُل کی کُل نوعِ انساں کا خادم نہ تھا
کوئی انساں کا رہبر نہ تھا
کیوں کہ انسان ابھی زیرِ تخلیق تھا
اور بس نیم خلاق آتے رہے
اور پھر ایک دن
ساری دنیا نے دیکھا کہ انساں کی تخلیق تکمیل کی منزلوں کے قریب آ گئی
اس نے طبقات کی بندشیں توڑ دیں
وہم کی انگلیاں موڑ دیں
اک نئی راہ پر گامزن ہو گیا
اب غلام اور آقا کی تقسیم باقی نہ تھی
کاشتکار اور زمیندار
سرمایہ دار اور مزدور کا
فرق باقی نہ تھا

اور انسان انسان تھا
صرف انسان تھا
اپنی تخلیق پر مطمئن
اپنی محنت پہ نازاں
مشترک درد و غم، مشترک ہر خوشی
مشترک نعمتیں، مشترک زندگی

ebooksgallery.com

3

تخت اور تاج کانپے، محل ہل گئے
ذرے اپنی جگہ سے اٹھے اور خورشید بن کر چمکنے لگے
اور چٹانیں پہاڑوں کے سینے سے نیچے اترنے لگیں
لال گارد میں تبدیل ہونے لگیں
کھیت مزدوروں نے بیلچے لے لیے
کارخانوں سے ہڑتالیں باہر نکل گئیں
اور آندھیوں کی طرح
رہگذاروں پہ چلنے لگیں
جنتا فوجوں میں اور فوجیں جنتا میں ملنے لگیں

مارکس نے قبر سے اٹھ کے دنیا کو پیغمبرانہ نگاہوں سے دیکھا
سارے یورپ پہ اک خوف طاری تھا
پیرس پہ ہیبت تھی
لندن پہ لرزہ
روس میں جشن دنیا کے محنت کشوں میں خوشی
اور وہ خواب جو اب تلک خواب تھا
اک چھٹے کرۂ ارض پر چھا گیا
زندگی پر نیا بانکپن آ گیا

4

اے زمیں فخر کر
اے عروس جہاں مسکرا
روح تاریخ اپنی جبیں سے اندھیرے کی زلفیں ہٹا
خاک پر بسنے والو

ebooksgallery.com

آن سے سر اٹھا کر چلو
بے بسو بے کسو وقت کی باگ کو تھام لو
بھیک کے ٹھیکرے پھینک دو
جسم کے چیتھڑے پھونک دو
اب تم آزاد ہو
تاجک اور ازبک اپنی زبانوں میں باتیں کریں
ترکمان اپنے حرفوں میں اپنی کتابیں پڑھیں
ارمنی اپنی رنگین پوشاک پہنیں
کوسک اپنے حسین گیت اپنے سروں اپنی آواز میں ڈھال لیں
کال مک اپنے پیڑوں کے سائے میں ناچیں
زارشاہی
وہ مظلوم و محکوم قوموں کی قاتل
فنا ہوگئی
روس آزاد ہے روس کی قومیں آزاد ہیں
سوویت یونین مختلف رنگ پھولوں کا اک ہار ہے
پھول انسانیت اور محبت کے پھول
وہ سمرقند کے باغ میں یا بخارا کے گلشن میں مہکیں
ماسکو، یوکرین، اور یورال میں اپنی خوشبو بکھیریں
سائبریا کے دل میں کھلیں
یا بدخشاں کے رخسار پر مسکرائیں
پھول پھر پھول ہیں
خوبصورت، مہکتے ہوئے
ان کے ہر رنگ میں اک نیا حسن، ہر پنکھڑی میں نئی تازگی

سوویت یونین کے جواں بخت محنت کشو

ebooksgallery.com

آج سے تم ہی اس ملک کے حکمراں
تم ہی اس خاک کے پاسباں
محنت آزاد، تخلیق آزاد ہے
اب تمھارا لہو بھی تمہارا
رگیں بھی تمھاری
ملیں بھی تمھاری
اور یہ پھیلی ہوئی زمیں بھی تمھاری ہے جو
اپنے مضبوط شانوں کے اوپر افق کو اٹھائے ہوئے ہے
تم وہ سورج ہو جس سے نئے عہد کی ابتدا ہو رہی ہے
ساری دنیا کے محنت کشوں کی نگاہیں تمھیں دیکھتی ہیں
اور زمیں
اپنے محور سے ہٹ کر
تمھارے ہی سورج کے چاروں طرف گھومتی ہے
وقت اب سے تمھاری ہی رفتار کا نام ہے
اب نئے ہفتے ہوں گے
نئے دن بنیں گے
نئے ماہ و سال آئیں گے
پھل تمھاری ہی کرنوں سے
رنگ اور رس لیں گے
فصلیں تمھاری ہی گرمی سے
پھولیں پھلیں گی۔

کھیت مزدورو، بھوکے کسانو،
وہ زمیندار اور ان کی سرکار باقی نہیں
اپنی دھرتی پہ اپنا نیا راج قائم کرو!

ebooksgallery.com

رائفل لے کے اپنے گھروں کی حفاظت کرو
اپنے کھیتوں کی سرحد افق تک بڑھادو
اپنے کھلیانوں کی چوٹیاں آسماں سے ملادو
اب تمھارے اگائے ہوئے ناج کا
دانہ دانہ لہو اور آنسو سے بھی قیمتی
سوویت یونین کو
یہ کھیتوں میں ڈھالی ہوئی
گولیاں چاہئیں

شاعرو، عالمو اور دانشورو
آج سے روح و دل، ذہن و افکار آزاد ہیں
ساز آزاد ہیں، گیت آزاد ہیں
اور تم اپنی دانش فروشی کی لعنت سے آزاد ہو
گاؤ اپنے دلوں کے ترانے
اپنے آزاد ملک اپنی آزاد محنت کے افسانے لکھو
''تم تو انسان کی روح اور دل کے معمار ہو''
''تم نہ گاؤ گے تو فوجیں آگے نہ بڑھ پائیں گی''
انقلابی صفیں مورچے سر نہ کر پائیں گی

عورتو اپنے چہروں سے اپنی نقابیں الٹ کر چلو
تنگ و تاریک باورچی خانوں سے نکلو
آج سے حسن آزاد ہے
سوویت راج میں چوڑیاں ہتھکڑی بن نہیں پائیں گی
اب تمھیں بھیڑ اور بکریوں کی طرح بیچنا جرم ہے
تم کنیز اور لونڈی نہیں
ماں ہو، بیٹی ہو، بیوی ہو، محبوب ہو،

ebooksgallery.com

دردا ور دکھ کی ساتھی
اب سے تم گھر کی شہزادیاں
شہراور گاؤں کی رانیاں
علم و حکمت کے در اپنی مشتاق آنکھوں کو کھولے ہوئے
اور دانش کدے اپنی بانہوں کو پھیلائے ہیں
اور سماج اور جیون
تمھاری لطافت
تمھاری محبت کے پیاسے
تمھارے لیے منتظر ہیں

بچو، یہ پارک، اسکول، باغات، یہ پالنے اور جھولے تمھارے لیے ہیں
چڑیاں اب سے تمھارے لیے گائیں گی
تتلیاں دور سے اڑ کر آ جائیں گی
چاند تارے تمھارے لیے ناچیں گے
اور ہوائیں کہانی کہیں گی
چاہے کل سوویت میں اندھیرا رہے پر تمھارے لیے روشنی آئے گی
چاہے کل روس بھوکا رہے پر تمھارے لیے دودھ کی نہر لہرائے گی
کھیلو اپنے کھلونوں سے کھیلو
ماں کی بانہوں میں جھولو
باپ کی گود میں کھلکھلاؤ
اب تمھیں گرنیاں اور کانیں نگلنے نہیں پائیں گی
اب تمھارے جھکتے ہوئے سر پہ لینن کا شفقت بھرا مہربان ہاتھ ہے
اب تمھارے کھلونے چرائے نہیں جائیں گے

ساری دنیا کی قومو سنو،
اپنے دل کے لہو میں بھگوئی ہوئی روٹیاں کب تلک کھاؤ گے

ebooksgallery.com

سامراجی لڑائی کا جوالا مکھی پاٹ دو
جنگ کی سازشوں کی رگیں کاٹ دو
سوویت یونین دوستی کے لیے ہاتھ پھیلا رہا ہے
امن ہر قوم کے واسطے
امن ہر ملک کے واسطے
امن ہر آدمی کے لیے
شانتی زندگی کے لیے

5

آج پیرس کے باغات سرسبز
انگور کی بیلیں شاداب
برطانوی میوزیم پھر سے آباد ہے
ڈارون اور ملٹن کے چہروں پہ عظمت
کتابوں کے ماتھوں پہ سنجیدگی
بائرن، کیٹس، شیلی کے نغمات آزاد ہیں
روس نے چیخف اور طالسطائی کی توہین برداشت کی
اپنی تہذیب کو جلتے دیکھا
ان کے دل رو دئے اور آنکھیں لہو ہو گئیں
سینے جلنے لگے
اور وہ ہاتھ
جن میں اب تک فقط ساز تھے
رائفل پر لپکنے لگے
ہٹلری فوجیں طوفان کی طرح اٹھی تھیں اور آندھیوں کی طرح آئی تھیں
آخرش روس کی خاک پر سرنگوں ہو گئیں

ebooksgallery.com

برف میں کھو گئیں
آنکھیں آکاش کو تک رہی ہیں
ٹھیکروں کی طرح ان کے تمغے زمین پر پڑے ہیں
ان کے چہرے غضبناک تھے۔
ہاتھ سفاک تھے
انگلیاں عورتوں اور بچوں کی گردن دبانے میں مشاق، لاشوں سے
کپڑے چرانے میں استاد تھیں
اور وہ روسی خزاں کی ہواؤں میں سوکھی ہوئی ٹہنیوں کی طرح جھڑ گئیں
آج حافظ کے محبوب شیراز کی خاک تابندہ ہے
اور خیام و سعدی کی قبروں پہ پاکیزگی کے گھنے سائے ہیں
اور فردوسی کے شاہنامے کے اوراق انسان کے خون سے پاک ہیں
ہند میں تاج کا عکس جمنا کی لہروں سے اٹھکھیلیاں کر رہا ہے، مدورا کے
مندر سر فراز ہیں
اور اجنتا کی شہزادیاں اپنی ٹھنڈی گپھاؤں میں سوئی ہوئی
اپنے صدیوں کے خوابوں میں کھوئی ہوئی ہیں
سوویت یونین کے جوانوں نے اپنا لہو دے کے ان کو بچایا
اس تباہی کی بڑھتی ہوئی آگ کو
سوویت ماؤں کے آنسوؤں نے بجھایا
ہم اس احسان کو بھول سکتے نہیں

وہ جو نازی درندوں اور ایران کے بیچ میں آ کے حائل ہوا
لینن کا ہاتھ تھا
وہ جو ہٹلر کی فوجوں کے رستے میں دیوار بن کر کھڑا ہو گیا
لینن کا جسم تھا
جس نے اس آگ، بارود کے تند سیلاب کو غرق خود اپنے ہی خون میں کر

ebooksgallery.com

دیا
لینن کا شہر تھا
جس نے سنسار کو امن اور شانتی بخش دی
لینن کا وار تھا

ساتھیو
اب بھی یہ آہنی ہاتھ دھرتی کے سینے پہ اک ڈھال کی طرح رکھا ہوا ہے
ہر نئے ملک میں اس کی رنگت بدل جاتی ہے
نام تبدیل ہو جاتا ہے
سوویت یونین اسے کاتیا اور پیشا بھی کہتے ہیں، ہندوستان میں محمد،
ہری، اور کراچی میں محبوب، مقبول، لاہور میں فاطمہ، چین میں لی،
ہزارے میں گلباز، یونان میں مارکو
یہ جہاں بھی ہو لیننی ہاتھ ہے
رنگ اور نام بدلے ہوئے ہیں لہو ایک ہے
اور وہ سورج ہے
اور اس آہنی ہاتھ کو کوئی ایٹم کا بم توڑ سکتا نہیں

6

روس کی سرحدوں کی کوئی حد نہیں
ملک اور سلطنت کی حدیں وادیوں، ندیوں اور پہاڑوں تلک
قوم کی سرحدیں صرف تاریخ و نفس و معاش و زبان و تمدن تلک
لیکن انسان کی کوئی سرحد نہیں
سوویت یونین کی حدیں
وادی و دشت و کہسار کو توڑ کر خود دلوں سے گزر جاتی ہیں
اور نیو یارک کے کارخانوں میں، لندن کے بجلی گھروں میں، کناڈا کے

ebooksgallery.com

کھیتوں میں
بنگال کے جھونپڑوں اور نئی دہلی کے دفتروں میں بکھر جاتی ہیں
ساری انسانیت ایک ہے
چین کے آتش افروز رخسار سے
خون آلودہ یونان کے چاک قلب وجگر تک
میکسکو اور اسپین کی رات سے
ہنگری اور رومانیہ کی سحر تک
سوویت یونین کے طرب زار سے
ہند و ایران کے آنسوؤں تک
حبشیوں کی سلگتی ہوئی روح سے
ویتنام اور برما کی بپھری ہوئی بجلیوں تک
ساری انسانیت ایک ہے
کرۂ ارض بھی ایک ہے
کائنات ایک ہے
اور وہ جہد و پیکار بھی ایک ہے
جس کا ہر مورچہ روح اور دل کی دیوار ہے
اپنا درد ایک ہے، اپنا غم ایک ہے
ایک اپنی مسرّت، مسرّت کے خواب
اور خوابوں کی تعبیر بھی ایک ہے
امن، انسانیت، زندگی، قہقہے
علم، حکمت، ہنر، شاعری،
راگنی، پھول، بچے، محبت، بہاریں

کچھ بہاریں جواں ہو چکی ہیں
کچھ ابھی نوشگفتہ شگوفوں کے آغوش میں پرورش پا رہی ہیں

ebooksgallery.com

پھول ابھی زیرِ تخلیق ہیں

ہم ان اپنی بہاروں کو انسان کے خون میں غرق ہونے نہ دیں گے
جنگ کی سازشیں کرنے والوں کو ہم
اپنی لاشوں کے اوپر گزرنے نہ دیں گے
ہم شعاعوں کی مانند دنیا میں بکھرے ہوئے
آسماں کی طرح ساری دھرتی پہ چھائے ہوئے
فصلِ گل کی طرح شاخ در شاخ پھیلے ہوئے
اپنی دھرتی سے صدیوں کا بارِ گراں پھینک دینے کو تیار ہیں
بولو تم اپنے ایٹم کے بم کس پہ برساؤ گے
بولو امریکی برطانوی بدمعاشو لٹیرو
ماسکو ماسکو میں نہیں
خود تمھارے ہی شہروں میں ہے
خود تمھارے گھروں اور باورچی خانوں میں ہے
تیسری جنگ کی کوکھ میں ایک جنگ اور ہے

7

خوش ہوا اے سرزمین وطن، میرے ہندوستاں
تیری سرحد پہ اک دیس ہے
ارضِ کشمیر کی مسکراتی بہاروں کے اس پار ہنستی بہاروں کی دنیا
تاجکستان اور ازبکستان کی سرزمیں
اور اس سے پرے کوہ قفقاز رومان انگیز ہے
وادیاں زندگی بخش ہیں
برف کی چوٹیاں حوصلہ آزما
خواب آور صنوبر کے سائے
جن کی ٹھنڈی ہوا میں تمارا کی دلکش جوانی نے انگڑائی لی

ebooksgallery.com

رُشت دیلی نے حسن اور شجاعت کے افسانے گائے
نظامینے نغمات کے پھول برسائے
خاقانی نے اپنے اشکوں کے موتی بکھیرے
میرے بچپن نے قفقاز کی سرخ اور سبز پریوں کے قصے سنے
جن سے میرا تخیل ابھی تک پری خانہ ہے
ان کی پیشانیاں برف کی
آنکھیں نیلم کی
اور ہونٹ یاقوت کے
شاہزادوں کی عاشق۔
لیکن اب کوہ قفقاز کی گود میں ایک پری اور ہے
اس کے شانوں پر فولاد کے پر ہیں، بالوں میں بجلی کی لہریں
یہ نئی زندگی، اشتراکی حقیقت ہے جو شاہزادوں کی عاشق نہیں

اگلی صدیوں میں اس دیس سے
تاجکستان اور ازبکستان کی سرزمیں سے
صرف فاتح یہاں آتے تھے
لیکن اب مغربی کوہساروں کے اس پار سے
سوویت دیس سے
جس کو کوہ ہمالہ کے شاہین اپنی بلندی پہ بیٹھے ہوئے رشک سے دیکھتے ہیں
ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چلی آرہی ہیں
اور خبریں بہاروں کی پوشاک پہنے ہوئے
نرم گیہوں کے خوشوں، روئی کے شگوفوں سے پیشانیوں کو سجائے ہوئے
اپنے ہاتھوں پہ علم اور حکمت کی شمعیں جلائے ہوئے
اور محبت کے پیغام ترسون زادے کی آواز میں
اور لینن کا جوش عمل

ebooksgallery.com

ایلیا اور فدائیف کی روح کی گرمیاں
مایا کاؤسکی اور تخوناف کے زمزمے
گورکی کے محبت بھرے دل کی بیتابیاں
جو مہکتے ہوئے نرم اور صاف کاغذ کے سینے پہ الفاظ بن کر اُبھر آئی ہیں

آسماں نیلگوں ہے
زمیں سبز ہے
اور افق سرخ ہے
قید خانوں کے دیوار و در صرف مٹی کا اک ڈھیر ہیں۔
پھانسیاں سرنگوں
نوجوانوں کے ہاتھوں میں بندوق پستول اور تازیانے نہیں
پھول ہیں، ساز ہیں، جام ہیں
کس قدر خوبصورت ہیں وہ ہاتھ وہ انگلیاں
جن کی پوروں سے مال اور دولت کی گنگا رواں ہے
کتنے شاداب چہرے ہیں
کتنے حسین ہونٹ ہیں
کتنی تابندہ پیشانیاں
کتنی بھرپور ہیں کھیتیاں
جن کے سینے پہ ہل بیل بوٹے بناتے ہوئے چل رہے ہیں
بجلیاں خرمنوں کی حفاظت پہ مامور ہیں
روٹیاں سرخ ہونٹوں کے بوسوں سے سرشار ہیں
لڑکیاں گا رہی ہیں
بچے ماؤں کی گردن میں باہوں کو ڈالے ہوئے ہنس رہے ہیں
اور اپنے وطن کے شہیدوں کے خوابوں کی تعبیر سے کھیلتے پھر رہے ہیں۔

ebooksgallery.com

8

وہ جو اس سرخ دستے کا سالار ہے
زارشاہی کے اک کھیت مزدور کا لال ہے
اس کی ماں نے اسے اصطبل میں جنا تھا
اور یہ نوعمر لڑکی جو اب انقلابی عدالت کی کرسی پہ ہے
یا وہ دوشیزہ جو اک ٹرکٹر پہ بیٹھی ہوئی ہے
اس کی ماں چند روبل میں بیچی گئی تھی
اور وہ سائنس داں جس کے سینے میں ایٹم کی قوت کا ہر راز محفوظ ہے
ایک فولاد کے کارخانے میں مزدور تھا
اور یہ شاعر کبھی زار کی جیل میں قید تھا
جسم پر اب بھی کوڑوں کے نیلے نشاں ہیں
یہ نئی زندگانی کے معمار ہیں
ان کے سینوں میں شیروں کے دل
ان کے ہاتھوں میں مزدور کی انگلیاں
ان کے ماتھوں پہ لینن کے ماتھے کا نور
ان کو انسانیت کے گلے کاٹنے، خوں بہانے کی فرصت نہیں
یہ پہاڑوں کے سینوں کو بر مارہے ہیں
زمیں کی تہوں کو الٹنے میں مصروف
دریاؤں پر پل بنانے میں مشغول ہیں
ان کو بمبار اور ٹینکوں سے زیادہ عزیز اپنے ہل ہیں
ان کو جنگی محاذوں سے نفرت ہے اور تھیٹروں سے محبت
یہ لہو دیکھنا بھی نہیں چاہتے
ان کو زخموں سے رغبت نہیں
یہ بنفشہ کے پھولوں صنوبر کے سایوں کے عاشق

ebooksgallery.com

تلسی داس اور فردوسی کی شاعری کے پرستار، رے فیل، لیونارڈو
مائیکل انجلو کے پریمی
یہ تھوون کے گیتوں میں کھو جانے والے
تاتیانا کی الھڑ محبت پہ رو دینے والے
شیریں فرہاد کی داستان محبت کو اپنی محبت بنا لینے والے
سوویت یونین کے سپوت
ان کو لینن نے پیدا کیا اور امنگوں نے پالا
اور اس رہ پہ چلنا سکھایا جسے آج دنیا کی ہر قوم اپنا رہی ہے

9

سوویت یونین کی بہاروں کی جے
آبشاروں کی جے، برق پاروں کی جے
دل بروں، گل رخوں، مہ جبینوں کی جے
آنچلوں، دامنوں، آستینوں کی جے
سوویت ماؤں کے گرم سینوں کی جے
ماؤں کے دودھ کی پاک دھاروں کی جے
پارکوں، پالنوں، گاہواروں کی جے
دودھ پیتے ہوئے نونہالوں کی جے
بلبلوں، تتلیوں اور غزالوں کی جے
نیلی جھیلوں، بنفشہ کے پھولوں کی جے
دل کی پینگوں، محبت کے جھولوں کی جے
دودھ، شہد اور پانی کے پیالوں کی جے
چاولوں، روٹیوں اور نوالوں کی جے
حسن کی نرم خاموش نظروں کی جے
دوب پر نرم شبنم کے قطروں کی جے

ebooksgallery.com

کاشتکاروں کی جے، کامگاروں کی جے
ابرِ دولت کی ٹھنڈی پھواروں کی جے
انجنوں پٹریوں اور ریلوں کی جے
سیب کے پیڑوں انگور کی سبز بیلوں کی جے
میوزیم کی، کتب خانوں کی، اسپتالوں کی جے
علم و حکمت کی جے، باکمالوں کی جے
کوئلے اور لوہے کی کانوں کی جے
سرخ قوموں کی میٹھی زبانوں کی جے
والگا اور قفقاز کے پاسبانوں کی جے
برف کے نیچے سوتے جوانوں کی جے
شاعروں کے ترانوں کی جے
لیکھکوں کے فسانوں کی جے
امن اور شانتی کے لیے لڑنے والوں کی جے
مسکراتے ہوئے ہونٹ ہنستے ہوئے سرخ گالوں کی جے
حریت کے چمکتے شرارے کی جے
امن کے جگمگاتے ستارے کی جے

دسمبر 1948

ebooksgallery.com

بیرونی ناموں کی تشریح

ایلیا	پورا نام ایلیا اہرن برگ ہے۔ سوویت یونین کا عظیم ناول نگار اور ادیب جو سب سے بڑی ادبی عزت استالن انعام حاصل کر چکا ہے
ازبک	سوویت یونین کی ایک قوم جو کشمیر کے پچھم اور ایران کے اتر میں آباد ہے۔
باطوم	بحر اسود کے مشرقی ساحل پر ایک شہر جو تیل کے چشموں کے لیے مشہور ہے
باکو	بحر کیپین کے مغربی ساحل پر ایک شہر جو تیل کے چشموں کے لیے مشہور ہے
بخارا	ازبکستان کا ایک مشہور شہر جسے تاریخی عظمت حاصل ہے
بدخشاں	تاجکستان کے مشرق میں ایک شہر، اسے بھی تاریخی شہرت حاصل ہے
بائرن	انیسویں صدی کا رومانوی انگریزی شاعر
بتھوون	انیسویں صدی کا عظیم جرمن موسیقار
بُخارِن	روسی کمیونسٹ پارٹی کا ممبر تھا جس نے لینن کے اصولوں اور سوویت یونین سے غداری کی، سازش میں پکڑا گیا، اور موت کی سزا ملی۔
بیری کیڈی	سڑک پر راستہ بند کر کے مورچہ بنانا تا کہ دشمن کے سپاہی آگے نہ بڑھ سکیں۔ یہ مورچے ہر انقلاب کے وقت بنتے ہیں۔
تاتیانا	روس کے کلاسیکی شاعر پشکن کی سب سے مشہور نظم ''یوجین آنے گن'' کی ہیروئن۔ تاتیانا کا کردار، روسی عورت کی سادگی، خلوص اور محبت کی سچی تصویر سمجھا جاتا ہے۔
تاجک	سوویت یونین کی ایک قوم جو کشمیر کے پچھم اور ایران کے اتر میں آباد ہے۔
تخوناف	سوویت یونین کا مشہور شاعر
ترسون زادہ	تاجکستان کا مشہور شاعر جو ہندستان بھی آیا تھا، اس نے ہندوستان پر ایک طویل نظم فارسی میں لکھی ہے جس پر اس کو استالن انعام ملا ہے۔
ٹرانسکی	روسی کمیونسٹ پارٹی کا ممبر تھا جس نے لینن کے اصولوں اور سوویت حکومت سے غداری کی، اس کی غداری کا سلسلہ انقلاب سے پہلے ہی شروع ہو چکا تھا۔
ثمارا	جیار جیا کی ملکہ کا نام جس نے بارہویں اور تیرہویں صدی میں حکومت کی۔ اس کا دور

ebooksgallery.com

جیارجیا کی تہذیبی ترقی کے لیے مشہور ہے۔

ٹنڈرا روس کے شمالی علاقے کے وسیع برفستان۔

ٹیگا روس کے شمال اور ٹنڈرا کے جنوب میں پھیلے ہوئے ہزاروں میل لمبے جنگل جن کے بعض حصوں میں انقلاب سے پہلے کسی انسان نے قدم نہیں رکھا تھا، وہاں کے باشندوں کی ترقی کئی ہزار برس پہلے رک گئی تھی اور انقلاب روس کے وقت پتھر اور لوہے کے دور میں تھے۔ انقلاب نے انہیں براہ راست اشتراکیت کے دور میں داخل کر دیا۔ وہاں کی ننائی قوم سب سے زیادہ مشہور ہے۔

چک چی سوویت یونین کے شمال مشرقی برفستانی علاقے کی ایک چھوٹی سی قوم اس کا حال بھی ٹیگا کے باشندوں کا سا تھا۔

چیخف روس کی آخری انیسویں صدی کا عظیم افسانہ نگار جس کی یادگاروں کو جرمن نازیوں نے تباہ کرنے کی کوشش کی۔

حافظ ایران کا عظیم کلاسیکی شاعر (چودھویں صدی)

خاقانی سوویت آذربائیجان کا کلاسیکی شاعر جس نے فارسی زبان میں شاعری کی ہے (بارہویں صدی) اس کا باپ بڑھئی تھا اور ماں کنیز، شیرواں شاہ نے اس کو قید کر دیا تھا، جہاں اس نے اپنی سب سے شاندار نظم کہی۔

خیام ایران کا کلاسیکی شاعر (تیرہویں صدی)

ڈارون انیسویں صدی کا انگریز سائنس داں جس نے انسان کے ارتقاء پر عظیم الشان کام کیا ہے۔

ڈان ایک مشہور روسی دریا کا نام اور اس کے آس پاس کے علاقے کا نام جس میں کوسک قوم آباد ہے۔

ڈینکن ایک سفید روسی فوجی افسر، جس نے روسی انقلاب کے خلاف دنیا کو سامراجیوں کے ساتھ مل کر فوجی مداخلت میں حصہ لیا۔

رستاویلی استالن کے وطن جیارجیا کا قومی شاعر (بارہویں صدی) جو ملکہ تمارا کے عہد میں تھا۔ اس نے جیارجیا کی آزادی اور شجاعت کے گیت گائے ہیں۔

ریفیل اطالیہ کا کلاسیکی مصور۔

ebooksgallery.com

رینگل ایک سفید روسی افسر جس نے ڈینکن کی طرح روسی انقلاب کے خلاف دنیا کے سامراجیوں کے ساتھ مل کر فوجی مداخلت میں حصہ لیا۔

زویا روسی چھاپہ مارلڑکی جسے جرمنوں نے پھانسی دے دی، وہ ساری آزاد دنیا کی ہیروئن ہے۔

سعدی ایران کا کلاسیکی شاعر۔

سیزر اطالیہ کے دور غلامی کے حکمرانوں کا خطاب۔

سمرقند ازبکستان کا مشہور شہر جسے تاریخی عظمت حاصل ہے۔

شیلی انیسویں صدی کا رومانی انگریزی شاعر، بائرن کا ہم عصر۔

طالسطائی انیسویں صدی کے روس کا عظیم ناول نگار جس کی یادگاروں کو جرمن نازیوں نے تباہ کرنے کی کوشش کی۔

فدائیف سوویت یونین کا عظیم ناول نگار جسے استالن انعام مل چکا ہے۔

فردوسی ایران کا شاعرِ اعظم۔ شاہنامہ کا مصنف (دسویں صدی)

قفقاز سوویت یونین کے جنوبی علاقے میں بحراسود اور بحرکیسپین کے درمیان پہاڑی سلسلہ جو کہانیوں میں کوہ قاف کے نام سے مشہور ہے۔ استالن کا وطن جیارجیا اسی پہاڑی کے دامن میں ہے جس سے ملی ہوئی آرمینیا اور آذربائیجان کی سوویت کی ریپبلکیں ہیں۔

کاکیشس قفقاز کا انگریزی نام۔ کالمک سوویت یونین کی ایک قومیت۔

کیتوشا یہ لفظ استالن کتھا کے اس مصرعے میں استعمال ہوا ہے ''ہنستے ہنستے لوٹی جائیں کیتوشائیں بڑھتے جاؤ'' یہ روس میں لڑکیوں کا بڑا مقبول اور عام نام ہے اور سوویت کے ہر دل عزیز شاعر ازاکافسکی کی ایک نظم کا کردار بھی ہے۔ زمانۂ جنگ میں اس نظم کی مقبولیت کی وجہ سے سوویت یونین نے اپنی ایک نئی قسم کی توپ کا نام کیتوشائیں رکھ دیا تھا، یہ کیتوشائیں سرخ فوج کو بہت پیاری تھیں لیکن جرمن نازیوں کا دم نکلتا تھا۔

کریاک چک چی علاقے میں آباد دوسی ہی ایک چھوٹی سی قوم۔

کوسک ڈان کے علاقے میں آباد قوم کا نام، اس قوم کے لوگ بڑے رومانی اور جنگ جو ہوتے ہیں۔

کولچک ایک سفید روسی افسر جس نے ڈینکن اور رینگل کی طرح روسی انقلاب کے خلاف سامراجیوں کے ساتھ مل کر فوجی مداخلت میں حصہ لیا۔

کولک امیر کسان جو دیہات کا بورژوا ہوتا ہے۔ یہ روسی زبان کا لفظ ہے۔

ebooksgallery.com

کیٹس	انیسویں صدی کا رومانی انگریزی شاعر، بائرن اور شیلی کا ہم عصر۔
گلوٹین	ایک طرح کا مشین سے چلنے والا گنڈاسا جو انقلاب فرانس (93-1789) کے وقت غداروں کا سر کاٹنے کے لیے استعمال کیا گیا۔
گورکی	میکسم گورکی سوویت کا سب سے بڑا انقلابی افسانہ نگار اور ادیب جس نے اشتراکی حقیقت نگاری کی بنیاد ڈالی۔ 1936ء میں انتقال ہوا۔
لائی سنکو	سوویت یونین کا مشہور سائنس دان جس نے اپنے مادی نظریات کی مدد سے حیاتیاتی علوم میں ایک انقلاب برپا کر دیا، اس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ حاصل کی ہوئی خصوصیات نسلوں میں منتقل کی جا سکتی ہیں۔ اس سے پودوں اور جانوروں کی بہتر قسمیں پیدا ہو رہی ہیں۔
لوئی	فرانس کا بادشاہ جسے انقلاب فرانس کے وقت گلوٹین پر تیغ ہادیا گیا۔
لیونارڈو	لیونارڈو ڈی ونچی۔ اطالیہ کا کلاسیکی مصور۔
مایاکاوسکی	سوویت یونین کا سب سے بڑا انقلابی شاعر۔ 1930 میں خودکشی کر لی۔
مائیکل انجلو	اطالیہ کا کلاسیکی بت تراش۔
ملٹن	شیکسپیئر کے بعد انگلستان کا عظیم ترین شاعر (سترہویں صدی) جس نے جاگیرداروں کے خلاف ابھرتے ہوئے بورژوا طبقے کے انقلابی جذبات کی ترجمانی کی۔ اس کی سب سے مشہور نظم "فردوس گم شدہ" ہے۔
نظامی	آذربائیجان کا قومی شاعر جس نے فارسی میں شاعری کی (بارہویں صدی) نظامی کی پانچ مثنویوں کا مجموعہ خمسہ عالم گیر شہرت حاصل کر چکا ہے، اس کی مثنوی شیریں فرہاد کا درجہ شیکسپیئر کے 'رومیو جولیٹ' اور گوئٹے کے 'ورتھر' سے بڑا سمجھا جاتا ہے۔
نکولس	روس کا زار (بادشاہ) جسے 1917 کے انقلاب کے وقت قتل کر دیا گیا۔
والگا	سوویت یونین کا سب سے مشہور دریا جس کے کنارے استالن گراد آباد ہے۔
یورال	سوویت یونین کے وسط میں پہاڑی سلسلہ جو یورپ اور ایشیا کو الگ کرتا ہے۔
یوکرین	سوویت یونین کے مغربی علاقے کی ایک ریپبلک۔

ebooksgallery.com

ebooksgallery.com

ebooksgallery.com

کلیاتِ علی سردار جعفری

جلد دوم
(شاعری)

مرتب

علی احمد فاطمی

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومتِ ہند
ویسٹ بلاک۔1، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی۔110066

ebooksgallery.com

Kulliyat-e-Ali Sardar Jafri-Vol. II (Poetry)

Edited by

Ali Ahmad Fatmi

© قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

پہلا ایڈیشن : 1100

سنہ اشاعت : جولائی، ستمبر 2005، شک 1927

قیمت : -/200 روپے

شمار سلسلۂ مطبوعات : 1235

ISBN : 81-7587-103-2

ناشر: ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 1، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی-110066

فون نمبر: 26103938، 26103381، 26179657 فیکس: 26108159

ای۔میل: urducoun@ndf.vsnl.net.in ویب سائٹ: www.urducouncil.nic.in

طابع: لاہوتی پرنٹ ایڈز، جامع مسجد دہلی- 110006

ebooksgallery.com

پیش لفظ

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان ایک قومی مقتدرہ کی حیثیت سے کام کررہی ہے۔ اس کی کارگذاریوں کا دائرہ کئی علوم کا احاطہ کرتا ہے جن میں اردو کی ان کتابوں کی مکرّر اشاعت بھی شامل ہے جو اردو زبان و ادب کی تاریخ میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہیں اور اب نایاب ہوتی جارہی ہیں۔ ہمارا یہ ادبی سرمایہ محض ماضی کا قیمتی ورثہ ہی نہیں، بلکہ یہ حال کی تعمیر اور مستقبل کی منصوبہ بندی میں ہماری رہنمائی بھی کرتا ہے۔ اس سے کماحقہ، واقفیت نئی نسلوں کے لیے بے حد ضروری ہے۔ قومی اردو کونسل ایک منضبط منصوبے کے تحت قدیم اور جدید عہد کی اردو کی تصنیفات شائع کرنے کی اس لیے بھی خواہاں ہے تاکہ اردو کے اس قیمتی علمی و ادبی سرمائے کو آنے والی نسلوں تک پہنچایا جاسکے اور زمانے کی دستبرد سے بھی اسے محفوظ رکھا جاسکے۔

عہدِ حاضر میں اردو کے مستند کلاسیکی متون کی حصولیابی، نیز ان کی کمپوزنگ اور پروف ریڈنگ ایک بہت بڑا مسئلہ ہے، لیکن قومی اردو کونسل نے حتی الوسع اس مسئلے پر قابو پانے کی کوشش کی ہے۔ کلیاتِ علی سردار جعفری اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جسے کونسل قارئین کی خدمت میں پیش کررہی ہے۔

اہلِ علم سے گزارش ہے کہ کتاب میں کوئی خامی نظر آئے تو تحریر فرمائیں تاکہ اگلی اشاعت میں دور کی جاسکے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ

ڈائرکٹر

ebooksgallery.com

ebooksgallery.com

فہرست

صفحہ	عنوانات	نمبر شمار
17-57	**5۔ ایشیا جاگ اٹھا**	
59-179	**6۔ پتھر کی دیوار**	
61	حرفِ اول	1
71	دیباچہ طبع ثانی	2
73	پتھر کی دیوار	3
81	موت	4
85	مقتول ماتا	5
87	بمبئی	6
92	دکن کی شہزادی	7
94	اودھ کی خاکِ حسیں	8
101	میرے خواب	9
107	شادی کا دن	10
108	جیل کی رات	11
109	تمھاری آنکھیں	12
112	تجدیدِ وفا	13
114	نیند	14
118	ایک سال	15
123	زنداں بہ زنداں	16
125	خونیں ہاتھ	17

ebooksgallery.com

18	بھوکی ماں، بھوکا بچہ	127
19	آخری رات	129
20	فیض کے نام	131
21	سجاد ظہیر کے نام	137
22	یلغار	140
23	متفرقات	147
24	اردو	161
25	غزل	164
26	اناج	166
27	غزل	168
28	تہنیت	169
29	حسنِ کشمیر	172
30	جہلم کا ترانہ	174
31	رائفل کی گولیوں کا نغمہ اور نئے شعری پیکر کی تخلیق	177
7۔	**ایک خواب اور**	**181-313**
1	حرفِ اوّل	183
2	ایک خواب اور	185
3	ہاتھوں کا ترانہ	187
4	زندگی	190
5	سرِ طور	193
6	ذوقِ طلب	196
7	ہم نے دیکھا ہے	198
8	غزل (شکستِ شوق)	199
9	مشرق ومغرب	201

ebooksgallery.com

10	تین شرابی	205
11	قطعہ (تبسم لب ساقی)	215
12	محفل یاراں	215
13	جشنِ بادہ گساراں	216
14	مرے عزیزو، مرے رفیقو	218
15	نذرِ عقیدت	224
16	غزل (میں جہاں تم کو بلاتا ہوں)	225
17	جامِ محبت	226
18	سو رنگ	227
19	غزل (لغزشِ گام)	228
20	غزل (گماں اور)	229
21	غزل (دل کے سوا)	230
22	غزل (کھلے ہیں گلزار)	231
23	غزل (ظلم کی کچھ معیاد نہیں ہے)	232
24	غزل (سینہ فگار آتے ہیں)	233
25	غزل (دل کے آنگن میں)	234
26	غزل (یاد آئے ہیں)	235
27	لمحوں کے چراغ	236
28	یہ زندگی ہے	237
29	حسین تر	238
30	میرا سفر	240
31	کوچۂ چاکِ گریباں	243
32	ایک بات	244
33	نوالہ	245
34	دو چراغ	246

ebooksgallery.com

35	دردِ عشق	248
36	اہلِ درد	249
37	دو شعر (منزل کوئی نہیں)	250
38	دو شعر (یہ نہ پوچھ)	250
39	دو شعر (شوق کی راہ میں)	251
40	دو شعر (اے ساقی)	251
41	غزل (خزاں ہے چار دن کی)	252
42	تین شعر (خونِ دل)	243
43	غزل (خیر مناؤ)	254
44	تخلیق کا کرب	255
45	دو شعر (برگ خشک و زرد)	255
46	دو شعر (تمام رات)	256
47	دو شعر (بات کرو)	256
48	دو شعر (پسند کیوں قاتلوں کو آئیں)	257
49	تین شعر (یہ بوئے گل)	257
50	سلام	258
51	قطعہ (حُسن تیرا)	259
52	تین شعر (کنارِ شوق)	260
53	تین شعر (جنونِ زلفِ معنبر)	260
54	دو شعر (زخمِ تازہ کی سوغات)	261
55	قطعہ (ہوائے صبحِ مشرق)	261
56	پانچ شعر (جس سے.....کبھی)	262
57	آباد ویرانے	263
58	مرے خواب	264
59	ایک پھول	265

ebooksgallery.com

60	قطعہ (شمعِ دلبری لے کر)	266
61	ترے پیار کا نام	266
62	جب ترا نام لیا	267
63	درد اک چاند ہے	268
64	غم کا ہیرا	268
65	اجنبی آنکھیں	269
66	شعلہ لبی	269
67	پیاس بھی ایک سمندر ہے	270
68	شعلہ و شبنم	270
69	یاقوت لبی	271
70	چاند کو رخصت کردو	271
71	آرزو کے صنم خانے	272
72	تم نہیں آئے تھے جب	274
73	تو مجھے اتنے پیار سے مت دیکھ	276
74	بہت قریب ہو تم	277
75	تمھارے ہاتھ	278
76	نسیم تیری قبا	279
77	پیاس کی آگ	280
78	قتالۂ عالم	281
79	قطعہ (نسیمِ صبحِ تصور)	282
80	غزل (خوگرِ روئے خوش جمال ہیں ہم)	283
81	غزل (ہے کہ نہیں)	284
82	غزل (حسرتِ دل ہے)	285
83	غزل (اور بھی تیز)	286
84	غزل (نغمۂ زنجیر ہے)	287

ebooksgallery.com

85	تین شعر (رفیق بھی ہے)	288
86	دوسناٹے	289
87	شعلۂ حسن	290
88	قطعہ (آ تیرے ہونٹ چوم لوں)	291
89	قطعہ (ابھی جوان ہے)	291
90	تن کی چاندی، من کا سونا	292
91	قطعہ (متحد ہو کے اٹھے)	293
92	شامِ غم	294
93	لطفِ سخن	296
94	سناٹا	297
95	خنجروں کی روشنی	298
96	قطعہ (ہر ایک خوشی)	299
97	جب صبا آئے گی	300
98	قتلِ آفتاب	301
99	برہنہ پاہے بہار	302
100	پیغمبرِ مسیحادست	305
101	رہبر کی موت	308
102	صندل وگلاب کی راکھ	309
103	فاصلے	311
104	متفرق اشعار	312
8	**پیراہنِ شرر**	**315-380**
1	پیراہنِ شبنم — پنڈت آنند نرائن ملاؔ	319
2	حرفِ اوّل	324
3	پیراہنِ شرر	333

ebooksgallery.com

4	تم بھی آؤ	334
5	انٹلکچول	335
6	یہ لہو	337
7	دعا	339
8	قطعہ	341
9	غزل	342
10	غزل	343
11	غزل	344
12	غزل	345
13	جنگ بازوں کا فرمان	346
14	کون دشمن ہے؟	347
15	شہرِ تمنا	351
16	دستِ فریاد	353
17	اشکِ ندامت	353
18	صبحِ فردا	354
19	ہمارے نام	357
20	غزل	360
21	جرعہ جرعہ قطرہ قطرہ	362
22	چار شعر	363
23	موسموں کا گیت	364
24	حرفِ آخر	373
25	تاشقند کی شام	375
26	اسے نہ ڈھونڈھو	377
27	امانتِ غم	378

ebooksgallery.com

9 لہو پکارتا ہے 381-470

1	حرفِ اول	385
2	ایک شعر	386
3	لہو پکارتا ہے	387
4	گفتگو	389
5	نظم	391
6	نظم	392
7	قطعہ	392
8	آرزوئے تشنہ لبی	393
9	چار شعر	394
10	دو شعر	394
11	غزل	395
12	تمھارا شہر	396
13	پھول، چاند، پرچم	399
14	لدی تسے	401
15	ایک پرانی داستان	403
16	اب بھی روشن ہیں	405
17	شعور	407
18	برہنہ فقیر	408
19	نفرتوں کی سپر	410
20	قطعہ	411
21	دو شعر	411
22	غزل	412
23	جشنِ دلداری	413

ebooksgallery.com

24	غزل	415
25	دلنواز لہو	416
26	قطعہ	417
27	کون سچ بولے گا	417
28	تین شعر	418
29	دو شعر	418
30	قطعہ	419
31	دو شعر	419
32	دو شعر	420
33	خون کا اجالا	420
34	سجاد ظہیر	421
35	صلیب	421
36	چار شعر	422
37	غزل	423
38	نظم	424
39	غزل	425
40	دو شعر	426
41	غزل	427
42	شاعر	428
43	غزل	429
44	غزل	431
45	نظم	432
46	نظم	432
47	نظم	432
48	غزل	433

ebooksgallery.com

49	غزل	434
50	غزل	435
51	صبحِ نوا	436
52	کارل مارکس	437
53	غزل	438
54	غزل	439
55	خاموشی	440
56	چھوٹا سا دل	441
57	تین شعر	442
58	غزل	443
59	غزل	444
60	اشعار	445
61	تین شعر	445
62	ہندستان کے بھوکے اساتذہ	446
63	اشعار	446
64	نظم	447
65	اقبال کی آواز	448
66	تین شعر	448
67	غزل	449
68	تہنیت	451
69	غزل	453
70	قطعہ	454
71	تین شعر	454
72	کاسۂ سر	455
73	لمحۂ آفتاب	456

ebooksgallery.com

74	غزل	457
75	افریقی لڑکی	459
76	حبشی میرا بھائی	460
77	لوئی آراگوں	463
78	پابلونرودا	464
79	جولیو کیوری	466
80	پال روبسن	467
81	ایلیا اہرن برگ	469
82	فیض احمد فیض	469
83	کرشن چندر	470
	بعد چند نظمیں و غزلیں	**471-533**
1	کربلا (ایک رجز)	473
2	آبلہ پا	477
3	غزل	480
4	غزل	481
5	غزل	482
6	سیلِ وقت (رقصِ خزاں)	483
7	خوابِ پریشاں	484
8	رقصِ ابلیس	486
9	رقصِ ابلیس کے بعد	487
10	دعائے مغفرت	490
11	ایک شعر	490
12	نومبر میرا گہوارہ	491
13	دل اور شکستِ دل	504
14	اے شہ سوارو	506
15	العطش	508

ebooksgallery.com

16	پسِ دیوارِ زنداں	510
17	چار شعر	511
18	ہوسِ دل	511
19	دو شعر	512
20	نئی نسل کے نام	512
21	غزل	514
22	ایک شعر	514
23	راج نراج	515
24	غزل	516
25	غزل	517
26	غزل	518
27	ایک شعر	518
28	ایک شعر	519
29	ایک نظم	519
30	سمندر کی بیٹی	520
31	دو شعر	522
32	دولتِ دنیا کا حساب	523
33	کرشمہ	524
34	پروین شاکر	525
35	صفارت خانۂ جاں	528
36	نذرِ اختر الایمان	529
37	تین شعر	529
38	احمد فراز کے نام	530
39	وید مقدس	531
40	چنڈالکا	532
41	غزل	533

ebooksgallery.com

ایشیا جاگ اٹھا

(سنِ اشاعت۔ پہلی بار۔ اکتوبر 1950ء

دوسری بار۔ مارچ 1952)

یہ ایشیا کی حسین بستی ہے ٹینک کا راستا نہیں ہے
اڑیں گے جس میں تمھارے بمبار اب یہ ایسی ہوا نہیں ہے
تمھیں گزرنا پڑے گا ہر گام پر تلنگانے کی زمیں سے
تمھارے سر پر پہاڑ برسیں گے چھاپہ ماروں کی آستیں سے
بھنور کے حلقے تمھارے پیروں میں اپنی زنجیر ڈال دیں گے
ہواؤں کے ہاتھ تم کو نیلی فضا سے اوپر اچھال دیں گے

ebooksgallery.com

ebooksgallery.com

کرشن چندر کی حسین و جمیل

کہانیوں کے نام

جو

ایشیا کی جنگ آزادی کے خوبصورت ہتھیار ہیں

ebooksgallery.com

جو تھا نہیں ہے، جو ہے نہ ہوگا، یہی ہے اک حرف محرمانہ
قریب تر ہے نمود جس کی اسی کا مشتاق ہے زمانہ
جہانِ نو ہو رہا ہے پیدا، وہ عالمِ پیر مر رہا ہے
جسے فرنگی مقامروں نے بنا دیا ہے قمار خانہ

اقبال

ebooksgallery.com

حرف اوّل

اب سے ہوگا ایشیا پر ایشیا والوں کا راج
دستِ محنت کو ملے گا دستِ محنت سے خراج
زندگی بدلی ہے بدلا ہے زمانے کا مزاج
چھوڑ دیں گے ہم یہ آنکھیں ہم کو مت آنکھیں دکھاؤ
ایشیا سے بھاگ جاؤ

ہم نے دیکھے ہیں بہت ظلم و ستم قہر و عتاب
نوچ لیں گے ہم تمھاری سلطنت کا آفتاب
ہم بھی دیں گے تم کو اب جوتے سے جوتے کا جواب
ہاں بڑے آئے کہیں کے لاٹ صاحب جاؤ جاؤ
ایشیا سے بھاگ جاؤ

لد گئے وہ دن کہ جب آقا تھے تم اور ہم غلام
ہم وہ بے حس تھے کہ تم کو جھک کے کرتے تھے سلام
آج ہم ہیں بددماغ وبدزبان و بدلگام!
سیر کا بدلہ ہے سیر اور پاؤ کا بدلہ ہے پاؤ
ایشیا سے بھاگ جاؤ

ebooksgallery.com

ہاں کبھی تھا ایشیا مجبور و محکوم و فقیر
دوسروں کا ذکر کیا خود اپنی نظروں میں حقیر
قبر کا مردہ یہ جسمِ نو جوان و روحِ پیر
زخم خوردہ پیٹھ پر تاریک صدیوں کا دباؤ
ایشیا سے بھاگ جاؤ

ایشیا روحِ لطافت پیکرِ حسن و جمال
دھان کے کھیتوں کا سینہ ڈھاک کے پھولوں کے گال
بجلیوں کے نرم و نازک ہاتھ طوفانوں کے بال
آہن و فولاد ہے مضبوط شانوں کا گٹھاؤ
ایشیا سے بھاگ جاؤ

ماؤ، استالن کا بھائی، لینن اعظم کا لال
مٹھیوں میں تتلیوں کی طرح ، روحِ ماہ و سال
نرم آنکھوں میں محبت گرم ماتھے پر جلال
اس کے کھیون ہار ہاتھ اور ایشیا والوں کی ناؤ
ایشیا سے بھاگ جاؤ

ڈالروں کے زور پر اس درجہ اتراتے ہو کیا
ہم کو اپنی توپ اپنے ٹینک دکھلاتے ہو کیا
ہائیڈروجن اور ایٹم بم سے دھمکاتے ہو کیا
ہم نہیں ڈرنے کے، جاکر اپنے بھوتوں کو ڈراؤ
ایشیا سے بھاگ جاؤ

یہ کمینے، ملک کے غدّار، ڈالر کے غلام
جن کے منہ میں تم نے ڈالی ہے حکومت کی لگام
یہ بغل بچے، یہ پٹھو بھی نہیں آئیں گے کام
یہ تو ہیں بھاڑے کے ٹٹوان پہ مت بازی لگاؤ
ایشیا سے بھاگ جاؤ

ebooksgallery.com

تیوریاں بدلے ہوئے ہیں اب زمین و آسماں
بجلیاں لے کر اٹھا ہے دل کی آہوں کا دھواں
آنکھ سے آنسو کے بدلے ڈھل رہی ہیں گولیاں
بن گئے ہیں رائفل کی آنکھ اب سینے کے گھاؤ
ایشیا سے بھاگ جاؤ

دیکھتی ہیں مُڑ کے صدیاں چین کی فوجوں کی شان
ہے ہمالہ کی بلندی پر بغاوت کی اٹھان
ندیوں کے دل پہ چھاپے مار قدموں کے نشان
دشمنوں کو گھیرے لیتا ہے پہاڑوں کا گھماؤ
ایشیا سے بھاگ جاؤ

ویت نامی فوج چلتی ہے کہ چلتے ہیں پہاڑ
موج سرکش ہے کہ اڑتے ہیں اچھلتے ہیں پہاڑ
انقلابی جوش ہے جیسے پگھلتے ہیں پہاڑ
چوٹیوں پر آج روشن ہیں بغاوت کے الاؤ
ایشیا سے بھاگ جاؤ

جنگلوں سے حملہ آور ہیں ملایا کے دلیر
گونجتے ہیں بادلوں کی طرح سے برما کے شیر
ہندو پاکستان جاگ اٹھے، نہیں ہے کوئی دیر
آمد آمد عدل کی، ظلم و ستم کا چل چلاؤ
ایشیا سے بھاگ جاؤ

خاک ایراں میں سلگتی ہیں دبی چنگاریاں
مصر و ترکی کی زمیں پر خون کی گلکاریاں
شام اور لبنان میں اٹھنے کی ہیں تیاریاں
وقت کی تلوار کا خم ہے کہ ابرو کا کھنچاؤ
ایشیا سے بھاگ جاؤ

ebooksgallery.com

بُن رہے ہیں جال مل کر آج تسبیح و جنیو
بچ کے جا سکتا نہیں دیسی بدیسی کوئی دیو
پڑ رہی ہے ہر قدم پر اک تلنگانے کی نیو
دھان اور گیہوں کے پودوں میں کمانوں کا جھکاؤ
ایشیا سے بھاگ جاؤ

آندھیوں کا زور ہے نعروں کی بوچھاروں کے ساتھ
نفرتوں کی بارشیں آنکھوں کے انگاروں کے ساتھ
موت اڑتی ہے تمھارے شاہی بمباروں کے ساتھ
اب نہیں ممکن تمھارے تاج و پرچم کا بچاؤ
ایشیا سے بھاگ جاؤ

آگ کا دریا ہے اب پورب کے سرچشموں کا تیل
بن گئی ہے آہنی زنجیر انگوروں کی بیل
شہ پہ شہ پڑتی ہے اب باقی کہاں ہے کوئی کھیل
پٹ چکے ہیں سارے مہرے شاہ وفرزیں بھی اٹھاؤ
ایشیا سے بھاگ جاؤ

تم کو کچے مال کے بدلے ملے گی ایک لات
بن گئے ہتھیار دہقانوں کے مزدوروں کے ہات
خاک کے سینے سے لاوا بن کے اب نکلے گی دھات
جان کی بازی ہے اب اس خاک کے ذرّوں کا بھاؤ
ایشیا سے بھاگ جاؤ

چل رہے ہیں وقت اور تاریخ کے کھیتوں میں ہل
پھل رہے ہیں پیڑ کی شاخوں میں تلواروں کے پھل
سانس لیتے ہی بج اٹھتے ہیں ہواؤں میں دہل
الاماں بگڑی ہوئی سرکش فضاؤں کا تناؤ
ایشیا سے بھاگ جاؤ

ebooksgallery.com

ایشیا ہنسیوں کا جنگل ہے تمھارے واسطے
ساحلوں کی ریت بھوبل ہے تمھارے واسطے
خون سے لبریز چھاگل ہے تمھارے واسطے
بوند پانی بھی نہ دیں گے تم کو پانی کے پیاؤ
ایشیا سے بھاگ جاؤ

تم جہاں بھی پاؤں رکھو گے زمیں ہٹ جائے گی
ظلم کی گردن ہوا کی دھار سے کٹ جائے گی
یہ فضا اک بم کے گولے کی طرح پھٹ جائے گی
سلطنت کی فکر چھوڑو خیر جانوں کی مناؤ
ایشیا سے بھاگ جاؤ

ایشیا کی خاک پر دم توڑتا ہے سامراج
ایشیا کی ٹھوکروں میں ہے ملوکیت کا تاج
ایشیا میں ایشیا کا جشن آزادی ہے آج
ایشیا کے خون میں ہے صبح مشرق کا رچاؤ
ایشیا سے بھاگ جاؤ

ایشیا کی جنگِ آزادی ہے اک دنیا کی جنگ
ہے ہمارے زخمِ دل میں سارے عالم کی امنگ
ہاں بدل جانے کو ہے اب مشرق و مغرب کا رنگ
آج سب مل کر پکارو، مل کے سب نعرے لگاؤ
’ایشیا سے بھاگ جاؤ‘
’ایشیا سے بھاگ جاؤ‘

ebooksgallery.com

1

یہ ایشیا کی زمین، تمدن کی کوکھ، تہذیب کا وطن ہے
یہیں پہ سورج نے آنکھ کھولی
یہیں پہ انسانیت کی پہلی سحر نے رُخ سے نقاب الٹی
یہیں سے اگلے یگوں کی شمعوں نے علم و حکمت کا نور پایا
اسی بلندی سے وید نے زمزمے سنائے
یہیں سے گوتم نے آدمی کی سمانتا کا سبق پڑھایا
یہیں سے مزدوک نے عدل و انصاف اور محبت کے راگ چھیڑے
ہماری تاریخ کی ہوائیں مسیح کے بول سن چکی ہیں
ہمارا سورج محمد مصطفٰےؐ کے سر پر چمک چکا ہے
اور اب ہمارے قدیم آکاش کے ستارے
قدیم آنکھوں سے ماؤ کی سرخ فوج کی شان دیکھتے ہیں

یہ خاک وہ خاک ہے کہ جس نے
سنہرے گیہوں کے موتیوں کو جنم دیا ہے
یہ خاک اتنی قدیم جتنی قدیم انساں کی داستانیں
عظیم اتنی عظیم جتنی ہمالیہ کی بلندیاں ہیں
حسین اتنی حسین جتنی حسیں اجنتا کی اپسرائیں
یہ اپنی فیاضیوں میں دریائے نیل و گنگا سے کم نہیں ہے۔
یہ گود بچوں سے اور پھولوں سے اور پھلوں سے بھری ہوئی ہے

حقیر کپلنگ مر چکا ہے
ذلیل چرچل کو شاید اب تک خبر نہیں ہے

ebooksgallery.com

ہمارے کھنڈروں کے نام بھی ان کی ساری بکواس سے گراں ہیں
ہمارا ورثہ مہنجد اڑو سے لے کے دیوار چین تک ہے
ہماری تاریخ تاج اور سیکری سے اہرام مصر تک ہے
ہمیں روایات کے خزانوں سے بابل و نینوا ملے ہیں
فصاحتوں نے ہمارے بچپن کے ہونٹ چومے
بلاغتوں نے بڑی حسیں لوریاں سنائیں
زبان کھولی تو وید، انجیل اور قرآن بن کے بولے
ہماری تخئیل آسمانوں کی ان بلندیوں کو چھو چکی ہے
جہاں سے فردوسی اور سعدی
نظامی، خیام اور حافظ کے چاند سورج چمک رہے ہیں
بلندیاں جن پہ والمیک اور پاک تلسی
کبیر اور سور حکمراں ہیں
انہیں فضاؤں کی بجلیاں ہیں
جو ساز اقبال اور ٹیگور کے ترانوں میں گونجتی ہیں
جو آج ناظم کی شاعری میں تڑپ اٹھی ہیں
جو لوہ سوں کی کہانی بن کر چمک رہی ہیں

2

گزر چکے ہیں ہمارے سر سے
ہزاروں سالوں کے تند طوفاں
مصیبتوں کی ہوائیں، ظلم و ستم کی آندھی
نہ جانے کتنے سکندروں کی وبائیں آئیں
ہزاروں چنگیز اور تیمور، ان گنت مانچو لٹیرے

ebooksgallery.com

کہیں سے راون کہیں سے ضحاک اپنے بالوں میں سانپ گوندھے
کہیں سے ہسٹنگز اور کلایو
کہیں سے ڈائر کہیں سے ویول
کوئی سیہ فام کوئی بھورا کوئی سفید اور کوئی پیلا
غرض ہر اک رنگ روپ کے بھیڑیوں کے حملے
مگر یہ انمول خاک پھر بھی حسین پھر بھی جواں رہی ہے
ہمارے رستم ہمارے ارجن مرے نہیں ہیں
وہ جنگلوں اور پہاڑیوں میں زمین پر کاشت کر رہے ہیں
ہمارے فرہاد اب بھی تیشے چلا رہے ہیں
جوان لیلیٰ حسین شیریں، کنواری ہیر اب بھی گا رہی ہے
شکنتلائیں گھنیرے پیڑوں کے سبز سایوں میں ناچتی ہیں
ہم ایشیا کے عوام سورج کی طرح ڈوبے ہیں اور ابھرے
دکھوں کی اگنی میں تپ کے نکھرے
ہماری آنکھوں کے آگے کتنی سیاہ صدیوں کی سانس ٹوٹی
نہ جانے کتنے بلند پرچم
ہماری نظروں کے سامنے سرنگوں ہوئے ہیں
الٹتے دیکھے ہیں تخت ہم نے
اجڑتے دیکھے ہیں تاج ہم نے
ہمارے سینے سے جانے کتنی رتھوں کے پہیے گزر چکے ہیں
مگر ہم اس بھوک، قتل، افلاس کے اندھیرے
حوادثِ روزگار کے تند و تیز شعلوں میں ان گنت جنم لے چکے ہیں
ہم اپنی دھرتی کی کوکھ میں بیج کی طرح دفن ہو گئے ہیں
مگر نئی صبح کی ہوا میں
بہار کی کونپلوں میں تبدیل ہو کے باہر نکل پڑے ہیں

ebooksgallery.com

3

ہماری نظروں میں اگلے وقتوں کے سورماؤں کے کارنامے
گئے یگوں کے افق دھندلکوں میں چھپ چکے ہیں
مگر پرانے دلاوروں کے پرانے چہرے
پرانے گرد و غبار میں جگمگا رہے ہیں
یہ بے دلی کیوں
جھجک یہ کیسی
چل اے بغاوت کے عزم اے انقلاب کے آہنی ارادے
اٹھا دے اے ذوق وشوق تاریخ کے رخ آتشیں سے بڑھ کر
ہمارے بیتے ہوئے مہ وسال کی نقابیں
پڑی وہ ڈنکوں پہ چوٹ گونجیں وہ ڈھول کی دل نشیں صدائیں
ہزاروں تلواریں بجلیوں کی طرح سے چمکیں
ہوا میں جھنکاریں ناچ اٹھیں
زمین کی کانپتی ہتھیلی پہ زلزلے، زلزلوں کی لہریں
وہ دیکھو المُوط کی پہاڑی ابھر رہی ہے
بلند چوٹی پہ ایک دھوبی
وہ المقنع کہ جس کی نظروں کی آگ کے سرخ سرخ بادل
فضا میں پھیلے، زمیں پہ برسے
اور اپنی بیتاب بجلیوں سے
دیارِ بغداد میں خلافت کی شان وشوکت کو پھونک ڈالا
عرب کے جاگیردارو بھاگو
تمھاری فوجوں کی چھاونی پر کسان لشکر جھپٹ پڑے ہیں
زمین اور آسمان شعلوں کے پیرہن میں لرز رہے ہیں

ebooksgallery.com

دیارِ خیبر

جہاں پٹھانوں کے غول حلقوں میں ناچتے ہیں
اور ان کے ڈھولک کی تھاپ اورنگ زیب کا دل ہلا رہی ہے
یہ آفریدی ہیں اور وہ مہمند اور وہ شنواریوں کا جرگہ
دفوں پہ 'غیرت' کا لفظ دوشیزہ انگلیوں سے لکھا ہوا ہے
رباب کے تار 'جنگ اور جنگ' کہہ رہے ہیں
غرور کر اے زمینِ خیبر
کہ تجھ کو خوشحال خاں خٹک سا عظیم شاعر عطا ہوا ہے
وہ جس کا ہر لفظ اک رجز ہے
زمانہ اورنگ زیب کو بھولتا چلا جا رہا ہے لیکن
وہ باغی شاعر، وہ رہنما، سورما سپاہی
ہر اک صدی میں اٹھے گا خیبر کی وادیوں سے
نئی جوانی، نئی بہاروں، نئی تمنا کا ساز لے کر
جہاں کہیں دل کا درد ہوگا
جہاں کہیں غم کا سوز ہوگا
جہاں کہیں حق کی بات ہوگی
کسی بھی گوشے میں ایشیا کے
جہاں کہیں آدمی بغاوت کا نام لے گا
وہیں سے خوشحال خاں کی للکار گونج اٹھے گی اس کے نغمے برس پڑیں گے

'سہادری'[1] کے پہاڑ انگڑائی لے کے جاگے
زمیں کا نقارہ تیز گھوڑوں کی تیز ٹاپوں سے بج رہا ہے
پہاڑ کی چوٹیوں نے توپوں کا روپ دھارا

1۔ 'سہادری' جنوبی ہندستان کے ان پہاڑوں کا نام ہے جنھیں مغربی گھاٹ کہتے ہیں۔

ebooksgallery.com

چٹانیں قلعوں کی شکل لے کر اُبھر رہی ہیں
کسان سیلاب بن کے ابلے
پلٹ گئیں وقت کی ہوائیں
الٹ گئیں سلطنت کی چالیں
مغل شہنشاہیت کو مہراشٹر کے شیروں نے نوچ ڈالا
کسان، سیلاب، زلزلے، شور، گیت، نعرے
بغاوتیں، انقلاب، شورش
غدر کا ہیجان، ٹائپنگ کا ابال اور باکسر کا طوفاں
یہ سب دلیروں کے مورچے ہیں
جو تمیں صدیوں سے لڑ رہے ہیں
یہ سر ہمیشہ کٹا کئے ہیں
یہ دل ہمیشہ لٹا کئے ہیں
یہ ہات گلتے رہے ہیں لوہے کی ہتھکڑی میں
یہ پیر سڑتے رہے ہیں زنداں کی بیڑیوں میں
زمیں امر ہے
ہوا امر ہے
امر ہے پانی
امر عوامی دلوں کی دھڑکن
جو آسماں کی کھلی فضاؤں کو ڈھونڈھتی ہے
عوام مرتے نہیں ہیں سو جاتے ہیں زمیں کی سنہری مٹی میں منھ چھپا کر
وہ اپنی ماں کی سنہری چھاتی سے سر لگا کر بہار کے خواب دیکھتے ہیں
زمین سے کونپلیں نکلتی ہیں اور آکاش سے ستارے
ہوا سے بادل، گرج سے بجلی
عوام کی راکھ سے بغاوت کی آگ، شعلوں سے زندگانی

ebooksgallery.com

سلام لو ایشیا کے نوخیز سرفروشوں کی نسلوں کا
پرانے وقتوں کے سورماؤ
گئے یگوں کے افق سے کیوں دیکھتے ہو ہم کو
ہم آخری جنگ لڑ رہے ہیں
تمھارے ہاتھوں میں ابتدا تھی
ہمارے ہاتھوں میں انتہا ہے
تمھارے ہاتھوں میں صرف تلوار تھی ہمارے
جوان ہاتھوں میں وقت و تاریخ کی عناں ہے
ہمیں تم اپنے جوان شانوں کا زور اپنی
عقابی آنکھوں کا نور دے دو
بلند ماتھے کی روشنی لے کے آؤ۔۔۔آؤ
کہ ہم کو معلوم ہے تم اب تک مرے نہیں ہو
کہ تم کبھی بھی نہیں مرو گے
کسان فوجوں کو اپنی الموط کی پہاڑی سے لے کے اترو
حجاز اور نجد کے خوش آواز ساربانوں کو ساتھ لاؤ
ہمارے لشکر میں آؤ تم اپنے زرد دریا کے ساحلوں سے
ہمارے لشکر میں آؤ کوہاٹ اور خیبر کی وادیوں سے
ہمارے لشکر میں آؤ میرٹھ کے اور دہلی کے مورچوں سے
سہادری کی چٹانیں اک بار پھر ترانوں سے گونج اٹھیں
اور ایشیا کے پٹھاریوں کسمسا کے جاگیں
کہ سامراجی دلوں کے پتھر
لرز اٹھیں ان کی راجدھانی کے سارے ایوان کانپ جائیں

ebooksgallery.com

4

یہ ایشیا کی زمیں، تمدن کی کوکھ، تہذیب کا وطن ہے
بڑھائیں اپنی دکان پچھم کے سارے سوداگروں سے کہہ دو
ہمارے بازار میں لہو کا ذلیل بیوپار بند کر دیں
کہ ان کی توپوں کے اور مشینوں کے واسطے اب
یہاں سے ایندھن نہیں ملے گا
وہ دن گئے جب
یہاں تم آئے تھے اپنی ہستی کی کوڑھ لے کر
زبان پر بائیبل تھی، ہاتھوں میں رائفل تھی
لبوں پہ میٹھی ہنسی، نگاہوں میں زہر، دل میں ہوس پرستی
شکاری کتوں کی طرح تم ایشیا کی بستی میں پھر رہے تھے
تمھاری رفتار جس طرح توپ کے دھماکے
تمھاری ہر سانس جیسے بارود اڑ رہی ہو
تمھاری پرچھائیاں وباؤں کی پیرہن تھیں
ہماری آنکھوں نے پھر یہ دیکھا
کہ بادلوں سے ہمارے آنسو برس رہے تھے
زمین سے قحط، کھیت سے بھوک اُگ رہی تھی
زبان گونگی تھی، انگلیاں سن تھیں، سانس بے کیف و بے ترنم
ستار کے تار ہچکیوں میں الجھ گئے تھے

وہ دن گئے جب
تمھارے ہاتھوں میں رائفل تھی ہمارے ہاتھوں میں کچھ نہیں تھا
ہتھیلیوں پر فقط لکیروں کو گن رہے تھے
شمار کرتے تھے آنسوؤں کا

ebooksgallery.com

مگر غلامی نے سیکڑوں سال کی غلامی نے ہم کو لڑنا سکھا دیا ہے
ہمارے اشکوں کی بوندیں اب گولیوں میں تبدیل ہو گئی ہیں
تم اس پہ پھولے ہوئے ہو شاید
کہ چیانگ کی طرح چند بھاڑے کے بوڑھے ٹٹو
تمھاری رتھ میں جتے ہوئے ہیں
کچھ اندھی آنکھوں کے بیل اب بھی تمھارا کولھو چلا رہے ہیں
تمھاری جنگی مشین میں کچھ
گھسے ہوئے ٹوٹے پھوٹے پرزے لگے ہوئے ہیں
مگر یہ غدّار کب تلک کام آسکیں گے
کہ ایشیا اپنی نیند کی کیفیت سے بیدار ہو چکا ہے
ہماری آنکھوں میں آگ —— تیور میں بجلیاں ہیں
ہمارے سینے میں درد، ہونٹوں پہ گیت، ہاتھوں میں رائفل ہے

5

یہ کیا کہا؟ تم نے ہم کو تہذیب اور تمدّن کا نور بخشا؟
بجا ہے، سچ ہے
جو تم نہ ہوتے تو ہم نہ ہوتے
نہیں کوئی شک نہیں کہ تم نے زمین پر پٹریاں بچھائیں
یہ دوسری بات ہے کہ ان پٹریوں کے نیچے
ہماری لاشیں بچھی ہوئی تھیں
ہمارے ساحل پہ تم دخانی جہاز لائے
اور ان میں توپیں کھڑی ہوئی تھیں
ہمارے ساحل کے زخم اب بھی

ebooksgallery.com

لہو کے ہونٹوں سے درد اور ٹیس کی زباں سے
تمھاری 'تہذیب' کے قصیدے سنا رہے ہیں
جہاز جو تین سو برس سے
سمندروں پہ رواں دواں ہیں
ہمارے آنسو کروڑوں آنکھوں سے ان جہازوں کو دیکھتے ہیں
جو صبح کے نور سے نکل کر اندھیری راتوں میں چھپ رہے ہیں
وہ جن میں ہندستان، برما،
ملایا، ایران، شام، لبنان، مصر، ترکی، یمن کی محنت لدی ہوئی ہے
الا یچی، زعفران، انگور، کوئلہ، ٹین، تیل، چاول،
ربر، ستارے، کپاس اور چاندنی بھری ہے
ہمیں مشینوں سے اور ملوں سے گِلہ نہیں ہے
کہ جن پہ انسانیت کی عظمت کی سرخ مہریں لگی ہوئی ہیں
گِلہ ہے تم سے
جنھوں نے انسان کی بنائی ہوئی مشینوں کو ڈائنوں میں بدل دیا ہے
گِلہ ہے اُن سے
جنھوں نے پہیوں میں ہڈیاں ایشیا کی پیسیں
اور ان سے چاندی کے ڈھیر، سونے کے اونچے اونچے پہاڑ اٹھائے
گلا ہے ان بوڑھے سودخواروں سے، نفع بازوں کی سازشوں سے
جو سوت کے تار اور ریشم کی ڈھیریوں کو
نگل کے اپنے بدن کی چربی بڑھا رہے ہیں
مگر یہاں ہم
کسان، مزدور، موچی، دھوبی
کمہار، لوہار، اپنے جسموں پہ کھال پہنے ہوئے کھڑے ہیں
ہماری آنکھیں جلے ہوئے خواب ـــــ اور چہرے
اڑے ہوئے رنگ ہیں ـــــ دلوں میں

ebooksgallery.com

سنہری آشاؤں کی چتائیں بھڑک رہی ہیں

تمھاری 'تہذیب' سڑ چکی ہے
تمھارا جھوٹا 'تمدّن' اپنے فریب میں دفن ہو گیا ہے
تمھاری 'تہذیب' قتل و غارت کا ناچ کوڑوں کی راگنی ہے
تمھاری 'تہذیب' بھوکے بچوں کی موت ماؤں کی خودکشی ہے
تمھاری 'تہذیب' دست کاروں کے خون آلود ہاتھ ٹوٹے ہوئے انگوٹھے
تمھاری 'تہذیب' دھوپ میں سوکھتی ہوئی ہڈیوں کے پربت
تمھاری 'تہذیب' قصرِ پیکنگ کی جلی راکھ کا ہے غازہ
تمھاری 'تہذیب' زہر و افیون کی تجارت
تمھاری 'تہذیب' ایشیا کی زمیں پہ ننگی پڑی ہوئی ہے

6

یہ ایشیا کی زمیں، تمدن کی کوکھ، تہذیب کا وطن ہے
جبیں پہ تاروں کا تاج، پیروں میں جھاگ کی جھانجھنوں کا نغمہ
زمین ـــــ صدیوں پرانا چہرہ
کسان ـــــ صدیوں پرانے ہاتھوں میں اپنے لکڑی کے ہل سنبھالے
غریب مزدور، جلتی آنکھیں
اچاٹ نیندوں کی تلخ راتیں
تھکے ہوئے ہاتھ، بھاپ کا زور، گرم فولاد کی گرانی
جہاز، ملاح، گیت، طوفاں
کمہار، لوہار، چاک، برتن
گوالنیں دودھ میں نہائی

ebooksgallery.com

الاؤ کے گرد بوڑھے افسانہ گو، کہانی
جوان ماؤں کی گود میں ننھے ننھے بچوں کے بھولے چہرے
لہلہاتے میدان، گائیں بھینسیں
فضاؤں میں بانسری کا لہرا
ہری بھری کھیتیوں میں شیشے کی چوڑیاں کھنکنا رہی ہیں
اداس صحرا پیمبروں کی طرح سے خاموش اور گمبھیر
کھجور کے پیڑ بال کھولے
دفوں کی آواز ڈھولکوں کی گمک
سمندر کے قہقہے ناریل کے پیڑوں کی سرد آہیں۔
ستار کے تار سے برستے ہوئے ستارے
انار کے پھول، آم کا بور، سیب و بادام کے شگوفے
کوٹھار، کھلیان، کھاد کے ڈھیر، کنواری پگڈنڈیوں کی گردش
بلند بانسوں کے جھنڈ ہنستی دھنک کے نیچے
گھنیرے جنگل
پٹھار، میدان، ریگزاروں کے گرم سینے
گپھائیں جنت کی طرح ٹھنڈی
سمندروں میں کنول کے پھولوں کی طرح رکھے ہوئے جزیرے
چمکتے مونگوں کی مسکراہٹ
وہ سیپیوں کی ہنسی، وہ سنتھال لڑکیوں کے چمکتے دانتوں کی طرح موتی
وہ مچھلیاں گوشت سے بھری کشتیاں جو پگھلی
سفید چاندی میں تیرتی ہیں
وہ لمبی لمبی حسین ندیاں
جو اپنی موجوں سے ساحلوں کے لرزتے ہونٹوں کو چومتی ہیں
دلہن بنی وادیوں کی نازک کمر میں جھرنوں کے نرم حلقے
پہاڑیوں کی ہتھیلیوں پر دھرے ہوئے نیلگوں کٹورے

ebooksgallery.com

ستارے منھ دیکھتے ہیں جھیلوں کے آئینے میں
ہمالیہ کے گلے میں گنگا کی اور جمنا کی شوخ بانہیں
پہاڑ کی آندھیوں کے ہاتھوں پہ برف کے نیلگوں دوپٹے
بلندیوں پر خفیف سا ارتعاش ہلکی سی راگنی کا
ہوا کے پیروں میں جیسے گھنگھرو بندھے ہوئے ہوں
کہیں فضاؤں میں برف کے پھول اڑ رہے ہیں
کہیں جوالا مکھی کے شعلے
جو اپنی زلفوں کو پگھلے لاوے کی کنگھیوں سے سنوارتے ہیں
ہواؤں کی انگلیاں چناروں کے سرخ بالوں میں رینگتی ہیں

یہ ایشیا ہے، جوان، شاداب اور دھنوان ایشیا ہے
کہ جس کے نردھن غریب بچوں کو بھوک کے ناگ ڈس رہے ہیں
وہ ہونٹ جو ماں کے دودھ کے بعد پھر نہ واقف ہوئے کبھی دودھ کے مزے سے
زبانیں ایسی جنھوں نے چکھا نہیں ہے گیہوں کی روٹیوں کو
وہ پیٹھ جس نے سفید کپڑا چھوا نہیں ہے
وہ انگلیاں جو کتاب سے مس نہیں ہوئیں ہیں
وہ پیر جو بوٹ اور سلیپر کی شکل پہچانتے نہیں ہیں
وہ سر جو تکیوں کی نرم لذت سے بے خبر ہیں
وہ پیٹ جو بھوک ہی کو بھوجن سمجھ رہے ہیں
یہ نادرِ روزگار انساں
تمھیں فقط ایشیا کی جنت ہی میں ملیں گے
جو تین سو سال کے 'تمدن' کے بعد بھی 'جانور' رہے ہیں

کہاں ہو 'تہذیب اور تمدن' کی روشنی لے کے آنے والو
تمھاری 'تہذیب' کی نمائش ہے ایشیا میں

ebooksgallery.com

نظر اٹھاؤ، قریب آؤ
یہ کوڑھیوں کے ہجوم دیکھو
یہ دیکھو ہیضے کی قے، یہ طاعون کی ہے گلٹی
یہ جسم کے آبلے ہیں اس آتشک کی گرمی
جو ایشیا کو ملی ہے انعام سامراجی سپاہیوں سے
یہ پیٹھ دیکھو، یہ پیٹھ کتنی حسیں ہے جس پر
تمھارے کوڑوں کی بدّیاں ہیں
یہ پھانسیوں پر لٹکتی لاشیں
یہ جیل خانوں میں بند انساں
یہ دل جو ہیں گولیوں سے چھلنی
یہ آنکھ کی پتلیاں جو خون اور پیپ کی طرح بہہ رہی ہیں
یہ چہرے کھنڈروں کی طرح ٹوٹے
یہ ہاتھ لکڑی کی طرح سوکھے
یہ پیٹ مٹکوں کی طرح پھولے
یہ مفلسی اور یہ جہالت کی رات، بے چاند بے ستارہ
یہ بھوک، یہ بے بسی، یہ نفرت
یہ بہتے پھوڑے
لٹکتے گھینگے
دہکتے ناسور، چیختے زخم، رینگتے جسم، جیسے کیڑے
تمھاری سرمایہ دار 'تہذیب' کی کہانی سنا رہے ہیں
بلاؤ اپنے مصوروں اور بت گروں کو
کہیں زمانے میں اس قدر دردناک چہرے نہیں ملیں گے
تمھاری شاہانہ یادگاروں سے ایشیا کا
ہر ایک کونا بھرا ہوا ہے
کہیں یہ محراب فتح باندھی

ebooksgallery.com

کہیں رعونت کی لاٹ اٹھائی
کہیں پہ کانسے کے گھوڑے ڈھالے
کہیں پہ پتھر کے بت بنائے
مگر یہ 'تہذیب اور تمدن' کی یادگاریں کہیں نہیں ہیں
بلاؤ اپنے مصوروں اور بت گروں کو
کہو کہ ان دردناک چہروں سے ایک اک میوزیم سجا دیں
تمھارے کارِ عظیم کو جاوداں بنا دیں

7

زمین سونا اگل رہی ہے
فضائیں چاندی لٹا رہی ہیں
ہواؤں میں دھن برس رہا ہے
سمندر اپنی تڑپتی موجوں کے جال میں مچھلیاں لیے ہیں
زمیں کے سینے پہ پیڑ، پھل، پھول، ناج، گہرائیوں میں کانیں
سیاہ ہیرے، سیہ خزانے
ہر ایک پتھر کی رگ میں دوڑا ہوا ہے لوہا
ہر اک پرت کوئلے سے پر ہے
وہ تیل کے سر بہ مہر چشمے
کہ جن میں پگھلے ہوئے ستارے بھرے ہوئے ہیں
سنہرے شہتوت کے درختوں پہ نرم ریشم کے ننھے کیڑے
چمکتے پیراہنوں دمکتے ہوئے دوپٹوں کے خواب پر خواب بُن رہے ہیں
حسین پُر زور آبشاروں میں بجلیوں کی تڑپ نہاں ہے
ہر اک ندی اپنے جل کی شکتی سے بہہ رہی ہے

ebooksgallery.com

ملوں کے پہیوں کی گردشیں، چرخیوں کے نغمے
دہکتے انجن کے سینے جو آندھیوں کے آگے تنے ہوئے ہیں
مگر ہمارے وطن کی دولت
ندی کے پانی کی طرح بہتی
کسی بھیانک سیہ سمندر میں جا رہی ہے
اداس ہے ایشیا کا چہرہ
بدن ہے ننگا
سڑک پہ بچوں کی ننھی ننھی
ہتھیلیاں ٹھیکروں کی صورت پڑی ہوئی ہیں
ہزاروں بیکار ہاتھ شانوں پہ جھولتے ہیں

یہ کیسی سفاک انگلیاں ہیں
جنھوں نے لوہے کے تیز ناخون[1] پہلوؤں میں گڑا دیے ہیں
یہ انگلیاں جو ہمارے جسموں سے کھال بھی کھینچے لے رہی ہیں
یہ لمبی لمبی سفید ٹلیاں
سفید جونکیں
ہزاروں میلوں کے فاصلے سے
ہمارے جسموں سے خون دھرتی سے تیل کو چوسے لے رہی ہیں
زمین پر پائپوں کی صورت بچھی ہوئی ہیں
سمندروں میں پڑی ہوئی ہیں
ہوا میں تانبے کے تار بن کر کھنچی ہوئی ہیں
ہماری گردن پہ نیلے نیلے نشان دیکھو
یہ بوڑھے بنکوں کی انگلیاں ہیں
جو سامراجی انگوٹھیوں سے سجی ہوئی ہیں

---

1. عام طور سے لوگ 'ناخن' کو ناخون بولتے ہیں۔

ebooksgallery.com

8

کہاں ہو اے ایشیا کے بیٹو
تمھاری ماں اور اس کی عصمت
فرانس، امریکہ اور برطانیہ کے چکلوں میں بک رہی ہے
تمھارے اپنے ہی گھر کے غدار آج دلاّل بن گئے ہیں
وہ کون ہیں؟ ان کے نام کیا ہیں؟
وہ ملک و قوم و وطن کے غدار عہد حاضر کے میر جعفر
میں ان کمینوں کے گندے ناموں کی گندی فہرست کیوں گناؤں
کہ تم خوب جانتے ہو
میں ان کے ناپاک نام سے اپنے فن کی پاکیزگی کو ناپاک کیوں کروں گا
انھوں نے بھی ایشیا کی ٹھنڈی ہواؤں میں پرورش ہے پائی
ہمارے چشموں کا میٹھا پانی پیا ہے چولھوں کی آگ تاپی
مگر یہ کتے
خود اپنے گھر کے نمک سے، روٹی سے اور پانی سے منحرف ہیں
یہ سانپ ہیں سانپ ان کے منھ میں
ہماری گایوں کا دودھ بس بن کے رہ گیا ہے
یہ بھیڑیے بستیوں میں پھرتے ہیں سوٹ اور وردیاں پہن کر
ذلیل اور بے حیا کہ جے چند و میر جعفر کو شرم آئے
حقیر اتنے کہ گندے گھورے بھی دیکھ کر ناک بھوں چڑھائیں
یہ ایشیا کے پرانے ناپاک دشمنوں سے ملے ہوئے ہیں

تمھیں خبر بھی ہے تم غلاموں کی طرح سے بیچے جا چکے ہو

ebooksgallery.com

تمھاری قیمت ہے چند ڈالر
تمھیں خبر بھی نہیں مگر تم
ہزار پہیوں کی جنگی رتھ میں جتے ہوئے ہو
تمھارا لوہا پگھل کے موت اور جنگ کا روپ ڈھالتا ہے
روئی کے گالوں سے کارتوسوں کے منہ بھرے ہیں
تمھارے گھر بے چراغ، اندھی ہے لو دِیوں کی
مگر تمھارے شریف نیتا
شریف آقا
تمھاری دھرتی کا تیل لوہے کے ہاتھیوں کو پلا رہے ہیں
تمھارے منہ اور پیٹ گیہوں کی روٹیوں کو ترس رہے ہیں
مگر تمھارے سنہرے گیہوں کا چاندی جیسا سفید آٹا
سیاہ بارود بن گیا ہے
ہواؤں کے گیت بم کے گولوں میں دب گئے ہیں
سمندروں کی حسین نیلائیوں پہ جنگی جہاز اپنی
سیاہ پرچھائیوں کی چادر بچھا رہے ہیں
نظر اٹھاؤ
فضا میں شعلوں کا جال پھیلا ہوا ہے دیکھو
زبان کھولو
اور اپنے نیتاؤں، دیسی آقاؤں سے یہ پوچھو
اگر تم آزاد ہو تو پھر کیوں بندھے ہو لندن کے اصطبل میں؟
اگر تم آزاد ہو تو نیویارک اور پیرس کے گندے گھوروں پہ کیوں پڑے ہو؟
ہماری دھرتی پہ آخر امریکی اور انگریزی لشکروں کے پڑاؤ کیوں ہیں؟
یہ ایشیا کے عوام پر ظلم و جبر کیوں ہے؟
یہ جنگ کس کے خلاف ہے؟ کون لڑ رہا ہے؟
یہ سامراجی نگاہیں کس سمت اُٹھ رہی ہیں

ebooksgallery.com

اُدھر جدھر زندگی تھرکتی ہے نو بہاروں کے پیرہن میں
جہاں غلامی کا غم نہیں انکھڑیوں میں اشکوں کا نم نہیں ہے
جہاں یہ ظلم و ستم نہیں ہے
جہاں لڑائی کی کوئی تیاریاں نہیں ہیں
جہاں یہ بمباریاں نہیں ہیں
فقط ستارے ہیں چاندنی ہے
سرور ہے، رقص ہے، بہاریں ہیں، زندگی ہے
وہ سوویت یونین حسین و جمیل رنگوں کی مسکراہٹ
جو سارے مشرق کو اپنے رنگیں دھنش کی آغوش میں لیے ہے
طویل مضبوط، جیسے لینن کا ہاتھ جو ایشیا کے سر پر دھرا ہوا ہے

وہ سویت جس نے اپنے دامن سے ساری دنیا کے اشک پونچھے
بلکتے ہو نٹوں سسکتی آنکھوں کو مسکرانے کا گر سکھایا
وہ سویت جس نے قتل و غارت گری کی رسمِ کُہن اٹھا دی
نظامِ ظلم و ستم مٹا کر نجات کا راستہ دکھایا
بڑی محبت کے ساتھ جوڑا کروڑوں ٹوٹے ہوئے دلوں کو
کروڑوں ٹوٹے ہوئے دلوں سے نئے جہاں کا محل اٹھایا
وہ جس نے محکومیت کی صدیوں پرانی زنجیر توڑ ڈالی
وہ جس نے اک جنبشِ نظر میں بدل دی انسانیت کی کایا
جواں ہتھوڑوں کی ضرب کاری نے سونے چاندی کے تاج کچلے
جھکا دیا بادشاہ زادوں کا سر، غلاموں کا سر اٹھایا
وہ جس نے محنت کے ہاتھ کو اور روٹیوں کو وقار بخشا
وہ جس نے دستِ طلب کی مظلومیت کو حسنِ طلب سکھایا
وہ جس نے شانہ جھنجھوڑ کر ایشیا کو بیدار کر دیا ہے

ebooksgallery.com

پرانے مُردوں کے دل میں بھی زندگی کی تحریک کو جگایا
وہ سویت جس نے مختلف نسل و رنگ قوموں کی یونین سے
نئی تمنا کا ساز چھیڑا، نئی محبت کا راگ گایا
ذلیل جنگوں کے مورچے ڈھا کے ساری انسانیت کی خاطر
وقارِ انساں کے روح و دل کا حسین تر مورچہ بنایا
وہ جس نے قابو میں کر کے دریاؤں اور ہواؤں کی سرکشی کو
اجاڑ بے رنگیوں کو رنگِ بہار کا پیرہن پہنایا
اٹھا لیا مسکرا کے آکاش سے دھنک کا ربابِ رنگیں
فلک سے نیچے زمیں پہ جنت کے خوابِ رنگیں کو کھینچ لایا
جبیں پہ لینن کا سرخ سورج، لبوں پہ استالنی تبسم
وہ سویت جس کے سر کے اوپر ہے روحِ امن داماں کا سایا

یہ وہ ستارہ ہے جس کی بیباک روشنی میں
ہم ایشیا کے عوام اپنی حسین منزل کو دیکھتے ہیں
جو آنکھ اس حسن کو حقارت سے دیکھنے کے لیے اٹھے گی
ہم اس کی نظروں کو چھین لیں گے
جو ہاتھ اس جگمگاتے تارے کو توڑنے کے لیے بڑھے گا
ہم اس کو شانوں سے کاٹ دیں گے
جو پیر اس سرزمیں کی جانب اکڑ اکڑ کر چلیں گے وہ پیر توڑ دیں گے
اگر کسی کی زبان اس کے خلاف اک لفظ بھی کہے گی
ہم ایسی کالی زبان گدّی سے کھینچ لیں گے
یہ سویت یونین، محبت کی ناؤ، انسانیت کا لنگر
ہماری قوّت، ہماری حکمت، ہمارا ساتھی، ہمارا رہبر

کہو کہ ہم نفع خوریوں کے لیے رگوں کا لہو نہ دیں گے

ebooksgallery.com

کہو کہ ہم زہر گھولنے کے لیے دلوں کے سبو نہ دیں گے
کہو لڑائی کے راکھشس کو ہم اپنے بچوں کے سر نہ دیں گے
کہو کہ شعلوں کی ناگنوں کو ہم اپنے آباد گھر نہ دیں گے
کہو کہ یہ ایشیا کی بستی ہے ٹینک کا راستہ نہیں ہے
اڑیں گے جس میں تمھارے بمبار اب یہ ایسی ہوا نہیں ہے
تمھیں گزرنا پڑے گا ہر گام پر تلنگانے کی زمیں سے
تمھارے سر پر پہاڑ برسیں کے چھاپا ماروں کی آستیں سے
تمھاری راہوں کو چین اور ویتنام کے شیر روک لیں گے
تمھاری فوجوں کو کوریا کے عوام دوزخ میں جھونک دیں گے
بھنور کے حلقے تمھارے پیروں میں اپنی زنجیر ڈال دیں گے
ہواؤں کے ہاتھ تم کو نیلی فضا سے اوپر اچھال دیں گے
ہم آج بیدار ہو چکے ہیں تمھیں ابھی تک خبر نہیں ہے؟
یہ بم کے گولے اُگے ہوئے ہیں ہمارے کاندھوں پہ سر نہیں ہے
ڈرو ہماری دہکتی آنکھوں سے آگ کی جن میں ندّیاں ہیں
ڈرو ہمارے تڑپتے ہاتھوں سے جن کی جنبش میں بجلیاں ہیں
ڈرو کہ ہم اک جہانِ نو کی زمیں پہ تعمیر کر رہے ہیں
ڈرو کہ ہم خونِ دل سے خوابوں میں رنگ تعبیر بھر رہے ہیں

9

اٹھو اٹھو ایشیا کے بیٹو
پہاڑ کی چوٹیوں سے اترو
زمیں کی گہرائیوں سے نکلو
ملوں کے پہیوں کو چھوڑ کر اس سڑک پہ آؤ

ebooksgallery.com

جہاں مَیں اک سرخ رنگ جھنڈے کے ٹھنڈے سائے میں گا رہا ہوں
ملوں کے بھونپو کو چیخنے دو
جہاز و انجن کی سیٹیاں بج رہی ہیں، بجنے بھی دو، کہ یہ وقتِ سرکشی ہے
جھپٹ پڑو وادیوں سے طوفاں کا زور بن کر
اُبل پڑو ندیوں سے سیلاب کی طرح، کشتیوں سے اتر و
سنو، سنو، میرے بھائی، ہاں تم
جو اپنے جالوں میں سیکڑوں سال سے سمندر کی مچھلیاں بھر کے لا رہے ہو
جو سیکڑوں سال سے اسی چاک پر اسی سرخ سرخ مٹی سے سرخ برتن بنا رہے ہو
جو سیکڑوں سال سے انھیں برگدوں کے نیچے
تھکے تھکے بازوؤں سے آرا چلا رہے ہو
جو سیکڑوں سال سے اسی دکاں میں بیٹھے
سنہرے لوہے سے ہل کی پھالیں بنا رہے ہو
میں تم کو آواز دے رہا ہوں
سفید دھوتی سیاہ کوٹ اور سیاہ ٹوپی پہننے والے
میرے برادر، خفا نہ ہونا
میں پوچھتا ہوں تمھاری ٹوپی پہ میل کیوں ہے؟
تمھارا کوٹ اور تمھاری دھوتی پھٹی ہوئی ہے
مجھی سے شرما رہے ہو بھائی؟
جواب دو، میں تمھارا ہمدرد و آشنا ہوں
تمھاری حالت چھپی نہیں ہے
تمھاری بیٹی کے پاس اسکول کی کتابیں نہیں ہیں،
بیوی کے ہاتھ میں چوڑیاں نہیں ہیں
پرانے جوتے کی کیل تلوے میں چبھ رہی ہے

مرے جواں سال دوست حیراں کیوں ہو؟ میں اجنبی نہیں ہوں

ebooksgallery.com

تمھارا ساتھی ہوں اب سے سو سال پہلے تم سے
میں چین و برما میں مل چکا ہوں
تمھارے ہاتھوں میں ایک بندوق جسم پر ایک خاکی وردی
کہ جس پہ گرد و غبار کی تہہ جمی ہوئی تھی
تمھاری وردی بدل چکی ہے
مگر مرے دوست اپنا دشمن ابھی وہی ہے
وہی پرانا ذلیل، خرانٹ، سامراجی
تم ایشیا کے سپوت ہو، نوجواں سپاہی
کسان ماؤں کے نونہالو
میں صرف یہ کہہ رہا ہوں اپنی زمین کا احترام کرنا
وطن کی دولت، گھروں کے دروازوں کے محافظ
تم اپنی بہنوں کے خواب، بچوں کی مسکراہٹ کے پاسباں ہو

ارے یہ تم ہو؟
بتاؤ تم اب تلک کہاں تھے؟
میں تم کو ایک ایک ساحل ایک ایک پورٹ پر ڈھونڈھتا پھرا ہوں
میں تم سے شنگھائی میں ملا تھا
خبر نہیں کتنے سال گزرے
عدن کے ساحل پہ تم کھڑے تھے
تمھارا بندر سے منھ کا کپتان تم کو اکثر
خلاصی کہہ کر پکارتا تھا
پھر ایک دن تم نہ جانے کس بات پر یکا یک گرج اٹھے تھے
تم ایشیا کے طویل ساحل کی آبرو ہو
سمندروں پر نگاہ رکھنا
کہ دشمنوں کے جہاز اور ڈاکوؤں کے بیڑے

ebooksgallery.com

ہمارے ساحل کے آس پاس اب بھی تیرتے ہیں

مری بہن! ہاں میں تم کو پہچانتا ہوں آؤ
قریب آؤ
تمھارے ماتھے کا خون اب تک تھما نہیں ہے؟
تمھارے سینے پہ اب بھی سنگین کا نشاں ہے
مگر وہ سیسے کی گرم گولی
تمھارے پہلو کو چیر کر جو نکل گئی تھی
اسے میں ایک ایک آدمی کو دکھا رہا ہوں
یہ دیکھو میں اس کو ہاتھ میں لے کے پوچھتا ہوں
یہ گولی کس ملک میں بنی ہے؟
کہاں سے آئی ہے؟ کون لایا؟
یہی ہے سلاوجو ہمیں اپنے دوست مغرب کے سامراجی حرام خوروں سے مل رہی ہے؟

اٹھو مری ماں تمھاری بیٹی مری نہیں ہے
وہ زخمی ہاتھوں میں سب سے آگے
جلوس میں ایک سرخ جھنڈا لیے کھڑی ہے
اٹھو مری ماں
تم اپنے سر کے سفید بالوں کی چاندنی سے
اندھیری راتوں میں نور بھر دو
وطن کے سینے کو جگمگا دو
تمھارے ہاتھوں کی جھریاں مسکرا رہی ہیں
مری شریف و غیور ماں اپنا مریمی ہاتھ اپنے بیٹوں کے سر پہ رکھ دو
ہم آخری جنگ لڑنے میداں میں جا رہے ہیں
تمھاری آنکھوں میں اشک ہاتھوں کی جھریاں مسکرا رہی ہیں

ebooksgallery.com

10

جہاں میں طوفان آ رہا ہے

چہار اور شانسی کے غاروں سے اَن گنت آفتاب نکلے
بغاوتیں وادیوں سے نکلیں پہاڑ سے انقلاب نکلے
سپاہی بن بن کے زرد دریا کے پہلوؤں سے حباب نکلے
اور ان حبابوں کے تند طوفاں میں چین کشتی چلا رہا ہے
جہاں میں طوفان آ رہا ہے

پرانی صدیوں کو نوکِ سنگین پر اٹھائے ہوئے ہیں دہقاں
دلوں سے بیتاب ہو کے باہر نکل پڑے ہیں دلوں کے ارماں
وہ فوج چلتی ہے جیسے آندھی، وہ جھنڈے اڑتے ہیں جیسے طوفاں
زمین کو زلزلوں کا مضبوط ہاتھ جھولا جھلا رہا ہے
جہاں میں طوفان آ رہا ہے

سنہرے محلوں پہ گرم لوہا برس رہا ہے شرار بن کر
ہزار نقشِ قدم ابھرتے ہیں لاکھ نقش و نگار بن کر
زمین اڑتی ہے آسماں کی بلندیوں پر غبار بن کر
غبار جو اڑ کے آج نیو یارک اور لندن پہ چھا رہا ہے
جہاں میں طوفان آ رہا ہے

بہت بہت شکریہ ٹرومین و مارشل کی نوازشوں کا
نکل گیا چین میں دیوالہ ہی ڈین، اچسین کی سازشوں کا
یہی ہے انجام چیانگ جیسے حرام خوروں کی کاوشوں کا
کہ نامرادی کا ہاتھ ظلم و ہوس کی گردن دبا رہا ہے
جہاں میں طوفان آ رہا ہے

کہاں ہو امریکی بدمعاشو، یہ چین کا انقلاب دیکھو

ebooksgallery.com

تمھارا منھ ایک ہی طمانچے میں پھر گیا ہے جواب دیکھو
وہ کس طرح مسکرا رہے ہیں شہید روحوں کے خواب دیکھو
چمکتی کرنوں کی جوت پڑتی ہے ایشیا جگمگا رہا ہے
جہاں میں طوفان آ رہا ہے
پکار کر چین کہہ رہا ہے کہ ایشیا کی نجات ہوں میں
بظاہر اک ملک ہوں حقیقت میں لیکن اک کائنات ہوں میں
جو ایستالن کے دل سے نکلی وہ ماؤ کے لب کی بات ہوں میں
وہ بات جس کا حسیں فسانہ طویل ہوتا ہی جا رہا ہے
جہاں میں طوفان آ رہا ہے
یہ وہ سیاست ہے جس نے خنجر کی نوک سے بیڑیوں کو کاٹا
یہ وہ فراست اٹک گیا سامراجیوں کے گلے میں کانٹا
یہ وہ سخاوت ہے جس نے کھیتوں کو روٹیوں کی طرح سے بانٹا
یہ ہے وہ داتا جو دونوں ہاتھوں سے اپنی دولت لٹا رہا ہے
جہاں میں طوفان آ رہا ہے
اب آج پہلے پہل ہنسے ہیں غموں کے بیٹے دکھوں کے پالے
وہ انگلیاں کٹ گئیں حلق [1] سے نکال لیتی تھیں جو نوالے
پھلی کچھ اس طرح فصل اب کی کہ بھر گئے چاولوں کے پیالے
کسان کھیتوں میں ناج بوتا ہے اور موتی اُگا رہا ہے
جہاں میں طوفان آ رہا ہے
جو بند تھیں سامراجی روڑوں سے کھل گئیں آخرش وہ راہیں
لبوں سے بوسے اڑے عقیدت کے، آنکھ سے پیار کی نگاہیں
حسیں سمرقند کے گلے کا ہیں ہار، اب نانکن کی بانہیں
بخارا بیتاب ہو کے پیکنگ کو گلے سے لگا رہا ہے

---

1 'حلق' کو میں نے 'حلَق' کے وزن کے بجائے 'فلک' کے وزن پر استعمال کیا ہے کیونکہ عام بول چال میں لوگ لام کو متحرک ہی بولتے ہیں۔ اس لیے 'حلَق'

ebooksgallery.com

جہاں میں طوفان آرہا ہے
لچکتا ابرونگارِ چیں کا دلوں پہ جادو چلا رہا ہے
دہکتے رنگ شفق کا پرچم لہو کی سرخی بڑھا رہا ہے
بلند جووے کا ہاتھ فتح و ظفر کا رستہ دکھا رہا ہے
ہمالیہ پر کھڑا ہے ماؤ اور ایشیا کو بلا رہا ہے
جہاں میں طوفان آرہا ہے
جہاں میں طوفان آرہا ہے

11

یہ شاعری شاعری نہیں ہے
رجز کی آواز، بادلوں کی گرج ہے، طوفان کی صدا ہے
کہ جس کو سن کر
پہاڑ آتے ہیں سبز ماتھوں میں برف کی کلغیاں لگائے
دھوئیں کے بالوں میں سرخ شعلوں کے ہار گوندھے
سمندر آتے ہیں جھاگ کی جھانجھنیں بجاتے
ہوائیں آتی ہیں اپنے جھونکوں کی نیلگوں گوپھنیں گھماتی
گھٹائیں آتی ہیں بجلیوں پر سوار ہو کر
پٹھار آتے ہیں اپنے کاندھوں پہ ندیوں کی کمند ڈالے
چٹانیں آتی ہیں اپنا گرزِ گراں سنبھالے
وہ جنگل آتے ہیں آندھیوں کے نشاں اڑاتے
وہ ریگ زاروں کے غول اپنے دفوں پہ گاتے
ببول آتے ہیں اپنے کانٹوں کے ہاتھ اٹھائے
درخت آتے ہیں پتیوں کی ہری ہری تالیاں بجاتے

ebooksgallery.com

منار آتے ہیں گنبدوں کے باند ڈنکوں پہ چوٹ دیتے
زمین آتی ہے اپنی ڈھولک پہ تال دیتی
اجالے آتے ہیں گرم سورج کی ڈھال اٹھائے
اندھیرے آتے ہیں سرد تاروں کے تیر جوڑے
وہ کھیت آتے ہیں اپنے پودوں کی فوج لے کر
وہ جھاڑ جھنکاڑ اپنے سینے میں چھاپا ماروں کے دل چھپائے
شہید آتے ہیں خوں کے ہونٹوں سے گیت گاتے
سیاسی قیدی شکستِ زنداں کے خواب لے کر
کسان کنیائیں، جلتی آنکھوں میں جلتی دوزخ کے گرم شعلے
جوانیاں عارضوں کی سرخی میں رنگ و بوئے گلاب گھولے
دھڑکتے سینے شفق کے آنچل میں حسن کی بجلیاں چھپائے
ہتھیلیاں آتی ہیں حنا کے کنول جلائے
پیار آتے ہیں ہنستے ہونٹوں کے پھول لے کر
حسین مائیں بدن پہ فصلِ بہار کی کونپلیں سجائے
ہمکتے بچوں کی مٹھیاں تتلیاں دبائے
ستارے پلکوں سے نور کی کشتیوں کو کھیتے
کتابیں آتی ہیں گنگناتی
مکان آتے ہیں آہ بھرتے
کلرک آتے ہیں اپنی بغلوں میں کاغذی فائلیں دبائے
ہتھوڑے آتے ہیں جنگ بازوں کا دل ہلاتے
جہاز آتے ہیں راج ہنسوں کا روپ دھارے
وہ سگنل آتے ہیں اپنے مغرور سر اٹھائے
وہ انجن آتے ہیں بھاپ کے قہقہے لگاتے
بوائلر آتے ہیں جہنم پہ مسکراتے
وہ پہیے آتے ہیں سامراجی حرام خوروں کا سر کچلتے

ebooksgallery.com

کھنکتی رنگین چوڑیاں جیسے کرشن کے چکر کو گھماتی
چمکتے ٹیکے بھوؤں کی ترچھی کمان اٹھائے
وہ آنکھیں آتی ہیں جن میں اپنے غموں کا کاجل لگا ہوا ہے
وہ ہونٹ آتے ہیں جن میں کلیں ٹھکی ہوئی ہیں
وہ ہاتھ آتے ہیں جن کو دھویا گیا ہے شبنم کے آنسوؤں سے
وہ ہاتھ آتے ہیں جو ہلوں کو چلا رہے ہیں
وہ ہاتھ آتے ہیں جو مشینوں کو چھو رہے ہیں
وہ ہاتھ آتے ہیں جن میں جھنڈے اُگے ہوئے ہیں
وہ ہاتھ آتے ہیں جن پہ نظمیں لکھی ہوئی ہیں
وہ ہاتھ آتے ہیں جو کہانی سنا رہے ہیں
وہ ہاتھ آتے ہیں جو ستارے بنا رہے ہیں
وہ ہاتھ جو بجلیوں کی گردن پکڑ رہے ہیں
جو سنگ و آہن سے اپنا پنجہ لڑا رہے ہیں
وہ ہاتھ جو ساریوں کو رنگوں کی ناند میں ڈوب دے رہے ہیں
وہ ہاتھ جو اپنی انگلیوں سے زمیں کی تقریر لکھ رہے ہیں

اب ایشیا کی زمیں پہ ہاتھوں کا ایک جنگل اُگا ہوا ہے
یہ سنگ مرمر کی، سنگ اسود کی مٹھیاں ہیں
کنول کی کلیاں، کپاس کے پھول، بم کے اور ناریل کے گولے
کہاں ہے اے نوعروس صبح بہار آجا
ہماری بیتاب مٹھیوں میں
شفق کا سیندور
چاند تاروں کے پھول
کرنوں کی سرخ افشاں بھری ہوئی ہے

ebooksgallery.com

12

ہمارے ہاتھوں میں ہاتھ دو سوویت کمیونزم کی بہارو
ہمارے ہاتھوں میں ہاتھ دو اے عوامی جمہوریت کے ہنستے ہوئے ستارو
ہمارے ہاتھوں میں ہاتھ دو یورپ اور امریکہ کے جواں بخت کامگارو
ہم ایک ہیں ایک ہو گئے ہیں
سیاہ، پیلے، سفید، بھورے
ہم ایک فصل بہار کے پھول ایک سورج کی روشنی ہیں
ہم ایک دنیا کے مختلف تار ایک سمندر کے دل کی موجیں
الگ الگ پھر بھی ایک ہیں ایک ایک دھرتی کے رہنے والے
ہم ایک دھرتی کے بسنے والے ہیں ایک انسانیت کے قائل
نہ کوئی پورب ہے اور نہ پچھم
زمین سورج کا آئینہ لے کے ناچتی ہے
حیات انساں کی جیت کے گیت گا رہی ہے۔

صفیں جما رہے ہیں ہم قدم بڑھا رہے ہیں ہم

یہ وقت، وقتِ سرکشی ہے سر اٹھا رہے ہیں ہم
یہ صبح صبحِ انقلاب گیت گا رہے ہیں ہم
نشانِ فتح آسمان پر اڑا رہے ہیں ہم
قدم بڑھا رہے ہیں ہم
قدم بڑھاؤ راستوں کے پیچ و خم میں کچھ نہیں
گراؤ بجلیاں اب آنسوؤں کے نم میں کچھ نہیں
بس اک قدم کا فاصلہ ہے اک قدم میں کچھ نہیں

ebooksgallery.com

یہ منزلِ حیاتِ نو ہے مسکرا رہے ہیں ہم
قدم بڑھا رہے ہیں ہم

ہمیں ہے فکر دامنوں کی اور نہ آستین کی
ہمارے ساتھ چل رہی ہیں گردشیں زمین کی
بدل گئیں ہمارے واسطے ہوائیں چین کی
ہوائے چین ایشیا میں اب چلا رہے ہیں ہم
قدم بڑھا رہے ہیں ہم

رواں دواں ہیں نوجواں بغاوتوں کی چھاؤں میں
ہمارے چھاپے مار شہر شہر گاؤں گاؤں میں
لگے ہوئے ہیں بجلیوں کے پر ہمارے پاؤں میں
ہر ایک گام پر قیامتیں اٹھا رہے ہیں ہم
قدم بڑھا رہے ہیں ہم

گذر رہے ہیں قافلے دیارِ صبح و شام سے
پہاڑ اپنا سر جھکا رہے ہیں احترام سے
ڈھل رہی ہے موت نوحیاتِ تیز گام سے
نقوشِ پا سے کتنے مور چے بنا رہے ہیں ہم
قدم بڑھا رہے ہیں ہم

کہیں ہوا کے تند راہوار پر سوار ہیں
کہیں گھٹا کی گھن گرج کہیں پہ آبشار ہیں
کہیں خزاں کا روپ ہیں کہیں رخِ بہار ہیں
ہر ایک رنگ روپ میں فضا پہ چھا رہے ہیں ہم
قدم بڑھا رہے ہیں ہم

ebooksgallery.com

جیل میں رہ کے سردار نے اپنا اور سماجی حالات کا کڑی نگاہ سے سماجی تنقیدی تجزیہ کیا اور ایشیا کی خوبصورت سچائی ان پر موثر ہوئی اور انھوں نے اپنی طویل نظم 'ایشیا جاگ اٹھا' لکھی جو بیک وقت رزمیہ بھی ہے اور غنائیہ بھی جس میں ایپک کی مثالیت اور غنائی سندرتا ہے۔ اس نظم میں ایشیا کا سارا اجل روپ سمٹ کر سما گیا ہے اس نظم میں چار ہزار سالہ تہذیب کی تصویر ہے، یہاں کی غریبی چیتھڑے پہنے دکھائی دے رہی ہے، اس کے عوام کی بغاوت کا بے پناہ جذبہ قومی اور ملی احساسات کو سموتا ہوا ایک طوفانی سمندر میں تبدیل ہو گیا ہے، میرا خیال ہے کہ اس نظم سے ہماری اردو کی ترقی پسند شاعری اپنے سنِ بلوغ کو پہنچتی ہے، جوان ہوتی ہے اور خود سردار کی شاعری افادیت اور وجدان کی ان سربلندیوں کو چھو لیتی ہے جہاں سے عظمت کی سرحدیں شروع ہوتی ہیں۔

کرشن چندر

ebooksgallery.com

ebooksgallery.com

پتھر کی دیوار

1953

ebooksgallery.com

ebooksgallery.com

حرفِ اوّل

'پتھر کی دیوار' میری جیل کی نظموں کا مجموعہ ہے۔ جس میں اب میں نے بعد کی کہی ہوئی کچھ اور نظمیں بھی شامل کر لی ہیں 'ایشیا جاگ اٹھا' اور 'امن کا ستارہ' کی تینوں نظمیں اسی مجموعہ کا حصہ تھیں لیکن چونکہ اس مجموعہ کے چھپنے میں دیر ہوئی اور وہ الگ الگ کتابی شکل میں شائع ہو گئیں اس لیے میں نے الگ ہی رکھنا مناسب سمجھا۔

میں جولائی 1950 میں تقریباً ڈیڑھ سال بعد جیل سے رہا ہوا تھا اور میرا خیال تھا کہ 'پتھر کی دیوار' دو چار مہینے میں کتابی شکل اختیار کر لے گی۔ لیکن گذشتہ تین سال میں یہ کتاب مختلف ناشروں کے پاس چکر لگاتی رہی۔ اس کی کتابت کئی بار ہوئی اور ہر بار کسی نہ کسی وجہ سے طباعت رک گئی۔ آخر اب تین سال کی دیر سے یہ مجموعہ چھپ رہا ہے جس کے لیے مکتبہ شاہراہ اور اس کے مالک محمد یوسف صاحب کا شکرگذار ہوں جن کی حوصلہ مندی کے بغیر یہ ممکن نہ تھا۔ لیکن اس کی تازگی اور اہمیت اس وقت تک باقی رہے گی جب تک جبر و تشدد کا موجودہ نظام زندہ ہے اور عوام کے دلوں میں اس کو تبدیل کر دینے کی ہمت اور ایک نئے، بہتر اور خوبصورت نظام کو قائم کرنے کی امنگ باقی ہے۔ اس کے بعد میری نظموں کا کیا حشر ہوگا مجھے اس کی بالکل فکر نہیں ہے۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ میری شاعری وقتی ہے۔ مجھے یہ بات تسلیم کر لینے میں ذرا بھی جھجک نہیں ہے۔ ہر شاعر کی شاعری وقتی ہوتی ہے۔ ممکن ہے کوئی اور اسے نہ مانے لیکن میں اپنی جگہ یہی سمجھتا ہوں اگر ہم اگلے وقتوں کا راگ الاپیں گے تو بے سرے ہو جائیں گے آنے والے زمانے کا راگ جو بھی ہوگا وہ آنے والی نسلیں گائیں گی۔ ہم تو آج ہی کا راگ چھیڑ سکتے ہیں۔

ہر شاعر اپنے فن کے دامن میں روحِ عصر کو سمیٹنے کی کوشش کرتا ہے کوئی کم اور کوئی زیادہ لیکن کسی نہ کسی حد تک ہر شاعر روحِ عصر کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے جو اپنی اس کوشش میں جتنا کامیاب ہوتا ہے وہ اتنا ہی اچھا شاعر ہوتا ہے۔ آج کی حقیقت کی کوکھ سے کل کی حقیقت پیدا ہو رہی ہے۔ کل کے عہد کی رگوں میں آج کے عہد کے خون کے کچھ نہ کچھ قطرے ضرور ہوں گے۔ اس اعتبار اور تناسب سے آج کے شاعر کے نغموں میں کل کچھ دیرپا قدریں پائی جائیں گی۔ دیرپا قدروں کی اس سے زیادہ کچھ حقیقت نہیں ہے جنھیں کبھی کبھی ادب اور فن کی زبان میں 'ابدی قدریں' بھی کہہ دیا جاتا ہے۔ ورنہ اس

ebooksgallery.com

تبدیل ہوتی ہوئی کائنات میں جہاں ہر چیز وجود میں آ کر عدم میں کھو جاتی ہے، ابدی چیز کیا ہو سکتی ہے اسی لیے میں شاعری میں آج کی حقیقت یا روحِ عصر کو سب سے زیادہ اہم سمجھتا ہوں۔

آج کی حقیقت کیا ہے؟ روحِ عصر کیسی ہے؟

آج پرانا نظام اور سماج مر رہا ہے اور نیا نظام اور سماج پیدا ہو رہا ہے۔ انسان اپنی پانچ چھ ہزار برس کی طویل تہذیبی تاریخ میں پہلی بار اپنے آپ کو وہم اور طبقات کی زنجیروں سے آزاد کر رہا ہے۔ پہلی بار انسان کے سر سے انسان کے پیدا کیے ہوئے ظلم اور استبداد کا سایہ اٹھ رہا ہے اور پہلی بار اس 'خالص' انسان کا ظہور ہو رہا ہے جو آقا نہیں ہے، غلام نہیں ہے، جاگیردار نہیں ہے، سرمایہ دار نہیں ہے، ظالم نہیں ہے، مظلوم نہیں ہے بلکہ صرف انسان ہے۔ آج پہلی بار اس محنت کش کا ظہور ہو رہا ہے جو جسمانی اور ذہنی محنت کے خانوں میں تقسیم نہیں ہے اور جو اپنی محنت کی قدر و قیمت جانتا ہے۔ آج پہلی بار وہ انسان زمین پر قدم رکھ رہا ہے جو فطرت سے خوف زدہ نہیں ہے اور جو قوانینِ فطرت کا علم حاصل کر کے فطرت کی قوتوں کو اپنا مطیع اور فرمانبردار بنا رہا ہے۔ آج پہلی بار وہ انسان پیدا ہو رہا ہے جو رنگ اور نسل کے امتیازات اور جغرافیائی حدود میں اسیر نہیں ہے۔ اس انسان کے خواب صدیوں نے ضرور دیکھے تھے، لیکن یہ انسان آج سے پہلے وجود میں نہیں آیا تھا۔ اس لیے حقیقتاً یہ میلادِ آدم کی گھڑی ہے۔ یہ جشنِ آدم کا وقت ہے جو جدوجہد اس مبارک مقصد کے لیے ہو رہی ہے وہ بڑی خوفناک لیکن بڑی عظیم الشان ہے۔ ابھی کچھ ایسی قوتیں موجود ہیں جو انسان کی خلقت میں حائل ہو رہی ہیں۔ وہ اپنی توپوں، بندوقوں اور طیاروں سے اس دنیا ہی کو تباہ کر دینا چاہتی ہیں جس کے گہوارے میں انسان پرورش پا رہا ہے۔ ان شیطانی قوتوں کے مقابلے پر جو قوتیں اٹھ رہی ہیں ان کے ہاتھوں میں سنگیت اور شاعری، علم، حکمت اور ہنر کے قابلِ شکست حربے ہیں اس جدوجہد کی ترجمانی کرنے، میلادِ آدم کی بشارت دینے اور جشنِ آدم کی قصیدہ خوانی کرنے کا فخر آج کے شاعر کو حاصل ہوا ہے اور مجھے اس پر ناز ہے کہ میں اس صدی کا وہ شاعر ہوں جو ہزار ہا برس پرانے خوابوں کے تعبیر کی صدی ہے۔ میری نظروں کے سامنے یہ دنیا بن رہی ہے، سنور رہی ہے۔ میری نظروں کے سامنے انسان کی تخلیق ہو رہی ہے۔ کروڑوں ہاتھ جن کے بازوؤں میں تعمیر کی قوت ہے ایک ساتھ لہرا رہے ہیں۔ کروڑوں آوازیں جن میں تخلیق کا نغمہ ہے ایک ساتھ گا رہی ہیں۔ کروڑوں تخیل جن میں زندگی کا حوصلہ ہے وقت اور تاریخ پر اپنی کمندیں پھینک رہے ہیں اور ان میں میرا بھی ایک چھوٹا سا ہاتھ ہے۔ میری بھی ایک ہلکی سی آواز، میرا بھی ایک ذرا سا تخیل شامل ہے۔ یہ دلفریب نظارہ اس صدی سے پہلے کے شاعروں کو کہاں نصیب ہوا تھا۔

ebooksgallery.com

اس عہد کے سارے فکری مدرسے، تمام احساسات اور جذبات اس ایک حقیقت سے وابستہ ہیں۔ آج کی روحِ عصر اس حقیقت اور اس سے وابستہ فکری مدرسوں اور احساسات اور جذبات سے بنی ہے اور میری ساری کوشش یہی ہے کہ میں اس روحِ عصر کو سمیٹ سکوں۔ یہ کام بہت بڑا ہے اور مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ میں اس میں پوری طرح کامیاب نہیں ہو سکا ہوں۔ لیکن میری کوشش جاری ہے اور یہ مجموعہ اس کوشش کا نتیجہ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ میں اپنی شاعری کو 'نالۂ نیم شبی' اور 'آہِ سحر گاہی' نہیں بنا سکا ہوں میں اسے بیک وقت ستار کا نغمہ اور تلوار کی جھنکار بنانا چاہتا ہوں اور میرے سامنے اقبال کا پیش کیا ہوا یہ آدرش ہے۔

جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم!

دل جس سے پہاڑوں کے دہل جائیں وہ طوفاں

بعض لوگوں کو یہ دنیا تاریک اور گندی نظر آتی ہے۔ واقعی یہاں بڑی تاریکی اور گندگی ہے۔ بڑا ظلم ہے بڑا افلاس ہے، بڑی سنگ دلی ہے اور اس لیے وہ اس کو سب سے بڑی حقیقت سمجھ کر پیش کرتے ہیں۔ ہمارے ہندستان ہی کو لیجیے۔ اس میں تین چار کروڑ بے روزگار ہیں، دس پندرہ کروڑ اپاہج اور بیمار ہیں۔ بیس پچیس کروڑ بھوکے اور ننگے ہیں۔ کئی کروڑ عیاش اور انسانیت سوز حرکتیں کرنے والے کمینے ہیں۔ میں نے یہ ساری گندگی دیکھی ہے۔ میں نے ایسے باپ بھی دیکھے ہیں جو اپنی بیٹی کو بیچ دینے کی فکر میں ہیں۔ ایسے بیٹے بھی دیکھے ہیں جو بوڑھی ماں کو چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں۔ ایسے بچے بھی دیکھے ہیں جنھوں نے بولنا سیکھنے سے پہلے ماں اور بہن کی دلالی کا کام شروع کر دیا ہے۔ ایسے غنڈے بھی دیکھے ہیں جنھوں نے کئی قتل کیے ہیں۔ میں نے بہت کچھ دیکھا ہے لیکن اس کے بعد بھی میں اسے زندگی کی سب سے بڑی اور سب سے زیادہ حاوی حقیقت نہیں سمجھتا۔ کیونکہ میں نے اس گندگی اور غلاظت، سفاکی اور سنگ دلی کے خلاف جدوجہد کرنے والے مجاہدوں کو بھی دیکھا ہے۔ میں نے بہادری کے وہ نظارے بھی دیکھے ہیں جہاں نہتے آدمی گولیوں کی بوچھاروں میں بھی آگے ہی بڑھتے ہیں۔ وہ قربانیاں بھی دیکھی ہیں کہ ذاتی حسرتوں اور آسائشوں کو وسیع انسانیت کے مفاد کے لیے ترک کر دیا گیا ہے۔ یہ وہ قوتیں ہیں جو سماج کی صدیوں پرانی غلاظت اور درندگی کو دور کر کے زندگی اور انسان کو پاکیزہ بنا رہی ہیں۔ پہلی مرتی ہوئی حقیقت ہے اور دوسری زندہ اور ابھرتی ہوئی حقیقت۔ اس لیے پہلی حقیقت اپنی انتہائی خباثت کے باوجود بھی مجھے پست ہمت، مایوس اور قنوطی نہیں بنا سکتی۔

میں اپنے نالہ و بکا، آہ و فریاد سے اس غموں سے بھری ہوئی دنیا کو زیادہ غمگین نہیں بنانا چاہتا۔

ebooksgallery.com

سماج کی انحطاطی طاقتیں تو یہ چاہتی ہیں کہ اس زہرآلود فضا کو اور زیادہ آلودہ کیا جائے۔ لیکن ترقی پسند طاقتوں کا تقاضا یہ ہے کہ فضا کو زہر سے صاف کر کے پاکیزہ کر دیا جائے۔ اور بقول پبلو نرودا ہمیں اس کا حق حاصل نہیں ہے کہ ہم اس ہوا میں زہر گھول دیں جس میں ہم ہی نہیں بلکہ آنے والی نسلیں بھی سانس لیں گی۔ اس لیے میں تاریکی، افلاس، درندگی اور غلاظت کو ماضی کی حقیقت سمجھتا ہوں جو برابر اپنی قبر کے اندر گھستی چلی جا رہی ہے۔ اس کے خلاف جو جدوجہد ہے وہ حال کی حقیقت ہے اور اس جدوجہد سے جو نتائج پیدا ہو رہے ہیں، جس انسان کی تخلیق ہو رہی ہے وہ حقیقت ہے جو حال کو مستقبل بنا دیتی ہے۔ آج یہ شاندار جدوجہد دنیا کے ہر ملک میں ہو رہی ہے اور اس نے ساری انسانیت کو ایک لڑی میں پرو دیا ہے۔ ہندستان، ایران، افریقہ، انگلستان، امریکہ وغیرہ میں جدوجہد کے دوران میں نئے انسان کی تخلیق ہو رہی ہے۔ چین اور سویت یونین وغیرہ میں یہ تخلیق تکمیل کی منزلوں کے قریب پہنچ رہی ہے۔ جب ہم روح عصر کو اس طرح سمجھتے ہیں تو وہ ہمارے دلوں میں نشاط اور حوصلہ مندی پیدا کرتی ہے۔ مایوسی اور قنوطیت نہیں۔ پھر منہ سے یہ جملہ نہیں نکل سکتا کہ جب یہ دنیا بدل جائے گی تب میں رونا چھوڑ دوں گا۔ تب منہ سے صرف یہ نکلے گا کہ ہم اپنی فریاد میں للکار کی تاثیر پیدا کریں گے۔ اپنے آنسوؤں کو شراروں میں بدل دیں گے۔ اپنے زخموں سے زبانیں پیدا کریں گے۔ شیطنت کے سامنے رونا، گڑگڑانا، پسپا ہونا انسانیت کی توہین ہے اور ہماری انسانیت ہمارے سینوں میں زندہ ہے۔ اس یقین سے وہ فن پیدا ہوگا جس پر پیٹ بھری حسین لڑکیاں آہیں نہیں بھریں گی۔ بلکہ جسے کارزار زندگی میں آگے بڑھنے والے انسان اپنا ہتھیار سمجھ کر اٹھا لیں گے۔ یہی میری شاعری کا مقصد ہے جس میں کامیاب ہونے کی میں ابھی کوشش کر رہا ہوں اور اس کوشش میں اپنے پڑھنے اور سننے والوں کا تعاون چاہتا ہوں جو مجھے ہمیشہ ضرورت سے زیادہ ملتا رہا ہے۔ مجھے کبھی اپنے پڑھنے اور سننے والوں سے شکایت پیدا نہیں ہوئی۔ ہاں کبھی کبھی ان کو مجھ سے یہ شکایت ضرور پیدا ہوئی ہے اور بجا طور پر ہوئی ہے کہ میں نے زندگی اور حقیقت کی ترجمانی میں کوتاہی کی ہے۔ اس لیے مجھے اپنی جدوجہد میں اور زیادہ خلوص اور زیادہ محنت سے کام لینا چاہئے۔ اپنی زندگی کے تجربے کو اور زیادہ وسیع نقطۂ نگاہ کو اور زیادہ واضح کرنا چاہیے اور ان نظریات سے اور زیادہ بچنا چاہیے جو رجعت پرستی کی کمیں گاہوں سے دن رات ہم پر یلغار کرتے رہتے ہیں اور اکثر غیر شعوری طور سے ہمارے فن میں سرایت کر جاتے ہیں۔

میں اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے مختلف قسم اور مختلف سطح کی شاعری کرتا رہا ہوں۔ میری تمام تر کوشش یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ آدمیوں کے لیے اپنی شاعری کو آسان بنا سکوں۔ اس کوشش

ebooksgallery.com

میں میں ان حدوں کو توڑ دینا چاہتا ہوں جو بول چال کی زبان اور 'شاعرانہ زبان کے بیچ میں حائل ہیں۔ جہاں میں ان حدود کو نہیں توڑ پاتا اور بول چال کی زبان میں اپنا مطلب ادا کرنے سے قاصر رہتا ہوں وہاں 'شاعرانہ زبان بھی استعمال کر لیتا ہوں۔ یہ دراصل بول چال کی زبان کا عجز نہیں بلکہ میری تربیت کا قصور ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بول چال کی زبان ہی سب سے زیادہ شاعرانہ زبان ہے لیکن جب کبھی بول چال کی زبان سے ہٹ کر 'شاعرانہ' زبان بنائی جاتی ہے تو وہ مصنوعی ہوتی ہے۔

پرانی تشبیہ اور استعارے، پرانی علامتیں ایک بہت بڑا خزانہ ضرور ہیں لیکن اس خزانے پر قناعت کر لینا نادانی ہے۔ کبھی تو ان کے استعمال سے بڑا حسن پیدا ہو جاتا ہے لیکن کبھی وہ خیالات اور احساسات کو جکڑ بھی لیتے ہیں اور اصلیت پر پردہ ڈال دیتے ہیں کیونکہ زندگی کی نئی حقیقتیں نئے طریق اظہار اور انداز بیان کا مطالبہ کرتی ہیں۔ اس لیے میں بغیر کسی جھجک کے نئی تشبیہ اور استعارے بھی استعمال کرتا ہوں۔ اور نئی امیجری بھی۔ میں نے اس اصول کو بہت مفید پایا ہے کہ تشبیہ اور استعارے اور امیجری موضوع کے ماحول سے حاصل کرنے چاہئیں اس لیے آپ کو میرے یہاں ایسے مصرعے ملیں گے جیسے

شام کی آنکھ میں بارود کے کاجل کی لکیر
یا
پہرہ داروں کی نگاہوں سے ٹپکتا ہے لہو
رائفل کرتی ہے فولاد کے ہونٹوں سے کلام
گولیاں کرتی ہیں سیسے کی زباں سے باتیں
یا
روٹیاں چکلوں کی قحبائیں ہیں
جن کو سرمایہ کے دلالوں نے
نفع خوری کے جھروکوں میں سجا رکھا ہے
یا
چاولوں کی صورت پر مفلسی برستی ہے

میں صرف زنداں اور قفس کہنے کے لیے تیار نہیں ہوں بلکہ بعض اوقات میں جیل اور قید خانہ کے لفظ کو ترجیح دیتا ہوں صرف پہرہ دار اور پاسبان ہی نہیں بلکہ وارڈر اور نمبردار کے الفاظ کو بھی جائز سمجھتا ہوں کیونکہ یہ عام استعمال کے الفاظ ہیں اور جیل میں یہی الفاظ سنائی دیتے ہیں۔

اس اصول میں ایک خوبی تو یہ ہے کہ انداز بیان میں تنوع کے بڑے امکان پیدا ہو جاتے ہیں

ebooksgallery.com

اور دوسری یہ کہ جدید زندگی، اس کی شیطنت اور آدمیت دونوں اپنے سارے لوازمات کے ساتھ سامنے آتی ہیں جو حقیقت نگاری کے لیے ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میری شاعری میں گل، بلبل، شمع، پروانہ، دریا، ساحل، کشتی، رہبر، رہزن، منزل، جادو، مینا، ساغر، تیغ وتفنگ ہی نہیں ملتے بلکہ روٹی، چاول، دھان، گیہوں، نمک، ریل، مشین، مزدور، رائفل، ٹینک، بمبار، چولہا، پتیلی اور اسی قسم کے دوسرے عام الفاظ کی بھی بہتات ہے۔ میں جانتا ہوں کہ بعض حضرات کو یہ الفاظ غیر شاعرانہ معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن سچی بات یہ ہے کہ الفاظ بجائے خود شاعرانہ یا غیر شاعرانہ نہیں ہوتے۔ یہ تو شاعر کی اپنی صلاحیت پر منحصر ہے کہ وہ لفظوں کو کیسے استعمال کرتا ہے اس لیے میں ہر لفظ کو استعمال کرنے پر آمادہ رہتا ہوں۔ اپنی اس کوشش میں مجھے بعض اوقات ناکامی بھی ہوتی ہے اور مصرعے بھونڈے اور بھدے ہو گئے ہیں لیکن جہاں کہیں میں کامیاب ہو گیا ہوں مجھے اپنی ناکامی کا صلہ مل گیا ہے۔ میں جو کچھ کہتا ہوں اگر اسے محض روایتی تشبیہوں اور استعاروں میں کہوں تو یہ محسوس ہوگا جیسے کوئی شخص جامہ وار کی پتلون اور چکن کا کوٹ پہنے چلا آ رہا ہے جس سے کافور کی گولیوں کی بو آ رہی ہے۔ اسے میں جامہ وار اور چکن کا غلط استعمال سمجھتا ہوں۔ دوسری طرف میں ململ کا انگرکھا اور دوپلّی ٹوپی پہن کر بھی میدان کارزار میں اترنے کی ہمت نہیں کر سکتا۔

اس مجموعہ میں، میرے دوسرے مجموعوں کی طرح، پابند شاعری بھی ملے گی اور آزاد شاعری بھی۔ کیونکہ شاعری ہمیشہ ردیف اور قافیہ کی محتاج نہیں رہتی۔ ترکی کے شاعر اعظم ناظم حکمت کے الفاظ میں جس طرح ردیف اور قافیہ پر اصرار کرنا ایک طرح کی ہیئت پرستی ہے، اسی طرح محض آزاد شاعری پر اصرار کرنا بھی ایک طرح کی ہیئت پرستی ہے۔ اصل کوشش تو یہ ہونی چاہیے کہ موضوع کو بہتر سے بہتر ہیئت کا لباس عطا کیا جائے اور یہ کہنا غلط ہوگا کہ کوئی ایک مخصوص ہیئت ہی سب سے زیادہ حسین ہے۔ اس لیے میں پابند اور آزاد دونوں قسم کی شاعری کا قائل ہوں۔

لیکن دونوں کے طریقوں میں ذرا سا فرق ہے۔ پابند نظم میں زیادہ تر مصرعوں اور شعروں کو تعمیر پر زور دیا جاتا ہے لیکن میں اس کے برعکس آزاد نظم میں بندوں کی تعمیر کو انفرادی مصرعوں کی تعمیر سے زیادہ اہم سمجھتا ہوں، چونکہ آزاد نظم میں ردیف اور قافیوں کی جھنکار نہیں ہوتی اس لیے اس میں داخلی ترنم کا جادو بہت ضروری ہے۔ یہ ترنم خارجی بھی ہوتا ہے اور داخلی بھی، اس لیے انتخاب الفاظ کے علاوہ مصرعوں کے باہمی ربط سے بھی پیدا ہوتا ہے جو اپنی جگہ معنوی تسلسل کا محتاج ہوتا ہے۔ اس لیے ہر بند کو ایک مکمل تصویر ہونا چاہیے تاکہ مکمل نظم ایک بہت بڑی تصویر کی طرح ہو جسے تمام چھوٹی چھوٹی تصویریں مل کر بناتی ہوں۔ (اس کے بغیر آزاد نظم کے مصرعے الگ الگ ایک دوسرے کی طرف سے منہ پھیرتے ہوئے

ebooksgallery.com

کھڑے نظر آئیں گے) مثال کے لیے یہ بند ملاحظہ کیجیے ۔

یہ مجاہد، یہ بہادر، یہ جیالے، یہ کسان
برق و باراں کے حریف
جن کے چہروں پہ ہے دھرتی کا سکوں اور وقار
اور ہتھیلی میں لکیروں کے سوا کچھ بھی نہیں
کیاریاں بوتے تھے اشکوں کی، لہو کاٹتے تھے
آج ہر دشت میں، ہر کھیت میں، ہر میداں میں
سرخ سینوں سے چھڑکتے ہیں لہو کی بوندیں
بجلیاں پھلتی ہیں، گل کھلتے ہیں، بم اُگتے ہیں (تلنگانہ)

یہ تو باغی کسانوں کی تصویر تھی۔ اب رات کا سراپا دیکھیے ۔

نیلگوں جواں سینہ
نیلگوں جواں باہیں
کہکشاں کی پیشانی
نیم چاند کا جوڑا
مخملی اندھیرے کا
پیرہن لرزتا ہے
وقت کی یہ زلفیں
خامشی کے شانوں پر
خم بہ خم مہکتی ہیں
اور زمیں کے ہونٹوں پر
نرم شبنمی بوسے
موتیوں کے دانتوں سے
کھل کھلا کے ہنستے ہیں

(نیند)

آزاد نظم کے بندوں کی یہ تعمیر پابند نظم کے مصرعوں کی تعمیر سے بہت مختلف ہے جس کی مثال

ebooksgallery.com

اس بند میں ملے گی۔

وہ لائیں اپنے سیہ ارادے، ہم اپنے دل کی امنگ لائیں
ہم اپنے لوح و قلم نکالیں، وہ اپنے تیغ و تفنگ لائیں
ہم اپنے بربط کے تار چھیڑیں، وہ شورشِ رعد جنگ لائیں
ہم اپنے زخموں کے گل کھلائیں، وہ خون ناحق کا رنگ لائیں
لہو میں بہہ جائیں گے وہ سب جو لہو کا بیوپار کر رہے ہیں
ہم آج یلغار کر رہے ہیں

(یلغار)

پابند نظم میں ہر ہر مصرعے پر الگ الگ داد لی جاسکتی ہے آزاد نظم میں یہ ممکن نہیں۔ وہاں خیال یا تصویر کی تکمیل پورے بند کی تکمیل کے ساتھ ہوتی ہے۔

چونکہ میں شاعری کو بنیادی طور سے گانے یا بلند آواز سے پڑھ کر سنانے کی چیز اور اس سے شعور کو بیدار کرنے اور جذبات کو ابھارنے کا کام لینا چاہتا ہوں اس لیے میں نے اپنی آزاد نظموں میں بھی یہ کوشش کی ہے کہ وہ محض کاغذ پر پڑھنے کی چیز بن کر نہ رہ جائے۔ میں اکثر مشاعروں میں اپنی آزاد نظمیں پڑھتا ہوں اور مجھے اس تجربے میں کامیابی ہوئی ہے۔ پہلے مخدوم بھی اپنی نظم 'اندھیرا' اور 'استالن کی آواز' کے ذریعے سے یہ کامیابی حاصل کر کے یہ خیال غلط ثابت کر چکا ہے کہ ہمارے ملک اور زبان میں آزاد شاعری کو قبول عام نہیں مل سکتی۔

یہ خیال بھی غلط ہے کہ آزاد نظم ردیف اور قافیہ ہی سے نہیں بلکہ بحر اور ترنم سے بھی عاری ہوتی ہے۔ یوں تو نثر میں بھی شاعری کی جاسکتی ہے اور بعض لوگ کرتے ہیں لیکن اردو کے زیادہ تر شعراء آزاد نظم میں بحروں کے مقررہ ارکان کی تعداد تبدیل کر کے انھیں استعمال کرتے ہیں۔ اس طرح بحروں کی وہ مانوس شکل تو باقی نہیں رہتی جو اساتذہ کے یہاں نظر آتی ہے لیکن بحر باقی رہتی ہے اور ترنم بھی۔ بعض نظموں میں بحروں کی مانوس شکل بھی باقی رہتی ہے۔ صرف ردیف اور قافیے نہیں ہوتے جیسے 'پتھر کی دیوار' یا 'نیند'۔ کبھی کبھی ان نظموں کے کسی بند میں خود بخود قافیے بھی آجاتے ہیں۔ جو خیال کی روانی میں حائل نہیں ہوتے اور اس لیے ناگوار نہیں گزرتے مثلاً

انقلاب سامان ہے
ہند کی فضا ساری

ebooksgallery.com

نزع کے ہے عالم میں
یہ نظامِ زرداری
وقت کے محل میں ہے
جشنِ نو کی تیاری
جشنِ عام جمہوری
اقتدارِ مزدوری
غرقِ آتش و آہن
بیکسی و مجبوری
مفلسی و ناداری

(پتھر کی دیوار)

یا

اپنی صد سالہ تمناؤں کا حاصل ہے یہی
موج پایاب کا ساحل ہے یہی
تم نے فردوس کے بدلے میں جہنم لے کر
کہہ دیا ہم سے گلستاں میں بہار آئی ہے
چند سکوں کے عوض چند ملوں کی خاطر
تم نے ناموس شہیدان وطن بیچ دیا
باغباں بن کے اٹھے اور چمن بیچ دیا (فریب)

اس کے بعد یہ نتیجہ نکالنا غلط نہ ہوگا کہ اس قسم کی شاعری کو پرانی کسوٹیوں پر نہیں کسا جا سکتا۔ پریم چند نے انجمن ترقی پسند مصنفین کی پہلی کانفرنس کے خطبۂ صدارت میں کہا تھا کہ 'ہمیں حسن کا معیار تبدیل کرنا ہے' اور واقعہ یہ ہے کہ حسن کا معیار بہت کچھ تبدیل ہو چکا ہے اور بہت کچھ تبدیل ہو رہا ہے اور اس لیے ہماری ترقی پسند شاعری میں جمالیات کا ایک نیا تصور کارفرما ہے۔ ہمارا رومانیت کا تصور بھی بدل رہا ہے۔ میری طرح شاعری کرنے والے زندگی کی تلخیوں سے بھاگ کر محبوب کی بانہوں یا فطرت میں پناہ نہیں لیتے اور نہ اپنے زمانے سے پشیماں ہو کر بیتے ہوئے زمانے میں روپوش ہوتے ہیں۔ بلکہ زندگی کو بدل دینے کا حوصلہ پیدا کرتے ہیں۔ جذبی کے الفاظ میں۔

ebooksgallery.com

'عام طور سے ہوتا یہ ہے کہ خالص مادی نقطۂ نظر نہ ہونے کی وجہ سے داخلیت کہیں نہ کہیں راہ پا جاتی ہے۔ یہ لغزش بسا اوقات غیر مارکسی ادیب کا رخ اخلاق اور روحانیت کے قدیم سہاروں کی طرف پھیر دیتی ہے اور جہاں یہ سہارے بھی نہیں ہوتے وہاں شاہد و شراب کی رنگینیاں سہارا بن جاتی ہیں۔ مارکسی طریقۂ فکر ہمیں اس قسم کے سہارے نہیں دیتا جو انسانی تاریخ میں کبھی بھی بیکس انسانوں کے کام نہ آ سکے۔ اس کے بجائے وہ ہمارے سامنے خالص مادی بنیادوں پر حقیقت کو ہی سامنے نہیں لاتا بلکہ ایک ایسے تابندہ مستقبل کا خواب بھی دکھلاتا ہے جو دنیا کے ایک بہت بڑے حصے میں حقیقت بن چکا ہے۔' (فروزاں کا دیباچہ)

میرا خیال ہے کہ ہم آج کی حقیقت میں مستقبل کے انھیں ٹھوس خوابوں کی آمیزش سے رومان حسن اور وفور پیدا کر سکتے ہیں اس لیے میں نے صرف پھولوں اور ستاروں، محبوب کے رخساروں اور آنکھوں اور چھلکتے ہوئے جاموں اور لرزتے ہوئے پیراہنوں ہی میں حسن نہیں دیکھا ہے۔ بلکہ تیل کے چشموں اور کوئلے کی کانوں اور سوت کے کارخانوں میں بھی حسن بکھرا ہوا پایا ہے۔ اس تصور ہی سے اس طرح کی تصویریں بنتی ہیں۔ جیسے 'سیاہ ہیرا' (کوئلہ) 'پگھلے ہوئے ستارے' (چشموں کا تیل) 'کپاس کی چاندی' (روئی) یا 'سورج کی رنگین کرنوں کی لچکتی ہوئی انگلیاں' (رات کے تار) وغیرہ وغیرہ۔ یہ نئی تصویریں ہیں جنھیں میں نے اپنی نظموں میں استعمال کیا ہے اور اس طرح کے مصرعے کہیں ہیں۔ ع

ہے چمنیوں کا دھواں بھی پر پیچ کاکلوں کی طرح دل آرا

لیکن چونکہ موجودہ سماج میں انسان مشین پر نہیں بلکہ مشین انسان پر حاوی ہے اور ظلم اور استحصال کی علامت بن کر سامنے آتی ہے اس لیے ایسی تصویریں بھی ملیں گی۔

چمنیاں بھتنیوں کی طرح بال کھولے ہوئے

مگر یہی بھتنیاں ہمارے قبضے میں آنے کے بعد شہزادیاں بن جائیں گی اور پھر ہم 'ناچتی چرخیوں' اور 'گنگناتی ہوئی تکلیوں' اور 'کارخانوں میں مشینوں کے دھڑکتے ہوئے دل' کے گیت گائیں گے۔

میرے لیے زمین سے زیادہ حسین، انسان سے زیادہ پر وقار اور مستقبل سے زیادہ تابناک کوئی چیز نہیں ہے۔ ادب اور آرٹ کی سب سے بڑی جمالیاتی قدریں اُنھیں سے پیدا ہوتی ہیں۔

بمبئی، 17 مئی 1953ء

سردار جعفری

ebooksgallery.com

طبع ثانی

'پتھر کی دیوار' کا دوسرا ایڈیشن اکتالیس سال بعد شائع ہو رہا ہے اس تاخیر کی کوئی وجہ نہیں تھی لیکن تاخیر ہوتی رہی۔

میری ذہنی اور جذباتی تشکیل کا موسم کچھ اور تھا۔ ہر طرف پھول کھل رہے تھے۔ ہوا میں شراب کی تاثیر تھی۔ طلوع آفتاب سے افق گلنار تھا۔ آج موسم بدل چکا ہے۔ اردو زبان اور شعر و ادب، سب سیاسی اور سماجی حالات کا شکار ہیں۔ ایسی صورت میں کسی کتاب کا زندہ رہنا حیرت ناک بات ہے۔ گزشتہ چالیس سال کے عرصہ میں بار بار مجھے پتھر کی دیوار کی نظموں کی زندگی کا ثبوت ملتا رہا۔

ایک دلچسپ واقعہ پاکستانی اشاعت کا ہے۔ وہاں میری شاعری ممنوع نہیں تھی لیکن میرے داخلے پر پابندی تھی اس لیے عام طور سے پبلشر میری کتابیں شائع کرنے سے گھبراتے تھے۔ پھر بھی پتھر کی دیوار کے نسخے زیراکس کے ذریعہ سے نقل کیے گئے اور خاموشی سے تقسیم ہوتے رہے۔ 1984ء کی بات ہے کہ کراچی کی ایک محفل میں ایک صاحب نے اس کا ایک نسخہ مجھے عنایت کیا جو انھیں ان کی طالب علمی کے زمانے میں کالج سے انعام کے طور پر ملا تھا۔ ایسے خوشگوار واقعات ہندستان اور ہندستان کے باہر دوسرے مقامات پر بھی پیش آتے رہے جو اس بات کے اشارے کر رہے تھے کہ اب طبع ثانی میں تاخیر نہیں ہونی چاہیے۔ پھر بھی تاخیر ہوتی رہی۔ اب شاہد علی خاں صاحب کی عنایت• سے یہ کتاب نئے زیور طبع سے آراستہ ہوئی ہے۔

یہ کتاب اس فصل بہار کا ثمر ہے جو اقبال، رجوش کے بعد اردو شاعری کا مزاج بدل رہی تھی اور نئی پیکر تراشی کی جلوہ گری سے نئی شعری جمالیات کی تشکیل ہو رہی تھی۔ یہ جمالیات نئے شاعروں کے ہاتھوں میں محفوظ ہے اور نئی جلا حاصل کر رہی ہے۔

نئی دہلی، 17راگست 1994 — سردار جعفری

ebooksgallery.com

ebooksgallery.com

پتھر کی دیوار

کیا کہوں بھیانک ہے
یا حسیں ہے یہ منظر
خواب ہے کہ بیداری
کچھ پتا نہیں چلتا
پھول بھی ہیں سایے بھی
خاک بھی ہے پانی بھی
آدمی بھی محنت بھی
گیت بھی ہیں آنسو بھی
پھر بھی ایک خاموشی
روح و دل کی تنہائی
اک طویل سنّاٹا
جیسے سانپ لہرائے
ماہ و سال آتے ہیں
اور دن نکلتے ہیں
جیسے دل کی بستی سے
اجنبی گزر جائے

ebooksgallery.com

چیختی ہوئی گھڑیاں
زخم خوردہ طائر ہیں
نرم رو سبک لمحے
منجمد ستارے ہیں
رینگتی ہیں تاریکیں
روز و شب کی راہوں پر
ڈھونڈتے ہیں چشم و دل
نقش پا نہیں ملتے
زندگی کے گلدستے
زیب طاق نسیاں ہیں

پتیوں کی پلکوں پر
اوس جگمگاتی ہے
املیوں کے پیڑوں پر
دھوپ پر سکھاتی ہے
آفتاب ہنستا ہے
مسکراتے ہیں تارے
چاند کے کٹورے سے
چاندنی چھلکتی ہے
جیل کی فضاؤں میں
پھر بھی اک اندھیرا ہے
جیسے ریت میں گر کر
دودھ جذب ہو جائے
روشنی کے گالوں پر
تیرگی کے ناخن کی

ebooksgallery.com

یہ وہ خراشیں ہیں
پتھروں کی دیواریں

بارکوں کی تعمیریں
اژدہوں کے پیکر ہیں
جو نئے آدمیوں کو
رات دن نگلتے ہیں
ان کے پیٹ کی دوزخ
کوئی بھر نہیں سکتا

پتھروں کی دیواریں

بھوک کا بھیانک روپ
چلیوں کے بھدّے راگ
روٹیوں کے دانتوں میں
ریت اور کنکر ہیں
دال کے پیالوں میں
زرد زرد پانی ہے
چاولوں کی صورت پر
مفلسی برستی ہے
سبزیوں کے زخموں سے
پیپ سی ٹپکتی ہے

پتھروں کی دیواریں

درد و غم کے پیروں میں
آنسوؤں کی زنجیریں

ebooksgallery.com

بے بسی کی محفل میں
حسرتوں کی تقریریں
رشتوں کی گانٹھوں میں
بازوؤں کی گولائی
نیم جان قدموں میں
بیڑیوں کی شہنائی
ہتھکڑی کے حلقوں میں
ہاتھ کسمساتے ہیں
پھانسیوں کے پھندوں میں
گردنیں تڑپتی ہیں

پتھروں کی دیواریں

جو کبھی نہیں روتیں
جو کبھی نہیں ہنستیں
ان کے سخت چہرے پر
رنگ ہے نہ غازہ ہے
کھردرے لبوں پر صرف
بے حسی کی مہریں ہیں

پتھروں کی دیواریں

پتھروں کے فرش اور چھت
پتھروں کی محرابیں
پتھروں کی پیشانی
پتھروں کی آنکھیں ہیں
پتھروں کے دروازے

ebooksgallery.com

پتھروں کی انگڑائی
پتھروں کے پنجوں میں
آہنی سلاخیں ہیں

اور ان سلاخوں میں
حسرتیں تمنائیں
آرزوئیں، امیدیں
خواب اور تعبیریں
اشک پھول اور شبنم
چاند کی جواں نظریں
دھوپ کی سنہری زلف
بادلوں کی پرچھائیں
صبح و شام کی پریاں
موسموں کی لیلائیں
سولیوں پہ چڑھتی ہیں

اور اس اندھیرے میں
سولیوں کے سایے میں
انقلاب پلتا ہے
تیرگی کے کانٹوں پر
آفتاب چلتا ہے
پتھروں کے سینے سے
سرخ ہاتھ اُگتے ہیں
ہاتھ ہیں کہ تلواریں
رات کے اندھیرے میں
جیسے شمع جلتی ہے

ebooksgallery.com

انکھیاں فروزاں ہیں
بارکوں کے کونوں سے
سازشیں نکلتی ہیں
خاموشی کی نبضوں میں
گھنٹیاں سی بجتی ہیں

جانے کیسے قیدی ہیں
س جہاں سے آئے ہیں
ناخنوں میں کیلیں ہیں
ہڈیاں شکستہ ہیں
نوجوان جسموں پر
پیرہن ہیں زخموں کے
جگمگاتے ماتھوں پر
خون کی لکیریں ہیں
اشک آگ کے قطرے
سانس تند آندھی ہے
بات ہے کہ طوفاں ہے
ابروؤں کی جنبش میں
عزم مسکراتے ہیں
اور نگہ کی لرزش میں
حوصلے مچلتے ہیں
تیوریوں کی شکنوں میں
نقش پا بغاوت کے
چتنا ظلم سہتے ہیں
اور مسکراتے ہیں

ebooksgallery.com

جتنا دکھ اٹھاتے ہیں
اور گیت گاتے ہیں
جبر اور بڑھتا ہے
زہر اور چڑھتا ہے
ظالموں کی شدت پر
ظلم چیخ اٹھتا ہے
ان کے لب نہیں ملتے
ان کے سر نہیں جھکتے
دل سے آہ کے بدلے
اک صدا نکلتی ہے
'انقلاب زندہ باد'

خاک پاک کے بیٹے
کھیتیوں کے رکھوالے
ہاتھ کار خانوں کے
انقلاب کے شہپر
کوہسار کے شاہیں
پتھروں کی کوروں پر
آندھیوں کی راہوں پر
بجلیوں کی بارش میں
گولیوں کے طوفاں میں
سر اٹھائے بیٹھے ہیں

انقلاب ساماں ہے
ہند کی فضا ساری
نزع کے ہے عالم میں

ebooksgallery.com

یہ نظامِ زرداری
وقت کے محل میں ہے
جشنِ نو کی تیاری
جشنِ عام جمہوری
اقتدارِ مزدوری
غرق آتش و آہن
بے بسی و مجبوری
مفلسی و ناداری
تیرگی کے بادل سے
جگنوؤں کی بارش ہے
رقص میں شرارے ہیں
ہر طرف اندھیرا ہے
اور اس اندھیرے میں
ہر طرف شرارے ہیں
کوئی کہہ نہیں سکتا
کون سا شرارہ کب
بے قرار ہو جائے
شعلہ بار ہو جائے
انقلاب آ جائے

ebooksgallery.com

موت

'وارڈر

موت سے جا کے کہہ دو کہ اس وقت فرصت نہیں
پھر کبھی آئے
جیلر کو درخواست دے
کم سے کم پندرہ روز پہلے
تا کہ سی آئی ڈی والے تحقیق کر لیں یہ کون ہے
کس لیے آئی ہے'

'موت' کچھ اپنی بیوی بہن دوست یا ماں نہیں
اس پہ سی آئی ڈی والوں نے
کوئی پابندی اب تک لگائی نہیں
وہ تو جب چاہے آئے، ملے اور چلی جائے
اس کو ہر طرح کے اختیارات ہیں
اور یہ موت تو خود بڑے حاکموں ہی کے احکام سے آئی ہے
اور کسی میں اس کو روک دینے کی جرأت نہیں
آپ پھاٹک پہ آ جایئے

ebooksgallery.com

ورنہ وہ خود ہی پارک میں آ جائیگی'

اور اک دم سے پھاٹک کھلا
سائرن بج اٹھا
اونچے ٹاور پہ خطرے کے جھنڈے نے انگڑائی لی
موت داخل ہوئی
میں نے دیکھا
اور ہم سب نے دیکھا
موت کے بیسیوں سر تھے اور سیکڑوں ہاتھ تھے
لاٹھیوں کی طرح
رائفل کی طرح
انگلیاں لمبی لمبی تھیں، ناخون سنگینوں کے
جسم خاکی تھا
چہرہ گلابی تھا
بارود کی سانس تھی
پاؤں چمڑے کے جوتوں میں
لوہے کی کیلوں سے
پتھر کی راہوں پہ بجتے ہوئے
لفٹ رائٹ کی آواز دیتے ہوئے
جیسے اک دور ما قبل تاریخ کا اژدہا
بھولے بسرے ہوئے جنگلوں سے نکل آیا ہو
لوگ یہ کہتے ہیں موت کی شکل وصورت نہیں
وہ مگر آج ہم سب کی نظروں کے آگے کھڑی تھی
ہیٹ پہنے ہوئے
اپنی موٹی کمر اور چمڑے کی پیٹی میں پستول باندھے ہوئے

ebooksgallery.com

ظلم کے راج کی جے کہو
جس میں ہر شخص کے واسطے موت ہے
قیدیوں کے لیے
درزیوں کے لیے
موچیوں کے لیے
دفتروں کے کلرکوں، رفیو جی مصیبت زدوں کے لیے
عورتوں اور بچوں کی معصومیت کے لیے
موت ہے موت ہے موت ہے
زندگی بار ہے
بھوک تکلیف دہ
مفلسی اور بیروزگاری کا طاعون پھیلا ہوا
روٹیوں کی جگہ موت لو
دھوتیوں ساریوں کی جگہ موت لو
گھر نہیں موت کی گود میں سو رہو
کام ملتا نہیں اور ملیں بند ہوتی چلی جا رہی ہیں
فکر کی بات کوئی نہیں
اپنے جن راج کے منتظم منتری
رات دن اپنی جنتا کی سیوا میں مصروف ہیں
موت کے کارخانے بنانے میں مشغول ہیں
موت کے کارخانے میں چھٹنی نہیں
صرف بھرتی ہی بھرتی ہے بھرتے چلے جاؤ
اپنی بیوی کو بھی بھیج دو
اپنے بچوں کو بھی ساتھ لو
اور بونس میں اک قبر یا اک چتا

ebooksgallery.com

جو بھی چاہو گے مل جائے گی

ملک میں اب پولیس راج ہرگز نہیں
وہ تو انگریز کے وقت تھا
آج کل موت کا راج ہے
موت جو سب کی ہمدرد ہے
سب کی غم خوار ہے
آج ہم قیدیوں سے ملاقات کے واسطے آئی تھی
ہم وطن سے بہت دور ہیں
اپنے احباب کی دوستی
اور عزیزوں کی الفت سے محروم ہیں
کوئی ملنے کو آتا نہیں
مائیں بیمار ہیں
باپ بوڑھے ہیں اور بیویاں دور ہیں
بچے کم عمر ہیں
موت کے بادشاہوں کی غمخواریاں
نازبرداریاں
موت ملنے کو تشریف لے آئی ہے

ہم مگر سر پھرے، منچلے اور مغرور ہیں
موت سے ہم کو ملنے کی فرصت نہیں

ebooksgallery.com

مقتول ممتا

(ان عورتوں کے نام جو 27/اپریل 1949 کو کلکتہ میں شہید ہوئیں)

میں تم کو اپنی بہن کہوں یا رفیق سمجھوں
مگر وطن کی زمیں ماں کہہ کے یاد کرتی رہے گی تم کو
کہ تم نے خاکِ وطن کو اپنا لہو دیا ہے
تمھارے چہروں کا نور بنگال کی جبیں پر دمک رہا ہے

تم اپنے پیاروں کی بھوک سے بے قرار ہو کر
گھروں سے باہر نکل پڑی تھیں
تم اپنے شہر اپنے دیس اپنے وطن کی سڑکوں پہ چل رہیں تھی
تم اپنے آکاش کی فضاؤں میں گا رہی تھیں
تم اپنے اہلِ وطن کو انصاف اور صداقت کا نام لے کر
وطن کی خاطر بلا رہی تھیں
تمھارے ہاتھوں میں رائفل تھی
نہ آنچلوں میں بموں کے گولے
لبوں پہ نعرے گلوں میں آنسو دلوں میں عزمِ شکستِ زنداں
جوان شانوں پہ سرخ پرچم مچل رہے تھے
پولیس کی لاریوں سے لیکن

ebooksgallery.com

تمھارے سینوں پہ آگ کے تیر چل رہے تھے
تمھارے ہاتھوں پہ گرم سیسہ برس رہا تھا

وہ کوکھ زخمی ہے جس میں بچوں کی مسکراہٹ چھپی ہوئی تھی
وہ سینے چھلنی ہیں گولیوں سے
جو نسلِ آدم کے آئینے تھے
وہ جسم اب راکھ ہو چکے ہیں
کہ جن کے اندر
نہ جانے کتنے سڈول جسموں کا رقصِ پنہاں جھلک رہا تھا
تمھارے بے سدھ جوان ہاتھوں کو پالنے ڈھونڈتے رہیں

مگر میں یہ جانتا ہوں میری شہید بہنو
تمھارا خوں رائیگاں نہ ہوگا
یہ خون کے قطرے
یہ سرخ تارے
جو قلب بنگال میں
فروزاں ہیں پرچموں پر جوان ہوں گے
انھیں کی گرمی سے انتقام اپنی آگ پیدا کرے گا اک دن
انھیں کی سرخی سے پھول اپنی بہار لیں گے
انھیں کی بیتابیوں انھیں کی تڑپ سے وہ سورما اٹھیں گے
جو ظلم کے راج کو جہنم کی پستیوں میں ڈھکیل دیں گے
وہ سب تمھارے سپوت ہوں گے
اور ان کی نسلوں کے بانکپن میں
تمھاری مقتول مامتا جاوداں رہے گی

ebooksgallery.com

بمبئی

سبز وشاداب ساحل
ریت کے اور پانی کے گیت
مسکراتے سمندر کا سیال چہرہ
چاند سورج کے ٹکڑے
لاکھوں آئینے موجوں میں بکھرے ہوئے
کشتیاں بادبانوں کے آنچل میں اپنے سروں کو چھپائے ہوئے
جال نیلے سمندر میں ڈوبے ہوئے
خاک پر سوکھتی مچھلیاں
گھاٹنیں۔ پتھروں کی وہ ترشی ہوئی مورتیں
ایلنفینٹا کے غاروں سے جو رقص کرتی نکل آئی ہیں

راتیں آنکھوں میں جادو کا کاجل لگائے ہوئے
شامیں نیلی ہوا کی نمی میں نہائی ہوئی
صبحیں شبنم کے باریک ملبوس پہنے ہوئے
خواب آلود کہسار کے سلسلے
جنگلوں کے گھنے سایے

ebooksgallery.com

مٹی کی خوشبو

مہکتی ہوئی کونپلیں

پتھروں کی چٹانیں

اپنی باہوں میں بحرِ عرب کو سمیٹے ہوئے

وہ چٹانوں پہ رکھے ہوئے اونچے اونچے محل

چکنی دیواروں پر

قتل، غارت گری، بزدلی، نفع خوری کی پرچھائیاں

ریشمی ساریاں

مخملیں جسم، زہریلے ناخونوں کی بلّیاں

خون کی پیاس کھادی کے پیراہنوں میں

جگمگاتے ہوئے قمقمے، پارک باغات اور میوزیم

سنگِ مرمر کے بت، دھات کے آدمی

سرد و سنگین عظمت کے پیکر

آنکھیں بے نور، لب بے صدا، ہاتھ بے جان

ہند کی بے بسی اور محکومی کی یادگاریں

سیکڑوں سال کے گرم آتش کدے

زرد صندل کی آگ

عود و عنبر کے شعلے

'چالیں' افلاس کی گرد، تاریکیاں

گندگی اور عفونت

گھورے سڑتے ہوئے

رہگزاروں پہ سوتے ہوئے آدمی

ebooksgallery.com

ٹاٹ پر، اور کاغذ کے ٹکڑوں پہ پھیلے ہوئے جسم، سوکھے ہوئے ہاتھ
زخم کی آستینوں سے نکلی ہوئی ہڈیاں
کوڑھیوں کے ہجوم
'کھولیاں' جیسے اندھے کنویں
گرم سینوں، محبت کی گودوں سے محروم بچے
بکریوں کی طرح رسیوں سے بندھے
ان کی مائیں ابھی کارخانوں سے واپس نہیں آئی ہیں

چمنیاں بھتنیوں کی طرح بال کھولے ہوئے
کارخانے گرجتے ہوئے
خون کی اور پسینے کی بو میں شرابور
خون سرمایہ داری کے نالوں میں بہتا ہوا
بھٹیوں میں ابلتا ہوا
سرد سکوں کی صورت میں جمتا ہوا
سونے چاندی میں تبدیل ہوتا ہوا
بنک کی کھڑکیوں میں چراغاں
سڑکیں دن رات چلتی ہوئی
سانس لیتی ہوئی
آدمی خواہشوں کے اندھیرے نشیبوں میں سیلاب کی طرح بہتے ہوئے
چور بازار، سٹہ، جواری
ریس کے گھوڑے، سرکار کے منتری
سنیما، لڑکیاں، ایکٹر، مسخرے
ایک اک چیز بکتی ہوئی
گاجریں، مولیاں، ککڑیاں
جسم اور ذہن اور شاعری

ebooksgallery.com

علم، حکمت، سیاست
انگڑیوں اور ہونٹوں کے نیلام گھر
عارضوں کی دکانیں
بازوؤں اور سینوں کے بازار
پنڈلیوں اور رانوں کے گودام
دیش بھگتی کے دلال کھادی کے بیوپاری
عقل، انصاف، پاکیزگی، اور صداقت کے تاجر

یہ ہے ہندوستاں کی عروس البلاد
سرزمینِ دکن کی دلہن بمبئی
ایک جنت جہنم کی آغوش میں
یا اسے یوں کہوں
ایک دوزخ ہے فردوس کی گود میں

یہ مرا شہر ہے
گو میرا جسم اس خاکداں سے نہیں
میری مٹی یہاں سے بہت دور گنگا کے پانی سے گوندھی گئی ہے
میرے دل میں ہمالہ کے پھولوں کی خوشبو بسی ہے
پھر بھی اے بمبئی تو مرا شہر ہے
تیرے باغات میں میری یادوں کے کتنے ہی رم خوردہ آہو
میں نے تیرے پہاڑوں کی ٹھنڈی ہوا کھائی ہے
تیری شفاف جھیلوں کا پانی پیا ہے
تیرے ساحل کی ہنستی ہوئی سیپیاں مجھ کو پہچانتی ہیں
ناریل کے درختوں کی لمبی قطاریں
تیرے نیلے سمندر کے طوفان اور قہقہے

ebooksgallery.com

تیرے دلکش مضافات کے سبزہ زاروں کی خاموشیاں
رنگتیں، نکہتیں، سب مجھے جانتی ہیں
اس جگہ میرے خوابوں کو آنکھیں ملیں
اور میری محبت کے بوسوں نے اپنے حسیں ہونٹ حاصل کیے

بمبئی

تیرے سینے میں سرمایہ کا زہر بھی
انقلاب اور بغاوت کا تریاق بھی
تیرے پہلو میں فولاد کا قلب ہے
تیری نبضوں میں مزدور و ملاح کا خون ہے
تیری آغوش میں کارخانوں کی دنیا بسی ہے
سیوری، لال باغ اور پریل
اور یہاں تیرے بیٹے تری بیٹیاں
ان کی دکھتی ہوئی انگلیاں
سوت کے ایک اک تار سے
ملک کے قاتلوں کا کفن بن رہی ہیں

ebooksgallery.com

دکن کی شہزادی

بمبئی اے دکن کی شہزادی
نیلگوں سندری اجنتا کی
اپنی اونچی چٹان سے نیچے
اپنے بالوں کو دھونے آئی ہے
پنڈلیاں مچھلیاں ہیں چاندی کی
پاؤں ڈوبے ہوئے سمندر میں
انگلیاں کھیلتی ہیں پانی سے
جلتے ہیروں کی لاکھوں آنکھوں سے
پگھلے نیلم کے نیلے ہونٹوں سے
میرے خوابوں میں مسکراتی ہے
دل کے طوفان خیز ساحل پر
موجیں گاتی ہیں رقص کرتی ہیں
جھاگ کے آنچلوں کو لہراتی
چاندنی کی انگوٹھیاں پہنے
بھیگے تاروں کے پھول برساتی

ebooksgallery.com

تیری قوس قزح کی گردن میں
موج بحر عرب کی باہیں ہیں
تیرے ماتھے کو پیار کرتی ہیں
ترچھی پرچھائیاں جہازوں کی
خوں کی گردش میں ہے مشین کا راگ
ناچتی انگلیوں میں سوت کے تار
جسم پر سیپیوں کی نرم چمک
اور نظروں میں موتیوں کا غرور
میں ہمالہ کے دیس کا باسی
تو سمندر کی گود کی پالی
کیا کہوں کیسے یاد آتی ہے
ذہن کے ملگجی اجالے میں
تیری تصویر جھلملاتی ہے
چاندنی رات میں گلاب کا پھول

(سنٹرل جیل ناسک)

ebooksgallery.com

اودھ کی خاک حسین

گزرتی برسات آتے جاڑوں کے نرم لمحے
ہواؤں میں تتلیوں کی مانند اڑ رہے ہیں
میں اپنے سینے میں دل کی آواز سن رہا ہوں
رگوں کے اندر لہو کی بوندیں مچل رہی ہیں
مرے تصور کے زخم خوردہ
افق سے یادوں کے کارواں یوں گزر رہے ہیں
کہ جیسے تاریک شب کے تاریک آسماں سے
چمکتے تاروں کے مسکراتے ہجوم گزریں

میں قید خانے میں عشق پیچاں کی سبز بیلوں کو ڈھونڈتا ہوں
جو پھیل جاتی ہیں اپنے پھولوں کے ننھے ننھے چراغ لے کر
کہاں ہیں وہ دلنواز بانہیں
وہ شاخِ صندل
کہ جس پر انگڑائیوں نے اپنے حسیں نشیمن بنا لیے ہیں
میں اپنی ماں کے سفید آنچل کی چھاؤں کو یاد کر رہا ہوں
میری بہن نے مجھے لکھا ہے

ebooksgallery.com

ندی کے پانی میں بید کی جھاڑیاں ابھی تک نہا رہی ہیں
پپیہے رخصت نہیں ہوئے ہیں
ابھی وہ اپنی سریلی آواز سے دلوں کو لبھا رہے ہیں

میں رات کے وقت اپنے خوابوں میں چونک پڑتا ہوں جیسے مجھ کو
اودھ کی مٹی بلا رہی ہے
حسین جھیلیں کنول کے پھولوں کی چادروں میں ڈھکی ہوئی ہیں
فضاؤں میں میگھ دوت [1] پرواز کر رہے ہیں
نہ جانے کتنی محبتوں کے پیام لے کر
گھٹاؤں کی اپسرائیں اپنی
گھنیری زلفوں میں آخری بار مسکرا کر
خلیج بنگال اور بحرِ عرب کے موتی پرو رہی ہیں
ہرے پروں اور نیلے پھولوں کے مور خوش ہو کے ناچتے ہیں
قدیم گنگا کا پاک پانی زمیں کے دامن کو دھو رہا ہے
وہ کھیتیاں دھان سے بھری ہیں
جہاں ہوائیں ازل کے دن سے ستار اپنے بجا رہی ہیں
ہمالیہ کی بلندیاں برف سے ڈھکی ہیں
ان آسماں بوس چوٹیوں کو
سحر کے سورج نے سات رنگوں کی کلغیوں سے سجا دیا ہے
شفق کی سرخی میں میری بہنوں کی مسکراہٹ گھلی ہوئی ہے

مرے تصور میں ساقیوں کا خرام رنگیں نہ جام و مینا کی گردشیں ہیں
نہ میکدے ہیں نہ شورشیں ہیں
میں چھوٹے چھوٹے گھروں کی چھوٹی سی زندگی میں گھرا ہوا ہوں

---

1. 'میگھ دوت' بہ معنی بادل۔ اس نام کی مشہور نظم کالی داس نے لکھی تھی جس میں بادل محبت کا پیامی ہے۔

ebooksgallery.com

اندھیرے قصبوں کو یاد کر کے تڑپ رہا ہوں
وہ جن کی گلیوں میں میرے بچپن کی یادیں اب تک بھٹک رہی ہیں
جہاں کے بچے پرانے کپڑوں کی میلی گڑیوں سے کھیلتے ہیں
وہ گاؤں جو سیکڑوں برس سے بسے ہوئے ہیں
کسانوں کے جھونپڑوں پہ ترکاریوں کی بیلیں چڑھی ہوئی ہیں
پرانے پیپل کی جڑ میں پتھر کے دیوتا بے خبر پڑے ہیں
قدیم برگد کے پیڑ اپنی جٹائیں کھولے ہوئے کھڑے ہیں

یہ سیدھے سادے غریب انسان نیکیوں کے مجسمے ہیں
یہ محنتوں کے خدا یہ تخلیق کے پیمبر
جو اپنے ہاتھوں کے کھردرے پن سے زندگی کو سنوارتے ہیں
لہار کے گھن کے نیچے لوہے کی شکل تبدیل ہو رہی ہے
کمہار کا چاک چل رہا ہے
صراحیاں رقص کر رہی ہیں
سفید آٹا سیاہ چکی سے راگ بن کر نکل رہا ہے
سنہرے چولہوں میں آگ کے پھول کھل رہے ہیں
پتیلیاں گنگنا رہی ہیں
دھوئیں سے کالے توے بھی چنگاریوں کے ہونٹوں سے ہنس رہے ہیں
دوپٹے آنگن میں ڈوریوں پر ٹنگے ہوئے ہیں
اور ان کے آنچل سے دھانی بوندیں ٹپک رہی ہیں
سنہری پگڈنڈیوں کے دل پر
سیاہ لہنگوں کی سرخ گوٹیں مچل رہی ہیں

یہ سادگی کس قدر حسیں ہے
میں جیل میں بیٹھے بیٹھے اکثر یہ سوچتا ہوں

ebooksgallery.com

جو ہو سکے تو اودھ کی پیاری زمین کو گود میں اٹھا لوں
اور اس کی شاداب لہلہاتی ہوئی جبیں کو
ہزاروں بوسوں سے جگمگا دوں

میں اپنے بچپن کے ساتھیوں کی گرجتی آواز سن رہا ہوں
وہ کارخانوں کے سامنے انقلاب بن کر کھڑے ہوئے ہیں
وہ کھیتیوں میں بہار بن کر رواں دواں ہیں
اندھیری کانوں کی تیرگی میں
وہ نور بن کر اتر رہے ہیں
زمیں کے سینے پہ کاشتکاروں کی لاٹھیوں کے
ہزاروں جنگل اگے ہوئے ہیں
کدالیں کھیتوں کی پاسباں ہیں
درانتیاں جگمگا رہی ہیں
زمین کے غاصبوں کے چہرے کا رنگ کافور ہو رہا ہے
ملوں کے مالک لرز رہے ہیں

غریب سیتا کے گھر پہ کب تک رہے گی راون کی حکمرانی
دروپدی کا لباس اس کے بدن سے کب تک چھنا کرے گا
شکنتلا کب تک اندھی تقدیر کے بھنور میں پھنسی رہے گی
یہ لکھنؤ کی شگفتگی مقبروں میں کب تک دبی رہے گی
سروں کے اوپر مصیبتوں کے پہاڑ کب تک گرا کریں گے
بلکتی آنتوں کو بھوک کب تک ڈسا کرے گی
زمیں کے سینے پہ قاتلوں کے گروہ کب تک چلا کریں گے
خباثتیں کب تلک اہنسا کا روپ دھارے پھرا کریں گی

ebooksgallery.com

کسان جو اپنی پاک دھرتی پہ جانور کی طرح جھکے ہیں
وہ جن کی پیٹھوں پہ بھاری اینٹیں لدی ہوئی ہیں
جو کچے چمڑے کے سخت جوتوں سے پٹ رہے ہیں
یہ جسم جو کارخانے داروں کی بھٹیوں میں ابل رہے ہیں
یہ ہاتھ لوہے کے دانت جن کو چبا رہے ہیں
یہ خون جو نفع خور بنیوں کی تھیلیوں میں کھنک رہا ہے
یہ عورتیں جن کے ہاتھ پیچھے بندھے ہوئے ہیں
جو اونچے پیڑوں پہ اپنے بالوں کی پھانسیوں میں لٹک رہی ہیں
یہ کانپتی مفلسی جو آئی ہے چھاتیوں کا لگان لے کر
یہ ننھے بچے جو مالکوں کے مویشیوں کو چرا رہے ہیں
جو کھیت مزدور بھوکے رہ کر زمیں سے گیہوں اگا رہے ہیں
یہ اپنے سینے کی آگ کب تک دبا سکیں گے
یہ اپنی نفرت کا زہر کب تک چھپا سکیں گے
یہ زخم کب تک ہرے رہیں گے

اودھ کی خاکِ حسیں کے ذرّے بگولے بن کر مچل رہے ہیں
اب آنسوؤں کی پرانی جھیلوں سے سرخ شعلے ابل رہے ہیں
غموں کی بھاری سلیں دلوں سے سرک رہی ہیں
شجاعتیں گو پھنوں کو لے کر نکل رہی ہیں
جھکے ہوئے سر ابھرتے سورج کی شان و شوکت سے اٹھ رہے ہیں
یہ سور ماؤں کی سرزمیں ہے
یہ آسمانِ خموش طوفانِ برق و باراں کا آسماں ہے
یہ مسکراتی ہوئی فضا سرخ آندھیوں سے بھری ہوئی ہے
یہاں کا ایک ایک چپہ لاکھوں بغاوتوں سے بسا ہوا ہے
بغاوتیں جو ہر اک شہنشاہیت کی چولیں ہلا چکی ہیں

ebooksgallery.com

بغاوتیں سامراج کو جو بلندیوں سے گرا چکی ہیں
بغاوتیں جو فرنگیوں کے دلوں پر ہیبت بٹھا چکی ہیں
یہی پرانی بغاوتیں پھر نئے سرے سے جواں ہوئی ہیں

مرے وطن کی زمیں کو ناپاک کرنے والو
میں ان پرانی نئی عوامی بغاوتوں ہی کا ترجماں ہوں
میں اپنے اہل وطن کے احساس اور جذبات کی زباں ہوں
میں خاک سے کہہ رہا ہوں اپنے اناج کو کوکھ میں چھپا لے
لٹیرے کھیتوں میں پھر رہے ہیں
میں لاکھوں مزدور نو جوانوں کے ساتھ میداں میں آ رہا ہوں
غدر کے مقتول سورماؤں کو مرقدوں سے اٹھا رہا ہوں
میں پچوری چورا کے سوئے شیروں کو گیت گا کر جگا رہا ہوں
چمن کے پھولو چمن میں اک آگ سی لگا دو
لچکتی شاخوں فضا میں زنجیر بن کے پھیلو
زمیں کی دھاتو ہوا میں جوالا مکھی اچھالو
ملو کے پہیو بغاوتوں کے ترانے گاؤ
کہاں ہو اے نیکیوں کی فوجو
بدی کے اونچے محل گرا دو
صداقتو آؤ جھوٹ کے سانپ کو کچل دو
حیات کی تیز و تند موجو فنا کے خاشاک کو بہا دو
سحر کی کرنو اندھیری راتوں کے سر پہ برسو
عوام کے دشمنوں کا نام و نشاں مٹا دو
اودھ کی خاک حسیں کے ذرّو
جو سیکڑوں میل دور سے اڑ کے میرے خوابوں میں آ گئے ہو
مرے وطن کی زمیں سے میرا سلام کہنا

ebooksgallery.com

اسے بتانا

کہ میرے ہونٹوں پہ سنگ و آہن کی سرد مہریں لگی ہوئی ہیں

وہ کالا قانون ایک دیوار بن کے رستے میں آ گیا ہے

جسے اہنسا کا نام لے کر پجاریوں نے کھڑا کیا ہے

مگر یہ دیوار روک سکتی نہیں ہے مجھ کو

ابلتے جوالا مکھی کو کوئی دبا سکا ہے؟

میں آج مجبور ہوں تو کیا ہے

وطن سے کچھ دور ہوں تو کیا ہے

مگر میں اس کے مجاہدوں کی صفوں سے باہر نہیں گیا ہوں

ebooksgallery.com

میرے خواب

اے مرے حسیں خوابو
تم کہاں سے آئے ہو
کس افق سے ابھرے ہو
کس شفق سے نکھرے ہو
کن گلوں کی صحبت میں
تم نے تربیت پائی
کس جہاں سے لائے ہو
یہ جمال و رعنائی

جیل تو بھیانک ہے
اس ذلیل دنیا میں
حسن کا گزر کیسا
رنگ ہے نہ نکہت ہے
نور ہے نہ جلوہ ہے
جبر کی حکومت ہے
تم کہاں سے آئے ہو
اے مرے حسیں خوابو

ebooksgallery.com

میں نے تم کو دیکھا ہے
یاد اب نہیں آتا
شاید ایک لڑکی کی
تھرتھراتی پلکوں میں
جگمگاتی آنکھوں میں
یا کسی تبسم میں
جو نہا کے نکلا ہو
آنسوؤں کی شبنم سے

اک ہمکتے بچے کی
مٹھیوں کے پھولوں پر
تتلیوں کی یورش سی
اور ماں کی نظروں میں
سیکڑوں امیدوں کے
شوخ رنگ گلدستے
میں نے تم کو دیکھا ہے
ننھی ننھی گڑیوں میں
ناچتے کھلونوں میں
یا ربر کی گیندوں میں
میں نے تم کو دیکھا ہے
گھٹنیوں چلے ہو تم
توتلی زبانوں سے
تم نے دودھ مانگا ہے

ebooksgallery.com

ایک شاہزادہ تھا
ایک شاہزادی تھی
اس حسیں کہانی پر
جانے کتنے بچوں نے
اپنے سر اٹھائے ہیں
جانے کتنی آنکھوں میں
پھول مسکرائے ہیں
اور میں سمجھتا ہوں
تم اسی کہانی کی
سر زمیں سے آئے ہو

کچھ کسان کنیائیں
سبز و سرخ شیشوں کی
چوڑیاں کلائی میں
اور گلٹ کی چاندی کی
ہنسلیوں سے گردن میں
نیم چاند کے حلقے
چولیوں پہ لہنگوں پر
زرد زرد مٹی کے
زرد بیل بوٹے سے
میلے میلے آنچل پر
بالیوں کے بوسے ہیں
ان کے ہاتھ میں ہنسیے

ebooksgallery.com

گیت گانے لگتے ہیں
جھوم جھوم کر پودے
اپنا سر جھکاتے ہیں
نوجوان لٹھیارے
کھیت کی منڈیروں پر
پریم گیت گاتے ہیں
اے مرے حسیں خوابو
تم انھیں بہاروں کی
کونپلوں سے پھوٹے ہو
ایک کار خانے میں
چند نوجوانوں نے
انجمن بنائی ہے
اور اس میں لینن کی
اک کتاب پڑھتے ہیں
سن رہی ہیں دیواریں
ہنس رہی ہے تاریکی
نوجوان بیٹھے ہیں
اور کتاب پڑھتے ہیں
ایک ایک جملے پر
چونک چونک پڑتے ہیں
ایک ایک فقرے پر
اپنا سر ہلاتے ہیں
گاہ آہ بھرتے ہیں

ebooksgallery.com

گاہ مسکراتے ہیں
میں نے ان کے سینوں میں
اے مرے حسیں خوابو
تم کو ناچتے دیکھا
میں نے تم کو دیکھا ہے
جب سیاہ محرابیں
آسماں پہ بنتی ہیں
جب سکوت کی پریاں
کہکشاں پہ چلتی ہیں
گیسوؤں کی نکہت سے
جب ہوا مہکتی ہے
جب فضا چہکتی ہے
میرے گرم ہونٹوں پر
پیار تھر تھراتے ہیں
اور میری محبوبہ
اپنے رنگِ عارض سے
بجلیاں بناتی ہے
اور میری نظروں میں
اک جہان مٹتا ہے
اک جہان بنتا ہے
اک زمین ہٹتی ہے
اک زمین آتی ہے

ebooksgallery.com

میں اسیر ہوں لیکن
تم کو کوئی بھی قانون
قید کر نہیں سکتا
سر بلند اور آزاد
یوں ہی مسکرائے جاؤ
میرے دل کی دنیا میں
یوں ہی جگمگائے جاؤ
قید و بند کے جلّاد
تم کو پا نہیں سکتے
لمبے لمبے ظالم ہاتھ
تم کو چھو نہیں سکتے
اے مرے حسیں خوابو

ebooksgallery.com

شادی کا دن

سفید بادل
لرزتے آنچل
بلند و بالا حسین نیلاہٹوں کے سر سے ڈھلک گئے تھے
فضا کے چہرے پہ مست ہو کر
ہزاروں کرنیں بکھر گئی تھیں
ہرے بھرے پیڑ
روشنی
روشنی کے جھولے
ہوا کی پینگیں
شریر بچوں کی طرح سے پتیوں کی معصوم کھلکھلاہٹ
زمین کو نرم گھاس کی ننھی انگلیاں گدگدا رہی تھیں
یہ دن بہت ہی حسین دن تھا
جسے تمھارے حسین اقرار عشق نے اور خوبصورت بنا دیا تھا
یہ دن اُسی طرح سج کے پھر آج آگیا ہے
سفید ہاتھوں سے کوٹھری کی سیہ سلاخوں کو چھو رہا ہے
وہی تبسم، وہی تمھارا سا شوخ اندازِ دلربائی
مگر نگاہوں میں وہ پرانی چمک نہیں ہے
کہ اس کی آنکھوں میں ہلکے ہلکے
سیاہ حلقے پڑے ہوئے ہیں

سنٹرل جیل، ناسک

30 جنوری 1950

ebooksgallery.com

جیل کی رات

پہاڑ سی رات
اداس تارے، تھکے مسافر
گھنا اندھیرا، سیاہ جنگل
جہاں سلاخیں اُگی ہوئی ہیں
اذیتوں کے پرانے عفریت قیدیوں کو نگل رہے ہیں
خموشی سہمی ہوئی کھڑی ہے
سیاہی اپنے سیاہ دانتوں سے روشنی کو چبا رہی ہے
اچاٹ نیندوں کے ناگ آنکھوں کو ڈس رہے ہیں
میں چھدر رہا ہوں ہزار کانٹوں سے اپنی بے چین کروٹوں میں
یہ رات بھی کل کی رات کی طرح اپنی سفاکیوں کو لے کر
افق کے اس پار جا چھپے گی
مگر مجھے ڈس نہیں سکے گی
مری نگاہوں میں میری محبوب تیری صورت رچی ہوئی ہے
یہ چاند میری حسین یادوں کے آسماں پر کھلا ہوا ہے
ترے تصور سے میرے سینے میں چاندنی ہے

جنوری 1950

ebooksgallery.com

تمھاری آنکھیں

تمھاری آنکھیں
حسین، شفاف، مسکراتی، جوان آنکھیں
لرزتی پلکوں کی چلمنوں میں
شہابی چہرے پہ ابروؤں کی کماں کے نیچے
تمھاری آنکھیں
وہ جن کے نظروں کے ٹھنڈے سایے میں میری اُلفت
مری جوانی کی رات پروان چڑھ رہی تھی
تمھاری آنکھیں
اندھیری راتوں میں جو ستاروں کی روشنی سے
فضائے زنداں میں جھانکتی ہیں

میں لکھ رہا ہوں
تمھاری آنکھیں سفید کاغذ پہ اپنی پلکوں سے چل رہی ہیں
میں پڑھ رہا ہوں
تمھاری آنکھیں ہر اک سطر کی بھوؤں کے نیچے لرز رہی ہیں
میں سو رہا ہوں

ebooksgallery.com

تمھاری آنکھیں تمھاری پلکیں کہانیاں سی سُنا رہی ہیں
میں دوستوں اور ساتھیوں میں گھرا ہوا ہوں
مسرتوں کے گلاب ہر سمت کھل رہے ہیں
تمھاری آنکھوں کے پھول گویا مہک رہے ہیں

مجھے گرفتار کر کے جب جیل لا رہے تھے پولیس والے
تم اپنے بستر سے اپنے دل کے
ادھورے خوابوں کو لے کے بیدار ہو گئی تھیں
تمھاری پلکوں سے نیند اب بھی ٹپک رہی تھی
مگر نگاہوں میں نفرتوں کے عظیم شعلے بھڑک اٹھے تھے
تمھاری آنکھیں حقارتوں کے جہنموں کو جگا رہی تھیں
نظامِ ظلم و ستم پہ بجلی گرا رہی تھیں

مری محبت نے اپنی جنت کا حسن دیکھا
تمھاری آنکھوں پہ میری نظروں کے پیار برسے
مری امیدوں، مری تمناؤں نے صدا دی
یہ نفرتوں کی عظیم مشعل جلائے رکھنا
کہ یہ محبت کے دل کا شعلہ ہے جس کی رنگین روشنی میں
ہمارے خوابوں کے راستے جگمگا رہے ہیں
تمھاری آنکھیں
جو میرے سینے میں تیرتی ہیں
کنول کی کلیاں جو میرے دل میں کھلی ہوئی ہیں

ebooksgallery.com

انھیں سے دو اور آنکھیں بیدار ہو گئی ہیں
وہ ننھے ننھے چمکتے ہیروں کی ننھی کنیاں
جو میری آنکھوں کا نور لے کر تمھارے آنچل سے جھانکتی ہیں
پھر اور آنکھیں، پھر اور آنکھیں، پھر اور آنکھیں
یہ سلسلہ تا ابد رہے گا
زمانے کی گود میں ستاروں کے حسن کی ندیاں بہیں گی
وہ سب تمھاری
. وہ سب ہماری ہی آنکھیں ہوں گی
ہماری آنکھیں کہ جن سے شعلے برس رہے ہیں
مگر وہ کل کا حسین دن دیکھو کتنا نزدیک آ گیا ہے
ہماری آنکھوں سے جب بہاریں چھلک پڑیں گی

جنوری 1950

ebooksgallery.com

تجدیدِ وفا

پھول تھے سرخ بہاریں تھیں جواں
وہ مہکتی ہوئی باتیں وہ مہکتے ہوئے ہونٹ
وہ تبسم کہ شفق شرمائے
قہقہے، راگنی جس طرح فضا میں لہرائے
جسم پاکیزہ و شاداب و جواں
چاندنی جیسے مجسم ہو جائے

ایسے ہی حسن سے یونان کے فنکاروں نے
اپنی وینس کے تصور کو تراشا ہو گا
ایسے ہی حسن کے چہرے سے تصور لے کر
عہدِ پارینہ کے نقاشوں نے
اپنے خوابوں کے اجنتا کو سنوارا ہو گا

وہ سمندر کا کنارہ وہ چمکتی ہوئی ریت
موجیں، پگھلے ہوئے نیلم کی طلسمی پریاں
رقص کرتی ہوئی آتی تھیں ترے قدموں میں

ebooksgallery.com

اور پھر ریت میں کھو جاتی تھیں
ڈوبتی شام کے سورج کی سنہری کرنیں
تیرے کاکل ترے رخسار پہ سو جاتی تھیں
اور ہوائیں ترے آنچل کو ترے شانوں کو
شوق سے چوم کے دیوانی سی ہو جاتی تھیں
اور میں اپنے رقیبوں پہ ہنسا کرتا تھا

اپنی وارفتگیٔ شوق کا عالم ہے وہی
دلِ بیتاب وہی دیدۂ پُرنم ہے وہی

سنٹرل جیل ناسک
جنوری 1950

ebooksgallery.com

نیند

(اپنے بچّے کی پہلی سالگرہ پر)

رات خوبصورت ہے
نیند کیوں نہیں آتی

دن کی خشمگیں نظریں
کھو گئیں سیاہی میں
آہنی کڑوں کا شور
بیڑیوں کی جھنکاریں
قیدیوں کی سانسوں کی
تند و تیز آوازیں
جیلروں کی بدکاری
گالیوں کی بوچھاریں
بے بسی کی خاموشی
خامشی کی فریادیں
تہہ نشیں اندھیرے میں
شب کی شوخ دوشیزہ

ebooksgallery.com

خار دار تاروں کو
آہنی حصاروں کو
پار کر کے آئی ہے
بھر کے اپنے آنچل میں
جنگلوں کی خوشبوئیں
ٹھنڈکیں پہاڑوں کی
میرے پاس لائی ہے

نیلگوں جواں سینہ
نیلگوں جواں بانہیں
کہکشاں کی پیشانی
نیم چاند کا جوڑا
مخملیں اندھیرے کا
پیرہن لرزتا ہے
وقت کی سیہ زلفیں
خامشی کے شانوں پر
خم بہ خم مہکتی ہیں
اور زمیں کے ہونٹوں پر

نرم شبنمی بوسے
موتیوں کے دانتوں سے

ebooksgallery.com

کھلکھلا کے ہنستے ہیں
رات خوبصورت ہے
نیند کیوں نہیں آتی

رات پینگ لیتی ہے
چاندنی کے جھولے میں
آسمان پر تارے
ننھے ننھے ہاتھوں سے
بُن رہے ہیں جادو سا
جھینگروں کی آوازیں
کہہ رہی ہیں افسانہ
دور جیل کے باہر
بج رہی ہے شہنائی
ریل اپنے پہیوں سے
لوریاں سناتی ہے
رات خوبصورت ہے
نیند کیوں نہیں آتی

روز رات کو یونہی
نیند میری آنکھوں سے

ebooksgallery.com

بیوفائی کرتی ہے
مجھ کو چھوڑ کر تنہا
جیل سے نکلتی ہے
بمبئی کی بستی میں
میرے گھر کا دروازہ
جا کے کھٹکھٹاتی ہے
ایک ننھے بچّے کی
انکھڑیوں کے بچپن میں
میٹھے میٹھے خوابوں کا
شہد گھول دیتی ہے
اک حسیں پری بن کر
لوریاں سناتی ہے
پالنا ہلاتی ہے

سنٹرل جیل ناسک
اپریل 1950

ebooksgallery.com

ایک سال

قید کیا چیز ہے، زنداں کی حقیقت کیا ہے؟
قبر کی گود میں سوئے ہوئے سال
تیری سمٹی ہوئی ٹھٹھری ہوئی پرچھائیں پر
جیل کے بھونکتے کتوں کی صدا روتی ہے
میں حقارت سے نظر ڈال کے ہنس دیتا ہوں

زہر آلودہ وہ بیتے ہوئے لمحات کے ڈنک
خوں میں ڈوبی ہوئی وہ صبح کی تلوار کی دھار
شام کی آنکھ میں بارود کے کاجل کی لکیر
اور ہفتوں کے سپاہی وہ مہینوں کے سوار
جو مرے جوش بغاوت کو کچلنے کے لیے
فوج در فوج کیا کرتے تھے یلغار اپنی
میں انھیں بھی ترے پہلو میں سلا آیا ہوں
پہرہ داروں کی نگاہوں سے ٹپکتا ہے لہو
رائفل کرتی ہے فولاد کے ہونٹوں سے کلام
گولیاں کرتی ہیں سیسے کی زباں سے باتیں

ebooksgallery.com

اور قانون وہ سرمائے کی زنجیر گراں
حلقے حلقے میں لیے اپنی ادا کا فریب
اپنے دامن کو بڑھاتا ہی چلا جاتا ہے
کینچلی سانپ کی ہر سال بدل جاتی ہے
عدل و انصاف مداری کے پٹارے جن میں
ناگ بیٹھے ہیں تو انہیں نے پھن پھیلائے
اور آئین کا بین
اپنی لہروں میں چھپا لیتا ہے
تلخی زہر میں ڈوبی ہوئی پھنکاروں کو

پھر بھی قربانی و ایثار کا دل زندہ ہے
جہد و پیکار کی نبضوں کی دھمک جاری ہے
وقت و تاریخ کی راہوں سے گزرتے ہیں جلوس

(2)

چین میں کتنی جواں سال امنگوں کا لہو
ہو گیا صرف نئی صبح کے غازے کے لیے
اور یونان کی آزاد حسیناؤں نے
کتنے دل فصلِ بہاراں کے لیے بوئے ہیں
چشم اسپین سے راتوں کے برستے آنسو
مضطرب گوہر و شبنم میں بدلنے کے لیے
ویت نام اور ملایا کے شہیدوں کا لہو
شفق سرخ کے جلتے ہوئے آئینے میں
ایک تصویر حسیں بن کے جھلک آیا ہے

ebooksgallery.com

خاک بر مانے اگائے ہیں وہ شعلے جن میں
مسکرانے کے لیے ہیں بیتاب
چاند سورج کے کنول، فصلِ بہاراں کے گلاب
اور تلنگانے کی نظروں سے برستی ہوئی آگ
دوڑتی ہے خس و خاشاکِ غلامی کے لیے
روحِ بنگال کے زخموں کو ملی ہیں آنکھیں
درد و فریاد نے نعروں کی زباں پائی ہے
گوشے گوشے سے ابلتے ہوئے سیلاب کا جوش
ذرّے ذرّے سے نکلتے ہوئے انوار کا رقص
موت کا کرب غلامی کا بھیانک چہرہ
جاگتے اور ابھرتے ہوئے انساں کا جلال
قید کیا چیز ہے زنداں کی حقیقت کیا ہے؟

(3)

روز و شب کیا ہیں
فقط سنگِ نشاں راہوں کے
ماہ اور سال بجز گردِ سفر کچھ بھی نہیں
جیل ہر گام پہ آتی ہے گزر جاتی ہے
وادیاں ملتی ہیں غفلت کی، مصیبت کے پہاڑ
بھوک اور پیاس کے صحراؤں میں دل جلتے ہیں
خون کے کھولتے دریا میں ابلتی ہے حیات
گرم سنگینوں کے پرخار بیابانوں میں
نقشِ پا سرخ لکیروں میں بدل جاتے ہیں
کارواں منزلِ مقصود کی جانب ہے رواں

ebooksgallery.com

نظریں پلکوں سے اٹھاتی ہیں مناظر کے نقاب
خواب جاگ اٹھتے ہیں پھولوں کے گلستاں لے کر

(4)

مجھ کو تنہائی کا احساس نہیں ہے کہ یہاں
کتنی نوخیز امنگیں ہیں مرے ساتھ اسیر
کتنے کہسار کی آغوش کے پالے ہوئے لال
کتنے کھیتوں کے سپوت
کتنے ریلوں کے مشینوں کے چلانے والے
کتنے بوسوں کی مہک، کتنی ہی زلفوں کی شکن
کتنی بہنوں کی امیدوں کے کنول
کتنی ماؤں کی مرادوں کے چراغ
کتنے دریاؤں کے طوفان، ہوا کے جھونکے
کتنی ہڑتالوں کے اٹھے ہوئے ہاتھ
کتنے احساس بغاوت کے ابھرتے پرچم
جتنے اونچے ہیں مصیبت کے پہاڑ
ہمتیں اتنی ہی بیباک و سرافراز و بلند
حوصلے ہیں کہ ہمالہ کے عقابوں کی اڑان
جن کے شہپر کی ہوا برف کی آندھی بن کر
آسمانوں کی بلندی سے گزر جاتی ہے

اور وہ بوڑھے وہ جہاں دیدہ رفیق
جھریاں جن کی ہیں تاریخ حوادث کے ورق
ہنستی آنکھوں کی چمک، نرم تبسم کی شکن

ebooksgallery.com

طنز ہے طرزِ حکومت کی ستم کاری پہ
ان کے بالوں کی سپیدی یہ خبر دیتی ہے
کہ شبِ تارِ غلامی کی سحر دور نہیں

اور وہ شعلہ نفس شاعر و افسانہ نگار
اپنے نغموں کی حرارت سے گلا دیتے ہیں
روح کے بوجھ کو، افکار کی زنجیروں کو
ان کا ہر شعر رجز پڑھتا ہے
ہر سطر کہتی ہے جرأت کی کہانی ہم سے
ان کے ہر گیت سے دل ہلتا ہے دیواروں کا
جیسے بڑھتی ہوئی فوجوں کی دھمک
شعلۂ آواز کے اس شان سے ہوتے ہیں بلند
آگ لگ جاتی ہے زنداں کے سیہ خانے میں
اور منزل کی جبیں وقت کی محرابوں میں
جگمگا اٹھتی ہے رنگین شعاعوں کی طرح
میرے احساس و تصور کو ہزاروں سورج
لاکھوں چاند اور کروڑوں تارے
رنگ اور نور کی بارش میں بھگو دیتے ہیں

ہم سفر یہ ہوں تو پھر عزمِ سفر کیا کہنا
رنگِ شب یہ ہو تو پھر رنگِ سحر کیا کہنا

سنٹرل جیل ناسک
اپریل 1950

ebooksgallery.com

زنداں بہ زنداں

(ترکی کے شاعرِ اعظم ناظم حکمت کے نام)

ناظم، اے شاعرِ آتش گفتار
تو نہیں جیل میں فردوسی و حافظ ہیں اسیر
پابہ زنجیر ہیں ترکی کے عوامی نغمے
بیڑیاں پہنے ہوئے بیٹھی ہے زنداں میں بہار

میرے بھائی مرے مشرق کی بہاروں کے سفیر
غم کی گھنگھور گھٹاؤں میں چمکتے ہوئے چاند
صبحِ ترکی کے ابھرتے ہوئے سورج کی کرن
میں نے دس سال ہوئے تیری سنی تھی آواز
جو نکل آئی تھی منہ توڑ کے زندانوں سے
آج پھر تیری صدا
حلقۂ طوق و سلاسل سے نکل آئی ہے
نرم، جس طرح سے شبنم میں نہائے ہوئے پھول
گرم، ماؤں کی محبت کی طرح
تیز، پھوڑوں میں اترتے ہوئے نشتر کی طرح

ebooksgallery.com

تیری آواز گرجتے ہوئے طوفاں کا جلال
تیری آواز کڑکتی ہوئی بجلی کی چمک
سربلند اور سرافراز عقاب
گیہوں اور دھان کے کھیتوں کی طرح سے بھرپور
ہلکی، اڑتی ہوئی چڑیوں کے پروں کے مانند
بھاری، توپوں کی طرح
حشر انگیز لڑائی کے جہازوں کی طرح
پھر بھی پرامن و حسین و شاداب

آج پھر تیری صدا آئی ہے دس سال کے بعد
انقرہ اور سمرنا کے سیہ خانوں سے
اور میں سوچ رہا ہوں اب بھی
سالہا سال کی تاریکی و تنہائی کے بعد
تیری للکار کی سطوت ہے وہی
تیری آواز میں سونے کی کھنک باقی ہے
ایک بلبل ہے کہ ہے محو ترنم اب تک
اس کے سینے میں ہے نغموں کا تلاطم اب تک

☆☆☆☆☆☆☆

ebooksgallery.com

خونیں ہاتھ

یہ وہی ہاتھ ہیں سفاک و دراز
ہاں وہی ہاتھ ستم پیشہ و چالاک و ذلیل
میرے پہچانے ہوئے اور ترے پہچانے ہوئے
وہ جو مغرب کے سیہ پوش اُفق سے نکلے
آگ مشرق کی بہاروں میں لگانے کے لیے
آج بھی میرے حسیں دیس میں بل کھاتے ہیں
آستینوں میں چھپا لیتے ہیں بم ایٹم کے
خوشے گیہوں کے ہتھیلی پہ سجالاتے ہیں

ہاں وہی ہاتھ کڑکتے ہوئے کوڑوں کی طرح
زخم ہر پیٹھ پہ ہر جسم پہ برساتے ہوئے
یا کسی ٹوٹ کے گرتی ہوئی بجلی کی طرح
باغ پر کھیتوں پہ کھلیانوں پہ لہراتے ہوئے
ظلم کی طرح نڈر، رات کی مانند طویل
کوڑھ کی طرح سفید
خشمگیں جیسے جہنم میں دہکتی ہوئی آگ

ebooksgallery.com

گرم تلوار کے مانند کلیجوں پہ رواں
ماؤں کے دودھ بھرے سینوں پہ بیٹھے ہوئے ناگ

کیسے بھولوں کہ وہی ہاتھ وہی سانپ ہیں یہ
ڈس چکے ہیں جو محبت کو تمناؤں کو
جن کی پھنکاروں نے بس گھول دیا پانی میں
جن کی پرچھائیں نے جھلسا دیا صحراؤں کو

ہاں وہی ہاتھ وہی خون میں ڈوبے ہوئے ہاتھ
قتل و غارت کے ارادوں نے جنا ہے جن کو
اسلحہ ساز مشینوں کے تراشے ہوئے ہاتھ
موت کا روپ منافع نے دیا ہے جن کو

آؤ ان ہاتھوں سے میں ہاتھ ملاؤں کیوں کر
اپنی نفرت کو حقارت کو چھپاؤں کیوں کر

توڑ دو کاٹ دو یا آگ لگا دو ان کو
بن پڑے جیسے بھی گردن سے ہٹا دو ان کو

ebooksgallery.com

بھوکی ماں، بھوکا بچّہ

میرے ننھے، مرے معصوم، مرے نورِ نظر
آ کہ ماں اپنے کلیجے سے لگا لے تجھ کو
اپنی آغوشِ محبت میں سلا لے تجھ کو
تیرے ہونٹوں کا یہ جادو تھا کہ سینے سے مرے
ندیاں دودھ کی بہہ نکلی تھیں
چھاتیاں آج مری سوکھ گئی ہیں لیکن
آنکھیں سوکھی نہیں اب تک مرے لال
درد کا چشمۂ بیتاب رواں ہے ان سے
میرے اشکوں ہی سے تو پیاس بجھا لے اپنی
سنتی ہوں کھیتوں میں اب ناج نہیں اُگ سکتا
کانگرس راج میں سونا ہی پھلا کرتا ہے
گائے کے تھن سے نکلتی ہے چمکتی چاندی
اور تجوری کی درازوں میں سمٹ جاتی ہے

چاند سے دودھ نہیں بہتا ہے
تارے چاول ہیں نہ گیہوں نہ جوار

ebooksgallery.com

ورنہ میں تیرے لیے چاند ستارے لاتی
مرے ننھے مرے معصوم مرے نورِ نظر
آ کہ ماں اپنے کلیجے سے لگا لے تجھ کو
اپنی آغوشِ محبت میں سلا لے تجھ کو

سو بھی جا میری محبت کی کلی
میری جوانی کے گلاب
میرے افلاس کے ہیرے سو جا
نیند میں آئیں گی ہنستی ہوئی پریاں ترے پاس
بوتلیں دودھ کی شربت کے کٹورے لے کر

جانے آواز کی لوری تھی کہ پریوں کا طلسم
نیند سی آنے لگی بچے کو
کھنچ گئی نیلگوں ہونٹوں پہ خموشی کی لکیر
مٹھیاں کھول دیں اور موند لیں آنکھیں اپنی
یوں ڈھلکنے لگا منکا جیسے
شام کے غار میں سورج گر جائے

جھک گئی ماں کی جبیں بیٹے کی پیشانی پر
اب نہ آنسو تھے، نہ سسکی تھی نہ لوری نہ کلام
ایک سناٹا تھا
ایک سناٹا تھا تاریک و طویل

ebooksgallery.com

آخری رات

کرسیاں، میز، فانوس، رنگین جاموں کی دلکش کھنک
بوتلیں
اپنی لمبی سبک گردنوں میں چھپائے ہوئے
قہقہے، ہچکیاں
اور شرابوں کی رنگت صراحی کے شیشوں پہ بیٹھی ہوئی
سہمی سمٹی ہوئی
کوریا کا لہو
بانکی افسروں کی نگاہوں پہ چھایا ہوا
نوجوانوں کے سینے پلیٹوں میں رکھے ہوئے
ماؤں کی چھاتیاں
تیز کانٹوں کے ناخونوں میں
ننھے بچوں کے گلرنگ رخسار امریکی چھریوں کے نیچے
اورسی یول کا دل، جگر
نوک سنگین پر
بم کے شعلوں میں بھونا ہوا
آنسوؤں کی شراب اور چیخوں کا سنگیت

ebooksgallery.com

آخری رات ہے، آخری دور ہے، آخری جام ہے
دیکھو کھڑکی کے باہر ذرا جھانک کر
کوریا کی جواں رات کا جسم بارود کی طرح جلنے لگا
اور فضاؤں میں سی یول کے چھاپہ ماروں کی آواز
کی بجلیاں ناچ اٹھیں

ebooksgallery.com

فیض کے نام

کل تھا جب میں جیل میں تنہا
پتھر کے تابوت کے اندر
خاموشی کے سرد کفن میں
لپٹے ہوئے تھے نغمے میرے
کالی سلاخوں کے جنگل میں
دوستوں کی اور محبوبوں کی
کھوئی ہوئی تھیں سب آوازیں
تیرے نغمے ساتھ تھے میرے

اور تیری آواز کی شبنم
گھانس کے لب تر کر جاتی تھی
گل کے کٹورے بھر جاتی تھی
شام کی رنگت بن کر اکثر
روئے جہاں پر چھا جاتی تھی
چاندنی کا ملبوس پہن کر
آم اور املی کے پیڑوں پر

ebooksgallery.com

تھک کر جیسے سو جاتی تھی
اور میں تیرے نازک میٹھے
پیارے گیتوں کا گلدستہ
اپنے دھڑکتے دل سے لگائے
خوابوں کی نیلی وادی میں
آہستہ آہستہ چلتا
جیل سے باہر آ جاتا تھا
ظلم کے دل پر چھا جاتا تھا

آج مگر تو قید ہے ساتھی
کیسی ہے یہ قید کی دنیا؟
قلب و نظر کی محرومی ہے
تاریکی اور تنہائی میں
پتھر کی خاموش ہنسی ہے
آج ہے جب تو جیل میں تنہا
میں اپنی آواز کا شعلہ
اور اپنی للکار کی بجلی
گیتوں کے ریشم میں رکھ کر
تیری خاطر بھیج رہا ہوں
یہ میری آواز ہے لیکن
صرف مری آواز نہیں ہے
جوش، فراق، آنند اور بیدی
عصمت، ساحر، کرشن، اور کیفی
میری زباں سے بول رہے ہیں
ہند کے سارے لکھنے والے

ebooksgallery.com

ناچنے والے، گانے والے
اپنی محبت کے گلدستے
تیری جانب کھینچ رہے ہیں
جلتی ہوئی یہ شاخ اٹھا لے
دیکھ اس میں کیا پھول کھلے ہیں
شعلہ، بجلی، نغمہ بن کر
بچھڑے ساتھی آن ملے ہیں
دور ہے گو لاہور کی بستی
اونچی زنداں کی دیواریں
اس چھوٹے آنگن کی سرحد
تپتا جنگل، جلتا پربت
دل اور روح کے بیچ میں حائل
پھر بھی کوئی دیوار نہیں جو
زخموں کو تقسیم کرے گی

میرے ہاتھ میں ہاتھ ہے تیرا
تیرے ہاتھ میں ہاتھ ہے میرا
سانس کا زیر و بم ہے یکساں
ہم آہنگ ہے چاپ قدم کی
ایک ہی جادہ ایک ہی منزل
ایک ہی لیلیٰ ایک ہی محمل
ایک ہی مقصد ایک ہی حاصل
میٹھا رہے راوی کا پانی
ٹھنڈی رہیں گنگا کی لہریں
گائے کے تھن سے دودھ کی دھاریں

ebooksgallery.com

ساون بھادوں بن کر برسیں
سبز رہیں کھیتوں کے آنچل
بجتی رہے بادل کی چھاگل
دل میں ہوک نہ اُٹھنے پائے
پیٹ میں بھوک نہ اُگنے پائے
گیہوں کا ہر خوشہ سر پر
زرّیں تاج پہن کر آئے
ماؤں کے سینے دودھ سے چھلکیں
ہنستی رہیں بچوں کی پلکیں
زلفوں کے گہرے سایے میں
رنگ برنگے آویزوں کے
ننھے ننھے جگنو چمکیں
چولھے دہکیں، روٹیاں مہکیں
شاخیں لہکیں، چڑیاں چہکیں
باہیں کھنکیں، چوڑیاں گائیں
شانوں پہ آنچل لہرائیں
امن واماں کا جشن منائیں

اپنا مقصد ایک ہے ساتھی
اس مقصد کے آگے سارے
ظالم، دشمن، ڈاکو، قاتل
سہمے ہیں گھبرائے ہوئے ہیں
بستی بستی، جنگل جنگل
ظلم کے بادل چھائے ہوئے ہیں
زنجیروں کے کالے حلقے

ebooksgallery.com

ناگ ہیں پھن پھیلائے ہوئے ہیں

ظلم سے لیکن ڈرنا کیسا
موت سے پہلے مرنا کیسا
'بول کہ لب آزاد ہیں تیرے
بول زباں اب تک تیری ہے'
بول کہ کس قاتل کا دامن
خون بہاراں سے رنگیں ہے
کس کی گردن میں ڈالر کے
سونے کی زنجیر پڑی ہے
کس نے امریکا کے ہاتھوں
خاکِ وطن کو بیچ دیا ہے
بیٹی اور بہن کے آنچل
ماں کے کفن کو بیچ دیا ہے
کون ہے جو جنگی شعلوں میں
پاکستان کو جھونک رہا ہے
کون ہے جو اقبال کے دل میں
ظلم کی کیلیں ٹھونک رہا ہے
شاعر کی آواز کو کس کا
خونیں پنجہ گھونٹ رہا ہے
ریشم کے رومال میں کس کے
رنگ لہو کا چھوٹ رہا ہے
جیلوں کی دیوار میں یہ کون
انسانوں کے دل چنتا ہے
کون ہے جو قانون سے اپنے

ebooksgallery.com

مکڑی کا جالا بنتا ہے
کون اجالے سے خائف ہے
کون انسانوں سے ڈرتا ہے
سورج کی کرنوں سے ہراساں
جنتا کی نظروں سے پریشاں
کس نے عدالت کا دروازہ
سنگینوں سے روک دیا ہے
یہ کس نے انصاف کے منہ میں
ظلم کا کپڑا ٹھونس دیا ہے

'بول کہ لب آزاد ہیں تیرے
بول زباں اب تک تیری ہے
تیرا ستواں جسم ہے تیرا
بول کہ جاں اب تک تیری ہے'

اپریل 1951

}{}{}{}{

ebooksgallery.com

سجاد ظہیر کے نام

مجھے یقیں ہے کہ زنداں میں بھی لبوں پہ ترے
وہ موجِ نور وہ ہلکا سا اک تبسّم ہے
تری حیات سہی نفرتوں کے گھیرے میں
تری نظر میں محبت بھرا تکلم ہے

مجھے یقیں ہے کہ زنداں میں بھی خیال ترا
بنا رہا ہے نئے آدمی کی تصویریں
نیا سماج، نئی زندگی، نئی تہذیب
پہنائی جاتی ہیں جس کو ہزار زنجیریں

کھڑی ہوئی ہے ترے سر پہ موت یوں آکر
کہ تو حیات کے پیغمبروں کا رہبر ہے
خزاں کو تیرے گلستانِ زندگی کی تلاش
کہ تیرے سینے میں دل، دل میں اک گلِ تر ہے

اندھیرا تجھ سے خفا ہے کہ اس کے سینے پر
تجھے چراغ جلانے کی آرزو کیوں ہے
بگڑ گئے ہیں لہو کے تمام بیوپاری
کہ تجھ کو امن و محبت کی جستجو کیوں ہے

ebooksgallery.com

ہیں قصر چیں بہ جبیں دانت پیستے ہیں محل
کہ تیرے خواب ہیں بد حال جھونپڑوں کے لیے
ہیں جنگ باز ترے گرم خون کے پیاسے
کہ تو سکون کا پیغام ہے دلوں کے لیے

یزید و شمر کو قتلِ حسینؑ کی ہے فکر
وہ ارضِ پاک کو بھی کر بلا بنا دیں گے
ترا یہ عہد کہ انسانیت کی محفل سے
ستمگروں کا رواجِ ستم اٹھا دیں گے

انھیں یہ فکر کہ ماؤں کی گھڑیاں بک جائیں
تجھے یہ فکر کہ بہنوں کے سر پہ چادر ہو
انھیں یہ فکر کہ زخموں سے چور چور ہوں دل
تجھے یہ فکر کہ دنیا گلوں کا منظر ہو

انھیں یہ فکر کہ تیغ و تفنگ کا ہو عروج
تجھے یہ فکر کہ ہو خنجروں کی رسوائی
انھیں یہ فکر کہ بارود کا اندھیرا چھائے
تجھے یہ فکر کہ پھیلے شفق کی رعنائی

انھیں یہ فکر کہ راتیں طویل ہو جائیں
تجھے یہ فکر کہ رنگِ سحر نکھر آئے
انھیں یہ فکر کہ ٹھہر جائے گردشِ ایام
تجھے یہ فکر کہ سیلابِ غم گزر جائے

ebooksgallery.com

جکڑ سکی نہ ارادوں کو تیرے جب زنجیر
تو قاتلانِ کہن آگئے رسن لے کر
ترے لیے ہی نہیں ارض پاک کے بھی لیے
وہ آج پلٹے ہیں امریکہ سے کفن لے کر

مگر زمانے کے تیور کچھ اور ہیں، یہ رسن
کہیں انھیں کے گلوں کی رسن نہ بن جائے
وہ عصرِ نو کے لیے لے کے آئے تو ہیں کفن
یہ قاتلوں کا خود اپنا کفن نہ بن جائے

تری بلندئ فکر و نظر کا کیا کہنا
وہ دیکھ پست ہوئی جا رہی ہیں دیواریں
ہم اپنے دل کی محبت سے ڈھانپ لیں گے تجھے
ستم کے ہاتھ سے ہم چھین لیں گے تلواریں

میں پڑھ رہا ہوں لکھا ہے جبینِ وقت پہ کیا
زمانہ تجھ سے ہی انساں کے انتظار میں ہے
ہے تیرے دل میں بہاراں کی آرزو لیکن
تو آرزو کی طرح خود دل بہار میں ہے

مئی 1951

ebooksgallery.com

یلغار

(پرتھوی راج کپور کے نام)

ہم آج یلغار کر رہے ہیں
تمام جنگوں کے مورچوں پہ حیات کا وار کر رہے ہیں
ہم آج یلغار کر رہے ہیں
ہماری عید آ گئی ہے، عالم میں جشنِ امن و اماں منائیں
پیاس کو قتل کر دیں، صدیوں کی بھوک کو قبر میں سلائیں
برہنگی کے پرانے لاشے کو آؤ مل کر کفن پہنائیں
سنوار دیں مانگ زندگی کی، زمیں کو اپنی، دلہن بنائیں
چلو کہ دنیا کے منچلوں کی برات تیار کر رہے ہیں
ہم آج یلغار کر رہے ہیں
اب آؤ دنیا سے زرگری کا نظامِ ظلم و ستم مٹا دیں
جوار تقا میں ہماری حائل ہیں توپ خانے انہیں ہٹا دیں
نگاہ کی بجلیوں سے بارود کے خزانوں کا دل جلا دیں
بجھا دیں خوں کے چراغِ محفل سے جامِ زہراب غم اٹھا دیں
ہمیں ہے جیون سے پیار، مرنے سے صاف انکار کر رہے ہیں
ہم آج یلغار کر رہے ہیں

ebooksgallery.com

فضائیں مسموم ہو گئیں گر تو جنبش بال و پر نہ ہو گی
زمانہ تلخی زہر پی لے تو زیست شیر و شکر نہ ہو گی
لہو کی بوندوں کی مسکراہٹ میں آب و تاب گہر نہ ہو گی
سیاہ بارود کے اندھیرے سے زندگی کی سحر نہ ہو گی
سپاہیوں اور تباہیوں کی صفوں سے پیکار کر رہے ہیں
ہم آج یلغار کر رہے ہیں
قریب ہے منزل تمنا تو پاؤں اپنے بہک رہے ہیں
رگوں کے اندر خوشی سے بیتاب خوں کے قطرے چمک رہے ہیں
سنہرے چہرے دمک رہے ہیں سفید ماتھے دمک رہے ہیں
ہزار ہا سال کے دبے زخم آج پھر سے مہک رہے ہیں
ہم اپنے سینوں کو اپنے دل کے لہو سے گلنار کر رہے ہیں
ہم آج یلغار کر رہے ہیں
کہاں ہیں لاؤ ہماری نازک مزاج سارنگیاں کہاں ہیں
سرود اور دلربا کی آواز کی حسیں تتلیاں کہاں ہیں
ستار کے تار میں لرزتی ہوئی جواں بجلیاں کہاں ہیں
ہمارے طبلوں کے بول کی دلنواز سرمستیاں کہاں ہیں
ہم اپنی تہذیب کی حفاظت کا دل سے اقرار کر رہے ہیں
ہم آج یلغار کر رہے ہیں
مکان، محلات، قصر، ایواں، قطار اندر قطار آئیں
کہو سفید اور سرخ پتھر کی مورتوں سے کہ مسکرائیں
کہو چراغوں سے اور چہروں کے آفتابوں سے جگمگائیں
لڑائی کی آندھیوں کی زد پر حیات کی شمع نو جلائیں
ہم آج ہر رنگ، ہر صدا، ہر ادا کو، ہشیار کر رہے ہیں
ہم آج یلغار کر رہے ہیں

ebooksgallery.com

یہی تو ہے وقت اپنے سینے کی ساری بیتابیاں جگا دو
جو خوابِ راحت میں ہیں اجنتا کی نیلی شہزادیاں جگا دو
پرانے ہندوستان کی دلفریب رنگینیاں جگا دو
جگا دو تہذیب اور تمدن کی ساری آبادیاں جگا دو
یہی تو ہے وقت رقص و نغمہ پہ ہم جو اصرار کر رہے ہیں
ہم آج یلغار کر رہے ہیں
زمیں سے سنگیت کی اٹھو گنگناتے گاتے رباب لے کر
تخیل و شاعری کے عرش بریں سے اترو کتاب لے کر
نگار خانے سے حسن کے آؤ رقص کرتا شباب لے کر
نکل پڑو عارضوں کی سرخی، نگاہ کی آب و تاب لے کر
نزاکتوں اور لطافتوں کا غرور بیدار کر رہے ہیں
ہم آج یلغار کر رہے ہیں
بہار کی فصل ہے نہالِ مراد بے برگ و بار کیوں ہو؟
قرار ممکن ہے جب زمانے میں پھر کوئی بیقرار کیوں ہو؟
اگر ہو آباد اپنا پہلو تو شکوۂ جوریار کیوں ہو؟
بھرے ہوئے میکدے میں کوئی ستم کشِ انتظار کیوں ہو؟
چڑھائے سان اپنی پیاس کو ہم بھی آج تلوار کر رہے ہیں
ہم آج یلغار کر رہے ہیں
زمیں کے دل میں ہماری تشنہ لبی کے شعلے دبے ہوئے ہیں
چمن چمن اپنی خوں شدہ آرزو کے غنچے کھلے ہوئے ہیں
اداس راہوں پہ بے کفن حسرتوں کے لاشے پڑے ہوئے ہیں
قدم قدم پر ہماری ناکامیوں کے لشکر کھڑے ہوئے ہیں
ہم اپنے لشکر کو لے کے دشمن پر آخری وار کر رہے ہیں
ہم آج یلغار کر رہے ہیں

ebooksgallery.com

وہ لائیں اپنے سیہ ارادے ہم اپنے دل کی امنگ لائیں
ہم اپنے لوح و قلم نکالیں، وہ اپنے تیغ و تفنگ لائیں
ہم اپنے بربط کے تار چھیڑیں وہ شورشِ رعد جنگ لائیں
ہم اپنے زخموں کے گل کھلائیں، وہ خونِ ناحق کا رنگ لائیں
لہو میں بہہ جائیں گے وہ سب جو لہو کا بیوپار کر رہے ہیں
ہم آج یلغار کر رہے ہیں
ہمارے گیتوں کی لے نے دنیا میں کارِ شمشیر بھی کیا ہے
ہمارے لفظوں کے شہد و شبنم نے آتشیں جام بھی پیا ہے
ہماری نظروں نے زندگانی کا چاک قلب و جگر سیا ہے
ہماری ٹھوکر نے آسمان و زمیں کا محور بدل دیا ہے
ہم آج تبدیلیِ نظامِ کہن پر اصرار کر رہے ہیں
ہم آج یلغار کر رہے ہیں
ہماری زد میں ہر ایک شے ہے زمیں سے تاروں کی انجمن تک
ہماری پروازِ فکر ہے بجلیوں سے کرنوں کے بانکپن تک
ہمارے نقشِ قدم کی گلکاریاں ہیں ویرانوں سے چمن تک
ہماری تخلیق کا کرشمہ ہے سوت کے تار سے کفن تک
کہ یہ بھی اک فن ہے جنگ بازوں کی قبر تیار کر رہے ہیں
ہم آج یلغار کر رہے ہیں
نہ ہٹلری ہی رہے گی باقی یہاں نہ اب قیصری رہے گی
فریب کی ساحری نہ اہلِ ہوس کی جادوگری رہے گی
نہ جنگ کی زرگری رہے گی نہ ظلم کی قاہری رہے گی
بس ایک محنت کی داوری اور فن کی پیغمبری رہے گی
ازل سے ہم تارِ دل سے پیدا ابد کی جھنکار کر رہے ہیں
ہم آج یلغار کر رہے ہیں

ebooksgallery.com

ہمیں نے پکڑا ہے بجلیوں کو ہمیں نے ایٹم کے دل کو چیرا
ہمارے خونِ جگر کے رنگِ شفق سے تہذیب کا سویرا
ہمیں نے دھاتوں کی نبض پرکھی ہمیں نے ذرّوں کا دل ٹٹولا
ہمیں نے جنبش کا حسن دیکھا، ہمیں نے پہیّوں کو رقص بخشا
قوائے فطرت کو دامِ حکمت میں ہم گرفتار کر رہے ہیں
ہم آج یلغار کر رہے ہیں
زمیں کی گردش سے آسمانوں کی گردشوں نے بھی ہار مانی
شکار کر لی ہے دور بینوں نے ماہ و مریخ کی جوانی
تڑپتے ہاتھوں کی کارسازی میں جیسے دریاؤں کی روانی
بشر کے ذہنِ رسا میں تخلیقِ حسن کا سوزِ جاودانی
ہماری عظمت کا آج ارض و سما بھی اقرار کر رہے ہیں
ہم آج یلغار کر رہے ہیں
کسی نے جادو سا کر دیا ہے بدل گیا اس طرح نظارا
سمے نے لی اِک نئی جو کروٹ تو زندگی ہو گئی گوارا
پگھل کے فولاد اور توپوں نے کارخانوں کا روپ دھارا
ہے چمنیوں کا دھواں بھی پر پیچ کاکلوں کی طرح دل آرا
یہ معجزے ہیں ہمارے ہاتھوں کے ہم جنھیں پیار کر رہے ہیں
ہم آج یلغار کر رہے ہیں
جو برف زاروں میں ندیاں سو رہی تھیں اپنا جمال لے کر
وہ ریگزاروں کی سمت آتی ہیں آرزوئے وصال لے کر
وہ کھیتیاں ہنس رہی ہیں گودی میں حاصل ماہ و سال لے کر
میں آ گیا ہوں خراجِ تحسین و شاعرانہ خیال لے کر
کھلا کے لاکھوں چمن زمیں پر فضا کو گلزار کر رہے ہیں
ہم آج یلغار کر رہے ہیں

ebooksgallery.com

رگوں سے انگور کی ٹپکتا ہے سرخ افسردۂ جوانی
سیاہ آنکھیں گلابی ڈوروں سے بن گئیں جام ارغوانی
دہن کے لعل و گہر خزانوں پہ اک تبسّم کی پاسبانی
دلوں کی آزاد مملکت پر فقط نگاہوں کی حکمرانی
کہ شیطنت کی حکومتوں سے دلوں کو بیزار کر رہے ہیں
ہم آج یلغار کر رہے ہیں
وہ قدِ موزوں وہ جسم رعنا کشیدہ قامت ستار جیسے
لرزتے پیراہنوں میں رنگ بدن چمن میں بہار جیسے
بسی ہوئی بستیاں حسینوں سے دل میں تصویر یار جیسے
ہجوم سڑکوں پہ گا رہے ہیں پہاڑ پر آبشار جیسے
قدیم ویرانوں میں نئی بستیوں کو بیدار کر رہے ہیں
ہم آج یلغار کر رہے ہیں
نسیمِ شیراز زلفِ بنگال کی گھٹاؤں سے کھیلتی ہے
ہوا بخارا کی ہے جو کشمیر کی ہواؤں سے کھیلتی ہے
نگاہ دہلی نگار چیں کی حسیں اداؤں سے کھیلتی ہے
صدائے پشکن[1] نوائے حافظ مری نواؤں سے کھیلتی ہے
اسیر اب تک تھیں جن میں قومیں وہ سرحدیں پار کر رہے ہیں
ہم آج یلغار کر رہے ہیں
ہمارے عطرِ حنا کی خوشبو سے ارضِ پیرس بسی ہوئی ہے
ہمارے دامن میں چین کے چاولوں کی چاندی بھری ہوئی ہے
تڑپتی راوی کی موج سے آج موج گنگا ملی ہوئی ہے
نوائے اقبال مصر و ایراں کی شاخِ گل پر جھکی ہوئی ہے
فضائیں خونبار تھیں جہاں کی ہم ان کو گلبار کر رہے ہیں
ہم آج یلغار کر رہے ہیں

---

1 پشکن روس کا قومی شاعر ہے جس کا زمانہ انیسویں صدی ہے۔

ebooksgallery.com

فضاؤں میں میگھ دوت[1] اڑتے ہیں اہلِ دل کا پیام لے کر
ہماری ٹھنڈی ہوائیں جاتی ہیں ہندیوں کا سلام لے کر
کتابیں محوِ سفر ہیں ٹیگور و بھارتی کا کلام لے کر
ہم آج اٹھے ہیں دل کے پیمانے اور محبت کے جام لے کر
پلا کے تہذیب و امن کی مے جہاں کو سرشار کر رہے ہیں
ہم آج یلغار کر رہے ہیں

}{}{}{}{

1 میگھ دوت سے مراد بادل ہیں اور یہ کالی داس کی مشہور نظم کا نام ہے۔

ebooksgallery.com

متفرقات

اب آ گیا ہے جہاں میں تو مسکراتا جا
چمن کے پھول، دلوں کے کنول کھلاتا جا

عدم حیات سے پہلے عدم حیات کے بعد
یہ ایک پل ہے اسے جاوداں بناتا جا

بھٹک رہی ہے اندھیرے میں زندگی کی برات
کوئی چراغ سرِ رہ گزر جلاتا جا

گزر چمن سے مثالِ نسیمِ صبحِ بہار
گلوں کو چھیڑ کے کانٹوں کو گدگداتا جا

رہِ دراز ہے اور دور شوق کی منزل
گراں ہے مرحلۂ عمر گیت گاتا جا

بلا سے بزم میں گر ذوقِ نغمگی کم ہے
نوائے تلخ کو کچھ تلخ تر بناتا جا

ebooksgallery.com

جو ہو سکے تو بدل زندگی کو خود ورنہ
نژادِ نو کو طریقِ جنوں سکھاتا جا

دکھا کے جلوۂ فردا بنا دے دیوانہ
نئے زمانے کے رُخ سے نقاب اٹھاتا جا

بہت دنوں سے دل و جاں کی محفلیں ہیں اداس
کوئی ترانہ کوئی داستاں سناتا جا

☆☆☆

کم نگاہوں کو میں اندازِ نظر دیتا ہوں
بے سحرراتوں کو بھی رنگِ سحر دیتا ہوں

بدگماں مجھ سے خزاں ہے تو خفا ویرانے
آمدِ فصلِ بہاراں کی خبر دیتا ہوں

☆☆☆

اک جوئے دردِ دل سے جگر تک رواں ہے آج
پگھلا ہوا رگوں میں اک آتش فشاں ہے آج

سینے میں ایک شعلۂ جوالہ کی لپک
آنکھوں میں شامِ مرگِ جواں کا دھواں ہے آج

لب سی دیے ہیں تا نہ شکایت کرے کوئی
لیکن ہر ایک زخم کے منہ میں زباں ہے آج

تاریکیوں نے گھیر لیا ہے حیات کو
لیکن کسی کا روئے حسیں درمیاں ہے آج

ebooksgallery.com

جینے کا وقت ہے یہی مرنے کا وقت ہے
دل اپنی زندگی سے بہت شادماں ہے آج

منزل کو چوم لیتی ہے اٹھ کر نگاہِ شوق
کیا تیز گام جنبشِ عمرِ رواں ہے آج

ہنگامِ سرکشی ہے بغاوت کا وقت ہے
ہر لمحۂ حیاتِ بشر جاوداں ہے آج

ہر پائے سر فروش مری سجدہ گاہ ہے
ہر نقشِ خونِ سرخ مرا آستاں ہے آج

ہو جاتا ہوں شہید ہر اہلِ وفا کے ساتھ
ہر داستانِ شوق مری داستاں ہے آج

آئے ہیں کس نشاط سے ہم قتل گاہ میں
زخموں سے دل ہے چور نظر گلفشاں ہے آج

زندانیوں نے توڑ دیا ظلم کا غرور
وہ دبدبہ وہ رعبِ حکومت کہاں ہے آج

سنٹرل جیل ناسک 1949
سیاسی قیدیوں پر فائرنگ کے بعد

☆☆☆

ebooksgallery.com

☆

عشق کا نغمہ جنوں کے ساز پر گاتے ہیں ہم
اپنے غم کی آنچ سے پتھر کو پگھلاتے ہیں ہم

جاگ اٹھتے ہیں تو سولی پر بھی نیند آتی نہیں
وقت پڑ جائے تو انگاروں پہ سو جاتے ہیں ہم

زندگی کو ہم سے بڑھ کر کون کر سکتا ہے پیار
اور اگر مرنے پہ آ جائیں تو مر جاتے ہیں ہم

دفن ہو کر خاک میں بھی دفن رہ سکتے نہیں
لالہ و گل بن کے ویرانوں پہ چھا جاتے ہیں ہم

ہم کہ کرتے ہیں چمن میں اہتمامِ رنگ و بو
روئے گیتی سے نقابِ حسن سرکاتے ہیں ہم

عکس پڑتے ہی سنور جاتے ہیں چہرے کے نقوش
شاہدِ ہستی کو یوں آئینہ دکھلاتے ہیں ہم

میکشوں کو مژدہ، صدیوں کے پیاسوں کو نوید
اپنی محفل اپنا ساقی لے کے اب آتے ہیں ہم

☆☆☆

ebooksgallery.com

☆

تمھارے اعجازِ حسن کی میرے دل پہ لاکھوں عنایتیں ہیں
تمھاری ہی دین میرے ذوقِ نظر کی ساری لطافتیں ہیں

جواں ہے سورج، جبیں پہ جس کے تمھارے ماتھے کی روشنی ہے
سحر حسین ہے کہ اس کے رخ پر تمھارے رخ کی صباحتیں ہیں

میں جن بہاروں کی پرورش کر رہا ہوں زندانِ غم میں ہمدم
کسی کے گیسو و چشم و رخسار و لب کی رنگیں حکایتیں ہیں

نہ جانے چھلکائے جام کتنے، نہ جانے کتنے سبو اچھالے
مگر مری تشنگی کہ اب بھی تری نظر سے شکایتیں ہیں

میں اپنی آنکھوں میں سیلِ اشکِ رواں نہیں، بجلیاں لیے ہوں
جو سر بلند اور غیور ہیں اہلِ غم یہ ان کی روایتیں ہیں

میں رات کی گود میں ستارے نہیں شرارے بکھیرتا ہوں
سحر کے دل میں جو اپنے اشکوں سے بو رہا ہوں بغاوتیں ہیں

یہ شاعری عصرِ نو کی پیغمبری، زمانے کی داوری ہے
لبوں پہ میرے صحیفۂ انقلاب کی سرخ آیتیں ہیں

☆☆☆

ebooksgallery.com

☆

آندھیاں چلتی رہیں افلاک تھراتے رہے
اپنا پرچم ہم بھی طوفانوں میں لہراتے رہے

کاٹ کر راتوں کے پربت عصرِ نو کے تیشہ زن
جوئے شیر و چشمۂ نورِ سحر لاتے رہے

کاروانِ ہمتِ جمہور بڑھتا ہی گیا
شہریار و حکمراں آتے رہے جاتے رہے

رہبروں کی بھول تھی یا رہبری کا مدّعا
قافلوں کو منزلوں کے پاس بھٹکاتے رہے

جس قدر بڑھتا گیا ظالم ہواؤں کا خروش
اس کے کاکل اور بھی عارض پہ لہراتے رہے

پھانسیاں اُگتی رہیں زنداں ابھرتے ہی رہے
چند دیوانے جنوں کے زمزمے گاتے رہے

☆☆☆

ebooksgallery.com

☆

محبت اک تڑپ ہے آرزو اک کیفیت دل کی
تری آنکھوں میں آ کر جاوداں معلوم ہوتی ہے

قدم رکتے نہیں ہیں جادۂ راہِ تمنا میں
کہ ناکامی بھی اک سنگِ نشاں معلوم ہوتی ہے

کہیں بجلی گرے وہ اپنا گلشن ہو کہ اوروں کا
مجھے اپنی ہی شاخِ آشیاں معلوم ہوتی ہے

جہاں کل میرے خونِ دل کی بوندوں کی تراوش تھی
وہی خاک آج رشکِ گلستاں معلوم ہوتی ہے

حکایت دل کی کیا دار و رسن کی اک کہانی ہے
قد و گیسو کی لیکن داستاں معلوم ہو تی ہے

☆☆☆

ebooksgallery.com

☆

وطن سے دور یارانِ وطن کی یاد آتی ہے
قفس میں ہم نوایانِ چمن کی یاد آتی ہے

یہ کیسا ظلم ہے پھر سایۂ دیوارِ زنداں میں
وطن کے سایۂ سرو و سمن کی یاد آتی ہے

ملاقاتوں سے پہلے اور ملاقاتوں کے بعد اکثر
کسی کے رنگ و بوئے پیرہن کی یاد آتی ہے

تصور جس سے رنگیں ہے تخیل جس سے رقصاں ہے
غزالِ ہند و آہوئے ختن کی یاد آتی ہے

کبھی لیلیٰ و شیریں، گاہ ہیر و سوہنی بن کر
نرالے یار کی، بانکے سجن کی یاد آتی ہے

کہاں کا خوفِ زنداں، دہشتِ دار و رسن کیسی
قدِ معشوق و زلفِ پُر شکن کی یاد آتی ہے

☆☆☆

ebooksgallery.com

☆

مستیِ رندانہ ہم، سیرابیِ میخانہ ہم
گردشِ تقدیر سے ہیں گردشِ پیمانہ ہم

خونِ دل سے چشمِ تر تک، چشمِ تر سے تا بہ خاک
کر گئے آخر گل و گلزار ہر ویرانہ ہم

کیا بلا جبرِ اسیری ہے کہ آزادی میں بھی
دوش پر اپنے لیے پھرتے ہیں زنداں خانہ ہم

راہ میں فوجوں کے پہرے سر پہ تلواروں کی چھاؤں
آئے ہیں زنداں میں بھی با شوکتِ شاہانہ ہم

مٹتے مٹتے دے گئے ہم زندگی کو رنگ و نور
رفتہ رفتہ بن گئے اس عہد کا افسانہ ہم

یا جگا دیتے ہیں ذرّوں کے دلوں میں میکدے
یا بنا لیتے ہیں مہر و ماہ کو پیمانہ ہم

قید ہو کر اور بھی زنداں میں اڑتا ہے خیال
رقص زنجیروں میں بھی کرتے ہیں آزادانہ ہم

☆☆☆

ebooksgallery.com

☆

وفورِ شوق کی رنگیں حکایتیں مت پوچھ
لبوں کا پیار، نگہ کی شکایتیں مت پوچھ
کسی نگاہ کی نس نس میں تیرتے نشتر
وہ ابتدائے محبت کی راحتیں مت پوچھ
وہ نیم شب، وہ جواں حسن، وہ وفورِ نیاز
نگاہ و دل نے جو کی ہیں عبادتیں مت پوچھ
ہجومِ غم میں بھی جینا سکھا دیا ہم کو
غمِ جہاں کی ہیں کیا کیا عنایتیں مت پوچھ
یہ صرف ایک قیامت ہے چین کی کروٹ
دبی ہیں دل میں ہزاروں قیامتیں مت پوچھ
بس ایک حرفِ بغاوت زباں سے نکلا تھا
شہید ہو گئیں کتنی روایتیں مت پوچھ
اب آج قصۂ دارا و جم کا کیا ہو گا
ہمارے پاس ہیں اپنی حکایتیں مت پوچھ
نشانِ ہٹلری و قیصری نہیں ملتا
جو عبرتوں نے لکھی ہیں عبارتیں مت پوچھ
نشاطِ زیست فقط اہلِ غم کی ہے میراث
ملیں گی اور ابھی کتنی دولتیں مت پوچھ

☆☆☆

ebooksgallery.com

☆

دل کی آگ جوانی کے رخساروں کو دہکائے ہے
بہے پسینہ مکھڑے پر یا سورج پگھلا جائے ہے

من اک ننھا سا بالک ہے ہمک ہمک رہ جائے ہے
دور سے مکھ کا چاند دکھا کر کون اسے للچائے ہے

مے ہے تیری آنکھوں میں اور مجھ پہ نشہ سا طاری ہے
نیند ہے تیری پلکوں میں اور خواب مجھے دکھلائے ہے

تیرے قامت کی لرزش سے موج مے میں لرزش ہے
تیری نگہ کی مستی ہی پیمانوں کو چھلکائے ہے

تیرا درد سلامت ہے تو مرنے کی امید نہیں
لاکھ دکھی ہو، یہ دنیا رہنے کی جگہ بن جائے ہے

☆☆☆

ebooksgallery.com

☆

زمیں کے سینے میں جذب ہو کر رہا نہ خونِ وفا شعاراں
کھلے جو غنچے ہنسی جو کلیاں تو مسکرائے رخِ نگاراں
فضا کے پہلو میں کھل کے انگڑائی لی شفق رنگ پرچموں نے
صدائیں آئیں کہ ہو رہی ہے سحر شبِ تیرہ روزگاراں
دعائیں دیتی ہے چین کی فوج کو شکستہ دلوں کی دھڑکن
یہ لشکرِ انقلاب پرچم ہے لشکرِ اہرمن شکاراں
یہ کس نگارِ بہار پیکر نے اپنا دامن جھٹک دیا ہے
مہک رہے ہیں چمن ہزاروں، چمن چمن رنگِ نو بہاراں

☆☆☆

عطرِ فردوسِ جواں میں یہ بسائے ہوئے ہونٹ
خونِ گلرنگِ بہاراں میں نہائے ہوئے ہونٹ
خود بخود آہ لرزتے ہوئے بوسوں کی طرح
میرے ہونٹوں کی لطافت کو جگائے ہوئے ہونٹ
دستِ فطرت کے تراشے ہوئے دو برگِ گلاب
دل کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑوں کو بنائے ہوئے ہونٹ
ظلم اور جبر کے احکام سے خاموش مگر
مُہرِ پیمانِ محبت کی لگائے ہوئے ہونٹ

☆☆☆

ebooksgallery.com

☆

وہ مری دوست وہ ہمدرد وہ غمخوار آنکھیں
ایک معصوم محبت کی گنہگار آنکھیں

شوخ و شاداب و حسیں، سادہ و پرکار آنکھیں
مست و سرشار و جواں بیخود و ہشیار آنکھیں

ترچھی نظروں میں وہ ابھی ہوئی سورج کی کرن
اپنے دزدیدہ اشاروں میں گرفتار آنکھیں

جنبشِ ابرو و مژگاں کے خنک سائے میں
آتش افروز، جنوں خیز، شرر بار آنکھیں

کیفیتِ دل کی سناتی ہوئی ایک ایک نگاہ
بے زباں ہو کے بھی وہ مائلِ گفتار آنکھیں

موسمِ گل میں وہ اڑتے ہوئے بھنوروں کی طرح
غنچۂ دل پہ وہ کرتی ہوئی یلغار آنکھیں

کبھی چھلکی ہوئی شربت کے کٹوروں کی طرح
اور کبھی زہر میں ڈوبی ہوئی تلوار آنکھیں

کبھی ٹھہری ہوئی یخ بستہ غموں کی جھیلیں
کبھی سہما ہوا، سمٹا ہوا اک پیار آنکھیں

ebooksgallery.com

کبھی جھکتے ہوئے بادل کبھی گرتی بجلی
کبھی اٹھتی ہوئی آمادۂ پیکار آنکھیں

نوکِ ابرو میں کبھی تلخیٔ انکار لیے
کبھی گھولے ہوئے شیرینیٔ اقرار آنکھیں

آنچ میں اپنی جوانی کی سلگتی چتون
شبنمِ اشک میں دھوئی ہوئی گلنار آنکھیں

حسن کے چاند سے مکھڑے پہ چمکتے تارے
ہائے آنکھیں وہ حریفِ لب و رخسار آنکھیں

عشوہ و غمزہ و انداز و ادا پر نازاں
اپنے پندارِ جوانی کی پرستار آنکھیں

روح کو روگ محبت کا لگا دیتی ہیں
صحتِ دل جو عطا کرتی ہیں بیمار آنکھیں

صحنِ زنداں میں ہے پھر رات کے تاروں کا ہجوم
شمع کی طرح فروزاں سرِ دیوار آنکھیں

●

☆☆☆

ebooksgallery.com

اردو

ہماری پیاری زبان اردو
ہماری نغموں کی جان اردو
حسین، دلکش جوان اردو
زبان وہ دھل کے، جس کو گنگا کے جل سے پاکیزگی ملی ہے
اودھ کی ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں سے جس کے دل کی کلی کھلی ہے
جو شعر و نغمہ کے خلدزاروں میں آج کوئل سی کوکتی ہے

اسی زباں میں ہمارے بچپن نے ماؤں سے لوریاں سنی ہیں
جوان ہو کر اسی زباں میں کہانیاں عشق نے کہی ہیں
اسی زباں کے چمکتے ہیروں سے علم کی جھولیاں بھری ہیں

اسی زباں سے وطن کے ہونٹوں نے نعرۂ انقلاب[1] پایا
اسی سے انگریز حکمرانوں نے خودسری کا جواب پایا
اسی سے میری جواں تمنا نے شاعری کا رباب پایا

یہ اپنے نغمات پُر اثر سے دلوں کو بیدار کر چکی ہے
یہ اپنے نعروں کی فوج سے دشمنوں پہ یلغار کر چکی ہے
ستمگروں کی ستمگری پر ہزار ہا وار کر چکی ہے

---

1 انقلاب زندہ باد تحریک آزادی کا سب سے مشہور نعرہ اردو زبان ہی کی دین ہے۔

ebooksgallery.com

کوئی بتاؤ وہ کون سا موڑ ہے جہاں ہم جھجک گئے ہیں
وہ کون سی رزم گاہ ہے جس میں اہل اردو دبک گئے ہیں
وہ ہم نہیں ہیں جو بڑھ کے میداں میں آئے ہوں اور ٹھٹھک گئے ہیں

یہ وہ زباں ہے کہ جس نے زنداں[1] کی تیرگی میں دیے جلائے
یہ وہ زباں ہے کہ جس کے شعلوں سے جل گئے پھانسیوں کے سائے
فرازِ دار و رسن سے بھی ہم نے سرفروشی[2] کے گیت گائے۔

کہا ہے کس نے ہم اپنے پیارے وطن میں بھی بے وطن رہیں گے
زبان چھن جائے گی ہمارے دہن سے ہم بے سخن رہیں گے
ہم آج بھی کل کی طرح دل کے ستار پر نغمہ زن رہیں گے

یہ کیسی بادِ بہار ہے جس میں شاخِ اردو نہ پھل سکے گی
وہ کیسا روئے نگار ہوگا نہ زلف جس پر مچل سکے گی
ہمیں وہ آزادی چاہیے جس میں دل کی مینا اُبل سکے گی

ہمیں یہ حق ہے ہم اپنی خاکِ وطن میں اپنا چمن سجائیں
ہماری ہے شاخِ گل تو پھر کیوں نہ اس پہ ہم آشیاں بنائیں
ہم اپنے انداز اور اپنی زباں میں اپنے گیت گائیں

کہاں ہو متوالو آؤ بزمِ وطن میں ہے امتحاں ہمارا
زبان کی زندگی سے وابستہ آج سود و زیاں ہمارا
ہماری اردو رہے گی باقی اگر ہے ہندوستاں ہمارا

---

1. اردو کے درجنوں ادیب اور شاعر قید فرنگ میں رہ چکے ہیں۔
2. سرفروشی کی تمنا اب ہمارے دل میں ہے · دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے۔

ebooksgallery.com

چلے ہیں گنگ و جمن کی وادی میں نم ہوائے بہار بن کر
ہمالیہ سے اتر رہے ہیں ترانۂ آبشار بن کر
رواں ہیں ہندوستاں کی رگ رگ میں خون کی سرخ دھار بن کر
ہماری پیاری زبان اردو
ہماری نغموں کی جان اردو
حسین دلکش جوان اردو

☆☆☆

ebooksgallery.com

غزل

(ہند پاک مشاعرے کے موقع پر کہی گئی)

پھر شمیمِ گل نویدِ جانفزا لائی ہے آج
مرے گلشن میں بہارِ رفتہ پھر آئی ہے آج

پھر اٹھا ہے وادیٔ گنگا سے ابرِ نو بہار
سمتِ راوی سے ہوائے مہرباں آئی ہے آج

آج پھر ہے اتحادِ شیشہ و ساغر کا دور
محفلِ رنداں میں جشنِ بادہ پیمائی ہے آج

چشمِ ساقی تجھ میں سارا میکدہ آباد ہے
قامتِ رعنا میں موجِ مے کی انگڑائی ہے آج

کھل گئے ہیں اشتیاقِ دید میں آنکھوں کے در
دوستوں کی خانۂ دل میں پذیرائی ہے آج

'آ ملے ہیں سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاک'
شور ہے محفل میں دیوانوں کی بن آئی ہے آج

پھر وہی گلیاں وہی اگلا طوافِ کوئے دوست
عشق کو مژدہ کہ پھر سامانِ رسوائی ہے آج

کون ہے جس سے سنبھالا جائے گا میرا جنون
خود ہی پائے شوق کو زنجیر پہنائی ہے آج

ڈر رہا ہوں جان و تن کو پھونک ڈالے گی یہ آگ
میرے سینے میں جو ضبطِ غم نے بھڑکائی ہے آج

ebooksgallery.com

آج بیباکی میں ہے اہلِ خرد کی مصلحت
سرفروشی ہی میں اہلِ دل کی دانائی ہے آج

مسکرائے زخمِ دل، ہنسنے لگے سینے کے داغ
روحِ استبداد کیسی کیسی شرمائی ہے آج

خونِ ناحق لالہ وگل بن کے پھوٹا خاک سے
تیشہ زن کے خوں سے دشت ودر کی زیبائی ہے آج

کہہ دو صیادوں سے نکل چینوں کو کر دو ہوشیار
فصلِ گل نے دور تک زنجیر پھیلائی ہے آج

ہاں یہی ہے روزِ محشر، ہاں یہی روزِ حساب
تیری رسوائی ہے اب یا میری رسوائی ہے آج

پھر ہے میناروں پہ رعشہ، پھر ہیں گنبد سرنگوں
پھر نوا شاعر کی ایوانوں سے ٹکرائی ہے آج

آج پھر قدموں پہ آکر جھک رہی ہے کائنات
اپنے قبضے ہیں جہانِ نو کی دارائی ہے آج

خاک پر جھکتی نہیں افلاک پر رکتی نہیں
جو نگہ تقدیرِ عالم کی تماشائی ہے آج

ایک ساحل ہے کہ ابھرا ہے بھنور کی گود سے
ایک کشتی ہے کہ طوفانوں سے ٹکرائی ہے آج

رنگِ مے، حسنِ نگاراں، جشنِ گل، فصلِ بہار
ہند کی روحِ جواں شعروں میں کھنچ آئی ہے آج

جل اٹھا نبضوں میں خوں روشن ہوئے دل میں چراغ
شاعرِ آتش نوا نے آگ برسائی ہے آج

☆☆☆

ebooksgallery.com

اناج

میری عاشق ہیں کسانوں کی حسیں کنیائیں
جن کے آنچل نے محبت سے اٹھایا مجھ کو
کھیت کو صاف کیا، نرم کیا مٹی کو
اور پھر کوکھ میں دھرتی کی سلایا مجھ کو
خاک در خاک ہر اک تہہ میں ٹٹولا لیکن
موت کے ڈھونڈتے ہاتھوں نے نہ پایا مجھ کو
خاک سے لے کے اٹھا مجھ کو مرا ذوقِ نمو
سبز کونپل نے ہتھیلی میں چھپایا مجھ کو
موت سے دور مگر موت کی اک نیند کے بعد
جنبشِ بادِ بہاری نے جگایا مجھ کو
بالیاں پھولیں تو کھیتوں پہ جوانی آئی!
ان پریزادوں نے بالوں میں سجایا مجھ کو
میرے سینے میں بھرا سرخ کرن نے سونا
اپنے جھولے میں ہواؤں نے جھلایا مجھ کو
میں رکابی میں، پیالوں میں مہک سکتا ہوں
چاہیے بس لب و رخسار کا سایہ مجھ کو

ebooksgallery.com

میری عاشق ہیں کسانوں کی حسین کنیائیں
گود سے ان کی کوئی چھین کے لایا مجھ کو
ہوسِ زر نے مجھے آگ میں پھونکا ہے کبھی
کبھی بازار میں نیلام چڑھایا مجھ کو
قید رکھا کبھی لوہے میں کبھی پتھر میں
کبھی گوداموں کی قبروں میں دبایا مجھ کو
سی کے بوروں میں مجھے پھینکا ہے تہہ خانوں میں
چور بازار کبھی راس نہ آیا مجھ کو
وہ ترستے ہیں مجھے اور میں ترستا ہوں انھیں
جن کے ہاتھوں کی حرارت نے اُگایا مجھ کو

کیا ہوئے آج مرے ناز اٹھانے والے
ہیں کہاں قید غلامی سے چھڑانے والے

☆☆☆

ebooksgallery.com

غزل

گرم ہے اب کی بہت گرم ہوائے کشمیر
دہکی دہکی نظر آتی ہے فضائے کشمیر

جانے کس پر یہ نگاہِ غلط انداز پڑے
بہکی بہکی سی ہے کچھ دن سے ادائے کشمیر

چند سکوں میں بکی تھی یہ کبھی کشتِ بہار
چند سکے ہی ہیں کیا اب بھی بہائے کشمیر

ظلم عریاں تو نہیں سازشِ پنہاں ہے مگر
آہ کیا اب بھی فرنگی ہے خدائے کشمیر

ورقِ گل کو مسل ڈالا ہے کس ظالم نے
پارہ پارہ ہوئی جاتی ہے ردائے کشمیر

کوئی بتلائے کہ یہ بھوک یہ افلاس ہے کیوں
شیر و شہد و ثمر و گل ہے عطائے کشمیر

جانے فریادِ جگر دوز بنے گی کب تک
نالۂ زیرِ لبی تک ہے نوائے کشمیر

اس طرف سے بھی گزر قافلۂ صبحِ بہار
راس آتی ہے بہاروں کو ہوائے کشمیر

☆☆☆

ebooksgallery.com

تہنیت

اے سرزمینِ کا شمر شاعر کی فردوسِ نظر
جنت کی تصویرِ حسین آباد روئے خاک پر
ہر شاخ شاخِ گل ہے یاں ہر شاخِ گل شاخِ ثمر
اے سرزمین کا شمر

نیلم کے کہساروں کے دامن میں زمرد کی زمیں
موتی کی جھالر سے حسیں، موجِ رواں کی آستیں
بہتے ہوئے دریاؤں میں پگھلے ہوئے شمس و قمر
اے سرزمین کا شمر

سونا اگلتی ہے زمیں چاندی لٹاتی ہے فضا
پی کر شرابِ لالہ گوں وادی میں آتی ہے ہوا
گویا شرابِ ارغواں کے جام ہیں گلہائے تر
اے سرزمین کا شمر

یاں ذرّے ذرّے کے لیے فطرت کی دولت عام ہے
ہر سنگ کو انعام ہے ہر خشت کو اکرام ہے
انساں کی قسمت میں مگر، دردِ دل و داغِ جگر
اے سرزمین کا شمر

ebooksgallery.com

پتھر کے ٹیلوں کو ہوا ملبوس بر فانی عطا
بے جاں مناظر کے لیے بھی سبزہ و گل کی قبا
عریاں بدن لیکن ترے نورِ نظر، لختِ جگر
اے سرزمین کا شمر

دولت کے سایے ہیں مگر مجبور و معذور و فقیر
آزاد و خود مختار لیکن دامِ سازش میں اسیر
قومِ شریف و چرب دست و تر دماغ و باہنر
اے سرزمین کا شمر

دُھندلی نظر آتی ہیں کچھ رنگین و روشن وادیاں
پڑتی ہیں شاید دور سے نیو یارک کی پرچھائیاں
پوشیدہ زیرِ شاخِ گل تیر و سناں، تیغ و تبر
اے سرزمین کا شمر

ہاں بک نہ جائے دیکھنا تیرے شہیدوں کا لہو
ہاں لٹ نہ جائے کشتِ گل، ہاں اڑ نہ جائے رنگ و بو
ہاں تُل نہ جائے ڈالروں کے ڈھیر میں شاخِ ثمر
اے سرزمین کا شمر

بدلی نظر آتی ہے کچھ مشرق کے باغوں کی ہوا
ہے بھیرویں کی تان سے گونجی ہوئی ساری فضا
چہکیں گے تیرے باغ میں کب نغمہ سنجانِ سحر
اے سرزمین کا شمر

ebooksgallery.com

پہلو میں ارضِ سوویت، انسانیت کی پاسباں
اور سر کے او پر انقلاب چیں کا دستِ مہرباں
ہیں منتظر کب سے تری یلغار کے فتح و ظفر
اے سرزمین کا شمر

گنگ و جمن کی تہنیت لایا ہوں تیرے واسطے
جمہوریت کی راہ میں ملتے ہیں سارے راستے
ہر کاروانِ شوق کی ہے ایک منزل اک ڈگر
اے سرزمین کا شمر

☆☆☆

ebooksgallery.com

حسن کشمیر

آباد ہے خوابوں کی طرح وادیٔ کشمیر
فانوس ہیں تاروں کے تو پھولوں کے چراغاں
دامن میں پہاڑوں کے لہکتی ہیں بہاریں
پتھر کی ہتھیلی پہ مہکتا ہے گلستاں
'سنتور'[1] بجاتی ہوئی پھرتی ہیں ہوائیں
ہر باغ میں آوارہ و سرمست و غزلخواں
اڑتی ہوئی آتی ہیں پرستانِ افق سے
ملبوس شفق پہنے ہوئے صبح کی پریاں
ہر وادیٔ شاداب ہے محبوبۂ گلفام
معشوقۂ نوخیز ہے ہر جوئے کہستاں
جھیلیں ہیں کہ نیلم کے تراشے ہوئے پیالے
فوارے ہیں یا گوہر و الماس ہیں رقصاں
'شالی'[2] کے ہیں یہ کھیت کہ سبزے کے سمندر
سایے ہیں چناروں کے کہ جنت کے شبستاں

---

1 'سنتور' کشمیر کا قومی ساز ہے
2 'شالی' کشمیری زبان میں دھان کو 'شالی' کہتے ہیں۔

ebooksgallery.com

دوشیزۂ کہسار، پہاڑوں کی غزالہ
بنتِ مہ و خورشید ہے ہر دخترِ دہقاں
جو چھین لے دل وہ ہنرِ دست ہنر مند
انمول مگر جنس کے بازار ہیں ارزاں
اخلاص و محبت کی وہ گوندھی ہوئی مٹی
اخلاق و مروت کے وہ ڈھالے ہوئے انساں
بخشا ہے انھیں جہدِ مسلسل کے عمل نے
وہ ذوقِ لطافت کہ ہے پروردۂ طوفاں
شاعر کو یقیں ہے کہ نکھر آئے گا اک روز
وہ حسن جو افلاس کی چادر میں ہے پنہاں

☆☆☆

ebooksgallery.com

جہلم کا ترانہ

مانند جوئے زندگی شام و سحر بہتا ہوں میں
ہردم رواں، ہردم دواں، ہردم جواں رہتا ہوں میں

وادی میں لہراتا ہوا
سبزے سے اٹھلاتا ہوا
سو پیچ و خم کھاتا ہوا
ہنستا ہوا گاتا ہوا
ہردم رواں، ہردم دواں، ہردم جواں رہتا ہوں میں
مانند جوئے زندگی شام و سحر بہتا ہوں میں

موجوں کی زلفیں کھولتا
قطروں کے موتی رولتا
معشوقۂ کشمیر کے
پہلو میں اتراتا ہوا
ہردم رواں، ہردم دواں، ہردم جواں رہتا ہوں میں
مانند جوئے زندگی شام و سحر بہتا ہوں میں
الماس پاش، انجم فشاں

ebooksgallery.com

چیرائن آب رواں
دوشیزۂ مہتاب کو
آئینہ دکھلاتا ہوا
ہردم رواں، ہردم دواں، ہردم جواں رہتا ہوں میں
مانند جوئے زندگی شام و سحر بہتا ہوں میں

کھیتوں کے دامن میں یہاں
باغوں کے سایے میں وہاں
اپنی شراب ناب کے
ساغر کو چھلکا تا ہوا
ہردم رواں، ہردم دواں، ہردم جواں رہتا ہوں میں
مانند جوئے زندگی شام و سحر بہتا ہوں میں

جو ذرّہ ہے سیراب ہے
جو خاک ہے شاداب ہے
خونِ بہارِ جاوداں
رگ رگ میں دوڑاتا ہوا
ہردم رواں، ہردم دواں، ہردم جواں رہتا ہوں میں
مانند جوئے زندگی شام و سحر بہتا ہوں میں

مثلِ بتانِ سیم تن
وادی بہ وادی گامزن
موجِ نسیمِ صبح کی
جنبش کو شرماتا ہوا
ہردم رواں، ہردم دواں، ہردم جواں رہتا ہوں میں
مانند جوئے زندگی شام و سحر بہتا ہوں میں

ebooksgallery.com

فطرت مری وارفتگی
آزادگی و سرکشی
طوفاں سے ملتا ہوں گلے
ساحل سے ٹکراتا ہوا
ہردم رواں، ہردم دواں، ہردم جواں رہتا ہوں میں
مانند جوئے زندگی شام و سحر بہتا ہوں میں

آسودگی جسم و جاں
آغوش بحر بیکراں
شوریدگی کو عشق کے
آداب سکھلاتا ہوا
ہردم رواں، ہردم دواں، ہردم جواں رہتا ہوں میں
مانند جوئے زندگی شام و سحر بہتا ہوں میں

☆☆☆

ebooksgallery.com

رائفل کی گولیوں کا نغمہ اور نئے شعری پیکر کی تخلیق

(ایک خط سلطانہ کے نام)

(سینٹرل جیل ناسک سے لکھے ہوئے اس خط پر کوئی تاریخ نہیں ہے۔ یہ جن حالات میں لکھا گیا تھا ان میں تاریخ کا خیال نہ رہ جانا معمولی بات ہے۔ یہ خط کئی ہفتے بعد کسی قیدی کے ہاتھ بمبئی بھیجا گیا تھا۔ جیل کی ڈاک سے اس کا جانا ممکن نہیں تھا۔ یہ واقعہ وسط 1949ء کا ہے جب انقلابی قیدیوں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ ایک جیل سے دوسری جیل میں ٹرانسفر Transfer ہونے سے انکار کریں گے۔ یہ بھی خاموش احتجاج کا ایک طریقہ تھا۔)

مقتل کو کس نشاط سے جاتے ہیں ہم کہ ہے
پُر گل خیالِ زخم سے دامن نگاہ کا

کل شام کو سیاسی قیدیوں پر فائرنگ ہوئی۔ ہماری پشت پر بارک کی پتھریلی دیوار تھی اور دس گز کے فاصلے پر سامنے مسلح پولیس کی رائفلیں۔ تم نے اخبار میں خبر پڑھ لی ہوگی۔ سرکاری بیان شائع ہوا ہوگا۔

کل تیسرے پہر پولیس کی دو سیاہ رنگ گاڑیاں ہماری بارک کے سامنے آ کر رکیں۔ عام طور سے قیدی جیل کے گیٹ پر اتارے جاتے ہیں لیکن ان قیدیوں نے اترنے سے انکار کر دیا تھا۔ یہ سب سیاسی قید[illegible] [illegible] دھوکہ دے کر بمبئی سے ناسک لایا گیا ہے۔ ان کے لیڈر مراٹھی زبان کے مشہور اور مقبول گانے والے اور عوامی شاعر [illegible] کے دوسرے ساتھی امر شیخ ہمارے ساتھ قید ہیں۔ انھوں نے نیچے اتر کر ڈانگے سے بات کی۔ ان کے لہجے میں تندی اور تیزی تھی انھوں نے صرف ایک سوال کیا ' آپ لوگ ہمارا ساتھ دیں گے یا جیل ادھیکاریوں کا۔' ظاہر ہے جیل ادھیکاریوں کا ساتھ دینے کا سوال ہی [illegible] [illegible] تا تھا۔ ڈانگے نے ہم سب کی طرف سے جیلر کو الٹی میٹم دے دیا کہ اگر آپ ان سب قیدیوں کو بمبئی واپس نہیں لے جائیں گے تو ہم اپنی بارک کے اندر واپس نہیں جائیں گے۔ ہمارے پاس احتجاج کا یہی طریقہ تھا کہ رات کے وقت لاک اپ Lock-up سے انکار کر دیں۔ جیلر نے نہایت متانت سے کہا کہ جیل کی ڈسپلن نہیں توڑی جا سکتی۔ آپ بارک میں بند ہونے سے انکار کریں گے تو کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرنا پڑے گا۔ ان معصوم (بے ضرر) لفظوں کا مطلب ہم کو معلوم تھا کیونکہ اطلاع مل چکی تھی

ebooksgallery.com

کہ گیٹ پر مسلح پولیس آئی ہے۔ ڈاکٹے مسکرا دیے۔ یہ ہم سب کی طرف سے جواب تھا۔ ہم دو ڈھائی سو قیدی پارک کی چہار دیواری سے باہر نکل آئے اور دیوار کے پاس کھڑے ہو گئے۔ باقی کام منٹوں میں پورا ہو گیا۔ پولیس کی سیاہ گاڑیاں (جن میں بمبئی سے لائے ہوئے قیدی تھے) ہمارے سامنے سے ہٹا لی گئیں اور ان کی جگہ مسلح پولیس آ کر کھڑی ہو گئی۔ انھیں دیکھ کر قیدیوں کو جلال آ گیا۔ بہت سے قیدی ایک ساتھ پولیس کی طرف جھپٹے اور پولیس نے گولی چلا دی۔ ہمیں اب تک علم نہیں کہ وہاں کوئی مجسٹریٹ تھا یا نہیں۔ گولی چلانے کا حکم کس نے دیا۔ ایک قیدی جان سے مارا گیا اور کئی قیدی زخمی ہو گئے۔ اس کے بعد ہم بارک میں واپس آ گئے۔ ہر طرف اندھیرا تھا۔ بجلی غائب تھی۔

اب اس واقعے کو چوبیس گھنٹے ہو چکے ہیں۔ جیل کا کوئی افسر اب تک ہمارے پاس نہیں آیا ہے۔ صرف یہ خبر ہے کہ پولیس کی گاڑیوں میں بیٹھے ہوئے قیدیوں کو بڑے بڑے ربڑ کے پائپوں Pipes سے پانی کی دھار مار کر چوہوں کی طرح باہر نکالا گیا ہے اور کسی بارک میں بند کر دیا گیا ہے۔

رات بھر امر شیخ اپنی خوبصورت اور طاقتور آواز میں مراٹھی کے انقلابی گیت گاتا رہا۔ میں نے ڈاکٹے کو غالب کے دو شعر لکھ کر دیے۔

عشرتِ قتل گہِ اہلِ تمنا مت پوچھ
عید نظارہ ہے شمشیر کا عریاں ہونا
قد و گیسو میں قیس و کوہکن کی آزمائش ہے
جہاں ہم ہیں، وہاں دار و رسن کی آزمائش ہے

ہم لوگ صبح سے آپس میں باتیں کر رہے ہیں کہ فائرنگ کے وقت کس کی کیا کیفیت تھی۔ مجھے اپنا حال صرف اتنا معلوم ہے کہ بارک سے نکلتے وقت ایک عجیب قسم کا جوش تھا لیکن جب میں دیوار سے پیٹھ لگا کر کھڑا ہو گیا اور سامنے مسلح پولیس اور اس کی رائفلیں دکھائی دیں تو میں نے اپنے دل کے دھڑکنے کی آواز سنی۔ چند لمحوں میں یہ آواز گولی چلنے کی کرخت آوازوں میں ڈوب گئی۔ بس یہ معلوم ہوا جیسے میرا دل سینے سے نکل کر نیچے گر گیا ہے۔ اس کے بعد دل پھر واپس آ گیا اور دھڑکنے لگا۔ اس لمحے میں مجھے کوئی خیال نہیں آیا۔ موت کا لفظ گولی چلنے کے بعد یاد آیا۔

اب سکون ہے اور سناٹا۔ نئے نئے شعری پیکر ڈھل رہے ہیں جن سے ہماری شعری روایت بالکل بیگانہ ہے۔ ع

شام کی آنکھ میں بارود کے کاجل کی لکیر

ebooksgallery.com

رائفل کرتی ہے فولاد کے ہونٹوں سے کلام
گولیاں کرتی ہیں سیسے کی زباں سے باتیں

بارود کا کاجل، فولاد کے ہونٹ، سیسے کی زبان۔ اردو زبان کی نازک مزاجی اس انداز بیان کو کیسے برداشت کر سکے گی۔ یہ خمِ شمشیر، تیر نگاہ اور پیکان یار سے کس قدر مختلف ہے۔

اردو والوں کو میری شاعری سے مانوس ہونے میں وقت لگے گا۔ لکھنؤ والوں نے تو اب تک اقبال کو بھی قبول نہیں کیا ہے، جس کی ساری شعری روایت کلاسیکی ہے۔ دراصل ہمیں قبول عام کی سند کی زیادہ فکر نہیں کرنی چاہیے۔ دل پر جو گزرتی ہے اس کے لیے دل ہی زبان تلاش کرتا ہے اور دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔'

بہرحال میرے خط سے تمھیں اطمینان ہو جائے گا کہ ناسک جیل میں سب خیریت ہے۔ ہم زندگی کے ایک خوفناک مگر دلچسپ تجربے سے گزر رہے ہیں۔

راہ میں فوجوں کا پہرا، سر پہ تلواروں کی چھاؤں
آئے ہیں زنداں میں بھی باشوکتِ شاہانہ ہم
جاتے جاتے دے گئے ہم زندگی کو رنگ و نور
رفتہ رفتہ بن گئے اس عہد کا افسانہ ہم

☆☆☆

ebooksgallery.com

ebooksgallery.com

ایک خواب اور

1964

ebooksgallery.com

سلطانہ کے نام

کہ گل بدستِ تو از شاخ تازہ تر ماندہ

ebooksgallery.com

حرفِ اوّل

خواب اور شکست خواب اس دور کا مقدر ہے۔ اور نئے خواب دیکھنا انسان کا ایک ایسا حق جس سے کوئی طاقت، کوئی اقتدار اسے محروم نہیں کرسکتا۔ اور شاید یہی انسان اور انسانیت کے مستقبل کی ضمانت ہے۔

ہزاراں سال با فطرت نشستم
بہ او پیوستم و از خود گسستم
ولیکن داستانم این دو حرف است
تراشیدم، پرستیدم، شکستم

سردار جعفری

فروری 1965

ebooksgallery.com

ebooksgallery.com

ایک خواب اور

خواب اب حسنِ تصور کے افق سے ہیں پرے
دل کے اک جذبۂ معصوم نے دیکھے تھے جو خواب
اور تعبیروں کے تپتے ہوئے صحراؤں میں
تشنگی آبلہ پا، شعلہ بکف موجِ سراب
یہ تو ممکن نہیں بچپن کا کوئی دن مل جائے
یا پلٹ آئے کوئی ساعتِ نایابِ شباب
پھوٹ نکلے کسی افسردہ تبسم سے کرن
یا دمک اٹھے کسی دستِ بُریدہ میں گلاب
آہ پتھر کی لکیریں ہیں کہ یادوں کے نقوش
کون لکھ سکتا ہے پھر عمرِ گزشتہ کی کتاب
بیتے لمحات کے سوئے ہوئے طوفانوں میں
تیرتے پھرتے ہیں پھوٹی ہوئی آنکھوں کے حباب
تابشِ رنگِ شفق، آتشِ روئے خورشید
مل کے چہرے پہ سحر آئی ہے خونِ احباب
جانے کس موڑ پہ کس راہ میں کیا بیتی ہے
کس سے ممکن ہے تمناؤں کے زخموں کا حساب

ebooksgallery.com

آستیوں کو پکاریں گے کہاں تک آنسو
اب تو دامن کو پکڑتے ہیں لہو کے گرداب
دیکھتی پھرتی ہے ایک ایک کا منہ خاموشی
جانے کیا بات ہے شرمندہ ہے اندازِ خطاب
در بدر ٹھوکریں کھاتے ہوئے پھرتے ہیں سوال
اور مجرم کی طرح ان سے گریزاں ہے جواب
سرکشی، پھر میں تجھے آج صدا دیتا ہوں
میں ترا شاعرِ آوارہ و بے باک و خراب
پھینک پھر جذبۂ بے تاب کی عالم پہ کمند
ایک خواب اور بھی اے ہمتِ دشوار پسند

ebooksgallery.com

ہاتھوں کا ترانہ

ان ہاتھوں کی تعظیم کرو
ان ہاتھوں کی تکریم کرو
دنیا کے چلانے والے ہیں
ان ہاتھوں کو تسلیم کرو
تاریخ کے اور مشینوں کے پہیوں کی روانی ان سے ہے
تہذیب کی اور تمدن کی بھرپور جوانی ان سے ہے
دنیا کا فسانہ ان سے ہے، انساں کی کہانی ان سے ہے
ان ہاتھوں کی تعظیم کرو
صدیوں سے گذر کر آئے ہیں، یہ نیک اور بد کو جانتے ہیں
یہ دوست ہیں سارے عالم کے، پر دشمن کو پہچانتے ہیں
خود شکتی کا اوتار ہیں، یہ کب غیر کی شکتی مانتے ہیں
ان ہاتھوں کی تعظیم کرو
ہیں زخم ہمارے ہاتھوں کے، یہ پھول جو ہیں گلدانوں میں
سوکھے ہوئے پیاسے چلّو تھے، جو جام ہیں اب میخانوں میں
ٹوٹی ہوئی وہ انگڑائیوں کی محرابیں ہیں ایوانوں میں
ان ہاتھوں کی تعظیم کرو

ebooksgallery.com

راہوں کی سنہری روشنیاں، بجلی کے جو پھیلے دامن میں
فانوس حسیں ایوانوں کے، جو رنگ و نور کے خرمن ہیں
یہ ہاتھ ہمارے جلتے ہیں، یہ ہاتھ ہمارے روشن ہیں
ان ہاتھوں کی تعظیم کرو
خاموش ہیں یہ خاموشی سے، سو بربط و چنگ بناتے ہیں
تاروں میں راگ سلاتے ہیں، طبلوں میں بول چھپاتے ہیں
جب ساز میں جنبش ہوتی ہے، تب ہاتھ ہمارے گاتے ہیں
ان ہاتھوں کی تعظیم کرو
اعجاز ہے یہ ان ہاتھوں کا، ریشم کو چھوئیں تو آنچل ہے
پتھر کو چھوئیں تو بت کر دیں، کالکھ کو چھوئیں تو کاجل ہے
مٹی کو چھوئیں تو سونا ہے، چاندی کو چھوئیں تو پایل ہے
ان ہاتھوں کی تعظیم کرو
بہتی ہوئی بجلی کی لہریں، سمٹے ہوئے گنگا کے دھارے
دھرتی کے مقدر کے مالک، محنت کے افق کے سیارے
یہ چارہ گرانِ دردِ جہاں، صدیوں سے مگر خود بے چارے
ان ہاتھوں کی تعظیم کرو
تخلیق یہ سوزِ محنت کی، اور فطرت کے شہکار بھی ہیں
میدانِ عمل میں لیکن خود، یہ خالق بھی معمار بھی ہیں
پھولوں سے بھری یہ شاخ بھی ہیں اور چلتی ہوئی تلوار بھی ہیں
ان ہاتھوں کی تعظیم کرو
یہ ہاتھ نہ ہوں تو مہمل سب، تحریریں اور تقریریں ہیں
یہ ہاتھ نہ ہوں تو بے معنی، انسانوں کی تقدیریں ہیں
سب حکمت و دانش علم و ہنر، ان ہاتھوں کی تفسیریں ہیں
ان ہاتھوں کی تعظیم کرو

ebooksgallery.com

یہ کتنے سبک اور نازک ہیں، یہ کتنے سڈول اور اچھے ہیں
چالاکی میں استاد ہیں یہ اور بھولے پن میں بچے ہیں
اس جھوٹ کی گندی دنیا میں بس ہاتھ ہمارے سچے ہیں
ان ہاتھوں کی تعظیم کرو
یہ سرحد سرحد جڑتے ہیں اور ملکوں ملکوں جاتے ہیں
بانہوں میں بانہیں ڈالتے ہیں اور دل سے دل کو ملاتے ہیں
پھر ظلم و ستم کے پیروں کی زنجیرِ گراں بن جاتے ہیں
ان ہاتھوں کی تعظیم کرو
تعمیر تو ان کی فطرت ہے، اک اور نئی تعمیر سہی
اک اور نئی تدبیر سہی، اک اور نئی تقدیر سہی
اک شوخ و حسیں خواب اور سہی اک شوخ و حسیں تعبیر سہی
ان ہاتھوں کی تعظیم کرو
ان ہاتھوں کی تکریم کرو
دنیا کو چلانے والے ہیں
ان ہاتھوں کو تسلیم کرو

ebooksgallery.com

زندگی

(1)

کس نے کہا کہ حاصلِ وہم و گماں ہے زندگی
کس نے کہا کہ دہر کا سرِ نہاں ہے زندگی
جتنی نہاں ہے زندگی اتنی عیاں ہے زندگی
کتنی حسین، کتنی شوخ، کتنی جواں ہے زندگی

صبح سے لے کے تا بہ شام، مست خرام و تیز گام
کرتی نہیں کہیں قیام، کرتی نہیں کہیں مقام
جذبۂ شوق ہے تمام، منزلِ شوق ناتمام
دامنِ شش جہات میں سیلِ رواں ہے زندگی

سرد ہے پتھروں کا دل، برف کی جیسے ایک سل
خاک حقیر و پست و خوار، ست و ذلیل و مضمحل
عرصۂ کائنات میں اُف رے سکوتِ آب و گل
قلبِ سکوت میں مگر زمزمہ خواں ہے زندگی

اس کے لیے حسیں ہے دن، اس کے لیے جواں ہے رات
مثلِ تغیراتِ دہر، صرف اسی کو ہے ثبات
یہ ہے نگارِ بزمِ گل، یہ ہے عروسِ کائنات
جانِ جہان و شعلۂ کون و مکاں ہے زندگی

ebooksgallery.com

(2)

عرصہ گہہ حیات میں، جنگ و جنوں ہیں حکمراں
خون سے سرخ ہے زمیں، خون سے سرخ آسماں
بکھری ہوئی ہیں ہڈیاں، اجڑی ہوئی ہیں بستیاں
نالہ و نوحہ و بکا، آہ و فغاں ہے زندگی

بھوک کا خار زار ہے، پیاس کا ریگ زار ہے
عمرِ رواں کی پشت پر، عمر رواں کا بار ہے
کل بھی وہ بے قرار تھی، آج بھی بے قرار ہے
قلب بشر میں درد کی جوئے رواں ہے زندگی

قہر کی سرخ آگ ہے، زہر کا زرد جام ہے
دوزخ غم کی صبح ہے، دوزخ غم کی شام ہے
یہ وہ بہشت ہے جہاں عیش و سکوں حرام ہے
تیغ و سناں ہے زندگی، تیر و کماں ہے زندگی

آپ ہی بت شکن بھی ہے، آپ ہی بت تراش بھی
مرہم زخم دل بھی ہے، دل کی مگر خراش بھی
آپ کو گم کیے ہوئے، اپنی مگر تلاش بھی
اپنے تضاد کو لیے، گرم عناں ہے زندگی

گردشِ رقص ہے کہیں، جنبشِ گام ہے کہیں
قند و نبات ہے کہیں، تلخی جام ہے کہیں
تابشِ صبح ہے کہیں، آتش شام ہے کہیں
اپنے ہزار رنگ میں رقص کناں ہے زندگی

ebooksgallery.com

مالکِ خشک و تر بھی ہے، فاتحِ بحر و بر بھی ہے
صاحبِ تاج و زر بھی ہے، خالقِ خیر و شر بھی ہے
اشک بھی ہے گہر بھی ہے، سنگ بھی ہے شرر بھی ہے
شاہِ شہاں ہے زندگی، میرِ جہاں ہے زندگی

گاہ غرورِ تاجدار، گاہ شکستِ شہریار
گاہ سرورِ اہلِ دل، گاہ شعورِ دستکار
گاہ طلسمِ رنگ و بو، گاہ فریبِ چشمِ یار
گاہ فروغِ جلوۂ ماہ و شاں ہے زندگی

تند مزاج و شعلہ خو، برق و شرار کی طرح
جلوہ طراز و دل نواز، روئے نگار کی طرح
آتش گل کی پاسباں، بادِ بہار کی طرح
موت کے باغ کے لیے، بادِ خزاں ہے زندگی

اپنی نگاہِ گرم سے سنگ کے دل کو توڑتی
انجم و مہر و ماہ سے، نور کا خوں نچوڑتی
سینۂ کائنات پر نقشِ دوام چھوڑتی
صبحِ ازل سے تا ابد، گرم تکاں ہے زندگی

کارکشا و کارساز، اس کا جوان ہات ہے
اس کی نگاہ سے حسیں، عالمِ ممکنات ہے
بزمِ تغیرات میں، جانِ تغیرات ہے
بربطِ انقلاب پر زمزمہ خواں ہے زندگی

سرِ طور

(آسماں پرواؤں کے نام)

'کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب
آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہِ طور کی'
غالب

دل کو بے تاب رکھتی ہے اک آرزو
کم ہے یہ وسعتِ عالمِ رنگ و بو
لے چلی ہے کدھر پھر نئی جستجو
تا بہ حدِ نظر اُڑ کے جاتے ہیں ہم
وہ جو حائل تھے راہوں میں شمس و قمر
ہم سفر ان کو اپنا بناتے ہیں ہم

ہے زمیں پردۂ لالہ و نسترن
آسماں پردۂ کہکشاں ہے ابھی
رازِ فطرت ہوا لاکھ ہم پر عیاں
رازِ فطرت نہاں کا نہاں ہے ابھی
جس کی صدیوں ادھر ہم نے کی ابتدا
ناتمام اپنی وہ داستاں ہے ابھی
منزلیں اڑ گئیں بن کے گردِ سفر
رہگذاروں ہی میں کارواں ہے ابھی

ebooksgallery.com

پی کے ناکامیوں کی شرابِ کہن
اپنا ذوقِ تجسّس جواں ہے ابھی

ہاتھ کاٹے گئے جراَتِ شوق پر
خوں چکاں ہو کے وہ گل فشاں ہو گئے
حیرتوں نے لگائی جو مہرِ سکوت
لب خموشی میں جادو بیاں ہو گئے
راستے میں جو کہسار آئے تو ہم
ایسے تڑپے کہ سیلِ رواں ہو گئے
ہیں ازل سے زمیں کے کُرے پر اسیر
ہو کے محدود ہم بیکراں ہو گئے
ذوقِ پرواز بھی دل کی اک جست ہے
خاک سے زینتِ آسماں ہو گئے

عقلِ چالاک نے دی ہے آکر خبر
اک شبستاں ہے ایوانِ مہتاب میں
منتظر ہیں نگارانِ آتش بدن
جگمگاتی فضاؤں کی محراب میں
کتنے دل کش حسیں خواب بیدار ہیں
ماہ و مرّیخ کی چشمِ بے خواب میں
کھینچ پھر زلفِ معشوقۂ نیلگوں
لے لے شعلے کو پھر دستِ بیتاب میں

مژدہ ہو مہ جبینانِ افلاک کو
بزمِ گیتی کا صاحب نظر آ گیا
تہنیت حسن کو بے نقابی کی دو
دیدہ ور آ گیا، پردہ در آ گیا

ebooksgallery.com

آسماں سے گرا تھا جو کل ٹوٹ کر
وہ ستارہ بدوشِ قمر آ گیا
لے کے پیمانۂ دردِ دل ہاتھ میں
مل کے چہرے پہ خونِ جگر آ گیا
بزمِ سیارگانِ فلک سیر میں
اک ہنر مند سیارہ گر آ گیا

شوق کی حد مگر چاند تک تو نہیں
ہے ابھی رفعتِ آسماں اور بھی
ہے ثریا کے پیچھے ثریا رواں
کہکشاں سے پرے، کہکشاں اور بھی
جھانکتی ہیں فضاؤں کے پیچاک سے
رنگ اور نور کی وادیاں اور بھی
اور بھی منزلیں، اور بھی مشکلیں
ہیں ابھی عشق کے امتحاں اور بھی

آج دستِ جنوں پر ہے شمعِ خرد
دو جہاں جس کے شعلے سے معمور ہیں
لے کے آئیں پیامِ طلوعِ سحر
جتنے سورج خلاؤں میں مستور ہیں
کہہ دو برقِ تجلّی سے ہو جلوہ گر
آج موسیٰ نہیں ہم سرِ طور ہیں

13/اپریل1961

}{}{}{}{

ebooksgallery.com

ذوقِ طلب

ہم اس دنیائے رنگ و بو کے طوفانوں سے گزرے ہیں
صنم خانوں سے اٹھے ہیں، پری خانوں سے گزرے ہیں
بڑھا کر تشنگی سے لذّتِ ذوقِ طلب اپنی
بھری مینا کو ٹھکرایا ہے، پیمانوں سے گزرے ہیں
گھڑی بھر شاخِ گل کی چھاؤں پر ٹھہرے تو کیا ٹھہرے
جھٹک کر دامنِ دل کو گلستانوں سے گزرے ہیں
غزل دل کی سنا کر اٹھ گئے ہیں بزمِ یاراں سے
بجاتے اپنی زنجیروں کو زندانوں سے گزرے ہیں
برنگ بوئے گل پیراہن و کاکل سے اڑ آئے
شبستانوں کے عاشق اور شبستانوں سے گزرے ہیں
ہوئی زنجیر پائے شوق، جب بھی آرزو دل کی
تمناؤں کو چھوڑا اور ارمانوں سے گزرے ہیں
چراغ لالہ و گل کر کے روشن اپنے قدموں سے
نسیمِ جانفزا کی طرح ویرانوں سے گزرے ہیں
اٹھایا ناز موجوں کا نہ احساں ہم نے ساحل کا
کوئی منزل ہو، آگے بڑھ گیا ہے کارواں دل کا

ebooksgallery.com

قدم اب کھینچ کر اُس دشت اُس وادی میں لائے ہیں
جہاں پر حوصلوں نے اپنے بازو آزمائے ہیں
نہ جانے کیا کشش ہے بمبئی تیرے شبستاں میں
کہ ہم شام اودھ صبحِ بنارس چھوڑ آئے ہیں
پپیہے بولتے ہیں، کوکتی ہیں کوئلیں جن میں
ہمارے دل پہ اُن گاتے ہوئے باغوں کے سائے ہیں
بجاتی ہیں ہوائیں شب کو خوابوں میں ستار اپنا
نشیمن شاخِ دل پر سبزہ زاروں نے بنائے ہیں
ہمارے جسم کندن ہوگئے ہیں تیری کرنوں سے
ترے چشموں کی چاندی نے ہمارے منہ دھلائے ہیں
ترے زنداں کی تاریکی میں راتیں ہم نے کاٹی ہیں
تری سڑکوں پہ سوئے، تیری بارش میں نہائے ہیں
کبھی اشکوں کے تارے یاس کی پلکوں سے ٹوٹے ہیں
کبھی امید کے دامن میں موتی جگمگائے ہیں
کبھی نکلی ہیں آہیں لے کے مشعل ظلمتِ شب میں
کبھی نعروں نے پرچم آسمانوں تک اڑائے ہیں
ادائے سرکشی دی ہے غرورِ سر فروشی کو
تری سفاکیوں نے کتنے خنجر آزمائے ہیں
مگر پھر بھی ہمارا عالمِ مہر و وفا یہ ہے
کہ تجھ کو لکھنؤ کی طرح سینے سے لگائے ہیں
اتاری جارہی ہے چشم و دل سے آرتی تیری
چراغِ شوق گیتوں کی ہتھیلی پر سجائے ہیں
مبارک ہم رکابِ گردشِ شام و سحر ہونا
مبارک ہم سے آزادوں کا تجھ کو ہم سفر ہونا

}{}{}{}{

ebooksgallery.com

ہم نے دیکھا ہے

ہجومِ یاس میں ذوقِ فراواں ہم نے دیکھا ہے
کفِ صحرا پہ بھی رقصِ گلستاں ہم نے دیکھا ہے
رواں پایا ہے نبضِ خار میں خونِ بہاراں کو
دلِ ہر ذرّہ میں خورشید رخشاں ہم نے دیکھا ہے
بہاروں نے قدم چومے ہیں ہم وہ آبلہ پا ہیں
خزاں کو اپنی راہوں سے گریزاں ہم نے دیکھا ہے
یہ روشن کس کا رخ ہے کاکلِ امروز و فردا میں
لباسِ نور میں جلووں کو عریاں ہم نے دیکھا ہے
جگر کا خون ہو، دل کا لہو، یا اشک آنکھوں کے
انھیں کو گوہر و الماس و مرجاں ہم نے دیکھا ہے
رباب و بربط و طاؤسِ خوابیدہ کے سینے میں
وفورِ نغمہ سے تاروں کو لرزاں ہم نے دیکھا ہے
تہوں میں خاک کی جب کونپلیں کروٹ بدلتی ہیں
زمیں کے دل میں معشوقوں کو رقصاں ہم نے دیکھا ہے

}{}{}{}{

ebooksgallery.com

غزل

شکستِ شوق کو تکمیلِ آرزو کہیے
جو تشنگی ہو تو پیمانہ و سبو کہیے

خیالِ یار کو دیجئے وصالِ یار کا نام
شبِ فراق کو گیسوئے مشک بو کہیے

چراغِ انجمنِ حیرتِ نظارہ تھے
وہ لالہ رو جنھیں اب داغِ آرزو کہیے

مہک رہی ہے غزل ذکرِ زلفِ خوباں سے
نسیمِ صبح کی مانند کو بہ کو کہیے

شکایتیں بھی بہت ہیں، حکایتیں بھی بہت
مزا تو جب ہے کہ یاروں کے روبرو کہیے

یہ حکم، کیجئے پھر خنجروں کی دلداری
دہانِ زخم سے افسانۂ گلو کہیے

زبانِ تیغ سے کرتے ہیں پرسشِ احوال
اور اس کے بعد یہ کہتے ہیں آرزو کہیے

ق

ہے زخم زخم مگر کیوں نہ جانیے اسے پھول
لہو لہو ہے، مگر کیوں اسے لہو کہیے

ebooksgallery.com

سمجھیے قامتِ یارانِ کج ادا کی قبا
حنائے پائے نگارانِ تند خو کہیے
جہاں جہاں بھی خزاں ہے وہیں وہیں ہے بہار
چمن چمن یہی افسانۂ نمو کہیے
زمیں کو دیجے دلِ مدعا طلب کا پیام
فضا کو وسعتِ دامانِ آرزو کہیے
سنواریے غزل اپنی بیانِ غالب سے
زبانِ میر میں بھی ہاں ہاں کبھو کبھو کہیے
مگر وہ حرف دھڑکنے لگے جو دل کی طرح
مگر وہ بات جسے اپنی گفتگو کہیے

ق

وہ جس کے فیض سے غالب ہوا تھا نغمہ سرا
زبان ہے جسے دلی کی آبرو کہیے
روانی ایسی کہ گنگا کی کھائیے قسمیں
جوانی ایسی کہ جنت کی آبجو کہیے
رہے تو معجزۂ نطق کی دعا دیجے
مٹے تو آنکھ سے ٹپکا ہوا لہو کہیے
جراحتوں کی سیاست ہے جن کا فن سردار
اب ان سے کہیے تو کیا حاجتِ رفو کہیے

ebooksgallery.com

مشرق و مغرب

زندگی ایک، زمیں ایک، انسان بھی ایک
فکر کا بحر بھی، جذبات کا طوفان بھی ایک
وہی سورج ہے، وہی چاند ہے، تارے ہیں وہی
نیلے آکاش کے گلرنگ کنارے ہیں وہی
شرق سے غرب تلک وقت کی پرواز ہے ایک
دل جو سینوں میں دھڑکتے ہیں تو آواز ہے ایک
ہیر مغموم ہے پنجاب کے میدانوں میں
جولیٹ روتی ہے انگلینڈ کے افسانوں میں
عشق کو بخش دیا ذوقِ تماشا ہم نے
حرفِ دل شعلۂ عارض سے تراشا ہم نے
باغ مشرق ہو کہ مغرب ہو، ہوا ایک سی ہے
سرد یا گرم، بہرحال فضا ایک سی ہے
ایشیا والے سے یورپ کی زمیں کھنچ کے نہ مل
میری سوغات بھی دل ہے تری سوغات بھی دل
جس نے لوٹا ہے ہمیں، جس نے ستم ڈھایا ہے
ارضِ مغرب نہیں مغرب کا وہ سرمایا ہے

ebooksgallery.com

اور سر مایہ نہ ہندی ہے نہ برطانی ہے
یہ مرے اور ترے خون کی ارزانی ہے
تیرا قاتل بھی وہی ہے مرا قاتل بھی وہی
زیست کی جہد بھی اور جہد کا حاصل بھی وہی
ٹیمس[1] اور سین[2] میں جمنا کی سی بے تابی ہے
موج ڈینوب[3] میں گنگا کی سی بے خوابی ہے
ایسا کچھ فرق نہیں دونوں گلستانوں میں
آہوئے رم خوردہ ہیں تیرے بھی بیابانوں میں
چشمے مغرب کے ہیں مشرق کے غزالہ کی طرح
نیلگوں سلسلۂ کوہ ہمالہ کی طرح
جنگلوں میں وہی آوارہ ہوا گاتی ہے
کسی بھٹکے ہوئے رہرو کی صدا آتی ہے
کلیاں کھلتی ہیں سنورتے ہوئے گیسو کے لیے
تتلیاں اڑتی ہیں بکھری ہوئی خوشبو کے لیے
پریاں موسم کی ہواؤں میں مچل جاتی ہیں
رت بدلتے ہی قبائیں بھی بدل جاتی ہیں
کشتیاں خوش ہیں سمندر کی گزرگاہوں سے
تیرے ساحل بھی جواں رہتے ہیں ملاحوں سے
تیری محرابیں بھی تہذیب کی انگڑائی ہیں
تیری آغوش میں بھی دہلی و شنگھائی ہیں
ایک جادو کا اثر گردشِ ایام میں ہے
زندگی یاں بھی طلسمِ سحر و شام میں ہے

---

1. انگلینڈ کا دریا جس کے کنارے لندن آباد ہے
2. فرانس کا دریا جس کے دونوں طرف پیرس آباد ہے
3. یورپ کا مشہور دریا جو کئی ملکوں سے گزرتا ہے۔

ebooksgallery.com

شب کو جلتے ہیں کنول صبح کو بجھتے ہیں چراغ
مسکراتے ہیں شبستاں میں جوانی کے ایاغ
صبح در کھلتے ہیں محبوب کی بانہوں کی طرح
رہرو ملتے ہیں راہوں میں نگاہوں کی طرح
دن کے نظاروں کو آنکھوں میں چھپا لیتی ہیں
کھڑکیاں رات میں پلکوں کو جھکا لیتی ہیں
دودھ مغرب کے بھی سینے میں رواں ہوتا ہے
ہندو ایراں کی طرح طفل جواں ہوتا ہے
راستے دوڑ کے اسکولوں میں مل جاتے ہیں
بچے پھولوں کی طرح گھاس میں کھل جاتے ہیں
یاں بھی جو آنکھ ہے عالم کی تماشائی ہے
ہر نظر لذتِ دیدار کی شیدائی ہے
دل کا آہنگ حسیں تیرے بھی نغمات میں ہے
کیفیت روح کی رنگوں کے طلسمات میں ہے
خیر ہو پیرس و لندن کے ہنر داروں کی
خیر ہو روم کے، یونان کے بت کاروں کی
تیرے بازار میں یوسف بھی، زلیخائیں بھی
تیرے ویرانوں میں مجنوں بھی ہیں لیلائیں بھی
زور افلاس کا، دولت کی فراوانی بھی
یاں قباپوشی بھی ہے، چاک گریبانی بھی
حرفِ حق بھی ہے یہاں اور رسن و دار بھی
لذتِ شوق بھی ہے، جرأتِ کردار بھی
ہم حقیقت سے کبھی دور جو ہو جاتے ہیں
کچھ مظاہر کے طلسمات میں کھو جاتے ہیں
زہر سا نفرت و نخوت کا پیا کرتے ہیں

ebooksgallery.com

یوں ہی انسانوں کو تقسیم کیا کرتے ہیں
گیسو کالے ہیں مرے دیس کے محبوبوں کے
اور بادل ہیں سنہری ترے معشوقوں کے
آنکھیں نیلی ہیں تری شوخ حسیناؤں کی
جھلیں کاجل کی مرے آئینہ سیماؤں کی
مختلف کچھ ہیں تراشیں ترے پیراہن کی
شکلیں کچھ اور مرے جیب مرے دامن کی
اصلیت نکہتِ گل کی نہیں گلدانوں سے
مے بدلتی نہیں بدلے ہوئے پیمانوں سے
بوئے گل ایک سی ہے، بوئے وفا ایک سی ہے
میرے اور تیرے غزالوں کی ادا ایک سی ہے

دسمبر 1954

ebooksgallery.com

تین شرابی

ذکر نہیں یہ فرزانوں کا
قصہ ہے اک دیوانوں کا

ماسکو، پیرس اور لندن میں
دیکھے میں نے تین شرابی
سرخ تھیں آنکھیں روح گلابی

نشۂ مے کا تاج جبیں پر
فکر فلک پر پاؤں زمیں پر
بے خبر اپنی لغزشِ پا سے
باخبر اپنے عہد وفا سے
دخترِ رز کے در کے بھکاری
اپنے قلب و نظر کے شکاری
پی لینے کے بعد بھی پیاسے
جام کی صورت چھلکے چھلکے
ابر کی صورت ہلکے ہلکے

ebooksgallery.com

مستی کی تلوار اٹھائے
فصلِ گل چہروں پہ کھلائے
قدم قدم پر بہک رہے تھے
مہک رہے تھے چہک رہے تھے

ایک نے شاید وہسکی پی تھی
دوسرے نے شمپین کی بوتل
تیسرے نے وہ پگھلی چاندی
وُودکا کی سیّال حسینہ
وہ شے جس کی تابشِ رخ سے
شیشے کو آ جائے پسینہ

میں نے ان نازک لمحوں میں
روحِ بشر کو عریاں دیکھا
عہدِ خزاں کا رنگِ پریدہ
رنگِ عہدِ بہاراں دیکھا
ظاہر دیکھا پنہاں دیکھا

ذکر نہیں یہ فرزانوں کا
قصہ ہے اک دیوانوں کا

رات نے اپنی کالی زباں سے
خونِ شفق کے دل کا چاٹا
چار طرف خاموشی چھائی
پھیلِ گیا ہر سو سناٹا

ebooksgallery.com

رات پیرس کے پہلو میں
سین[1] کی موجوں کو نیند آئی
ڈسنے لگی مجھ کو تنہائی
مے خانے میں جاکر میں نے
آگ سے دل کی پیاس بجھائی

رند بہت تھے لیکن وہ سب
اپنے نشے میں کھوئے ہوئے تھے
جاگ رہی تھیں آنکھیں لیکن
دل تو سب کے سوئے ہوئے تھے
کوئی نہیں تھا ان میں میرا
میں یہ بیٹھا سوچ رہا تھا
کب یہ ظالم رات کٹے گی
کب واپس آئے گا سویرا

اتنے میں اک قامتِ رعنا
قدم قدم پر پھول کھلاتا
ہونٹوں سے معصوم تبسّم
آنکھوں سے بجلی برساتا
میخانے میں جھوم کے آیا
ناز و ادا کے دام بچھاتا
عیش و طرب کی محبوبائیں
نشۂ مے کی دوشیزائیں
رہ گئیں اپنی آنکھیں مل کر

1 سین وہ دریا جس کے دونوں ساحلوں پر پیرس کا خوبصورت شہر آباد ہے۔

ebooksgallery.com

آئی قیامت چال میں ڈھل کر
سکوں کی جھنکار پہ گاتی
سونے کی تلوار نچاتی
اپنے لہو میں آپ نہاتی

اس نازک لمحے میں میں نے
حرص و ہوس کو رقصاں دیکھا
زد میں نظامِ زرداری کی
روحِ بشر کو لرزاں دیکھا
مجبوری کو عریاں دیکھا

ذکر نہیں یہ فرزانوں کا
قصہ ہے اک دیوانوں کا

گہرے کہرے کی لہروں میں
سارا لندن ڈوب گیا تھا
لمحوں کی روشن آنکھوں میں
شام کا کاجل پھیل چکا تھا
رات کی نیلی دیوی جاگی
دن کے دیوتا کو نیند آئی
ڈسنے لگی مجھ کو تنہائی
میخانے میں جا کر میں نے
آگ سے دل کی پیاس بجھائی

اس محفل میں سب ہی کچھ تھا

ebooksgallery.com

ساقی بھی اور پیر مغاں بھی
صہبا کی آغوش کے پالے
طفلک مستی، رند جواں بھی
غازہ و رنگ کی معشوقائیں
جن کی لطافت شب بھر کی تھی
عطر اور ریشم کی مینائیں
جن کی صہبا لب بھر کی تھی
آج کا سکھ تھا، کل کا دکھ تھا
آج کی آشا، کل کی نراشا
ہنس ہنس کر غم دیکھ رہے تھے
ان جھوٹی خوشیوں کا تماشا
نا امیدی کے کاندھوں پر
رکھا تھا امید کا لاشا
آج وہ لے لیں، جو مل جائے
کل کیا ہوگا کون بتائے
آج دلوں کی شمع جلا لیں
کل شاید یہ رات نہ آئے
آج تو مے کی کشتی کھے لیں
کل یہ سفینہ ڈوب نہ جائے
آج لبوں کا بوسہ لے لیں
موت کا بوسہ کل لینا ہے
آج دلوں کا قرض چکا لیں
کل تو سب کچھ دے دینا ہے

اس نازک لمحے میں میں نے

ebooksgallery.com

روحِ بشر کو ویراں دیکھا
ایٹم بم کے خوف کے آگے
عقل و خرد کو حیراں دیکھا
سارے جہاں کو لرزاں دیکھا

ذکر نہیں یہ فرزانوں کا
قصہ ہے اک دیوانوں کا

دوشِ ہوا پر تاریکی نے
زلفوں کے خم کھول دیے تھے
ماسکو کی خاموش فضا میں
رات کی آنکھوں کے کاجل نے
کتنے جادو گھول دیے تھے
سرخ و سیہ مخمل کے اوپر
شام کے سایوں کو نیند آئی
ڈسنے لگی مجھ کو تنہائی
مے خانے میں جا کر میں نے
آگ سے دل کی پیاس بجھائی

خوش فکروں کا ابرِ بہاراں
جھوم پڑا تھا مے خانوں پر
بادہ کشوں کا رنگیں جھرمٹ
ٹوٹ پڑا تھا پیمانوں پر
ساز کی لے میں تیزی آئی
نشۂ مے کی انگڑائی نے

ebooksgallery.com

اپنا حسن پرچم لہرایا
چپہ چپہ ذرّہ ذرّہ
قطرہ قطرہ رقص میں آیا
قصروں کے بے تاب بدن کو
لب کے ٹکڑے چوم رہے تھے
رقص کے بیکل گردابوں میں
جسم کے طوفاں گھوم رہے تھے
چہروں کی روشن قندیلیں
بانہوں کی دل کش محرابیں
مانگ نظر کی تابشی کے
جنبشِ مژگاں کی محرابیں
اس گردش میں درہم و برہم
سارا نظامِ شمس و قمر تھا
پگھل گئے تھے چاند اور سورج
محفلِ گل میں رقص شروع تھا
رات کی پیشانی سے جیسے
تاروں کا جھومر ٹوٹ گیا ہو
پیرِ فلک کے ہاتھ سے جیسے
طشت زمرد چھوٹ گیا ہو
ہیرے نیلم لعل اور موتی
خاک پہ جیسے بکھر رہے ہیں
جیسے کسی کے برہم گیسو
بکھر بکھر کر سنور رہے ہوں
نشّے سے کے سر پہ لیکن
عقل و خرد کا تاج دھرا تھا

ebooksgallery.com

دور سے بیٹھا بیٹھا مجھ کو
ایک شرابی دیکھ رہا تھا
اس نے ہوا میں ہاتھ سے اپنے
تھما سا اک بوسہ پھینکا
اک تتلی سی اُڑتی آئی
میرے دل کے پھول کے اوپر
کچھ کانپی اور کچھ منڈلائی
بیٹھ گئی پر جوڑ کے دونوں
پیار کے رس کو چوس کے اٹھی
اور مری جانب سے ہوا میں
بوسہ بن کر پھر لہرائی
کچھ شرمائی، کچھ اترائی

اور شرابی میز سے اٹھ کر
رقص کے حلقوں سے ٹکراتا
کشتی کی صورت چکراتا
ہاتھ میں اپنا جام اٹھائے
میری جانب جھومتا آیا
خنداں خنداں، نازاں نازاں
رقصاں رقصاں، پیچاں پیچاں
موج ہوا کو چھوتا آیا

میری زباں تھی اردو، ہندی
اس کی زباں تھی روسی لیکن
ایک زباں تھی ایسی بھی جو

ebooksgallery.com

دونوں زبانوں سے پیاری تھی
دونوں جس کو بول رہے تھے
چند اشارے چند تبسم
نظروں کا خاموش تکلم
حرف بھی تھے، لفظ بھی تھے
شہد جو دل میں گھول رہے تھے
ہند کی مستی، روس کا نشہ
دونوں نے اک جام بنایا
اور ہوا میں اس کو اچھالا
ساتھ ہمارے سب رندوں نے
اپنے دلوں کو ہاتھ میں لے کر
میرے وطن کا جام اٹھایا

اب جو میں نے غور کر دیکھا
جشن نہ تھا یہ دیوانوں کا
گرد ہمارے امن کی دیوی
گیت کی حوریں ساز کی پریاں
نغمے اور آواز کی لڑیاں
پیرس کی بدبخت حسینہ
مغرور امریکہ کا سپاہی
لندن کا بدمست شرابی
عیش و طرب کی محبوبائیں
نشۂ مے کی دوشیزائیں
غازہ و رنگ کی معشوقائیں
عطر اور ریشم کی مہکائیں

ebooksgallery.com

حافظ اور غالب کی غزلیں
پشکن[1] اور ٹیگور کی نظمیں
کتنے ناز اور کتنی ادائیں
کتنی شیریں اور لیلائیں
کتنے ناچے کتنی بحریں
کتنے بت کتنی تصویریں
امن کی کوشش اور تعمیریں
مشرق و مغرب کی تحریریں
حلقہ باندھے ناچ رہی تھیں

میں نے اس جادو کے لمحے میں
روحِ بشر کو جاوداں دیکھا
نغمہ و رقص کے پیچ و خم میں
پیار کا جذبہ رقصاں دیکھا
سارے جہاں کو خنداں دیکھا

ذکر نہیں یہ فرقتوں کا
قصہ ہے اک دیوتوں کا

ماسکو — دسمبر 1954 جنوری فروری 1955

1 انیسویں صدی کا مشہور روسی شاعر

ebooksgallery.com

قطعہ

تبسمِ لبِ ساقی چمن کھلا ہی گیا
نشاطِ فصلِ بہاراں دلوں پہ چھا ہی گیا
کہو حکایتِ گیسو، فسانۂ قدِ یار
شکستِ دار و رسن کا زمانہ آ ہی گیا

محفلِ یاراں

برگِ گل ہیں کہ کفِ پائے نگاراں ساقی
ہیں حنائی قدمِ بادِ بہاراں ساقی
لے کے آئی ہے صبا تہنیتِ جشنِ وصال
ہے جواں نکہتِ فردوسِ کناراں ساقی
ماہ رو ہوں افقِ ساغر و مینا سے طلوع
جگمگاتی رہے یہ محفلِ یاراں ساقی

پراگ جون 1955

ebooksgallery.com

جشنِ بادہ گساراں

یہ عیدِ وصالِ یاراں ہے
یہ جشنِ بادہ گساراں ہے
ہنستے ہوئے مکھڑوں پہ کیسے غنچے سے چٹکنے لگتے ہیں
اللہ رے فروغِ بادہ و مے، رخسار مہکنے لگتے ہیں
مہتاب دمکنے لگتے ہیں، خورشید پگھلنے لگتے ہیں
گردش میں نظامِ جام و سبو یا رقصِ شعلہ عذاراں ہے
یہ عیدِ وصالِ یاراں ہے
ہیں وجد میں ذرے گیتی کے، گردوں کے ستارے گاتے ہیں
نغمات کے گیسو کھلتے ہیں، بل کھاتے ہیں لہراتے ہیں
الفاظ کے پیکر میں ڈھل کر، معنی کے حسیں اتراتے ہیں
کیا حسنِ طلسمِ صوت و صدا کیا جادوئے خوش گفتاراں ہے
یہ عیدِ وصالِ یاراں ہے
مینائے شفق لہراتی ہے، یا جام میں سورج ڈھلتا ہے
پیمانوں اور پیالوں کے آغوش سے چاند نکلتا ہے
ہر قطرۂ مے کے سینے سے اک سیلِ نور ابلتا ہے
چھائی ہوئی ساری محفل پہ بوئے فردوس کناراں ہے
یہ عیدِ وصالِ یاراں ہے

ebooksgallery.com

آنکھوں کو شفق آلودہ خوں، پلکوں کو گل افشاں رکھتے ہیں
ہم فکر سحر کی شمعوں سے، راتوں کو فروزاں رکھتے ہیں
ہم چاک گریباں میں اپنے، سو مہر درخشاں رکھتے ہیں
یاں رقص میں صبحیں رہتی ہیں، یہ محفل شب بیداراں ہے
یہ عید وصالِ یاراں ہے
وہ آئے یہاں جو رکھتا ہو مرنے کی تڑپ جینے کی لگن
وہ آئے جو سینے پر اپنے زخموں کا کھلا سکتا ہوں چمن
دنیا کی شہادت گاہ میں ہو جو اپنے لہو سے سرخ کفن
ہے چاکِ جگر کی شرط یہاں یہ حلقہ دل افگاراں ہے
یہ عید وصالِ یاراں ہے
یہ جشن بادہ گساراں ہے

ebooksgallery.com

مرے عزیزو مرے رفیقو

(سلطانہ نے ایک خط لکھا کہ یہ لوگ تمھاری کمیونزم سے خائف ہیں)

مرے عزیزو مرے رفیقو
مری کمیونزم سے ہو خائف
مری تمنا سے ڈر رہے ہو
مگر مجھے کچھ گلا نہیں ہے
تمھاری روحوں کی سادگی سے
تمھارے دل کی صنم گری سے

مجھے یہ محسوس ہو رہا ہے
کہ جیسے بیگانہ ہو ابھی تک
تم اپنے اندازِ دلبری سے
کہ جیسے واقف نہیں ابھی تک
ستمگروں کی ستمگری سے
فریب نے جن کے آدمی کو
حقیر و بزدل بنا دیا ہے
حقیقتوں کے مقابلے میں
فرار کرنا سکھا دیا ہے

ebooksgallery.com

تمہیں یہ جس دن پتہ چلے گا
حیات سب کچھ نہیں ہے
حیات حسن عشق نہیں ہے
یہ ایک تحفہ بھی کو شہ
ایک ترانہ پیام سے ہے
عاشقی عشق ہے یا حماقت
ملال و افسردہ تشنگی
عشق تو عشق تو ہے
تمہیں یہ جس دن پتہ چلے گا
تفصیل کسی کے پیچھے
تمہاری آنکھوں میں جل بجھیں گے
یہ تم نے کیسے سمجھ لیا ہے
کہ دل ہمارا عشق سے ہے عاری
مری نظر حسن سے ہے عاری
قریب آؤ تمہیں بتاؤں
مجھے محبت ہے آدمی سے
مجھے محبت ہے زندگی سے
مجھے محبت ہے مہ جبینوں
سے گل رخوں سے گل بدنوں سے
کتابوں سے، روشنی سے پھولوں
سے پنچھیوں سے تتلیوں سے

ebooksgallery.com

مری نگہ میں بسے ہوئے ہیں
ہزار اندازِ دلربائی
میں اپنے سینے کو چاک کر کے
اگر تمھیں اپنا دل دکھاؤں
تو تم کو ہر زخم کے چمن میں
ہزار۔ سرو رواں ملیں گے
اداس مغموم وادیوں میں
ہزارہا نغمہ خواں ملیں گے
ہزار عارض، ہزار شمعیں
ہزار قامت، ہزار غزلیں
سبک خراماں غزال جیسے
ہزار ارماں ہزار امیدیں
فلک پہ تاروں کے جال جیسے

مگر کوئی توڑے دے رہا ہے
لرزتی مژگاں کے نشتروں کو
دلوں کے اندر اتارتا ہے
کوئی سیاست کے خنجروں کو
کسی کے زہریلے تیز ناخن
عقاب کے پنجہ ہائے خونیں
کی طرح آنکھوں پہ آ رہے ہیں
گلاب سے تن مثالِ بسمل
زمین پر تلملا رہے ہیں

ebooksgallery.com

جو پیاس پانی کی منتظر تھی
وہ سولیوں پر ٹنگی ہوئی ہے
وہ بھوک روٹی جو مانگتی تھی
صلیب زر پہ چڑھی ہوئی ہے
یہ ظلم کیسا، ستم یہ کیا ہے
میں سوچتا ہوں یہ کیا جنوں ہے
جہاں میں نان جویں کی قیمت
کسی کی عصمت، کسی کا خوں ہے

تمھیں بتاؤ میرے عزیزو
میرے رفیقو، تمھیں بتاؤ
یہ زندگی پارہ پارہ کیوں ہے
ہماری پیاری حسیں زمیں پر
یہ قتل گہ کا نظارہ کیوں ہے
مجھے بتاؤ کہ آج کیسے
سیاہ بارود کی لکیریں
کٹیلے کابل، کجیلے سرے
کے بانکپن سے الجھ گئی ہیں
خزاں کے کانٹوں کی انگلیاں کیوں
ہر اک چمن سے الجھ گئی ہیں
مجھے بتاؤ لہو نے کیسے
حنا کے جادو کو دھو دیا ہے
حیات کے پیرہن کو انساں

ebooksgallery.com

کہ آنسوؤں نے بھگو دیا ہے
تم کہو تو مجھے بتاؤ
کہ سارے قصّوں سے کیوں ہیں روٹھے
تم کہو تو مجھے بتاؤ
کہ سارے کیوں چپ لگے ہیں جیسے

میرے عزیزو میرے رفیقو
مری محبت کے تمہیں ہے
یہ عہد حاضر کی آبرو ہے
مری محبت تمہی کو
حسن عطا کی آرزو ہے
یہ ایک مسلم جستجو ہے
تمہارے دل میں بھی غلبہ الٰہی
کوئی حسیں سال آرزو ہے
کوئی اچھی سچی صراحی
کوئی مہکتا ہوا سا سبزہ
تو کیا یہ مجھ کو مرے عزیزو
مرے رفیقو تو کیا یہ سچ ہے
تمہارے حصے میں کیا نہیں ہے
تمہاری ٹھوکر سے جاگ اٹھے گی
تمہارے قدموں میں جو زمیں ہے
بس ایک اتنی کمی ہے یارو
کہ جستجو پتا نہ تمہیں ہے

ebooksgallery.com

تمہاری آنکھوں میں نئی سب سب پتھ
تمہاری آنکھوں میں سب جہاں ہے
تمہاری پلکوں سے نیچے بھرتی
تمہاری پلکوں پہ آسماں ہے
تمہارے ہاتھوں کی جنبشوں میں
ہے جوئے رنگ بہار دیکھو
نہ دیکھو اس بیستون غم کو
تم اپنے تیشوں کی دھار دیکھو

تم اپنے تیشے اٹھا کے لاؤ
میں لے کے اپنی کدال نکلوں
ہزارہا سال کے مصائب
ہزارہا سال کے مظالم
جو روح و دل پر پہاڑ بن کر
ہزارہا سال سے دھرے ہیں
ہم اپنے تیشوں کی ضربِ کاری
سے ان کے سینوں کو چھید ڈالیں
یہ ہے صرف ایک شب کی محنت
جو عہد کر لیں تو، ہم سحر تک
حیات نو کے نئے اجنتا
نئے ایلورا تراش ڈالیں

اکتوبر 1956

ebooksgallery.com

نذرِ عقیدت

لیے سینے میں اپنے امنِ عالم کی مُراد آیا
دیارِ ہند سے ہیں سوئے استالن گراد [1] آیا
صدا دی والگا کی موج نے ختمِ مسافت پر
ادب سے پاؤں رکھنا اس زمینِ عزم و ہمت پر
بچھے ہیں خاک کے سینے پہ سینے سورماؤں کے
یہاں قدموں کے نیچے دل دھڑک اٹھتے ہیں ماؤں کے
بہاروں کی حفاظت کی ہے جاں دے کر جیالوں نے
لہو بو کر اگائی فصلِ گُل نازک خیالوں نے
یہاں سے جنگ کا اور موت کا سیلِ جنوں گزرا
یہاں سے سیلِ آہن، سیلِ آتش، سیلِ خوں گزرا
یہاں کی آندھیاں شعلہ بناتی ہیں شراروں کو
ہوائیں تیز کر دیتی ہیں تلواروں کی دھاروں کو
ہر اک ذرہ یہاں پیکر ہے جرأت آزمائی کا
یہاں ہے امتحاں سردار کی آتش نوائی کا
وفورِ اشک خوں میں کھو گیا جوشِ خطاب اپنا
ادب سے رکھ دیا گنجِ شہیداں پہ رباب اپنا

جولائی 1955

---

1. استالن گراد: اس شہر کا نام اب والگوگراد ہے۔

ebooksgallery.com

غزل

میں جہاں جاتا ہوں وہاں تک آؤ
میری نظروں سے گزر کر دل و جاں تک آؤ

پھر یہ دیکھو کہ زمانے کی ہوا ہے کیسی
ساتھ میرے مرے فردوس جواں تک آؤ

حوصلہ ہو تو اڑو میرے تصور کی طرح
میرے تخیل کے گلزار جناں تک آؤ

تیغ کی طرح چلو چھوڑ کے آغوش نیام
تیر کی طرح سے آغوش کماں تک آؤ

پھول کے گرد پھرو باغ میں مانند نسیم
مثل پروانہ کسی شمع تپاں تک آؤ

لو وہ صدیوں کے جہنم کی حدیں ختم ہوئیں
اب ہے فردوس ہی فردوس جہاں تک آؤ

چھوڑ کر وہم و گماں حسن یقیں تک پہنچو
پر یقیں سے بھی کبھی وہم و گماں تک آؤ

اسی دنیا میں دکھا دیں تمھیں جنت کی بہار
شیخ جی تم بھی ذرا کوئے بتاں تک آؤ

ebooksgallery.com

جامِ محبت

بزمِ احباب ہے پیمانۂ گلرنگ اٹھائیں
شکوۂ جور و جفا غرقِ مئے ناب کریں
بادۂ سرخ کے خورشیدِ درخشاں کو جگائیں
آج ہر ساغرِ بلّور کو مہتاب کریں
ایک ہی گھونٹ میں چہروں کے کنول کھل جائیں
رات کے سیلِ سیہ رنگ کو شاداب کریں
پیاس کے دستِ جگر تاب میں دل جلتا ہے
دوستو آؤ علاجِ دلِ بیتاب کریں
لطف تو جب ہے کہ ٹوٹے ہوئے دل جُڑ جائیں
آج اس طرح سے کچھ خاطرِ احباب کریں
چند جام اور ابھی روح کے تر ہونے تک
چند جام اور شبِ غم کی سحر ہونے تک

ebooksgallery.com

سو رنگ

اس محفلِ صد رنگ میں سو رنگ ہیں میرے
ہر رنگ میں رقصاں ہوں گلستانِ جہاں میں
خوشبو کی طرح کاکلِ پیچاں کی گلی میں
شعلے کی طرح انجمنِ شعلہ رخاں میں
شمشیر بکف لشکرِ اعدائے وطن میں
پیمانہ بکف محفلِ پیمانہ کشاں میں
تلوار کی آغوش میں فولاد کے مانند
تیشے کی طرح کارگہِ شیشہ گراں میں
نشتر کی طرح تیز دلِ اہلِ ہوس میں
مانند شرر گرم رگِ سنگِ گراں میں
کانٹے کی طرح دیدۂ اربابِ ستم میں
سرمے کی طرح چشمِ حسینانِ جہاں میں
خورشید جہاں تاب کا ساغر بھی پگھل جائے
وہ آتشِ سیال ہے پیمانۂ جاں میں
بت خانۂ عالم میں ہوں مصروفِ پرستش
جس طرح برہمن ہو کوئی کوئے بتاں میں

}{}{}{}{

ebooksgallery.com

غزل

لغزشِ گام لیے لغزشِ مستانہ لیے
آئے ہم بزم میں پھر جرأتِ رندانہ لیے
عشق پہلو میں ہے پھر جلوۂ جانانہ لیے
زلف اک ہاتھ میں، اک ہاتھ میں پیمانہ لیے
یاد کرتا تھا ہمیں ساقی و مینا کا ہجوم
اُٹھ گئے تھے جو کبھی رونقِ میخانہ لیے
وصل کی صبحِ شبِ ہجر کے بعد آئی ہے
آفتابِ رخِ محبوب کا نذرانہ لیے
عصرِ حاضر کو مبارک ہو نیا دورِ عوام
اپنی ٹھوکر میں سرِ شوکتِ شاہانہ لیے

}{}{}{}{

ebooksgallery.com

غزل

تخلیق پہ فطرت کی گزرتا ہے گماں اور
اس آدمِ خاکی نے بنایا ہے جہاں اور

یہ صبح ہے سورج کی سیاہی سے اندھیری
آئے گی ابھی ایک سحر مہر چکاں اور

بڑھنی ہے ابھی اور بھی مظلوم کی طاقت
گھٹنی ہے ابھی ظلم کی کچھ تاب وتواں اور

تر ہوگی زمیں اور ابھی خون بشر سے
روئے گا ابھی دیدۂ خونابہ فشاں اور

بڑھنے دو ذرا اور بھی کچھ دست طلب کو
بڑھ جائے گی دو چار شکن زلفِ بتاں اور

کرنا ہے ابھی خون جگر صرف بہاراں
کچھ دیر اٹھانا ہے ابھی ناز خزاں اور

ہم ہیں وہ بلاکش کہ مصائب سے جہاں کے
ہوجاتے ہیں شائستۂ غم ہائے جہاں اور

٭٭٭٭٭٭٭

ebooksgallery.com

غزل

کام اب کوئی نہ آئے گا بس اک دل کے سوا
راستے بند ہیں سب کوچۂ قاتل کے سوا

باعث رشک ہے تنہاروی رہروِ شوق
ہم سفر کوئی نہیں دوریٔ منزل کے سوا

ہم نے دنیا کی ہر اک شے سے اٹھایا دل کو
لیکن اس شوخ کے ہنگامۂ محفل کے سوا

تیغ منصف ہو جہاں، دار و رسن ہوں شاہد
بے گنہ کون ہے، اس شہر میں قاتل کے سوا

جانے کس رنگ سے آئی ہے گلستاں میں بہار
کوئی نغمہ ہی نہیں شورِ سلاسل کے سوا

ebooksgallery.com

غزل

کھلے ہیں مشرق و مغرب کی گود میں گلزار
مگر خزاں کو میسر نہیں یقین بہار
خبر نہیں ہے بتوں کے بنانے والوں کو
تمیز ہو تو مہ و، ، کہکشاں ہیں شکار
اسی سے تیغ نگہ آب دار ہوتی ہے
تجھے بتاؤں بڑی شے ہے جرأت انکار
کیے ہیں شوق نے پیدا ہزار ویرانے
اک آرزو نے بسائے ہیں لاکھ شہر دیار
نشاط صبح بہاراں تجھے نصیب نہیں
ترے نگہ میں ہے بیتی ہوئی شبوں کا خمار
فروخت ہوتی ہے انسانیت سی جنس گراں
جہاں کو پھونک نہ دے گی یہ گرمی بازار
یہی ہے زینت و آرائش عروس سخن
مگر فریب بھی دیتی ہے شوخی گفتار

1954

غزل

ظلم کی کچھ میعاد نہیں ہے
داد نہیں فریاد نہیں ہے
قتل ہوئے ہیں اب تک کتنے
کوئے ستم کو یاد نہیں ہے
آخر روئیں کس کو کس کو
کون ہے جو برباد نہیں ہے
قید، چمن بھی بن جاتا ہے
مُرغِ چمن آزاد نہیں ہے
لطف ہی کیا گر اپنے مقابل
سطوت برق و باد نہیں ہے
سب ہوں شاداں سب ہوں خنداں
تنہا کوئی شاد نہیں ہے
دعوتِ رنگ و نکہت ہے یہ
خندۂ گل برباد نہیں ہے

ebooksgallery.com

غزل

ہم جو محفل میں تری سینہ فگار آتے ہیں
رنگ بر دوش ، گلستاں بہ کنار آتے ہیں
چاک دل ، چاک جگر چاک گریباں والے
مثلِ گل آتے ہیں، مانند بہار آتے ہیں
کوئی معشوق سزاوارِ غزل ہے شاید
ہم غزل لے کے سوئے شہرِ نگار آتے ہیں
کیا وہاں کوئی دل و جاں کا طلبگار نہیں
جا کے ہم کو چۂ قاتل میں پکار آتے ہیں
قافلے شوق کے رکتے نہیں دیواروں سے
سینکڑوں محبس و زنداں کے دیار آتے ہیں
منزلیں دوڑ کے رہرو کے قدم لیتی ہیں
بوسۂ پا کے لیے راہ گذار آتے ہیں
خود کبھی موج و تلاطم سے نہ نکلے باہر
پار جو سارے زمانے کو اتار آتے ہیں
کم ہو کیوں ابروئے قاتل کی کمانوں کا کھنچاؤ
جب سرِ تیرِ ستم آپ شکار آتے ہیں

}{}{}{}{

ebooksgallery.com

غزل

کتنی آشاؤں کی لاشیں سوکھیں دل کے آنگن میں
کتنے سورج ڈوب گئے ہیں چہروں کے پیلے پن میں

بچوں کے میٹھے ہونٹوں پر پیاس کی سوکھی ریت جمی
دودھ کی دھاریں گائے کے تھن سے گر گئیں ناگوں کے پھن میں

ریگستانوں میں جلتے ہیں پڑے ہوئے سو نقش قدم پر
آج خراماں کوئی نہیں ہے امیدوں کے گلشن میں

چکناچور ہوا خوابوں کا دلکش، دلچسپ آئینہ
ٹیڑی ترچھی تصویریں ہیں ٹوٹے پھوٹے درپن میں

پائے جنوں میں پڑی ہوئی ہیں حرص و ہوا کی زنجیریں
قید ہے اب تک ہاتھ سحر کا تاریکی کے کنگن میں

آنکھوں کی کچھ نورس کلیاں نیم شگفتہ غنچۂ لب
کیسے کیسے پھول بھرے ہیں گلچینوں کے دامن میں

دستِ غیب کی طرح چھپا ہے ظلم کا ہاتھ ستم کا وار
خشک لہو کی بارش دیکھی ہم نے کوچہ و برزن میں

}{}{}{

ebooksgallery.com

غزل

یاد آتے ہیں عہدِ جنوں کے کھوئے ہوئے دلدار بہت
ان سے دور بسائی بستی، جن سے ہمیں تھا پیار بہت

ایک اک کر کے کھلی تھیں کلیاں ایک اک کر کے پھول گئے
ایک اک کر کے ہم سے بچھڑے باغِ جہاں میں یار بہت

حسن کے جلوے عام ہیں لیکن ذوقِ نظارہ عام نہیں
عشق بہت مشکل ہے لیکن عشق کے دعوے دار بہت

زخم ہو یا کھلتی کلیاں، ہاتھ مگر گلدستہ ہے
باغِ وفا سے ہم نے چنے ہیں پھول بہت اور خار بہت

جو بھی ملا ہے لے آئے ہیں داغِ دل یا داغِ جگر
وادی وادی منزل منزل بھٹکے ہیں سردار بہت

ebooksgallery.com

لمحوں کے چراغ

وہ نیند کی طرح نرم سبزہ
خوابوں کی طرح رمیدہ شبنم
پھولوں کی طرح شگفتہ چہرے
خوشبو کی طرح لطیف باتیں
کرنوں کی طرح جواں تبسم
شعلے کی طرح دہکتی خواہش
تاروں کی طرح چمکتی آغوش
ساغر کی طرح چھلکتے سینے
سب قافلۂ عدم کے راہی
وادیٔ عدم میں چل رہے ہیں
تاریکیوں کے کھلے ہیں پرچم
لمحوں کے چراغ جل رہے ہیں
ہر لمحہ حسیں اور جواں ہے
ہر لمحہ فروغ جسم و جاں ہے
ہر لمحہ عظیم و جاوداں ہے

ebooksgallery.com

یہ زندگی ہے

یہ زندگی ہے طویل کتنی
یہ زندگی کتنی مختصر ہے
کبھی شبِ ہجر ہے کبھی یہ
وصالِ محبوب کی سحر ہے
کبھی خزاں کی طویل گھڑیوں
میں انتظارِ بہار جیسے
کبھی مسرت کے ایک لمحے
میں جنبشِ چشمِ یار جیسے
کبھی روش ہے چمن کی لیکن
کبھی یہ صحرا کی رہگزر ہے
یہ زندگی ہے طویل کتنی
یہ زندگی کتنی مختصر ہے

ebooksgallery.com

حسین تر

کل ایک تو ہوگی اور اک میں
کوئی رقیب رفیق صورت
کوئی رفیق رقیب ساماں
مرے ترے درمیاں نہ ہوگا

ہماری عمر رواں کی شبنم
تری سیہ کاکلوں کی راتوں
میں تار چاندی کے گوندھ دے گی
ترے حسیں عارضوں کے رنگیں
گلاب بیلے کے پھول ہوں گے
شفق کا ہر رنگ غرق ہو گا
لطیف • پر کیف چاندنی میں
تری کتابِ رخِ جواں پر
کہ جو غزل کی کتاب ہے اب
زمانہ لکھے گا اک کہانی
اور ان گنت جھریوں کے اندر
مری محبت کے سارے بوسے
ہزار لب بن کے ہنس پڑیں گے

ebooksgallery.com

ہم اپنی بیتی ہوئی شبوں کی
سلونی پرچھائیوں کو لے کر
ہم اپنے عہد طرب کی شام و
سحر کی رعنائیوں کو لے کر
پرانی یادوں کے جسم عریاں
کے واسطے پیرہن بنیں گے

پھر ایک تو ہوگی اور اک میں
کوئی رقیب رفیق صورت
کوئی رفیق رقیب ساماں
مرے ترے درمیاں نہ ہوگا
ہوس کی نظروں کو تیرے رخ پہ
جمال نو کا گماں نہ ہوگا
فقط مری حسن آزمودہ
نظر یہ تجھ کو بتا سکے گی
کہ تیری پیری کا حسن تیرے
شباب سے بھی حسین تر ہے

ebooksgallery.com

میرا سفر

'ہمچو سبزہ بارہا روئیدہ ایم'

(رومی)

پھر اک دن ایسا آئے گا
آنکھوں کے دیئے بجھ جائیں گے
ہاتھوں کے کنول کمھلائیں گے
اور برگِ زباں سے نطق و صدا
کی ہر تتلی اڑ جائے گی
اک کالے سمندر کی تہہ میں
کلیوں کی طرح سے کھلتی ہوئی
پھولوں کی طرح سے ہنستی ہوئی
ساری شکلیں کھو جائیں گی
خوں کی گردش، دل کی دھڑکن
سب راگنیاں سو جائیں گی
اور نیلی فضا کی مخمل پر
ہنستی ہوئی ہیرے کی یہ کنی
یہ میری جنت میری زمیں
اس کی صبحیں اس کی شامیں
بے جانے ہوئے بے سمجھے ہوئے

ebooksgallery.com

اک مشتِ غبارِ انساں پر
شبنم کی طرح رو جائیں گی
ہر چیز بھلا دی جائے گی
یادوں کے حسیں بت خانے سے
ہر چیز اٹھا دی جائے گی
پھر کوئی نہیں یہ پوچھے گا
سردار کہاں ہے محفل میں

لیکن میں یہاں پھر آؤں گا
بچوں کے دہن سے بولوں گا
چڑیوں کی زباں سے گاؤں گا
جب بیج ہنسیں گے دھرتی میں
اور کونپلیں اپنی انگلی سے
مٹی کی تہوں کو چھیڑیں گی
میں پتی پتی، کلی کلی
اپنی آنکھیں پھر کھولوں گا
سر سبز ہتھیلی پر لے کر
شبنم کے قطرے تولوں گا
میں رنگِ حنا، آہنگ غزل
اندازِ سخن بن جاؤں گا
رخسارِ عروسِ نو کی طرح
ہر آنچل سے چھن جاؤں گا
جاڑوں کی ہوائیں دامن میں
جب فصلِ خزاں کو لائیں گی
رہرو کے جواں قدموں کے تلے

ebooksgallery.com

سوکھے ہوئے پتوں سے میرے
ہنسنے کی صدائیں آئیں گی
دھرتی کی سنہری سب ندیاں
آکاش کی نیلی سب جھیلیں
ہستی سے مری بھر جائیں گی
اور سارا زمانہ دیکھے گا
ہر قصہ مرا افسانہ ہے
ہر عاشق ہے سردار یہاں
ہر معشوقہ سلطانہ ہے

میں ایک گریزاں لمحہ ہوں
ایام کے افسوں خانے میں
میں ایک تڑپتا قطرہ ہوں
مصروف سفر جو رہتا ہے
ماضی کی صراحی کے دل سے
مستقبل کے پیمانے میں
میں سوتا ہوں اور جاگتا ہوں
اور جاگ کے پھر سو جاتا ہوں
صدیوں کا پرانا کھیل ہوں میں
میں مر کے امر ہو جاتا ہوں

1956

ebooksgallery.com

کوچۂ چاک گریباں

دلِ وحشی کو دیا دستِ جنوں نے مژدہ
کوچۂ چاک گریباں میں بہار آئی ہے
آج دیوانوں کو ہر چیز میسّر ہو گی
درد کی شمع، تصوّر کا پری خانہ بھی
اور تمناؤں کی گل چہرہ کنیزوں کا ہجوم
زخمِ سر، زخمِ جگر اب بہت ارزاں ہوں گے
وحشتِ دل کے لیے دشت و بیاباں ہوں گے
راہ میں دار ورسن محبس وزنداں ہوں گے
کوچۂ یار میں مر رہنے کے ساماں ہوں گے
کوچۂ چاک گریباں میں بہار آئی ہے

}{}{}{}{

ebooksgallery.com

ایک بات

اس پہ بھولے ہو کہ ہر دل کو کچل ڈالا ہے
اس پہ بھولے ہو کہ ہر گل کو مسل ڈالا ہے
اور ہر گوشۂ گلزار میں سناٹا ہے

کسی سینے میں مگر ایک فغاں تو ہو گی
آج وہ کچھ نہ سہی کل کو جواں تو ہو گی

وہ جواں ہو کے اگر شعلۂ جوالہ بنی
وہ جواں ہو کے اگر آتش صد سالہ بنی
خود ہی سوچو کہ ستم گاروں پہ کیا گزرے گی

}{}{}{}{

ebooksgallery.com

نِوالا

ماں ہے ریشم کے کارخانے میں
باپ مصروف سوتی مل میں ہے
کوکھ سے ماں کی جب سے نکلا ہے
بچہ کھولی کے کالے دل میں ہے
جب یہاں سے نکل کے جائے گا
کارخانوں کے کام آئے گا
اپنے مجبور پیٹ کی خاطر
بھوک سرمائے کی بڑھائے گا
ہاتھ سونے کے پھول اگلیں گے
جسم چاندی کا دھن لٹائے گا
کھڑکیاں ہوں گی بینک کی روشن
خون اس کا دیئے جلائے گا
یہ جو ننھا ہے بھولا بھالا ہے
صرف سرمائے کا نوالا ہے
پوچھتی ہے یہ اس کی خاموشی
کوئی مجھ کو بچانے والا ہے

ebooksgallery.com

دو چراغ

تیرگی کے سیاہ غاروں سے
شہپروں کی صدائیں آتی ہیں
لے کے جھوکوں کی تیز تلواریں
ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں آتی ہیں
برف نے جن پہ دھار رکھی ہے

ایک میلی دکان تیرہ و تار
اک چراغ اور ایک دوشیزہ
یہ بجھی سی ہے وہ اداس سا ہے
دونوں جاڑوں کی لمبی راتوں میں
تیرگی اور ہوا سے لڑتے ہیں

تیرگی اٹھ رہی ہے میداں سے
فوج در فوج بادلوں کی طرح
اور ہواؤں کے ہاتھ ہیں گستاخ
توڑے لیتے ہیں ننھے شعلے کو
نوچے لیتے ہیں میلے آنچل کو

ebooksgallery.com

لڑکی رہ رہ کے جسم ڈھانپتی ہے
شعلہ رہ رہ کے تھرتھراتا ہے
ننگی بوڑھی زمین کانپتی ہے

تیرگی اب سیہ سمندر ہے
اور ہوا ہو گئی ہے دیوانی
یا تو دونوں چراغ گل ہوں گے
یا کریں گے وہ شعلہ افشانی
پھونک ڈالیں گے تیرگی کی متاع

پر مجھے اعتماد ہے ان پر
گو غریب اور بے زبان سے ہیں
دونوں ہیں آگ دونوں ہیں شعلہ
دونوں بجلی کے خاندان سے ہیں

ebooksgallery.com

دردِ عشق

(ایک پرانی تصویر دیکھ کر)

نثار تیری خموشی کے اے نگارِ جواں
نگارِ شعلہ طراز و نگارِ نغمہ نواز
نگاہیں دیکھ رہی ہیں مری طرف اب بھی
مگر شگفتہ نہیں غنچۂ لب و آواز
خبر نہیں کہ تجھے بھی ہے کچھ خبر اس کی
کہ بجتے رہتے ہیں پھر بھی جو ٹوٹ جاتے ہیں ساز
بھٹکتی رہتی ہے اکثر شکستِ دل کی صدا
تڑپتی رہتی ہے سینے میں آرزوئے نیاز
بہارِ عشقِ جواں مرگ صورتِ گلِ نو
مثالِ خار مگر عمرِ دردِ عشق دراز

ebooksgallery.com

اہل درد

کوئی مقام نہیں اہل درد کے قابل
کوئی بہشت نہیں اہلِ آرزو کے لیے
تمام صحن چمن مقتلِ تمنا ہے
کفن لہو کا ملا ذوقِ جستجو کے لیے
ہوئے شکار کبھی تیغِ دوست کی خاطر
ہدف بنے ہیں کبھی ناوکِ عدو کے لیے
لیا ہے ہنس کے کبھی سنگِ محتسب سر پر
سپر ہوئے ہیں کبھی ساغرو سبو کے لیے
کبھی مثال نسیمِ بہار آوارہ
کسی خیال کے گیسوئے مشک بو کے لیے
نشیبِ خاک کبھی شوقِ خاکساری میں
فرازِ دار کبھی عظمتِ گلو کے لیے
وفائے عشق سے کوئی خفا نہیں لیکن
بس ایک تیغ کہ پیاسی ہے جو لہو کے لیے
اب آج پھرتے ہیں بے آبرو تو غم کیا ہے
وطن عزیز وطن تیری آبرو کے لیے

ebooksgallery.com

دو شعر

ہر منزل اک منزل ہے نئی اور آخری منزل کوئی نہیں
اک سیلِ روانِ درد حیات اور درد کا ساحل کوئی نہیں

ہر گام پہ خوں کے طوفاں ہیں، ہر موڑ پہ بسمل رقصاں ہیں
ہر لحظہ ہے قتلِ عام مگر کہتے ہیں کہ قاتل کوئی نہیں

دو شعر

یہ نہ پوچھ تیری جفاؤں کے جو ہوئے شکار کہاں گئے
ترے کوچے ہی میں وہ دفن ہیں وہ وفا شعار کہاں گئے

کبھی دیکھا لکھنؤ دیس میں، کبھی ڈھونڈا دتی دیار میں
جنھیں کج ادائیاں آتی تھیں وہ ہمارے یار کہاں گئے

ebooksgallery.com

دو شعر

شوق کی راہ میں گل اور کبھی خار ملے
ہم کو ہر طرح کے ہر رنگ کے دلدار ملے

دھوم تھی شہر زلیخا کے شبستانوں کی
کتنے یوسف تھے کہ رسوا سرِ بازار ملے

دو شعر

عشق پابندیٔ آداب سے چھوٹا تو سہی
حاصلِ عمر ہے اک لغزشِ پا اے ساقی

اس اندھیرے میں کہ ملتی نہیں انسان کو راہ
صرف تابندہ ہے شاعر کی نوا اے ساقی

ebooksgallery.com

غزل

خزاں ہے چار دن کی پھر بہاراں
چمن، محبوب، جشنِ مے گساراں
کڑی ہے زندگی کی دھوپ لیکن
ہری شاخِ نہالِ یاد یاراں
مبارک سُرمۂ مژگانِ خوباں
سلامت دشنۂ چشمِ نگاراں
خوشا معشوقیِ عاشق نوازاں
زہے محبوبیِ یزداں شکاراں
وہ شامِ شوخیِ شعلہ فروشاں
وہ صبحِ جلوۂ آتش عذاراں
یہ فصلِ نعرہ ہائے انقلابی
یہی ہے موسمِ صورت ہزاراں
فضائیں دیر سے ہیں ابر آلود
کہاں ہے کاروانِ برق و باراں

ebooksgallery.com

تین شعر

خونِ دل ہے تو رواں رنگِ بہاراں نہ سہی
نالۂ غم ہے جواں، صوتِ ہزاراں نہ سہی

رشتۂ درد تو ہے رشک و حسد کی صورت
میری قسمت میں نہیں الفتِ یاراں نہ سہی

دل کی تسکیں کے لیے کم نہیں سامانِ نشاط
شبِ مہتاب سہی، صبحِ بہاراں نہ سہی

ebooksgallery.com

غزل

شبوں کی، زلف کی، روئے سحر کی خیر مناؤ
نگارِ شمس عروسِ قمر کی خیر مناؤ

سپاہِ دشمنِ انسانیت قریب آئی
دیارِ حسن سرِ رہ گزر کی خیر مناؤ

ابھی تو اوروں کے دیوار و در پہ یورش تھی
اب اپنے سایۂ دیوار و در کی خیر مناؤ

چلی ہے آتش و آہن کے دل سے بادِ سموم
چمن کے جلوۂ گلہائے تر کی خیر مناؤ

گزر نہ جائے کہیں بحر و بر سے خون کی دھار
فروغِ شبنم و آب و گہر کی خیر مناؤ

یہ نفع خوروں کی دانش فروش دنیا ہے
متاعِ علم کی، جنسِ ہنر کی خیر مناؤ

مرے لیے ہے مری مفلسی و ناپاکی
تم اپنی پاکیٔ قلب و نظر کی خیر مناؤ

☆☆☆☆☆☆☆☆

ebooksgallery.com

تخلیق کا کرب

ابھی ابھی مری بے خوابیوں نے دیکھی ہے
فضائے شب میں ستاروں کی آخری پرواز
خبر نہیں کہ اندھیرے کے دل کی دھڑکن ہے
کہ آ رہی ہے اجالوں کے پاؤں کی آواز
بتاؤں کیا تجھے نغموں کے کرب کا عالم
لہو لہان ہوا جا رہا ہے سینۂ ساز

☆☆☆☆☆☆☆☆

دو شعر

برگ خشک و زرد بھی ہے گلستاں کو سازگار
ہے خزاں آئینہ دارِ حسنِ تجدیدِ بہار
ہے ہمیشہ سے یہی افسانۂ پست و بلند
حرفِ باطل زیبِ ممبر، حرفِ حق بالائے دار

☆☆☆☆☆☆☆☆

ebooksgallery.com

دو شعر

تمام رات اندھیرے کا جسم جلتا رہا
تمام رات چٹختا رہا سیاہ بلور

تمام رات ستاروں کی طرح پلکوں پر
لرزتے اشک سناتے رہے حکایت نور

دو شعر

کسی حسیں نہ کسی دلربا کی بات کرو
کرو تو اس بتِ کافر ادا کی بات کرو

شکست وعدۂ محبوب سے اداس ہو کیوں
پھر ایک وعدۂ صبر آزما کی بات کرو

ebooksgallery.com

دو شعر

پسند کیوں قاتلوں کو آئیں ہمارے زخمِ بدن کی باتیں
سناؤ پھولوں کا ذکر ان کو، کرو چھوا ان سے چمن کی باتیں

حسین ہے آرزو تو اے دل حسین ہو حرفِ آرزو بھی
کریں گے اس یارِ سرو قد سے ہم آج سرو سمن کی باتیں

تین شعر

یہ بوئے گل ہے کہ ہے بوئے پیرہن تیری
ہری بھری رہے اے دوست انجمن تیری

تمام سینۂ سحر ہے تمام روحِ شفق
کہ دل سے پھوٹ رہی ہے مرے کرن تیری

مری نظر کا ہے جادو کہ تیرے حسن کا سحر
بہار پھیل گئی ہے چمن چمن تیری

ebooksgallery.com

سلام

مری وفا کی طرف سے چلی ہے لے کے صبا
مرے حبیب تری دلنوازیوں کو سلام
تری نگاہِ محبت سے دل کی وادی میں
کیا ہے آ کے بہاروں کے قافلوں نے قیام
چھلکتے ہیں مری یادوں کے میکدے میں ابھی
وہ تیرے پیار کے ساغر ترے شباب کے جام
افق پہ میرے تصور کے کانپتا ہے ابھی
نیاز و ناز کی مہتی شبوں کا ماہِ تمام
دمکتی ہے میرے سینے پہ تیرے رخ کی سحر
مہکتی ہے مرے شانوں پہ تیری زلف کی شام
سرورِ عشق کی پابندیوں کا ضامن ہے
دل و جگر پہ تری دلبری کا نقشِ دوام
ترا خیال کچھ اس طرح دل میں آتا ہے
کہ جیسے ساز کے تاروں پہ راگنی کا خرام
کہ جیسے غنچۂ نورس پہ قطرۂ شبنم
کہ جیسے سینۂ شاعر پہ بارشِ الہام
کہ جیسے سرخ لبوں پر کرن تبسم کی

ebooksgallery.com

اے جبینِ دیدۂ پرنم میں عشق کا پیغام
جو تو نہیں تھی تو اک دردِ بے دوا تھی حیات
ترے بغیر محبت کی زندگی تھی حرام
تو مل گئی ہے تو آساں ہیں زیست کی راہیں
سبک سبک سی ہے کچھ آج گردشِ ایام

جنوری 1954

قطعہ

حسن تیرا کبھی گل اور کبھی مہتاب ہوا
کبھی آئینہ کبھی مہر جہاں تاب ہوا
دل بیتاب مرا ریگ رواں کی صورت
تیرے دیدار کی شبنم سے نہ سیراب ہوا

ebooksgallery.com

تین شعر

کنارِ شوق میں تو اور ویراں ہے کنار اپنا
ترے ہونٹوں سے پی کے بڑھ گیا رنجِ خمار اپنا

جنھیں اپنا سمجھ کر ہم تھے نازاں وہ بھی کیا نکلے
نہ باقی احترام ان کا نہ باقی اعتبار اپنا

طلوعِ آدمیت ہے بہت آہستہ آہستہ
ابھی انسان کو کرنا ہے صدیوں انتظار اپنا

تین شعر

جنونِ زلف معنبر نہیں تو کچھ بھی نہیں
دماغِ عقل معطر نہیں تو کچھ بھی نہیں 1

بہت حسین سہی زندگی کا بت خانہ
نگاہِ شوق صنم گر نہیں تو کچھ بھی نہیں

جوابِ تلخ لبِ یار ہو کہ بوسۂ یار
اگر وہ قندِ مقرر نہیں تو کچھ بھی نہیں

1. بہ این لطیفہ دماغ خرد معطر کن (حافظ شیرازی)

ebooksgallery.com

دو شعر

دل ترے لیے ہے پھر، زخمِ تازہ کی سوغات
آج ظلم پر اپنے، پھر کوئی پشیماں ہے

کیا عجب سحر تک خود آفتاب بن جائے
اک چراغ پلکوں پر شام سے فروزاں ہے

قطعہ

ہوائے صبحِ مشرق جاگ اٹھی ہے
چمن میں آتشِ گل تیز تر ہے
نگارِ ایشیا ہے گل بداماں
کہ عیدِ شعلہ و جشنِ شرر ہے

ebooksgallery.com

پانچ شعر

جس سے پہچان لیا کرتے تھے دشمن کو کبھی
آپ کا بھی تو کچھ انداز عنایت ہے وہی

یہ فقط طرز ادا، رنگ قبا کا ہے فریب
قد ستم کا ہے وہی، ظلم کا قامت ہے وہی

قصر ، ایواں میں نیا جشن ہو یہ ممکن ہے
رہگزاروں میں مگر شورِ قیامت ہے وہی

آ کے منزل پہ بھی ملتا نہیں منزل کا سراغ
اپنی گم کردہ رہی ان کی قیادت ہے وہی

گر یہی آپ کا اندازِ ستم رانی ہے
میرے اشعار میں تبلیغِ بغاوت ہے وہی

ebooksgallery.com

آباد ویرانے

اجنبی لگتے ہیں چھ شہروں کے ایوانوں میں ہم
کتنے آوارہ ہیں ان آباد ویرانوں میں ہم
پیاس کی شدت سے جب گھبرا کے چیخ اٹھتی ہے روح
بجلیاں حل کر کے پی جاتے ہیں پیمانوں میں ہم
اس دیارِ بیکسی میں زندگی ممکن نہیں
ہاں مگر زندہ رہیں گے غم کے افسانوں میں ہم
بوئے آدم، بوئے گل، بوئے وفا ملتی نہیں
گھوم آئے ہیں ترے شبستانوں میں ہم
آہ یہ جنسِ فراواں کس قدر نایاب ہے
ڈھونڈتے پھرتے ہیں انسانوں کو انسانوں میں ہم

ebooksgallery.com

مرے خواب

پھر مرے خواب تصور کے جواں شہزادے
مستیِ شوق کی گلرنگ قبائیں پہنے
بزمِ امروز میں پیمانہ بکف آئے ہیں
پوچھتے ہیں کوئی پیاسا تو نہیں محفل میں
کوئی جھونکا تو سرِ راہ نہیں سوتا ہے
موج مے کس نے چھپا رکھی ہے میخانوں میں
بجلیاں کس نے دبا رکھی ہیں پیمانوں میں
ساقی خاموش ہے اور پیرِ مغاں شرمندہ

ebooksgallery.com

ایک پھول

میں دیکھ چکا ہوں سب بہاریں
بیٹھا ہوں گلوں کی انجمن میں
کتنی ہے لطافت اور نزاکت
بیلے کی کلی کے کنوارے پن میں
کیا رنگ کنول کے ہے لبوں پر
کیا رس ہے گلاب کے دہن میں
چمپا کے بدن میں ہے جو خوشبو
ملتی نہیں حور کے بدن میں
اک پھول ہے تو بھی شوخ و شاداب
ریشم کے لرزتے پیرہن میں
لیکن ہے تری ادا ہی کچھ اور
کچھ اور ہے تیرے بانکپن میں
شرمندہ ہیں دختران گلزار
گلزار ہے ایسا تیرے تن میں
جو نکہت و رنگ میں ہو تجھ سا
اک پھول بھی تو نہیں چمن میں
پھولوں کی بہشت باغ میں ہے
اور تیری بہشت میرے من میں
یہ عمر شگوفہ کار تیری
راس آئے تجھے بہار تیری

ebooksgallery.com

قطعہ

عطا ہوئی ہے مرے دل کی سلطنت تجھ کو
حریم جاں میں اتر شمع دلبری لے کر
گزر وفا کے شبستان رنگ و نکہت میں
مزاج آدمی و شیوۂ پری لے کر

ترے پیار کا نام

دل پہ جب ہوتی ہے یادوں کی سنہری بارش
سارے بیتے ہوئے لمحوں کے کنول کھلتے ہیں
پھیل جاتی ہے ترے حرفِ وفا کی خوشبو
کوئی کہتا ہے مگر روح کی گہرائی سے
شدتِ تشنہ لبی بھی ہے ترے پیار کا نام

ebooksgallery.com

جب ترا نام لیا

جب ترا نام لیا دل نے، تو دل سے میرے
جگمگاتی ہوئی کچھ جھلمل سی راتیں نکلیں
اپنی پلکوں پہ سجائے ہوئے اشکوں کے چراغ
سر جھکائے ہوئے کچھ ہجر کی شامیں گزریں
قافلے کتنے گئے پھر درد کے صحراؤں میں
درد جو تیری طرح نور بھی ہے نار بھی ہے
دشمن جاں بھی ہے، محبوب بھی، دلدار بھی ہے

ebooksgallery.com

درد اک چاند ہے

درد اک چاند ہے
ہوتا ہے جو سینے میں طلوع
غم ہے اک نشترِ نور
جو دل و جاں کے اندھیرے میں اتر جاتا ہے

☆☆☆☆☆☆☆☆

غم کا ہیرا

غم کا ہیرا
دل میں رکھو
کس کو دکھاتے پھرتے ہو
یہ چوروں کی دنیا ہے

☆☆☆☆☆☆☆☆

ebooksgallery.com

اجنبی آنکھیں

ہماری شامیں ان میں ڈوبیں
ہماری راتیں ان میں کھوئیں
ہمارے ایاغ ان میں ٹوٹے
ہماری مے
غرق ان آنکھوں میں ہے
دیکھتی ہیں وہ مجھے لیکن بہت بیگانہ وار

شعلہ لبی

یہ مری شعلہ لبی
تشنہ لبی کی تکمیل
اور تری شعلہ لبی
آتش سیال کا جام
کر دیا جس نے حریف لب پیمانہ مجھے

ebooksgallery.com

پیاس بھی ایک سمندر ہے

پیاس بھی ایک سمندر ہے سمندر کی طرح
جس میں ہر درد کی دھار
جس میں ہر غم کی ندی ملتی ہے
اور ہر موج
لپکتی ہے کسی چاند سے چہرے کی طرف

شعلہ و شبنم

شعلہ ہے ایک نظر ایک نظر ہے شبنم
ایک آئینۂ صد رنگ تمہارا عالم
کبھی دلدار ہو تم اور کبھی پتھر کے صنم
تم ہی قاتل ہو مرے تم ہی مسیحا میرے

ebooksgallery.com

یاقوت لبی

کون دے سکتا ہے یاقوت لبی کی قیمت
کون کر سکتا ہے قرضِ نگہ یار ادا
دونوں عالم ہیں ترے ایک تبسم کا خراج

چاند کو رخصت کر دو

میرے دروازے سے اب چاند کو رخصت کر دو
ساتھ آیا ہے تمھارے جو تمھارے گھر سے
اپنے ماتھے سے ہٹا دو یہ چمکتا ہوا تاج
پھینک دو جسم سے کرنوں کا سنہری زیور
تم ہی تنہا مرے غم خانے میں آ سکتی ہو
ایک مدت سے تمھارے ہی لیے رکھا ہے
میرے جلتے ہوئے سینے کا دمکتا ہوا چاند
دل خوں گشتہ کا ہنستا ہوا خوش رنگ گلاب

ebooksgallery.com

آرزو کے صنم خانے

میں نے جانا تھا کہ اب کچھ بھی نہیں ہے باقی
شکوۂ جور و جفا، شکریۂ لطف و کرم
لب ہیں پیمانے، نہ اندازِ نظر ہے ساقی
مٹ گئی کاہشِ جاں، ختم ہوئی لذتِ غم

یک بیک پھر وہی مدہوش ہوائیں آئیں
کھیلتی رہتی تھیں جو گیسوئے جاناں کے قریب
یک بیک جاگ اٹھے عشق کے خوابیدہ نصیب

آئی پھر خنکیِ گل، شعلۂ رخسار کی آنچ
شامِ گیسو کی مہک، صبحِ بدن کی خوشبو
آئے پھر رقص کناں دشتِ وفا کے آہو
ایک اک کر کے پلٹ آئے گریزاں لمحے
ایک اک کر کے ہوئے سارے ستارے روشن
وہی ہاتھوں کی تمنا وہی رنگیں دامن

ebooksgallery.com

دل نے چھیڑی ہے کسی شوق ملاقات کی بات
گائے آنکھوں نے نئی ساعت دیدار کے گیت
پھر وہی عشق کی ہار اور وہی حسن کی جیت
پھر وہی کاوش جاں اور وہی لذت غم
شکوۂ جور و جفا شکریۂ لطف و کرم

میں نے جانا تھا کہ اب کچھ بھی نہیں ہے باقی
آرزو ہے کہ صنم خانے سجا لائی ہے
دل میں سوئی ہوئی یادوں کو جگا لائی ہے

ebooksgallery.com

تم نہیں آئے تھے جب

تم نہیں آئے تھے جب، تب بھی تو موجود تھے تم
آنکھ میں نور کی اور دل میں لہو کی صورت
درد کی لو کی طرح، پیار کی خوشبو کی طرح
بے وفا وعدوں کی دلداری کا انداز لیے

تم نہیں آئے تھے جب، تب بھی تو تم آئے تھے
رات کے سینے میں مہتاب کے خنجر کی طرح
صبح کے ہاتھ میں خورشید کے ساغر کی طرح
شاخِ خوں رنگِ تمنا میں گلِ تر کی طرح

تم نہیں آؤ گے جب، تب بھی تو تم آؤ گے
یاد کی طرح، دھڑکتے ہوئے دل کی صورت
غم کے پیمانۂ سرشار کو چھلکاتے ہوئے
برگ ہائے لب و رخسار کو مہکاتے ہوئے
دل کے بجھتے ہوئے انگارے کو دہکاتے ہوئے
زلف در زلف بکھر جائے گا پھر رات کا رنگ
شب تنہائی میں بھی لطفِ ملاقات کا رنگ

ebooksgallery.com

روز لائے گی صبا کوئے صباحت سے پیام
روز گائے گی سحر تہنیتِ جشن فراق

آؤ آنے کی کریں بات کہ تم آئے ہو
اب تم آئے ہو تو میں کون سی شے نذر کروں
کہ مرے پاس بجز مہر ووفا کچھ بھی نہیں
ایک خوں گشتہ تمنا کے سوا کچھ بھی نہیں

ebooksgallery.com

تو مجھے اتنے پیار سے مت دیکھ

تو مجھے اتنے پیار سے مت دیکھ
تیری پلکوں کے نرم سائے میں
دھوپ بھی چاندنی سی لگتی ہے
اور مجھے کتنی دور جانا ہے
ریت ہے گرم، پاؤں کے چھالے
یوں دہکتے ہیں جیسے انگارے
پیار کی یہ نظر رہے نہ رہے
کون دشتِ وفا میں جلتا ہے
تیرے دل کو خبر رہے نہ رہے
تو مجھے اتنے پیار سے مت دیکھ

ebooksgallery.com

بہت قریب ہو تم

بہت قریب ہو تم، پھر بھی مجھ سے کتنی دور
کہ دل کہیں ہے، نظر ہے کہیں، کہیں تم ہو
وہ جس کو پی نہ سکی میری شعلہ آشامی
وہ کوزۂ شکر و جامِ انگبیں تم ہو

مرے مزاج میں آشفتگی صبا کی ہے
ملی کلی کی ادا، گل کی تمکنت تم کو
صبا کی گود میں، پھر بھی صبا سے بیگانہ
تمام حسن و حقیقت، تمام افسانہ

وفا بھی جس پہ ہے نازاں وہ بے وفا تم ہو
جو کھو گئی ہے مرے دل کی وہ صدا تم ہو
بہت قریب ہو تم، پھر بھی مجھ سے کتنی دور
حجابِ جسم ابھی ہے، حجابِ روح ابھی
ابھی منزلِ صد مہر و ماہ باقی ہے
حجاب فاصلہ ہائے نگاہ باقی ہے
وصالِ یار ابھی تک ہے آرزو کا فریب

ebooksgallery.com

تمہارے ہاتھ

تمہارے نرم حسیں، دل نواز ہاتھ نہیں
مہک رہے ہیں مرے ہاتھ میں بہار کے ہاتھ
مچل رہی ہیں ہتھیلی میں انگلیوں کی لویں
تڑپتی نبض کہے جا رہی ہے پیار کی بات
پگھل رہی ہے رخِ آتشیں پہ ہجر کی شام
نکل رہی ہے سیہ زلف سے وصال کی رات

ebooksgallery.com

نسیم تیری قبا

نسیم تیری قبا، بوئے گل ہے پیراہن
حیا کا رنگ ردائے بہار اوڑھاتا ہے
ترے بدن کا چمن ایسے جگمگاتا ہے
کہ جیسے سیلِ سحر، جیسے نور کا دامن
ستارے ڈوبتے ہیں چاند جھلملاتا ہے

ebooksgallery.com

پیاس کی آگ

میں کہ ہوں پیاس کے دریا کی تڑپتی ہوئی موج
پی چکا ہوں میں سمندر کا سمندر پھر بھی
ایک اک قطرۂ شبنم کو ترس جاتا ہوں
قطرۂ شبنم اشک
قطرۂ شبنم دل، خونِ جگر
قطرۂ نیم نظر
یا ملاقات کے لمحوں کے سنہری قطرے
جو نگاہوں کی حرارت سے ٹپک پڑتے ہیں
اور پھر لمس کے نور
اور پھر بات کی خوشبو میں بدل جاتے ہیں
مجھ کو یہ قطرۂ شاداب بھی چکھ لینے دو
دل میں یہ گوہر نایاب بھی رکھ لینے دو
خشک ہیں ہونٹ مرے، خشک زباں ہے میری
خشک ہے درد کا، نغمے کا گلو
میں اگر پی نہ سکا وقت کا یہ آبِ حیات
پیاس کی آگ میں ڈرتا ہوں کہ جل جاؤں گا

ebooksgallery.com

قتالۂ عالم

اک ادا یہ بھی ہے قتالۂ عالم تیری
آج پہلو میں جو محبوب بنی بیٹھی ہے
دلبری اپنی جتاتا ہو ستم گر جیسے
قامت ناز ہے تلوار کا پیکر جیسے
سائے مژگاں سے رستے ہوئے نشتر جیسے

سارے عالم کی شکاری تری زلفوں کی کمند
کبھی مقتل، کبھی زنداں، کبھی مے خانہ ہے
بزم یاراں ہے کبھی، کوئے نگاراں ہے کبھی
شمع کی آگ ہے سوز دل پروانہ ہے
ماتم زخم خزاں، باد بہاراں ہے کبھی
ہم نے ہر حال میں، ہر رنگ میں چاہا ہے تجھے
زندگی جان کے سینے سے لگایا ہے تجھے
وصل اور ہجر کے آئینے میں دیکھا ہے تجھے
تیرے ساغر کو پیا زہر کا ساغر جیسے
بوسۂ لب ہے ترا، بوسۂ خنجر جیسے

ebooksgallery.com

قطعہ

نسیمِ صبحِ تصور یہ کس طرف سے چلی
کہ میرے دل میں چمن در کنار آتی ہے
کہیں ملے تو مرے گلبدن سے کہہ دینا
ترے خیال سے بوئے بہار آتی ہے

ebooksgallery.com

غزل

خوبرو روئے خوش جمال ہیں ہم
ناز پروردۂ وصال ہیں ہم

ہم کو یوں رائیگاں نہ کر دینا
حاصل فصل ماہ و سال ہیں ہم

رنگ ہی رنگ، خوشبو ہی خوشبو
گردش ساغرِ خیال ہیں ہم

رونق کاروبار ہستی میں
ہم نے مانا شکستہ حال ہیں ہم

مال وزر، مال و زر کی قیمت کیا
صاحب دولت کمال ہیں ہم

کس کی رعنائی خیال ہے تو
تری رعنائی جمال ہیں ہم

ایسے دیوانے پھر نہ آئیں گے
دیکھ لو ہم کو بے مثال ہیں ہم

دولت حسن لازوال ہے تو
دولت عشق لازوال ہیں ہم

ebooksgallery.com

غزل

نام اس نو گلِ رنگیں کا لیا ہے کہ نہیں
عطر افشاں نفسِ بادِ صبا ہے کہ نہیں

دیکھنا پھول سے کھلتے ہوئے ہونٹوں میں مرے
غنچۂ دل کے چٹکنے کی صدا ہے کہ نہیں

وصل کی صبح تو منسوب ترے نام سے ہے
ہجر کی رات کا بھی کوئی خدا ہے کہ نہیں

اک ذرا اس کا جو اندازِ جفا ہو معلوم
ہم بتا سکتے ہیں اس بت میں وفا ہے کہ نہیں

کاکلِ ناز، ترے حلقۂ عنبر بو میں
میری قسمت کی کوئی شامِ بلا ہے کہ نہیں

٭٭٭٭٭٭٭٭

ebooksgallery.com

غزل

حسرتِ دل ہے ساقیِ محفل، ڈھلتی ہے صہبائے خیال
شامِ تمنا خون سے رنگیں، اشک سے روشن صبحِ جمال

کج ہے کلاہِ ہجر بھی سر پہ، اہلِ دل کی شان نہ پوچھ
روشن اس آئینے میں ہے، جاہ و جلالِ عہدِ وصال

شاخِ نہالِ درد و غم پر غنچۂ دل پھر خون ہوا
اتنا شوخ نہیں تھا یارو، رنگِ بہاراں اگلے سال

ساز سے کوئی نغمہ نکلے، دل میں کوئی پھول کھلے
ایک بار تو اپنی زباں سے پوچھ ہمارے درد کا حال

رات بہت تاریک ہے، شاید دشمن شب خوں ماریں گے
مشعلِ جاں بجھنے مت دینا، روشن رکھنا شمعِ خیال

روٹھنے والا کوئی نہیں ہے، کوئی منانے والا نہیں
ایسا تو اے دل نہ پڑا تھا اس سے پہلے غم کا کال

ebooksgallery.com

غزل

ابھی اور تیز کر لے، سرِ خنجرِ ادا کو
مرے خوں کی ہے ضرورت، تری شوخیٔ حنا کو

تجھے کس نظر سے دیکھے یہ نگاہِ درد آگیں
جو دعائیں دے رہی ہے، تری چشمِ بے وفا کو

کہیں رہ گئی ہو شاید، ترے دل کی دھڑکنوں میں
کبھی سن سکے تو سن لے، مری خوں شدہ نوا کو

کوئی بولتا نہیں ہے، میں پکارتا رہا ہوں
کبھی بت کدے میں بت کو، کبھی کعبے میں خدا کو

ebooksgallery.com

غزل

نغمۂ زنجیر ہے اور شہر یاراں ان دنوں
ہے بہت اہلِ جنوں، شورِ بہاراں ان دنوں

اس وفا دشمن سے پیمانِ وفا ہے استوار
زیرِ سنگِ سخت ہے پھر دستِ یاراں ان دنوں

محتسب بھی حلقۂ رنداں کا ہے امیدوار
کم نہ ہو جائے وقارِ میکساراں ان دنوں

تیزیٔ تیغِ ادا کی شہرتیں ہیں دور دور
ہے بہت آباد کوئے دل فگاراں ان دنوں

دوستو پیراہنِ جاں خونِ دل سے سرخ تر
بڑھ گیا ہے التفاتِ گل عذاراں ان دنوں

اہلِ دل پر بارشِ لطفِ نگاہِ دلنواز
مہرباں ہے عشق پر چشمِ نگاراں ان دنوں

ہے گدائے میکدہ کے سر پہ تاجِ خسروی
کوزہ گر کی گِل ہے خاکِ شہریاراں ان دنوں

کیا عجب عشرت کدوں پر بجلیاں گرنے لگیں
ہے بہت سرکش نگاہِ سوگواراں ان دنوں

ebooksgallery.com

تین شعر

رفیق بھی ہے تری یادِ غم گسار بھی ہے
لہو میں ڈوبی ہوئی تیغِ آب دار بھی ہے

خزاں شکستِ بہاراں کا نام ہے لیکن
خزاں پیام برِ صبحِ نو بہار بھی ہے

گزرتا رہتا ہے یادوں کی کہکشاں سے کوئی
مگر کسی کا ہر اک لمحہ انتظار بھی ہے

ebooksgallery.com

دو سنّاٹے

ہم نہیں ہیں، یہ گلے ملتے ہیں دو سناٹے
خامشی ہے کہ مہکتی ہے گلِ تر کی طرح
تیرے ہونٹوں پہ لرزتی ہے کرن کی صورت
میرے سینے پہ اتر آئی ہے خنجر کی طرح

ebooksgallery.com

شعلۂ حسن

شعلۂ حسن ترا آگ سے اپنی روشن
اپنی خوشبو سے مہک اٹھا ہے گلشن میں گلاب
انکھڑیوں نے تری کاجل کا جگایا جادو
تیرے ہاتھوں نے کیا رنگ حنا کو شاداب
تیری محفل ہے کہ تہذیب دل و جاں کا سبق
میں نے سیکھے ہیں یہاں عشق و جنوں کے آداب

ebooksgallery.com

قطعہ

آ ترے ہونٹ چوم لوں اے مژدہ نجات
صدیوں کے بعد ختم پہ آئی ستم کی رات
ہر شاخ پہ کھلے ہوئے رنگ شفق کے پھول
ہر نخل کی کمر میں نسیم سحر کا ہات

☆☆☆☆☆☆☆☆

قطعہ

ابھی جواں ہے غم زندگی کا ہر لمحہ
دھڑک رہا ہے دل بیقرار کی صورت
حسین و شوخ ہے مستقبل بشر کا خیال
کسی تبسم بے اختیار کی صورت

☆☆☆☆☆☆☆☆

ebooksgallery.com

تن کی چاندی من کا سونا

ہم نے بیچی تن کی چاندی
ہم نے بیچا من کا سونا
آنکھ کے ہیرے
ہاتھ کے دریا
بازاروں میں لے کر نکلے
پھر بھی مفلس اور کنگال

اور انھوں نے
ہم سے خریدی تن کی چاندی
ہم سے خریدا من کا سونا
لوٹ لیے آنکھوں کے ہیرے
پی لیے ہاتھوں کے دریا
اور کہا اے
صاحبِ دولت، صاحبِ مال

لیکن اک دن
تن کی چاندی، من کا سونا

ebooksgallery.com

آنکھ ہیرے، ہاتھ لے دریا
سب واپس آجائیں گے
اور زمانہ ہوگا نہال
اور دنیا ہوگی خوش حال
کوئی نہ ہوگا صاحب دولت
کوئی نہ ہوگا صاحب مال
کوئی نہ رہ جائے گا مفلس
کوئی نہ ہوگا پھر کنگال

☆☆☆☆☆☆☆☆

قطعہ

متحد ہو کے اٹھے ظلم کے قدموں سے عوام
سارے گم گشتہ عزیزان جہاں مل ہی گئے
لاکھ گلشن میں بچھائے تھے خزاں نے کانٹے
قدم باد بہار آئے تو گل کھل ہی گئے

☆☆☆☆☆☆☆☆

ebooksgallery.com

شامِ غم

شامِ غم صبحِ عشرت کی تمہید ہے
بھیگی آنکھوں میں تارے کھٹکتے رہیں
نوکِ مژگاں پہ نشتر چمکتے رہیں
دل کے داغوں سے یہ رات روشن رہے
خوں کے دھبوں سے گلزار دامن رہے
آج زخموں کو ہنسنے کی تاکید ہے

آرزو کی ہتھیلی پہ جلتا رہے
شوخیٔ حسن رنگِ حنا کا کنول
بس تمنا کا ساغر چھلکتا رہے
مل ہی جائے گا ناکامیوں کا بدل
ہجر کے درد کا چاند بجھ جائے گا
دیکھو وہ زیرِ دامانِ رنگ شفق
وصلِ محبوب کا سرخ خورشید ہے

ہو بلا سے جو ہے سخت تر امتحاں
داؤں پر لگ چکے دین و دل، جسم و جاں

ebooksgallery.com

عاشقوں کو کہاں فکر سود و زیاں
رکنے والا نہیں شوق کا کارواں
ہمسفر آندھیاں ہم قدم بجلیاں
دل کو منظور اس شوخ کی دید ہے

ہر خزاں ہے بہاراں کی پیغام بر
سرحد شب پہ روشن سوادِ سحر
پردۂ خاموشی میں ہے گرمِ نوا
اک نئی زندگی کا نیا نغمہ گر
سارا عالم محبت کی آغوش ہے
وصل ہی وصل ہے تا بہ حدِ نظر
آج دیدارِ محبوب کی عید ہے

☆☆☆☆☆☆☆☆

ebooksgallery.com

لطف سخن

جب ہوں رسوا سر بازار تو ہے لطف سخن
حرفِ حق جب ہو سر دار تو ہے لطف سخن
اپنے اور غیر ہوں سچ کہنے پہ آمادۂ قتل
اور نہ ہو کوئی طرف دار تو ہے لطف سخن
مصلحت وقت کی اقرار سکھائے لیکن
دل میں ہو جرأت انکار تو ہے لطف سخن
ظلم کے خوف کے اور موت کے سناٹے میں
ایک اک حرف ہو بیدار تو ہے لطف سخن

ebooksgallery.com

سناٹا

رواں ہیں وقت کے پُر ہول رہگزاروں پر
ہزاروں سال کے در ماندہ رہروانِ حیات
نہ کوئی منزلِ آسودگی نہ راہِ نجات

طویل ظلم کا صحرا، طویل جبر کا دشت
یہ آفتاب، سرِ آسماں یہ آگ کا طشت
افق سے تابہ افق ہے ہوائے گرم کا گشت

نہ کوئی سایہ کہیں ہے نہ کوئی پرچھائیں
شجر ہوا میں اُڑے جاتے ہیں دھواں ہو کر
ہر ایک سمت صدا دے رہے ہیں سناٹے
خموشی بولتی ہے خوف کی زباں ہو کر

⁂⁂⁂

ebooksgallery.com

خنجروں کی روشنی

تیرگی کی سازشیں ، بد بختیوں کا اژدہام
کوچۂ احساس میں ہنگامۂ شور نشور
ہر طرف پھیلی ہوئی ہے خنجروں کی روشنی
ہر طرف بکھرا ہوا ہے ایک خوں آلودہ نور
رنگ رخ کے آئینے، آنکھوں کے ساغر چور چور
پھر بھی دھڑکے ہی چلا جاتا ہے قلبِ ناصبور

مشعلِ جاں شعلہ ساماں، دردِ انساں سر بلند
ظلم کی شامیں مبارک، غم کی راتیں ارجمند

کس قدر سفاک ہیں ان قاتلوں کے خط و خال
کتنی تابندہ شہیدانِ وفا کی ہے جبیں
شوخ اور بے باک کتنا ہے گناہوں کا لہو

خنجروں کی روشنی تھی تیرگی کی ہم نوا
خنجروں کی روشنی تھی دشمن خواب سحر
خنجروں کی روشنی تھی باعث زخم جگر
روزنِ زخم جگر سے پھر سحر پیدا ہوئی
اور تاریکی کے گوشوں میں سمٹ کر رہ گئی
سازشوں کی تیرہ بختی خنجروں کی روشنی

ooooooooo

ebooksgallery.com

قطعہ

ہ ایک خوشی درد کے دامن میں پلی ہے
اب ت سب دا ت نغمے وزل سے کلمہ ہے
ہ اس گل ، ت صبا ، ہ ج گل چیں
نکلیں ت ہ پیہ شہیدوں کے لہو سے

[illegible]

ebooksgallery.com

جب صبا آئے گی

جب صبا آئے گی ہر زلف کو مہکاتی ہوئی
رنگ کے جام در و بام سے چھلکاتی ہوئی
برگ صد لالہ و گل راہ میں بکھراتی ہوئی
شب کی مے صبح کے پیمانے میں ڈھل جائے گی
ختم ہو جائیں گے سب سردیٔ دل تلخیٔ جاں
شمع افسردگیٔ روح پگھل جائے گی
باغ خوابیدہ سہی، ننھی شبنم پہ نہ جاؤ
یہ تو ہیں رات کے آنسو جو ٹپک جائیں گے
ایک اک شاخ میں ہے دوڑی ہوئی آتش گل
جب صبا آئے گی شعلے بھی چمک جائیں گے
لب مہک اٹھیں گے رخسار دہک جائیں گے
جب صبا آئے گی ہر زلف کو مہکاتی ہوئی

ebooksgallery.com

قتل آفتاب

شفق کے رنگ میں ہے قتل آفتاب کا رنگ
افق کے دل میں ہے خنجر، لہولہان ہے شام
سفید شیشۂ نور اور سیاہ بارشِ سنگ
زمیں سے تا بہ فلک ہے بلند رات کا نام

یقیں کا ذکر ہی کیا ہے کہ اب گماں بھی نہیں
مقامِ دار نہیں منزلِ فغاں بھی نہیں
وہ بے دلی ہے کہ جو قابلِ بیاں بھی نہیں
کوئی ترنگ ہی باقی رہی نہ کوئی امنگ
جبینِ شوق نہیں، سنگِ آستاں بھی نہیں
رقیب جیت گئے ختم ہو چکی ہے جنگ
دلوں میں شعلۂ غم بجھ گیا ہے کیا کیجیے
کوئی حسین نہیں جس سے اب وفا کیجیے
سوائے اس کے کہ قاتل کو ہی دعا دیجیے

مگر یہ جنگ نہیں وہ جو ختم ہو جائے
اک انتہا ہے فقط حسن ابتدا کے لیے
بچھے ہیں نار کہ گزریں گے قافلے گل کے

ebooksgallery.com

خموشی مہر بہ لب ہے کسی صدا کے لیے
اداسیاں ہیں یہ سب نغمہ و نوا کے لیے

وہ پہنا شمع نے پھر خونِ آفتاب کا تاج
ستارے لے کے اٹھے نورِ آفتاب کے جام
پلک پلک پہ فروزاں ہیں آنسوؤں کے چراغ
لویں لچکتی ہیں یا بجلیاں چمکتی ہیں
تمام پیرہنِ شب میں بھر گئے ہیں شرار

ہزار لب سے زمیں کہہ رہی ہے قصۂ دار
ہزار گوشِ جنوں سن رہے ہیں افسانہ

چمک رہی ہیں کہیں تیرگی کی دیواریں
لچک رہی ہیں کہیں شاخِ گل کی تلواریں
سنک رہی ہے کہیں دشتِ سرکشی میں ہوا
چہک رہی ہے کہیں بلبلِ بہارِ نوا
مہک رہا ہے وفا کے چمن میں دل کا گلاب
چھلک رہی ہے لب و عارض و نظر کی شراب

جوان خوابوں کے جنگل سے آ رہی ہے نسیم
نفس میں نکہتِ پیغامِ انقلاب لیے
خبر ہے قافلۂ رنگ و نور نکلے گا
سحر کے دوش پہ اک تازہ آفتاب لیے

ebooksgallery.com

برہنہ پا ہے بہار

تمھارے تن پہ سلامت تمھارا پیراہن
ہمارے پاس یہ دامانِ تار تار سہی
تمھارے زیرِ قدم فرشِ گُل بساطِ بہار
ہمارے پاؤں میں دشتِ جنوں کے خار سہی

کسی کی بھوک سے بھرتے نہیں ہیں پیٹ اپنا
کسی کی پیاس سے لب اپنے تر نہیں کرتے
برہنگی سے کسی کی لباس کیوں لیں گے
بہشت پر بھی ہوس کی نظر نہیں کرتے

ہمارے دل کی تپش سے چراغ جلتے ہیں
ہماری تشنہ لبی میکدے بناتی ہے
نگاہ ساقیِ نا مہرباں کا شکوہ کیا
ہمارے نام کی صہبا چھلک ہی جاتی ہے

تمھیں خبر بھی ہے آوارگانِ کوچۂ شوق
شکستہ دل ہیں شگفتہ دلوں کے یار بھی ہیں

ebooksgallery.com

بلاکشانِ محبت کا احترام کرو
خراب حال سہی، فخرِ روزگار بھی ہیں

ہماری طرح گریبانِ صبحِ نو بھی ہے چاک
فروغِ چاکِ گریباں ہے اہلِ دل کا شعار
ہماری طرح سے گلزار و دشت و صحرا میں
برہنہ سر ہے صبا اور برہنہ پا ہے بہار

ebooksgallery.com

پیغمبر مسیحا دست [1]

(حضرت عیسیٰ کے مبارک ہاتھوں کے نام)

سنا ہے آئے گا پیغمبر مسیحا دست
قدیم عہد کی صورت نئے زمانے میں
صلیب ودار کو ہو گا عدالتوں سے عروج
دروغ رنگ بھرے گا ہر اک فسانے میں [2]

صدائے حسن وصداقت لہو میں ڈوبے گی
کریں گے دوست بھی اقرار دوستی سے گریز [3]
ٹلے گی چاندی کے سکوں میں دل کی جنس وفا [4]
ہوائیں تیغ بکف ہوں گی، شاخ گل خوں ریز

---

1. اس نظم کے سارے حوالے انجیل کی روایت کے مطابق ہیں۔
2. حضرت عیسیٰ کے خلاف عدالت میں کوئی الزام ثابت نہ ہو سکا پھر بھی انھیں صلیب پر چڑھایا گیا۔
3. بارہ حواریوں میں سے ایک نے رات بھر میں تین بار حضرت عیسیٰ کو پہچاننے سے انکار کیا۔
4. ایک حواری نے چاندی کے تیس سکے لے کر حضرت عیسیٰ کو قاتلوں کے حوالے کر دیا۔

ebooksgallery.com

نشیبِ خاک بھرے گا قمار خانوں سے
فرازِ دار پہ ہو گا پیمبری کا مقام [1]
گھٹا کی طرح سے جھومیں گے تیرگی کے نشان
سیاہ رو نظر آئے گا آفتاب کا جام [2]

سنا ہے نکلے گی میلادِ نو کے جشن کی بات
صلیبِ ظلم سے اترے گی پھر مسیح کی لاش
نقوشِ پاک قدم بحر و بر پہ چمکیں گے
بڑھے گی اور بھی کچھ دل شکستگاں کی تلاش [3]
وفورِ نور سے معمور ہو گا دیدۂ کور
کرن کی طرح سے بالیدہ انگلیاں ہوں گی [4]
سروں پہ سایۂ رحمت بنیں گے دستِ شفیق
جبینِ درد سے پیدا تجلیاں ہوں گی [5]
نکالے جائیں گے پھر زندگی کے معبد سے
بشر کے اشکوں کے تاجر لہو کے بیوپاری [6]
خدا کے نام کو نیلام کر نہ پائیں گے
وہ چاہے صاحبِ تسبیح ہوں کہ زناری [7]

---

1. صلیب کے نیچے بیٹھے ہوئے سپاہی حضرت عیسیٰ کے کپڑوں کے لیے قرعہ اندازی کر رہے تھے۔
2. شہادت کے وقت اندھیرا چھا گیا اور آفتاب کا رنگ کالا ہو گیا۔
3. حضرت عیسیٰ کے مصلوب ہو جانے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کی طرف اشارہ ہے، علامت کے طور پر یہ بھی سمجھنا صحیح ہے کہ سچائی قتل نہیں کی جا سکتی وہ پھر زندہ ہو جاتی ہے۔
4. اندھوں کی آنکھوں کو بینائی ملنے اور کوڑھیوں کے تندرست ہو جانے کی طرف اشارہ ہے جو اعجاز مسیحائی تھا۔
5. مصائب کا خاتمہ اور مسرت کی ابتدا۔
6. حضرت عیسیٰ نے سود خور تاجروں کو کلیسا سے باہر نکال دیا تھا۔
7. صاحبِ تسبیح = مسلمان، زناری = ہندو

ebooksgallery.com

وہ ہاتھ بڑھ کے سنبھالیں گے کائنات کی باگ
نہا چکے ہیں مشقت کے جو پسینے سے
جراحتِ دل و جاں مندمل کریں گے وہ ہاتھ
نشاں ہیں جن کی ہتھیلی پہ سخت کوشی کے

وہ ہاتھ جن کو پنہائی گئی ہیں زنجیریں
وہ ہاتھ چھید چکی ہے جنھیں صلیب کی کیل
وہ ہاتھ شعلۂ حق بن کے ہو رہے ہیں بلند
اندھیری رات میں روشن ہے صبحِ نو کی دلیل

وہی مسیح و محمدؐ وہی کلیم و خلیل
وہی حسین و دل آرا، وہی جلیل و جمیل

ebooksgallery.com

رہبر کی موت

اپنا رہبر جنگ کے میداں میں کام آیا ہے آج
وہ وطن کی آبرو، اہلِ وطن کا افتخار
اشتراکیت کی جمہوری روایت کا نقیب
محفلِ انسان میں انسانیت کا تاجدار
ایک مردہ لاش، یہ توہین کر سکتا ہے کون
پاؤں پھیلائے ہوئے گلشن میں سوتی ہے بہار
اپنی سرد آہوں کی چادر ہی اڑھائیں گے اسے
کیا نچھاور ہم کریں گے اس پہ صرف اشکوں کے ہار
کیا زمانے سے کہیں گے جاکے بس اتنی سی بات
مر گیا ہے وہ تو اس کے غم میں ہیں ہم سوگوار
یوں تو رک سکتا نہیں اب دل کے طوفانوں کا گیت
کند ہو سکتی نہیں یوں عشق کے خنجر کی دھار
اب ہماری آنکھ میں ہے اس کی بند آنکھوں کا نور
اب ہمارے جسم میں ہے اس کی روحِ بیقرار
اس کا پرچم لے کے میداں میں نکلنا ہے ہمیں
فرشِ گل سے دور انگاروں پہ چلنا ہے ہمیں

8/جون 1964

ebooksgallery.com

صندل و گلاب کی راکھ

مرے وطن کی زمیں کے اداس آنچل میں
نہ آج رنگ نہ خوشبو، بھری ہوئی ہے دھول
خبر نہیں کہ ہے کس دل جلے کی لاش جسے
جھکا کے سر کو پہاڑوں نے بھی کیا ہے قبول
سنا ہے جس کی چتا سے یہ خاک آئی ہے
وہ فصل گل کا پیمبر تھا عہد نو کا رسول
اسے خبر تھی خزاں کس چمن میں سوتی ہے
وہ جانتا تھا کہ کیا ہے بہار کا معمول
سکھایا کشمکش جنگ و امن میں اس نے
جراحتوں کو چمن بندیٔ جہاں کا اصول
انھیں دلوں کی محبت میں کیاریاں بوئیں
اگے ہوئے تھے جہاں صرف نفرتوں کے ببول
عطا ہوئی تھی اسے روز و شب کی بیتابی
وہ اس کی جرأت رندانہ اس کا شوق فضول
جو آج موت کے دامن میں اک ستارہ ہے
وہ زندگی کے گریباں میں تھا گلاب کا پھول

ebooksgallery.com

وفا کا ذکر ہی کیا اس کی بے وفائی نے
خراج عشق و محبت کیا ہے ہم سے وصول
وہ برہمن کہ جسے مسجدوں نے پیار کیا
وہ بت شکن کہ جو بزم بتاں میں تھا مقبول
وہ جسم آج ہے جو صندل و گلاب کی راکھ
وطن کی خاک کے سجدوں میں اب بھی ہے مشغول
اتر رہا ہے کچھ اس طرح اپنی دھرتی پر
کہ آسمان سے جس طرح رحمتوں کا نزول
اب اس کے فیض سے بنجر بھی لہلہائیں گے
کھلیں گے خار بیاباں سے بھی بہار کے پھول

8/جون1964

ebooksgallery.com

فاصلے

ہزار فاصلے حائل ہیں فاصلوں کے سوا
وہاں ہو تم کہ جہاں دل دھڑک نہیں سکتا
دلوں میں درد کے شعلے چمک نہیں سکتے
وہاں ہو تم کہ جہاں آرزو کا نام نہیں
وفا کی رسم جنوں کا شعور عام نہیں
نظر کے چاند ستارے بجھائے جاتے ہیں
پلک سے خون کے آنسو ٹپک نہیں سکتے
حسین یادوں کے دامن جلائے جاتے ہیں
وہاں ہو تم کہ جہاں دل دھڑک نہیں سکتے

وہاں ہے عشق پہ پابندی نظر اب تک
خود اپنی آگ سے ہے حسن بے خبر اب تک
خیال یار کی راتیں ہیں مختصر اب تک

یہاں بس ایک تمنا اک آرزو یہ ہے
کہ تم بھی میری طرح سوگوار ہو جاؤ
کسی کی یاد میں آنکھوں کی نیند اڑ جائے
وہ دن بھی آئے کہ تم بیقرار ہو جاؤ

دسمبر 1964

ebooksgallery.com

متفرق اشعار

پرتو سے جس کے عالمِ امکاں بہار ہے
وہ نو بہار ناز ابھی رہ گزر میں ہے

☆☆☆

سو ملیں زندگی سے سوغاتیں
ہم کو آوارگی ہی راس آئی

☆☆☆

تو وہ بہار جو اپنے چمن میں آوارہ
میں وہ چمن جو بہاراں کے انتظار میں ہے

☆☆☆

کمی کمی سی تھی کچھ رنگ و بوئے گلشن میں
لبِ بہار سے نکلی ہوئی دعا تم ہو

☆☆☆

شب کے سناٹے میں یہ کس کا لہو گاتا ہے
سرحدِ درد سے یہ کس کی صدا آتی ہے

☆☆☆

ebooksgallery.com

بہت برباد ہیں، لیکن صدائے انقلاب آئے
وہیں سے وہ پکار اٹھے گا جو ذرہ جہاں ہوگا

☆☆☆

اسی لیے تو ہے زنداں کو جستجو میری
کہ مفلسی کو سکھائی ہے سرکشی میں نے

☆☆☆

یہ میکدہ ہے، یہاں ہیں گناہ جام بدست
وہ مدرسہ ہے وہ مسجد وہاں ملے گا ثواب

☆☆☆

دل ونظر کو ابھی تک وہ دے رہے ہیں فریب
تصورات کہن کے قدیم بت خانے

☆☆☆

انقلاب آئے گا رفتار سے مایوس نہ ہو
بہت آہستہ نہیں ہے جو بہت تیز نہیں

☆☆☆

پیاس جہاں کی ایک بیاباں، تیری سخاوت شبنم ہے
پی کے اٹھا جو بزم میں تیری، اور بھی تشنہ کام اٹھا

☆☆☆

یہ تیرا گلستاں، تیرا چمن، کب میری نوا کے قابل ہے
نغمہ مرا اپنے دامن میں آپ اپنا گلستاں لاتا ہے

☆☆☆

ebooksgallery.com

ebooksgallery.com

پیراہنِ شرر

نئی نظمیں

1965

ebooksgallery.com

ebooksgallery.com

ان کا جو فرض ہے وہ اہلِ سیاست جانیں
میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے

جگر مرادآبادی

ebooksgallery.com

میں اپنے دوست مشہور مصوّر حسین کا شکر گزار ہوں
جنھوں نے گرد پوش کا ڈیزائن بنایا ہے

ebooksgallery.com

پیراہنِ شبنم

علی سردار جعفری کو میں اندازاً 27 یا 28 سال سے جانتا ہوں۔ یہ اس زمانے میں لکھنؤ یونیورسٹی کے طالب علم تھے اور انجمن ترقی پسند مصنفین کی لکھنؤ کی شاخ کے سرگرم رکن۔ میرا حافظہ اگر غلطی نہیں کرتا تو وہ شاید اس ادبی انجمن کے سکریٹری تھے۔ انجمن کے جلسے مرحومہ رشید جہاں کے مکان پر ہوتے تھے اور گو اس زمانے میں بھی یہ شعر کہتے تھے لیکن اس وقت یہ سمجھا جاتا تھا کہ یہ ایک پُر جوش، باحوصلہ اور باعمل اشتراکیت پر ایمان لانے والے نوجوان کارکن زیادہ ہیں اور شاعر کم۔ اراکین انجمن ترقی پسند مصنفین کے امیر کارواں اس وقت بہ ظاہر تو جوش ملیح آبادی تھے لیکن ان کے محبوب ترین شاعر دراصل مجاز مرحوم تھے اور اس کے بعد جذبی اور جاں نثار اختر کا نام آتا تھا۔ کسے خبر تھی کہ چند ہی سال بعد سردار ان سب کو پیچھے چھوڑ کر آگے نکل جائے گا اور دنیائے شعر میں اپنا مخصوص اور بلند مقام خالی اپنے وطن ہی میں حاصل نہ کرے گا بلکہ اس کی شاعرانہ عظمت اپنے ملک کے باہر بھی تسلیم کی جائے گی۔

سردار مجھ سے عمر میں 12 یا 13 سال چھوٹے ہیں۔ اگر زندگی میں جمود نہ ہو تو یہ عرصہ ادبی قدروں کو بدل دینے کے لیے بہت کافی ہے۔ موجودہ دور تو اتنا برق رفتار ہو چکا ہے کہ صبح کا مستقبل شام آتے آتے ماضی بن چکا ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں سردار کی شاعری کا میرے دور کی شاعری سے موضوعاتِ سخن، اندازِ بیان، علامات اور تخلیقِ حسن کے نظریات، چاروں اعتبار سے مختلف ہونا ناگزیر تھا۔ ایک سردار کیا آج کے دور کے سب شاعر اپنے اپنے انداز میں نئے تخلیقی تجربے کر رہے ہیں اور بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ یہ شاعری کچی ہے اور انحطاط ادب کی دلیل ہے وہ بڑی حد تک اپنی پرانی مٹتی ہوئی قدروں کو سینے سے لگائے ہوئے اور بدلتی ہوئی زندگی کی زندہ قدریں قبول کرنے کو راضی نہیں۔

موجودہ دور کے شعراء کی طرف جب بھی میرا خیال جاتا ہے تو میرے ذہن میں پہلا نام

ebooksgallery.com

سردار ہی کا آتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ میری پسند کی بات ہے۔ شاید اس پسند کی وجہ یہ ہے کہ سردار کی اور میری محض ادبی قدریں ہی نہیں بلکہ انسانی قدریں بھی بہت کچھ مشترک ہیں اور گو آج وہ دھارے پر ہے اور میں کنارے سے لگ چکا ہوں لیکن پھر بھی ہماری نظریں ایک ہی افق کی طرف اٹھتی ہیں۔ ہم نے ایک ہی خواب دیکھا ہے اور اپنی بساط بھر اسی طرف اپنی کشتیاں بڑھا کر اوروں کو بھی اس خواب کو حقیقت بنانے کی دعوت دی ہے۔

آج زندگی کا، ہر فن کار سے خالی یہی تقاضا نہیں ہے کہ وہ زندگی کی ناانصافیوں اور غلط نظریوں کی وجہ سے جو انسانی مشکلیں اور محرومیاں ہیں ان کو سمجھے بلکہ ان کے خلاف آواز بھی اٹھائے اور جہد بھی کرے۔ صحیح مفہوم میں آج کے شاعر کو مجاہد بھی ہونا ضروری ہے۔ لیکن شاعر کا جہد میدانِ جنگ میں نہیں ہوتا۔ ہو سکتا ہے کہ ایک شاعر تلوار بھی اٹھا لے لیکن یہ فعل اس کا بحیثیت ایک شہری کے ہوگا، بہ حیثیت ایک فنکار کے نہیں کیوں کہ اصل لڑائی تو دلوں اور ذہنوں میں لڑی جا رہی ہے۔ اور تلوار اس نزاع میں کام نہیں دیتی۔ سردار کی زندگی میں ایک مقام ایسا آیا تھا جب مجھے اندیشہ ہونے لگا تھا کہ کہیں سردار کے دل میں جو شہری ہے وہ شاعر کے ہاتھ سے قلم چھین کر تلوار نہ اٹھا لے لیکن شکر ہے کہ یہ نوبت نہیں آئی اور سردار نے قلم ہی کو تلوار بنا لیا۔ سردار کے ارتقائے فن میں یہ ایک اہم منزل تھی اور اس مقام سے گزرنے کے بعد اس کا شعور جو پہلے ہی سے بیدار تھا اور زیادہ پختہ ہوا اور اس کے لہجے میں تندی کی جگہ وہ نرمی آگئی جس نے اسے ساری نوع انسان کے قریب کر دیا۔ 'پیراہنِ شرر' تک پہنچتے پہنچتے یہ قلم کی تلوار اب اس کے ہاتھ میں شاخِ گل بن چکی ہے۔ اور وہ نظریاتی غبار کی سطح سے ابھر کر کرۂ نور پر پہنچ گیا ہے۔ اب اس کے پیام میں ایک پیمبرانہ حلاوت ہے اور زخمِ انساں کے لیے مرہم۔ آج اس کی منزل کا تعین اس مجموعے کا آخری شعر کرتا ہے ؎

کم ظرفیِ گفتار ہے دشنام طرازی تہذیب تو شائستگیِ دیدۂ تر ہے

حرفِ اول میں وہ اپنا نظریہ ان الفاظ میں پیش کرتا ہے۔

'یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ سماجی نظام کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ انسانی فطرت خود بخود بدل جاتی ہے۔ بدی ختم ہو جاتی ہے اور نیکی کا ظہور ہوتا ہے۔ اس حقیقت کے اعتراف سے مفر نہیں کہ سماجی نظام کی تبدیلی جو ضروری بھی ہے اور ناگزیر بھی ناکافی ہے......... معاشی اور سیاسی نظاموں کی ناانصافیوں کو پہچاننا اور ان کے خاتمے کے لیے لڑنا برحق ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ صدیوں کی نفرت، ہوس، بدی، خود غرضی، غلط احساسِ برتری اور اسی قسم کے دوسرے تاریک جالوں سے دل و دماغ کی صفائی بھی برحق ہے۔ اس کے

ebooksgallery.com

بغیر نہ تو دنیا سے جنگوں کا خاتمہ ہوسکتا ہے اور نہ نا انصافیاں ختم ہوسکتی ہیں۔'

جب سے انسان نے متمدّن زندگی میں قدم رکھا ہے وہ امن کا جویا رہا ہے لیکن ابھی تک اس کی قسمت میں ایک کے بعد دوسری جنگ آتی چلی گئی ہے۔ انسان کا بڑھتا ہوا علم ہر آنے والی جنگ کو جنگ گزشتہ سے اور زیادہ ہولناک تباہ کُن بناتا چلا جارہا ہے اور آج یہ نوبت آگئی ہے کہ نوعِ انساں کے مرنے جینے ہی کا سوال سامنے آگیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے انسان کی عقل (جو اس کی ذاتی غرض اور حرص کا دوسرا نام ہوکر رہ گئی ہے) اُس کے دل (جو جذبۂ اخوت کا دوسرا نام ہے) کو پیچھے چھوڑ کر اتنا آگے بڑھ گئی ہے کہ اب وہ اس کی آواز بھی نہیں سن سکتی۔ آج دنیا کو تباہی سے بچانا دراصل صرف اس سوال پر منحصر ہے۔

نمو کی طاقت ابھی دلوں میں ہے یا اسے زیست کھو چکی ہے
ضمیرِ انساں میں آنچ باقی ہے یا یہ لَو سرد ہو چکی ہے

آج ہر فنکار کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ عقل اور دل کا یہ فاصلہ اور بڑھنے نہ دے بلکہ انہیں قریب لانے کی کوشش کرے اور ضمیرِ انساں کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر اس انسانی اخوت کی لَو کو بجھنے نہ دے بلکہ ہوا دے دے کر اسے شعلۂ جوالہ بنا دے۔

اگر اس نظر سے اردو شعری ادب کا جائزہ لیا جائے تو سردار کا مقام سب سے نمایاں نظر آتا ہے۔ 'پیراہنِ شرر' کی زیادہ تر نظمیں نوعِ انساں کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ سردار کا بیدار شعور اور ساتھ ہی ساتھ الفاظ کا فنکارانہ حسنِ انتخاب ان نظموں کو ادبی شہکار بنا دیتا ہے اور اس کے احساس کی صداقت اور خلوص اس کے لہجے کو وہ دردمندی بھی عطا کر دیتا ہے جو بعض نظموں کو انسانی دستاویز کا درجہ دے دیتا ہے۔ ان نظموں میں سردار ایک معلّم اور فلسفی بن کر نہیں بلکہ ایک دوست بن کر سامنے آتا ہے اور چونکہ وہ غم مشترک میں اپنا ساتھی ہے لہٰذا اس کی آواز میں اک بے پناہ کشش اور اس کے پیام میں ایک پائندہ اثر پیدا ہو جاتا ہے۔ ظریف مرحوم نے شاعر کے بارے میں کہا تھا۔

تو معالج نفسِ امّارہ کی بیماری کا ہے　　تو ذریعہ قوم اور ملت کی بیداری کا ہے

میں نے بھی اپنے مجموعۂ کلام 'میری حدیث عمر گریزاں' میں ایک عظیم فنکار کی تعریف یوں کی تھی۔

'میں تو اس فنکار کو عظیم فنکار سمجھتا ہوں جو نوعِ انساں کی اکائی بن کر انسانی درد و غم سہے اور اس غم کا مکمل احساس ہونے کے باوجود اس کی ذات میں اتنی لوچ اور اس کے فن میں اتنی سکت ہو کہ وہ اس

ebooksgallery.com

زہر کو امرت بنا کر پی جائے، اپنے دل و دماغ کی معصومیت، تازگی اور حسن کو برقرار رکھے اور دانائی کی چوٹیوں سے کُل نوعِ انسان کو جس میں گمراہ انسان بھی شامل ہوں، ایک طفلِ معصوم کے میٹھے اور سریلے بولوں میں پکارے اور منزلِ انسانیت کی طرف قدم بڑھانے کا پیغام دے۔'

'پیراہنِ شرر' کی ان نظموں میں سردار نے اگر یہ مقام حاصل نہیں کر لیا ہے تو اس مقام سے بہت دور بھی نہیں ہے۔

زندگی اور ادب دونوں ایک سلسلۂ لامتناہی ہیں۔ دونوں افق در افق آگے بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں اور جب تک دنیا قائم ہے یہ سلسلہ ختم ہونے والا نہیں ہے۔ میرا خیال تو ایسا ہے کہ وہ نظامِ حیات کبھی بھی مرتب نہ ہو سکے گا جس سے خوب تر کا جلوہ کچھ نگاہوں میں نہ ہو۔ یہ خوب تر کی خواہش ہی ارتقائے زندگی کا راز ہے۔ عظیم فن کار وہی ہے جس کا دیدۂ بینا اس خوب تر کو دیکھ سکے اور کاروانِ انسان کو اس خوب تر منزل کی طرف گامزن ہونے پر آمادہ کرے۔ ظاہر ہے کہ ایسا کرنے میں دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور سختیاں اٹھانی پڑتی ہیں۔ لیکن ایک سچا شاعر ان سے ڈر کر اپنی آواز اٹھانے سے گریز نہیں کرتا۔ غالب کے اس شعر میں ؎

لکھتے رہے جنوں کی حکایاتِ خوں چکاں
ہر چند اس میں ہاتھ ہمارے قلم ہوئے

اور چکبست کے اس شعر میں ؎

نظر کو بند کریں یا مجھے اسیر کریں
مرے خیال کو بیڑی پنہا نہیں سکتے

اور فیض کے اس قطعے میں ؎

متاعِ لوح و قلم چھن گئی تو کیا غم ہے
کہ خونِ دل میں ڈبو لی ہیں انگلیاں میں نے
زباں پہ مہر لگی ہے تو کیا کہ رکھ دی ہے
ہر ایک حلقۂ زنجیر میں زباں میں نے

اور سردار کے پیراہنِ شرر کے ان اشعار میں ؎

کھڑا ہے کون یہ 'پیراہنِ شرر' پہنے
بدن ہے چور تو ماتھے سے خون جاری ہے
کوئی دوانہ ہے لیتا ہے سچ کا نام اب تک
فریب و مکر کو کرتا نہیں سلام اب تک

باوجود 'اندازِ بیان' اور علامات کے نمایاں فرق کے ایک حیرت انگیز خاندانی مشابہت ہے۔ ایک کرب جو دور بہ دور سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا چلا آ رہا ہے۔ لیکن سردار کی آواز یہیں پر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ

ebooksgallery.com

اس کی نگاہ بینا ایک درخشاں مستقبل کی بشارت بھی دیتی ہے۔ اس مجموعے کی آخری نظم 'امانتِ غم' میں سردار کہتا ہے۔

امانت غم انساں امانت غمِ دل
یہ اک چراغ ہے قندیل مہر و مہ کی طرح
جو یہ نہ ہو تو زمانے میں روشنی کیوں ہو

- - - - - - - - - - - - -

اٹھو کہ جشنِ دل و جاں منایا جائے گا
ہر اک چمن میں یہی گل کھلایا جائے گا
یہ گل جو دردِ محبت امانت غم ہے
یہ گل جو شوخ بھی خوں گشتہ بھی ملول بھی ہے
خدائے عشق بھی ہے امن کا رسول بھی ہے

انسان کے دل کی آرزو ناموافق ماحول سے لڑنے کے لیے ایک شاعر کا پیام بن کر ہمیشہ ہونٹوں تک آتی رہی ہے۔ غالب کے کاغذی پیرہن سے لے کر سردار کے پیراہن شرر تک یہ آرزو نہ جانے کتنے لباس پہن کر گھڑی گھڑی سامنے آئی ہے لیکن جو چیز 'پیراہن شرر' کو طرۂ امتیاز بخشتی ہے وہ یہ کہ اس پیراہن شرر کے نیچے ایک پیراہن شبنم بھی ہے۔ ممکن ہے کہ اس سلگتی ہوئی دنیا کو یہ پیراہن شبنم ابھی سالوں میسّر نہ ہو لیکن ایک سچے فن کار کا حوصلہ اس خیال سے پست نہیں ہوتا۔ وہ تو اس عقیدے پر عمل کرتا ہے۔

بلا سے ہم نے نہ دیکھا تو اور دیکھیں گے　　فروغِ گلشن و صوتِ ہزار کا موسم

آنند نرائن مُلا　　25/فروری 1966

ebooksgallery.com

حرفِ اوّل

ایک دیوانہ کھڑا ہوا ہے، چاک دامن، چاک گریباں۔ اور اس پر چاروں طرف سے پتھراؤ ہو رہا ہے۔ یہ بارش اتنی شدید ہے کہ پتھر سے پتھر ٹکرا رہا ہے اور جسم سے خون کی دھاریں نکل رہی ہیں اور پتھروں سے چنگاریاں اُڑ رہی ہیں اور اس طرح برس رہی ہیں کہ دیوانے کے برہنہ جسم کا لباس بن گئی ہیں۔ اب چاکِ دامن اور چاکِ گریبان کی بھی گنجائش نہیں رہ گئی ہے مگر دیوانہ جو خود صداقت ہے اور صداقت کی آواز سر سے پاؤں تک ایک حسین مگر خون آلود شاعر بن گیا ہے۔

بہ جرمِ عشق تو ام می کشند غوغائیست

تو نیز بر سرِ بام آ کہ خوش تماشائیست

یہ قتل صدیوں سے جاری ہے اور نہ جانے کب تک جاری رہے گا۔ یہ رُکتا ہے اور پھر شروع ہو جاتا ہے اور انسانیت ایک منزل اور آگے بڑھ جاتی ہے۔ کبھی کبھی یہ محسوس ہوتا ہے کہ صداقت، جیسے گلاب کا پودا ہے، جس کی شاخیں قلم ہو جانے کے بعد نئے پھولوں کا پیراہن پہن لیتی ہیں۔ یہ بھی پیراہنِ شرر ہے۔ یا صداقت ایک دانہ ہے جو زمیں میں دفن ہونے کے بعد پھر اُگتا ہے اور ہزار دانوں میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ یہ مسیح بھی ہے اور حسین بھی اور انسان کی لافانی جدوجہد بھی۔ یہ کذب کی قاتلانہ حرکتوں کا جواز نہیں ہے بلکہ صداقت کی مظلومیت کا کرشمہ ہے جو ظلم سے زیادہ طاقتور ہے۔ اس کی زبان کبھی بند نہیں کی جا سکتی، اس کی خوشبو کبھی قید نہیں کی جا سکتی۔

دستِ صیّاد بھی عاجز ہے، کفِ گل چیں بھی

بوئے گل ٹھہری نہ بلبل کی زباں ٹھہری ہے

یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ سماجی نظام کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ انسانی فطرت خود بخود بدل جاتی

ebooksgallery.com

ہے، بدی ختم ہو جاتی ہے اور نیکی کا ظہور ہوتا ہے۔ اس حقیقت سے انحراف سے مفر نہیں کہ سماجی نظام کی تبدیلی، جو ضروری بھی ہے اور ناگزیر بھی، ناکافی ہے۔ ذہنی اور روحانی تبدیلی بھی ایک جہاد ہے اور چونکہ یہ جہادِ نفس ہے، اس لیے اور بھی مشکل ہے۔ کبیر داس کے الفاظ میں

''جسم و جان کے رن میں گھمسان کی لڑائی ہو رہی ہے۔ ہوس، غصہ، غرور اور لالچ مقابلے پر کھڑے ہوئے ہیں۔ صبر، قناعت اور صداقت کی بادشاہت میں شمشیر کا نام بلند ہو رہا ہے..

'صداقت کے متلاشی کی جدّ و جہد بہت دشوار ہے۔ سورما کی لڑائی دو چار گھنٹے چلتی ہے ستی کی جدّ و جہد ایک پل میں ختم ہو جاتی ہے لیکن صداقت کا متلاشی دن رات جنگ کرتا ہے۔ اس کی لڑائی زندگی کے آخری لمحے تک جاری رہتی ہے۔''

بہتر سماجی نظام اس جہادِ نفس کے لیے سازگار فضا پیدا کرتا ہے۔ لیکن اس سازگار فضا میں مسلسل جہاد ضروری ہے۔ یہ اجتماعی عمل بھی ہے اور انفرادی بھی۔

دوسروں کے نفس سے پہلے اپنے نفس سے جہاد ضروری ہے۔ معاشی اور سیاسی نظاموں کی ناانصافیوں کو پہچاننا اور ان کے خاتمے کے لیے لڑنا برحق ہے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ صدیوں کی نفرت، ہوس، بدی، خودغرضی، غلط احساسِ برتری اور اس قسم کے دوسرے تاریک جالوں سے دل و دماغ کی صفائی بھی برحق ہے۔ اس کے بغیر نہ تو دنیا سے جنگوں کا خاتمہ ہو سکتا ہے اور نہ ناانصافیاں ختم ہو سکتی ہیں۔

تلوار پرانے ظالموں کو صفحۂ ہستی سے نیست و نابود تو ضرور کر سکتی ہے لیکن نئے ظالموں کو پیدا کرنے والی کوکھ کو ضبطِ تولید نہیں سکھا سکتی پھر کتنی بار تاریخ کی نہ بند ہونے والی آنکھوں نے یہ تماشا دیکھا ہے کہ مظلوم ظالموں میں تبدیل ہو گئے ہیں۔ اس بھیانک قلبِ ماہیت کو بھی تو روکنا ضروری ہے۔

خارجی نظام کی تبدیلی کی جدّ و جہد سیاسی جماعتوں کا اجتماعی عمل ہے۔ لیکن انسانی روح کے داخلی نظام کی ترتیب و تربیت کی جدوجہد شاعروں اور دانشوروں کے حصے میں آتی ہے۔ اس میں شعر و فن کی تمام اصناف کام آتی ہیں۔ عشقیہ شاعری روح میں لطافت پیدا کرتی ہے اور لذّتِ فراق کو بھی لذّتِ وصال بنا کر انسانوں کو سخت سے سخت حالات میں جینا سکھاتی ہے اور سیاسی اور انقلابی شاعری روح کو صلابت عطا کرتی ہے۔ ضرورت دونوں کی ہے۔ اخلاقی شاعری کا بھی ایک مقام ہے۔ لیکن شاعر کا منصب واعظ کے منصب سے بلند ہے اور اندازِ بیان مختلف۔ یہی وجہ ہے کہ ممبر پر واعظ جلوہ گر ہوتا ہے

ebooksgallery.com

لیکن دلوں میں شاعر ابھرتا ہے۔

میری یہ نئی نظمیں جو پیراہنِ شرر پہنے کھڑی ہیں، سیاسی دستاویزیں نہیں ہیں۔ واقعات ان کی تخلیق میں کارفرما ضرور رہے ہیں۔ لیکن یہ واقعات کا بیان نہیں ہیں بلکہ ان سے پیدا ہونے والے روحانی کرب کا اظہار ہیں۔ انھیں احتجاج کہنا بھی غلط ہے۔ شاید دل کی چیخ اور روح کی پکار نے ان نظموں کی شکل اختیار کر لی ہے۔

کبھی کبھی یہ محسوس ہوتا ہے جیسے دنیا کے سر پر خوف اور نفرت دو بھوت منڈلا رہے ہیں (اور یہی انسان کے سب سے بڑے دشمن ہیں) جن سے گھبرا کر انسانی عقل ماؤف ہو جاتی ہے اور دل کی شرافت کمتر درجے کے جذبات میں تبدیل ہو جاتی ہے اور بھوتوں سے لڑنے کے بجائے انسان انسانوں کا خون کرنے لگتے ہیں اور خون جتنا زیادہ بہتا ہے خوف اور نفرت میں اتنا ہی اضافہ ہوتا جاتا ہے اور شاعر کی آواز گونگی ہو جاتی ہے اور ساز کے تار ٹوٹ جاتے ہیں۔

گیت کے دل میں خنجر ہے، الفاظ ہیں سر بریدہ

اپنے قبضے میں اک بے بسی کے سوا کچھ نہیں

نالے بیکار، فریاد بے سود ہے

آؤ مل کر محبت کو آواز دیں

نیکیوں کو پکاریں

یہ آواز اور یہ پکار خوف اور نفرت کے گہرے اندھیرے میں کتنی ہی نحیف و نزار، کتنی ہی بیکار کیوں نہ معلوم ہو لیکن اس میں امید کی ایک ننھی سی کرن دکھائی دیتی ہے جو گھنے سے گھنے اندھیرے کے دل میں اتر سکتی ہے اور خوف زدہ روح کو ایک لمحے کے لیے بے خوف بنا سکتی ہے۔

اس اندھیرے میں کہ ملتی نہیں انسان کو راہ

صرف تابندہ ہے شاعر کی نوائے ساقی

دوسری جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد سے، جنگ نہ کرنے کے عہد اور انجمن اقوام متحدہ کی تشکیل کے باوجود، دنیا تیسری جنگ عظیم کے خطرے سے دوچار ہے اور اگر یہ جنگ ہوگئی تو آخری جنگ ہوگی۔ لیکن اتفاق سے یہ خوف جو جنگوں کو جنم دیتا ہے اسی خوف نے تیسری عالم گیر جنگ روک بھی رکھا ہے۔ خوف ناک ایٹمی اور ریڈیائی ہتھیاروں سے مسلح طاقتوں کے درمیان ایک باہمی توازن قائم ہو گیا ہے۔ لیکن جب کبھی دنیا کے کسی گوشے میں کوئی چھوٹی سی جنگ شروع ہوتی ہے تو اس توازن کے بگڑ جانے

ebooksgallery.com

کا اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے اور تیسری عالم گیر جنگ کا بھیانک چہرہ دکھائی دینے لگتا ہے۔

گزشتہ چند سالوں کے اندر تیسری جنگ عظیم کا محور یورپ سے ایشیا میں منتقل ہو گیا ہے کیوں کہ ایشیا اور افریقہ کے آزاد ہونے والے ملک، جو کل تک غلام تھے دنیا کی بڑی طاقتوں کے توازن میں فرق پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اب ویت نام سے کشمیر تک ایک نیم دائرہ ہے جو ہمالیہ کی چوٹیوں سے گزرتا ہوا جہلم کی وادیوں تک پہنچ جاتا ہے اور اس میں ایشائی اقوام کی آرزوؤں اور امیدوں کی بڑی طاقتوں کے مفادات اور سیاسی مصلحتوں کی بجلیاں چمک رہی ہیں۔

اس نیم دائرے کے بطن میں مستقبل کی ساری تعبیریں ہیں۔ وہ بہت بھیانک بھی ہو سکتی ہیں اور اگر انسانی اقدار کی جیت ہو تو ایک خوبصورت بشارت بھی بن سکتی ہیں لیکن یہ بشارت اس دن پوری ہو گی جب خوف کے بجائے محبت جنگوں کے روکنے کا باعث بنے گی۔ جب نفرت کے بجائے ایک عالمگیر انسانی برادری کا تصور انسان کے درمیان نئے رشتے قائم کرے گا۔

اس لیے آج کی جنگ آلود فضا میں ان قدروں کا نام بار بار لینا ضروری ہے جو ساری انسانیت کا صدیوں کا ورثہ ہیں اور یہ خوشی کی بات ہے کہ ہندستان نے اپنی بائیس دن کی دفاعی جنگ میں بھی جو ہمیں مجبوراً لڑنی پڑی ان قدروں کو فراموش نہیں کیا۔ ہم جو گوتم بدھ، اشوک، کبیر، گرونانک، میر، غالب، ٹیگور، گاندھی اور نہرو کی شرافت کے وارث ہیں آج بھی ان الفاظ کو فخر کے ساتھ دہرا سکتے ہیں جو ہمارے راشٹر پتی ڈاکٹر رادھا کرشنن نے 25 ستمبر 65ء کی رات ہندستانی قوم کو مخاطب کرتے ہوئے اپنی ریڈیو تقریر میں ارشاد فرمائے تھے:۔

> ''جنگ جو کبھی کبھی دفاعی مقاصد کے لیے ضروری ہو جاتی ہے اس کے بعد بھی ایک بدی ہے اور انسانیت کے لیے خطرہ۔ اس سے کسی مسلک کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا کیونکہ وہ اپنے پیچھے صرف تلخی خوف اور شبہات چھوڑ جاتی ہے اور سماجی اور معاشی ترقی کی تمام کوششوں کو نقصان پہنچاتی ہے.....
>
> 'ہم ایک بین الاقوامی برادری کے رکن ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ انسانیت تمام قوموں سے بالاتر ہے اس لیے ہمیں خلوص نیت کے ساتھ تمام جھگڑوں کے پرامن فیصلے کی کوشش کرنی چاہئے۔ ہر سچے انسان کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ جس حد تک ممکن ہو اپنی انسانیت کو برقرار رکھے۔
>
> 'جرمن فلسفی شاپن ہار کو یہ شکایت تھی کہ اکثر انسان بندر سے ملتے

ebooksgallery.com

جلتے ہیں اس نے افسوس کے ساتھ کہا کہ اس سے بھی بری بات یہ ہے کہ دور
سے ان پر انسان ہونے کا شبہ ہوتا ہے۔ زیادہ تر جنگیں غلط فہمی، جھنجھلاہٹ،
ناکامی، محرومی اور قومی جذبات کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ اگر ہم انسانوں کی طرح رہنا
چاہتے ہیں تو ہمیں ان تمام جذباتی کیفیات پر قابو حاصل کرنا پڑے گا۔''

(ٹائمز آف انڈیا بمبئی کی رپورٹ سے ترجمہ 26 ستمبر 1965)

ڈاکٹر رادھا کرشنن کے الفاظ میں ہندستان کی صدیوں کا دل دھڑک رہا ہے۔ یہ ہم سب کے دل کی آواز ہے۔ اپنی سرحد، اپنی آزادی، اپنی غیر مذہبی جمہوریت کی حفاظت میں بحالت مجبوری ہتھیار اٹھانے کے باوجود جنگ کی خباثت کو کبھی برکت کا نام نہیں دیا گیا۔ یہ چونکہ ہماری مملکت کے صدر اور ہندستان کے سب سے زیادہ ذمہ دار شہری کے الفاظ ہیں اس لیے ان میں حکومت کی جنگ اور امن کی پالیسی تلاش کی جا سکتی ہے اور ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ جنگ نفرت کے ساتھ نہیں بلکہ انتہائی دردمندی کے ساتھ لڑی گئی ہے۔ جنگ کی ناگزیر غارت گری اور تباہ کاری کے باوجود دلوں میں اتحاد، محبت اور امن کا جذبہ انگڑائیاں لیتا رہا ہے اور آج بھی ہر دل میں یہی خواہش ہے کہ ہماری سلگتی ہوئی سرحدیں پُر امن ہو جائیں۔ وزیر اعظم شاستری کی ہر تقریر، ہر بیان سے اس نصب العین پر ہمارے بنیادی عقیدے کی مہر ثبت ہوتی ہے۔

ہماری قوم کے دل کی صحیح حالت کا اندازہ عصمت چغتائی کی ایک مختصر سی تقریر سے کیا جا سکتا ہے۔ عصمت نے کہا کہ:

''اگر میرا بھائی، میری بیٹی کے سینے میں خنجر بھونکنے کی کوشش کرے گا تو
میں اپنے بھائی کو قتل کر دوں گی اور پھر اس کی لاش پر بیٹھ کر روؤں گی۔''

کچھ ایسا ہی جذبہ عظیم امریکی شاعر والٹ وھٹ مین کی ایک نظم میں ہے۔ وہ کہتا ہے:

'مصالحت ایک لفظ ہے، آسمان کی طرح خوبصورت
'خوبصورت اس لیے کہ جنگ اور اس کی تباہ کاریاں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائیں
'خوبصورت اس لیے کہ موت اور رات جو دو بہنیں ہیں ان کے
ہاتھ خون اور گندگی سے بھری ہوئی زمین
کو بار بار دھوئیں
'کیونکہ میرا دشمن مر چکا ہے، ایک ایسا شخص جو میری طرح مقدس

ebooksgallery.com

اور ملکوتی تھا

'میں وہاں نظر ڈالتا ہوں جہاں وہ اپنے سفید بے خون

چہرے کے ساتھ

تابوت میں لیٹا ہوا ہے

میں اس کے قریب آتا ہوں

'اور جھکتا ہوں اور جھک کر تابوت کے اندر سفید چہرے کو بڑی نرمی کے ساتھ

اپنے ہونٹوں سے چھو لیتا ہوں''

بمبئی کے ادیبوں کے اسی جلسے میں گجراتی زبان کے ایک بڑے ادیب گلاب داس بروکر نے اپنے پاکستان میں رہنے والے گجراتی قارئین کا ذکر کیا جو انھیں محبت اور پیار سے تحفے بھیجتے رہتے ہیں۔

نئی دلی کی مشہور نامہ نگار خاتون امیتا ملک کا بیان ہے کہ عین اس زمانے میں جب ہندستانی فوجیں لاہور سکٹر کی طرف بڑھ رہی تھیں، دلی میں نہ جانے کتنے لوگ جن کی حب الوطنی پر شبہ نہیں کیا جا سکتا، لاہور اور سیالکوٹ کے گلی کوچوں کو فخر اور محبت کے ساتھ یاد کر رہے تھے۔ ظاہر ہے یہ وہ ہندو اور سکھ ہیں جو تقسیم کے وقت ان شہروں سے بے آبرو ہو کر نکلے تھے لیکن ان کے پیار کا یہ عالم تھا کہ وہ لاہور کو پیرس کی طرح حسین کہہ رہے تھے۔ حالانکہ ملک کے قومی رہنما اور فوجی افسر بار بار یہ اعلان کر رہے تھے کہ ہندستانی فوجوں کا مقصد لاہور پر قبضہ کرنا نہیں ہے پھر بھی یہ دکھے ہوئے دلوں کے ہندستانی لاہور کے لیے بیتاب تھے۔

(السٹریٹڈ ویکلی آف انڈیا، بمبئی)

خود وزیراعظم شاستری، وزیر دفاع چوہان اور ہمارے نائب صدر ڈاکٹر ذاکر حسین نے راشٹر پتی کی آواز میں آواز ملا کر ان جذبات کا اظہار کیا کہ ہماری لڑائی پاکستان کے عوام کے خلاف نہیں ہے۔ ہم ان کی ایک انچ زمین پر بھی قبضہ نہیں کرنا چاہتے، ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ وہ ایک خوش حال اور پُر امن زندگی بسر کریں اور ہمیں ہمارے ملک کے اندر چین سے رہنے دیں۔ جب جنگ اپنے شباب پر تھی اور روزانہ بمباری کی خبریں آ رہی تھیں اور دلی اور بمبئی کی دلہن کی طرح جگمگاتی ہوئی راتیں سیاہ پوش ہو گئی تھیں، اس وقت بھی ہر ایک کے دل میں یہی جذبہ تھا کہ یہ جنگ جلد سے جلد ختم ہو جائے۔

اسی زمانے میں میری نظم 'کون دشمن ہے' شایع ہوئی۔ اس نظم کا اور اس کے بعد 'صبح فردا' اور دوسری نظموں کا جس محبت اور خلوص کے ساتھ ہر حلقے میں استقبال کیا گیا وہ ہندستانی قوم کے دل کی

ebooksgallery.com

بنیادی شرافت کا ثبوت تھا۔ اردو کے علاوہ ہندی، انگریزی، مراٹھی، گجراتی، پنجابی اخبارات اور رسائل نے اس نظم کو بار بار شایع کیا، دوستوں نے اسے ایک دوسرے کے پاس تحفے کی طرح بھیجا، پڑھنے والوں نے مجھے محبت بھرے خطوط لکھے، آل انڈیا ریڈیو نے اسے مختلف شہروں سے بار بار نشر کیا اور کشمیر کے وزیر اعلیٰ محمد طارق نے مجھے سری نگر سے لکھا کہ:

'نظم بے حد پسند کی گئی۔ کل مجھے ریڈیو سے سرحد کے اس پار رہنے والوں کو خطاب کرنا تھا۔ میں نے تقریر کم کی اور نظم زیادہ سنائی۔ پوسٹر اور پمفلیٹ کی شکل میں نظم چھاپی جارہی ہے۔'

میں نے بمبئی اور دلی کے درمیان مختلف شہروں میں صرف چند ہفتوں کے اندر یہ نظم سیکڑوں بار سنائی اور بعض محفلوں میں کئی کئی بار پڑھی اور ہر مرتبہ کسی بوڑھے، کسی جوان، کسی مرد یا عورت کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ یہ نم دیدہ آنکھیں ہندو اور مسلمان کی قید سے آزاد تھیں۔

میں نے تیس برس کی شاعرانہ زندگی میں اس سے اچھی نظمیں بھی کہی ہیں، پرسکون زمانے میں بھی اور طوفانی دور میں بھی، سیاسی ہنگاموں اور فرقہ وارانہ فسادات کی تباہ کاریوں کے عالم میں، جب کہ جذبات برانگیختہ ہوتے ہیں، میری کسی نظم کا اتنا شاندار استقبال نہیں ہوا۔ اس تجربے نے میرے یقین اور حوصلے کو بڑھا دیا ہے۔ میں اپنے ملک کی صحت مند جمہوری روایت پر فخر کرسکتا ہوں اور اعتماد کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ ہماری قوم کی روح گندی نہیں ہے اور اس پرُ امن قوم کو جنگ باز قوم میں تبدیل نہیں کیا جاسکتا۔

یہ ہندستان کی عظمت اور صداقت کی دلیل ہے کہ جنگ کے شباب کے زمانے میں بھی عام آدمی گلوگیر آواز میں یہ مصرعے میرے ساتھ دہرا رہے تھے۔

ہمارے پاس ہے کیا دردِ مشترک کے سوا
مزا تو جب تھا کہ مل کر علاجِ جاں کرتے
خود اپنے ہاتھوں سے تعمیرِ گلستاں کرتے
ہمارے درد میں تم اور تمھارے درد میں ہم
شریک ہوتے تو پھر جشنِ آشیاں کرتے

اس حقیقت سے کیسے انکار کیا جاسکتا ہے کہ تقسیم کے باوجود ہندستان اور پاکستان کے عوام ایک دوسرے سے جتنے قریب ہیں دنیا کا کوئی ملک اس کی مثال نہیں پیش کرسکتا۔ ہندستان کے تمدن کے ابتدائی سرچشمے ہڑپا اور موہنجو داڑو تہذیب کی نشانیاں تکشلا اور سکھوں کی مقدس زیارت گاہیں پاکستان میں

ebooksgallery.com

ہیں گرو نانک کے نقشِ قدم اب بھی اس خاک میں تلاش کیے جا سکتے ہیں اور مسلمانوں کی تہذیب کی نشانیاں لال قلعہ، قطب مینار، تاج محل، نظام الدین اولیا اور خواجہ معین الدین چشتی کے مزار، غالب اور میر کے شہر دلی اور لکھنؤ اور آگرہ سب ہندستان میں ہیں۔ اسی بنگالی زبان کی خوشبو ڈھاکے میں پھیلی ہوئی ہے جس سے کلکتے کی گلیاں معطر ہیں۔ ٹیگور اور نذرالاسلام دونوں جگہ کے قومی شاعر ہیں۔ اگر ایک دلی اٹھ کر کراچی میں جا بستی ہے تو ایک لاہور دلی میں آباد ہو گیا ہے۔ وہی اردو، وہی پنجابی، وہی سندھی زبانیں دونوں ملکوں کے درمیان دریاؤں کی طرح بہہ رہی ہیں، اگر فیض ہندستان میں مقبول ہیں تو مولانا ابوالکلام آزاد اور کرشن چندر کی تحریریں پاکستانیوں کی آنکھ کا سرمہ ہیں۔ ہماری تہذیب، ہمارا تمدن، ہمارا رہن سہن، ہماری جذباتی افتاد، ہمارے پیار کرنے اور نفرت کرنے کے طریقے سب ایک سے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب کوئی امرتا پریتم تقسیم کی غارت گری پر آنسو بہاتی ہے تو اپنی بے بسی کے عالم میں وارث شاہ کو آواز دیتی ہے۔ لاہور ریڈیو اور دلی ریڈیو ایک ہی لے میں بیر گاتے ہیں۔ پھر کیا اس کے بعد ہم یہ محسوس کرنے پر مجبور نہیں ہیں کہ ان دو ملکوں کے درمیان ہونے والی جنگ سے زیادہ بھیانک کسی اور جنگ کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

غالباً 10 یا 11 ستمبر کی بات ہے میں اپنے گھر کی دوسری منزل سے اتر رہا تھا کہ پہلی منزل کے زینے پر مجھے ایک سکھ دوست ملے جنھیں میں اتنا کم جانتا تھا کہ پہچاننے میں تکلف ہوا۔ وہ تھوڑی دور میرے ساتھ چلتے رہے اور پھر پوچھنے لگے 'کیا ہو رہا ہے؟' میں نے ایک لفظ میں جواب دیا 'جنگ' سردار جی خاموش رہے اور پھر تھوڑی دیر کے بعد بولے 'ایک شعر سناؤں' اور انھوں نے مجھے میرا ایک پرانا شعر سنایا۔

کام اب کوئی نہ آئے گا بس اک دل کے سوا
راستے بند ہیں سب کوچۂ قاتل کے سوا

یہ محبت اور دردمندی اگر پاکستان کو بھی نصیب ہو جائے تو ہم بڑی آسانی سے کوچۂ قاتل کو کوچۂ جاناں میں تبدیل کر سکتے ہیں۔

لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ پاکستان کے ادیبوں اور دانشوروں نے نفرت کو اپنا سب سے بڑا حربہ بنا رکھا ہے۔ ہمیں پاکستان کے اندرونی حالات میں مداخلت کرنے کا کوئی حق نہیں ہے اور نہ ہم پاکستان کے حکمرانوں سے بات کر سکتے ہیں لیکن ہم پاکستان کے شاعروں، ادیبوں اور دانشوروں کو مخاطب کرنے کا حق ضرور رکھتے ہیں اور اگر ہماری آواز ان تک پہنچ سکے تو ہم ان سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ

ebooksgallery.com

ہندستان کے خلاف نفرت پھیلانے کے بجائے اگر وہ اپنے ملک کے اندر محبت، دوستی اور ہمدردی کی فضا پیدا کرنے کی کوشش کریں، اپنے عوام کے جمہوری حقوق کے لیے آواز بلند کریں اور اپنے ملک کو سامراجی سازشوں کے جال سے باہر نکال لینے کی جدوجہد میں اپنے قلم سے کام لیں تو ہندستان اور پاکستان کے درمیان خوشگوار حالات پیدا ہو سکتے ہیں۔ یہ دونوں ملکوں کی بقا اور ترقی ہی کے لیے نہیں بلکہ سارے ایشیا کی آزادی اور سارے عالم کے امن کے لیے ایک مبارک قدم ہوگا۔

ہماری پیش کش امن ہے اور ہم اس کا جواب امن کے نعرے ہی کی شکل میں سننا چاہتے ہیں۔

انسانی برادری کا جو خواب صوفیوں اور سنتوں نے دیکھا تھا، جس کے ترانے رومی، حافظ، کبیر اور گرونانک جیسی مقدس ہستیوں نے گائے تھے، وہ خواب ابھی تک شرمندۂ تعبیر نہیں ہوا ہے۔ انسان اب بھی نسل، رنگ مذہب، عقائد، سیاست، جغرافیائی حدود اور قوموں کے نام پر تقسیم ہے۔ جب انسان ان تمام اضافی تعریفوں سے بے نیاز ہو کر صرف انسان رہ جائے گا، وہ وقت ابھی بہت دور ہے لیکن اس وقت کا تصور کرنا، اس کو محسوس کرنا، دیکھ لینا اور اس کا جشن منانا ہر شاعر کا کام ہے۔

بمبئی

اکتوبر 1965 سردار جعفری

پیراہن شرر

کھڑا ہے کون یہ پیراہن شرر پہنے
بدن ہے چور تو ماتھے سے خون جاری ہے
زمانہ گزرا کہ فرہاد و قیس ختم ہوئے
یہ کس پہ اہلِ جہاں، حکم سنگ باری ہے
یہاں تو کوئی بھی شیریں ادا نگار نہیں
یہاں تو کوئی بھی لیلیٰ بدن بہار نہیں
یہ کس کے نام پہ زخموں کی لالہ کاری ہے

کوئی دِوانہ ہے، لیتا ہے سچ کا نام اب تک
فریب و مکر کو کرتا نہیں سلام اب تک
ہے بات صاف سزا اِس کی سنگ ساری ہے

6، اگست 1965

ebooksgallery.com

تم بھی آؤ

منزل دور اندھیری راہیں
کانٹے کانٹے، جنگل جنگل
خشک لہو کے لمبے صحرا
خون کی بارش
سناٹوں کے بھاری پتھر
جیسے اولوں کا پتھراؤ

تنہا راہیں کٹ نہ سکیں گی
تنہا منزل مل نہ سکے گی
پاؤں کے چھالے
دشت کے دل میں
پھول کی صورت کھل نہ سکیں گے
خون کی بارش رک نہ سکے گی
سناٹوں کے ہاتھ کے پتھر
ختم نہ ہوں گے
میں تنہا ہوں، تم بھی تنہا
تنہا تنہا مر جائیں گے
میں آتا ہوں
تم بھی آؤ

15 جولائی 1965

ebooksgallery.com

انٹلکچول

(ایک طنزیہ نظم)

یہ کتابیں ہیں، یہ کاشی کے حسیں پیالے ہیں
جن پہ بنگال کے نقاشوں نے
اپنے ہاتھوں سے بنائے ہیں عجب نقش و نگار
جن سے مانی کی تصویریں بھی شرمندہ ہیں

اور یہ ٹوٹا ہوا سر، اینٹھے ہوئے ہاتھ اور پاؤں
سات آنکھوں کا فریب
گیارہ ہونٹوں کا طلسم
ایک تصویر ہے، مقصد ہے نہ مطلب کوئی
صرف اک لذتِ اظہار کا آئینہ ہے
کس کو معلوم حسیں کیا ہے، بھیانک کیا ہے
ایک ہی شے ہے، جسے کہتے ہیں احساسِ نشاط
یا نشاطِ احساس
نہ تو اظہار ہی ممکن ہے، نہ ترسیل اس کی

ebooksgallery.com

جس کو سر سمجھا تھا، وہ سر بھی نہیں
آنکھ اور ہونٹ فقط رنگ کے کچھ دھبے ہیں
اور دھبے بھی نہیں
شاید اک لمحۂ بیتاب و گریزاں جم کر
قطرۂ خونِ دل و اشک بنا جاتا ہے

اور یہ لمحہ کہ ازل ہے نہ ابد
وقت کی جنبشِ پرکا یہ گریزاں سایہ
آتشیں بوسۂ لب ماضی و مستقبل کا
یاس و امید کی ہم آغوشی
موت اور زیست کا وصل
یہی انساں کی حقیقت، یہی انسان کی اصل

وقت اور موت کے پنجے سے ملے گی نہ نجات
سب ہی بے کار ہیں شمشاد قدوں کی باتیں
لب لعلیں کی مسیحا نفسی کے قصے
حق و باطل کے تصادم کے تمام افسانے
اک حقیقت ہے تو وہ روح کی تنہائی ہے
مئے تنہائی سے تنہائی کا پیمانہ بھرو
مئے تنہائی سے
مئے تنہائی سے

1 رجون 1965

یہ لہو

اس لہو کا کیا کرو گے
یہ لہو
گرم جیسے بوسۂ لب، سرخ جیسے رنگِ گل
ننھے بچوں کا تبسم، بوڑھے ہونٹوں کی دعا
نیم وا آنکھوں کا کاجل، نرم ہاتھوں کی حنا
بربطِ مطرب کا نغمہ، سازِ شاعر کی نوا
عشق کا عہدِ وفا
یہ لہو کافر نہیں، مرتد نہیں، مسلم نہیں
وید و گیتا کا ترنم، مصحفِ یزداں کا لحن
یہ کتابِ زندگی کا پہلا حرفِ دل نواز
آرزو کی سب سے پہلی راگنی
روحِ انجیلِ مقدس، جانِ توریت و زبور
خنجروں کی پیاس اس شعلے سے بجھ سکتی نہیں

اس لہو کا کیا کرو گے
یہ لہو
گرم و سرخ و نوجواں

ebooksgallery.com

خاک پر ٹپکے گا تو جل جائے گی دھرتی کی کوکھ
آسماں سے قطرۂ رحمت نہ برسے گا کبھی
کوئی دانہ پھر نہ اپجے گا کبھی
کوئی کونپل مسکرائے گی نہ پھر مہکے گا پھول

یہ لہو ہونٹوں کی خوشبو، یہ لہو نظروں کا نور
یہ لہو عارض کی رنگت، یہ لہو دل کا سرور
آفتابِ کوہِ فاراں، جلوۂ سیناوطور
شعلۂ حرفِ صداقت، سوزِ جانِ ناصبور
کلمۂ حق کا اجالا، یہ تجلّی کا ظہور
یہ لہو، میرا لہو، تیرا لہو، سب کا لہو

10/اگست 1965

ebooksgallery.com

دعا

(ویت نام سے کشمیر تک خون آلودہ افق کے نام)

پھر چلا جنگ کا دیوتا
سرخ شعلوں کے خنجر کو تانے ہوئے
خون کی پیاس سے
گوشت کی بھوک سے
چیختا اور چنگھاڑتا
آسمانوں پہ عفریت کی طرح اڑتا ہوا
موت کی طرح دھرتی پہ چلتا ہوا

حسن کی خیر ہو، خیر بچوں کی معصومیت کی
فصلیں سہمی ہوئی
کھیت گھبرائے گھبرائے سے
جو فضائیں نئی کونپلوں کی مہک سے معطر تھیں وہ
گندی بارود کی بو سے سرشار ہیں
خوں کے چھینٹے ہیں شبنم کے پیراہنوں پر
مندروں، مسجدوں اور کلیساؤں کے دامنوں پر

ebooksgallery.com

اس کا آغاز سب پچھ ہے،
انجام کچھ بھی نہیں
حاصل قتل و غارت ہے کیا؟
چند اجڑے ہوئے شہر، جھلسے ہوئے راستے
سرنگوں بیوگی
اشک آلودہ و زخم خوردہ یتیمی

کوئی گوتم نہیں جس کی شفقت
دل کے زخموں پہ رکھ دے
اپنے غمگیں تبسم کی درد آشنا چاندنی
کوئی گاندھی نہیں
آج جس کی شہادت سپر بن کے ہر وار کو روک لے
کوئی نہرو نہیں
جس کا دامن پکڑ کر یہ پوچھیں یہ کیا ہو رہا ہے

گیت کے دل میں خنجر ہے، الفاظ ہیں سر بریدہ
اپنے قبضے میں ایک بے بسی کے سوا کچھ نہیں
نالے بیکار، فریاد بے سود ہے
آؤ مل کر محبت کو آواز دیں
نیکیوں کو پکاریں

16/ اگست 1965

ebooksgallery.com

قطعہ

دل کو پھر زخم تمنا نے ا بت بد ے
جان بے تاب کو لو درد نے یار کیا
جب کبھی یاد کیا شاہد ر ائی سے
ہم نے بھی کوئے ملامت سے نہ انکار کیا

17 اگست 1965

☆☆☆☆☆

ebooksgallery.com

غزل

الجھے کانٹوں سے کہ کھیلے گلِ تر سے پہلے
فکر یہ ہے کہ صبا آئے کدھر سے پہلے

جام و پیمانہ و ساقی کا گماں تھا لیکن
دیدۂ تر ہی تھا یاں دیدۂ تر سے پہلے

ابرِ نیساں کی نہ برکت ہے نہ فیضانِ بہار
قطرے گم ہو گئے تعمیرِ گہر سے پہلے

جم گیا دل میں لہو، سوکھ گئے آنکھوں میں اشک
تھم گیا دردِ جگر، رنگِ سحر سے پہلے

قافلے آئے تو تھے نعروں کے پرچم لے کر
سرنگوں ہو گئی ہر آہ اثر سے پہلے

خونِ سر بہہ گیا، موت آ گئی دیوانوں کو
بارشِ سنگ سے طوفانِ شرر سے پہلے

سرخیِ خونِ تمنا کی مہک آتی ہے
دل کوئی ٹوٹا ہے شاید گلِ تر سے پہلے

مقتلِ شوق کے آداب نرالے ہیں بہت
دل بھی قاتل کو دیا کرتے ہیں سر سے پہلے

18/اگست 1965

غزل

وہ بہاریں وہ ہوائیں، جو زمیں زمیں چمن دیں
وہی مہر و ماہ لائیں، جو اُفق اُفق کرن دیں

یہ نیا زمانہ اے دل جو وقار کھو چکا ہے
اسے اپنی سربلندی، اسے اپنا بانکپن دیں

جو ہیں رند بھٹکے بھٹکے، جو ہیں ساقی بہکے بہکے
انہیں درسِ میکدہ دیں، انہیں ذوقِ انجمن دیں

بڑی دیر ہو چکی ہے کہ ہیں نوحہ خواں ستارے
چلو اب شبِ سیہ کو، نئی صبح کا کفن دیں

لبِ تیغ پر لہو ہے، لبِ زخم پر تبسم
یہ حیات تن برہنہ اسے کیسا پیرہن دیں

نئی روح جسمِ خستہ کو عطا نہ ہو سکے تو
یہ کریں کہ روحِ نو کو، کوئی اک نیا بدن دیں

نئی ابروؤں کو بجلی، نئی انکھڑیوں کو صہبا
نئی تیغ دیں نظر کو، نئی زلف کو شکن دیں

یہ زمیں مری زمیں ہے، یہ فلک مرا فلک ہے
انھیں صید کر چکی ہیں، مرے فکر کی کمندیں

اُسی بزم میں ملیں گے ابھی شعرِ تر کے ساغر
چلو بزمِ جعفری میں تمھیں جامِ فکر و فن دیں

28/اگست 1965

ebooksgallery.com

غزل

وہی ہے وحشت ، وہی ہے نفرت، آخر اس کا کیا ہے سبب
انساں انساں بہت رٹا ہے ، انساں انساں بنے گا کب
وید، اُپنی شد پرزے پرزے، گیتا قرآں ورق ورق
رام و کرشن و گوتم و یزداں ، زخم رسیدہ سب کے سب
اب تک ایسا ملا نہ کوئی، دل کی پیاس بجھاتا جو
یوں میخانہ چشم بہت ہیں ، بہت ہیں یوں تو ساقی لب
جس کی تیغ ہے دنیا اس کی، جس کی لاٹھی اس کی بھینس
سب قاتل ہیں سب مقتول ہیں ، سب مظلوم ہیں ظالم سب
خنجر خنجر قاتل ابرو، دلبر ہاتھ، مسیحا ہونٹ
لہو لہو ہے شام تمنا، آنسو آنسو صبح طرب
دیکھیں دن پھرتے ہیں کب تک، دیکھیں پھر کب ملتے ہیں
دل سے دل، آنکھوں سے آنکھیں، ہاتھ سے ہاتھ اور لب سے لب
زخمی سرحد، زخمی قومیں، زخمی انساں ، زخمی ملک
حرف حق کی صلیب اٹھائے، کوئی مسیح تو آئے اب

29/اگست 1965

ebooksgallery.com

غزل

کس سے پوچھیں کون بتائے، صبح کی کب پھوٹے گی کرن
رات کی سرحد مقتل مقتل، باندھ کے نکلو سر سے کفن
لے کر پھر قندیل محبت ، اترو دل کے اندھیرے میں
روح کی تاریکی کو روشن کرتی نہیں سورج کی کرن
جشن ستم ہے، ناچ رہے ہیں خنجر، تیغیں گاتی ہیں
خون آلودہ شام گیسو، زخم رسیدہ صبح بدن
کعبۂ دل میں بیٹھے ہیں ، اب بھی صدیوں کے فرسودہ بُت
رنگ و نسل و شیخ و برہمن، مذہب و ملت ، ملک و وطن
یہ دنیا گمراہ ہے اب تک، پھر بولو اے سنت کبیر
ایک ہی سونے کے سب گہنے، ایک ہی مٹی کے برتن
ایک ہی نور ہے سب شمعوں میں ،ایک ہی رس سب میووں میں
اپنے منہ کو میٹھا کر لو، کر لو آنکھوں کو روشن
ایک پرستاں کی سب پریاں ، ایک گلستاں کے سب پھول
نیلے نیلے، پیلے پیلے، اودے اودے پیراہن
خون کی نہریں سینچ رہی ہیں انسانی لاشوں کے کھیت
بھوکے پیٹ کے کام نہ آئیں گے یہ زخموں کے خرمن
ہم نے تو روٹی کی خاطر تن کے ٹکڑے بیچے ہیں
تم نے آخر کس کی خاطر بیچ دیا ہے اپنا من

30راگست1965

ebooksgallery.com

جنگ بازوں کا فرمان

خون و بارود کی بو کو بھی معطر سمجھو
حکم اب یہ ہے کہ زخموں کو گلِ تر سمجھو
موت کی گود سے لو لذتِ ہم آغوشی
خمِ تلوار کو محبوب کا پیکر سمجھو
جنگ کو امن کہو، امن کو دو جنگ کا نام
نشترِ خار کو پھولوں کے برابر سمجھو
دولتِ دیدۂ تر چار طرف عام ہوئی
آنسوؤں کو بھی مئے ناب کا ساغر سمجھو
روحِ ابلیس کو دو حضرتِ جبریل کا نام
جھوٹ کو حکمِ خدا، حرفِ پیمبر سمجھو

3/ستمبر 1965

ebooksgallery.com

کون دشمن ہے

یہ ٹینک، توپ، یہ بمبار، آگ بندوقیں
کہاں سے لائے ہو، کس کی طرف ہے رُخ ان کا
دیارِ وارث و اقبال کا یہ تحفہ ہے؟
جگا کے جنگ کے طوفاں زمینِ نانک سے
اُٹھے ہو برق گرانے کبیر کے گھر پر

غلام تم بھی تھے کل تک، غلام ہم بھی تھے
نہا کے خون میں آئی تھی فصلِ آزادی

ابھی تو صبح کی پہلی ہوائیں سنکی ہیں
ابھی شگوفوں نے کھولی نہیں ہے آنکھ اپنی
ابھی بہار کے لب پر ہنسی نہیں آئی
نہ جانے کتنے ستارے بجھی سی آنکھوں کے
نہ جانے کتنے فسردہ ہتھیلیوں کے گلاب
ترس رہے ہیں ابھی رنگ و روشنی کے لیے

ہمارے پاس ہے کیا دردِ مشترک کے سوا

ebooksgallery.com

مزا تو جب تھا کہ مل کر علاجِ جاں کرتے
خود اپنے ہاتھ سے تعمیرِ گلستاں کرتے
ہمارے درد میں تم اور تمھارے درد میں ہم
شریک ہوتے تو پھر جشنِ آشیاں کرتے

مگر تمھاری نگاہوں کا طور ہے کچھ اور
یہ بہکے بہکے قدم اُٹھ رہے ہیں کس جانب؟
کدھر چلے ہو یہ شمشیر آزمانے کو؟
سمجھ لیا ہے جسے تم نے ملک کی سرحد
وہ سرحد دل و جاں ہے، ہمارا جسم ہے وہ
حسین ، بلند، مقدّس، جوان، پاکیزہ
ہے اس کا نام خیابانِ جنت کشمیر
ہے اس کا نام گلستانِ دلّی و پنجاب
ہم اس کو پیار سے کہتے ہیں لکھنؤ بھی کبھی

تم اس کو تیغ کے ہونٹوں سے چھو نہیں سکتے
ادب سے آؤ کہ غالب کی سرزمین ہے یہ
ادب سے آؤ کہ ہے میر کا مزار یہاں
نظام و کاکی و چشتی کے آستانے ہیں
جھکا دو تیغوں کے سر بارگاہِ رحمت میں

ebooksgallery.com

ہمارے دل میں رفاقت بھی اور پیار بھی ہے
تمھارے واسطے یہ روح بے قرار بھی ہے
اگرچہ کہنے کو جی چاہتا نہیں لیکن
جوابِ اہلِ ہوس، تیغ آب دار بھی ہے
اُدھر بہن ہے کوئی، کوئی بھائی، کوئی عزیز
گزشتہ بادہ پرستوں کی یادگار کوئی
رفیقِ مجلس و زنداں ، رفیقِ دار کوئی
ہماری طرح سے رُسوائے کوئے یار کوئی
لبوں پہ جن کے تبسم ہے عہدِ رفتہ کا
نظر میں خواب ہیں بیتے ہوئے زمانے کے
دلوں میں نور چراغِ امید فردا کے

وہ سب جو غیر نظر آ رہے ہیں ، اپنے ہیں

ادھر بھی حلقۂ یاراں ، ہجوم مشتاقاں
اُدھر بھی چاہنے والوں کی کچھ کمی ہی نہیں
ہزاروں سال کی تاریخ ہے ثبوت اس کا
کھڑے ہیں سینوں پہ زخموں کے گل کھلائے ہوئے
دیارِ ہیر کی یادوں سے دل جلائے ہوئے
چناب و جہلم و راوی سے لو لگائے ہوئے
ہمارے بیچ میں حائل ہیں آگ کے دریا

ebooksgallery.com

تمھارے اور ہمارے لہو کے ساگر ہیں
بہت بلند سہی نفرتوں کی دیواریں
ہم ان کو ایک نظر میں گرا بھی سکتے ہیں
تمام ظلم کی باتیں بھلا بھی سکتے ہیں
تمھیں پھر اپنے گلے سے لگا بھی سکتے ہیں
مگر یہ شرط ہے تیغوں کو توڑنا ہوگا
لہو بھرا ہوا دامن نچوڑنا ہوگا
پھر اس کے بعد نہ تم غیر ہو نہ غیر ہیں ہم

تم آؤ گلشنِ لاہور سے چمن بردوش
ہم آئیں صبحِ بنارس کی روشنی لے کر
ہمالیہ کی ہواؤں کی تازگی لے کر
اور اُس کے بعد یہ پوچھیں کہ کون دشمن ہے؟

12/ستمبر 1965

ebooksgallery.com

شہرِ تمنّا

(دہلی کے نام)

اے دیارِ دوست، اے شہرِ تمنّا، آج کیوں
آرہی ہے یاد تیری دلبری کی بار بار
دردِ دل کی کیفیت پہلے کبھی ایسی نہ تھی
روحِ شاعر یوں تو رہتی ہے ہمیشہ بے قرار
جنگ کی تاریک شب ہے اور بلاؤں کا نزول
ہو نہ جائیں یک بہ یک تیری فضائیں شعلہ بار
لُٹ نہ جائے یہ ضیا، یہ رونقِ دیوارودر
راکھ ہو جائے نہ جل کر تیرے کوچوں کی بہار
منتظر ہوں میں بھی اس جشنِ مسرّت کے لیے
جس کی خاطر لمحہ لمحہ ہے سراپا انتظار
تجھ کو لے لے اپنے حلقے میں جوانی کی امنگ
سرنگوں ہونے نہ پائے تیری عظمت کا حصار
تیری دیواروں سے ٹکرائیں بلائیں اپنا سر
تیرے دروازے سے جائے ہو کے آفت شرمسار
مشعلِ رخسار سے روشن ہوں تیرے بام و در
بوئے گیسوئے معنبر سے ہوں گلیاں عطر بار

ebooksgallery.com

تیرے دیوانوں پہ برسیں مہرباں نظروں کے تیر
عشق کے سینے پہ ہو زلفوں کی تیغ آب دار
نغمۂ جمہوریت ہو تیرے بازاروں کا شور
کار خانے گائیں تیرے گیت جیسے آبشار
پھول سی آغوش میں بچوں کو مائیں بھینچ لیں
پھول سے ہونٹوں سے بچے پھر کریں ماؤں کو پیار
پھر اڑیں ہر سمت ہاتھوں کی سنہری تتلیاں
دھودے پھر گرد مصیبت کو تبسم کی پھوار
پھر کھلیں در حسن کی محبوب باہوں کی طرح
کھڑکیوں سے ہو طلوع جلوۂ دیدارِ یار
جگمگا اٹھیں ترے بے نور، بے رونق چراغ
تیرے ایوانوں کی گردن میں ہوں پھر شمعوں کے ہار
آرزوئیں پھر کہیں افسانۂ تعمیر نو
کشتیِ دل سے ہو طوفان تمنا ہم کنار
دور ہو کر بھی میں تجھ سے آج ہوں نزدیک تر
اے دیارِ دوست، اے شہر تمنا، کوئے یار
جل رہی ہے دل میں تیری شمع محبوبی کی لو
روح میں اتری ہوئی ہے حسن کے خنجر کی دھار
تیری پیشانی کو چومے فتح و نصرت کی کرن
تیرے قدموں پر ہو قرباں گردشِ لیل و نہار

13/ستمبر 1965

ebooksgallery.com

دستِ فریاد

چھاؤں ہے جنگ کے میدان میں تلواروں کی
دل ہلا دیتی ہے للکار جگر داروں کی
ایک بھی دشمنِ جاں بچ کے نہ جانے پائے

وہ جو ہتھیار لیے آتے ہیں، سب دشمن ہیں
جس نے ہتھیار دیے وہ بھی تو دشمن ہوگا
آج ہی کل میں مگر آنے کو ہے روزِ حساب
دست فریاد میں کس کس کا نہ دامن ہوگا

15/ستمبر 1965

اشکِ ندامت

کہاں ہیں اشک ندامت، کہ دھوئیں دامن سے
لہو کا داغ، دلوں سے کدورتوں کا غبار
یہ اشک ہوں تو ابھی روح پر جلا ہو جائے
یہ آدمی کہ جو ہے نفرتوں کے حلقے میں
یہ آدمی جو ہوا و ہوس کے دام میں ہے
شکار اپنی بنائی ہوئی سیاست کا
مقامِ عشق پہ فائز ہو اور خدا ہو جائے

16/ستمبر 1965

ebooksgallery.com

صبحِ فردا

اسی سرحد پہ کل ڈوبا تھا سورج ہو کے دو ٹکڑے
اسی سرحد پہ کل زخمی ہوئی تھی صبحِ آزادی
یہ سرحد خون کی، اشکوں کی، آہوں کی، شراروں کی
جہاں بوئی تھی نفرت اور تلواریں اُگائی تھیں

یہاں محبوب آنکھوں کے ستارے تلملائے تھے
یہاں معشوق چہرے آنسوؤں میں جھلملائے تھے
یہاں بیٹوں سے ماں، پیاری بہن بھائی سے بچھڑی تھی

یہ سرحد جو لہو پیتی ہے اور شعلے اگلتی ہے
ہماری خاک کے سینے پہ ناگن بن کے چلتی ہے
سجا کر جنگ کے ہتھیار میداں میں نکلتی ہے
میں اس سرحد پہ کب سے منتظر ہوں، صبحِ فردا کا

ebooksgallery.com

(2)

یہ سرحد پھول کی، خوشبو کی، رنگوں کی، بہاروں کی
دھنک کی طرح ہنستی، ندیوں کی طرح بل کھاتی
وطن کے عارضوں پر زلف کے مانند لہراتی
مہکتی، جگمگاتی، اک دلھن کی مانگ کی صورت
کہ جو بالوں کو دو حصّوں میں تو تقسیم کرتی ہے
مگر سیندور کی تلوار سے، صندل کی انگلی سے

یہ سرحد دلبروں کی، عاشقوں کی، بیقراروں کی
یہ سرحد دوستوں کی، بھائیوں کی، غم گساروں کی
سحر کو آئے خورشیدِ درخشاں پاسباں بن کر
نگہبانی ہو شب کو آسماں کے چاندتاروں کی
زمیں پامال ہو جائے بھرے کھیتوں کی یورش سے
سپاہیں حملہ آور ہوں درختوں کی قطاروں کی
خدا محفوظ رکھے اس کو غیروں کی نگاہوں سے
پڑیں نظریں نہ اس پر خوں کے تاجر تاجداروں کی
کچل دیں اس کو فولادی قدم بھاری مشینوں کے
کرے یلغار اس پر ضرب کاری دستکاروں کی
اڑیں چنگاریوں کے پھول پتھر کے کلیجے سے
جھکے تیشوں کی محرابوں میں گردن کو ہساروں کی
لبوں کی پیاس ڈھالے اپنے ساقی اپنے پیمانے
چمک اٹھیں مسرّت سے نگاہیں سوگواروں کی
محبّت حکمراں ہو، حسن قاتل، دل مسیحا ہو
چمن میں آگ برسے شعلہ پیکر گل عذاروں کی

ebooksgallery.com

وہ دن آئے کہ آنسو ہو کے نفرت دل سے بہہ جائے
وہ دن آئے یہ سرحد بوسۂ لب بن کے رہ جائے

(3)

یہ سرحد من چلوں کی، دل جلوں کی، جاں نثاروں کی
یہ سرحد سرزمین دل کے بانکے شہہ سواروں کی
یہ سرحد کج کلاہوں کی، یہ سرحد کج اداؤں کی
یہ سرحد گلشنِ لاہور و دِلّی کی ہواؤں کی
یہ سرحد امن و آزادی کے دل افروز خوابوں کی
یہ سرحد ڈوبتے تاروں، ابھرتے آفتابوں کی
یہ سرحد خوں میں لتھڑے پیار کے زخمی گلابوں کی

میں اس سرحد پہ کب سے منتظر ہوں صبح فردا کا

25ستمبر 1965

ebooksgallery.com

ہمارے نام

ستارے آسماں پہ نقرئی حرفوں سے لکھتے ہیں
تمھارا نام تاریکی کے سینے پر اُبھرتا ہے
یہی تارے تھے جن کو جوڑ کر مدت ہوئی تم نے
اندھیری رات کے ماتھے پہ میرا نام لکھا تھا
یہ نورانی فرشتے ناچ اٹھے تھے، مسکرائے تھے
تمھاری ایک انگشت حنائی کے اشارے پر
ہمارے جسم گیلی گھاس کی شبنم سے تر ہو کر
فرازِ آسماں سے کہکشاں کو کھینچ لائے تھے
نظر کانپی تھی لب نا آشنا لب تھرتھرائے تھے

زمیں پر میں بھی تنہا ہوں، زمیں پر تم بھی تنہا ہو
ہجومِ بزمِ یاراں میں، ہجومِ غم گساراں میں
ہزاروں فاصلے ہیں منزلوں کے رہگزاروں کے
ہزاروں فاصلے دریاؤں کے اور کوہساروں کے
ہزاروں فاصلے ایسے کہ ناپے جا نہیں سکتے

ebooksgallery.com

مگر نیلی فضا میں آسمانوں کی بلندی پر
ہمارے نام ہیں دو دوست، دو معشوق، دو عاشق
جنھوں نے پیار سے بانہوں میں باہیں ڈال رکھی ہیں

یہ روشن دائرے، ہیروں کی محرابوں کے سائے میں
کبھی جا کر ثریا سے، کبھی زہرہ سے ملتے ہیں
کبھی کرتے ہیں باتیں ماہ و مرّیخ و عطارد سے
کبھی یہ تیرتے ہیں کہکشاں کی گہری جھیلوں میں
نہاتے ہیں کبھی رنگِ شفق کے آبشاروں میں

لیے پھرتی ہے ان کو گردشِ شام و سحر لیکن
یہ دامِ گردشِ شام و سحر کو توڑ دیتے ہیں
یہ لافانی ستارے عصرِ حاضر کا مقدّر ہیں
زمیں، رقاصۂ افلاک کے ماتھے کا جھومر ہیں

کبھی دہلی، کبھی شیراز پر یہ جگمگاتے ہیں
کبھی لندن، کبھی نیویارک پر یہ مسکراتے ہیں
کبھی یہ ماسکو کے سر پہ تاجِ نور رکھتے ہیں

کبھی یہ دشمنوں کی سرحدوں کو پار کرتے ہیں
کبھی چشموں، کبھی باغوں کو جھک کر پیار کرتے ہیں
پروتے ہیں کبھی زلفوں میں موتی مہ جبینوں کی
کھٹکتے ہیں کبھی نظروں میں اپنے نکتہ چینوں کی
کبھی یہ جھانکتے ہیں اِک عروسِ نو کی آنکھوں میں
کبھی مشعل بہ کف، بے آسرا مایوس راتوں میں

ebooksgallery.com

کبھی بھٹکے ہوئے رہرو کو یہ رستہ دکھاتے ہیں
کبھی ٹھہرے ہوئے پانی کے اندر ڈوب جاتے ہیں
کبھی یہ کھڑکیوں پر پھول کی صورت برستے ہیں
کبھی اپنی بلندی سے زمیں والوں پہ ہنستے ہیں
کبھی یہ کھیلتے ہیں مہ وشوں سے، ماہ پاروں سے
بلاتے ہیں کبھی بچّوں کو آنکھوں کے اشاروں سے

کبھی بڑھتی ہوئی فوجوں کے اوپر سے گزرتے ہیں
جنازوں میں شہیدانِ وفا کے ساتھ چلتے ہیں
ٹھہرتے ہیں کبھی کشمیر کے یہ لالہ زاروں میں
کبھی جمنا کی موجوں میں، کبھی گنگا کے دھاروں میں
کبھی تبدیل ہو جاتے ہیں آتش میں، شراروں میں

جلا سکتی نہیں جنگوں کی آگ ان ماہتابوں کو
بجھا سکتی نہیں بارود روشن آفتابوں کو

ہمارے نام حرفِ خیرو برکت، نور و نزہت ہیں
ہمارے نام امن و دوستی، عشق و شرافت ہیں
ہمارے نام جنگ آلودہ و خونخوار دنیا میں
اشارہ آدمیت کا ہیں، نیکی کی ضمانت ہیں
ہمارے نام طاقت ہیں، لطافت ہیں، صداقت ہیں
ہمارے نام لافانی و روحانی مسرّت ہیں

ہمارے نام تاریکی کے سینے پر ابھرتے ہیں
اندھیری رات کے بے نور ماتھے پر چمکتے ہیں

20/ستمبر 1965

}{}{}{}{

غزل

بیٹھے ہیں جہاں ساقی، پیمانۂ زر لے کر
اس بزم سے اٹھ آئے ہم دیدۂ تر لے کر

یادوں سے تری روشن محرابِ شبِ ہجراں
ڈھونڈھیں گے تجھے کب تک قندیلِ قمر لے کر

کیا حسن ہے دنیا میں، کیا لطف ہے جینے میں
دیکھے تو کوئی میرا اندازِ نظر لے کر

ہوتی ہے زمانے میں کس طرح پذیرائی
نکلو تو ذرا گھر سے اِک ذوقِ سفر لے کر

راہیں چمک اٹھیں گی خورشید کی مشعل سے
ہمراہ صبا ہو گی خوشبوئے سحر لے کر

مخمل سی بچھا دیں گے قدموں کے تلے ساحل
دریا ابل آئیں گے صد موجِ گہر لے کر

پہنائیں گے تاج اپنا پیڑوں کے گھنے سائے
نکلیں گے شجر اپنے خوش رنگ ثمر لے کر

لپکیں گے گلے ملنے سرو اور صنوبر سب
اٹھیں گے گلستاں بھی شاخِ گلِ تر لے کر

ebooksgallery.com

ہنستے ہوئے شہروں کی آواز بلائے گی
لب جام کے چمکیں گے سو شعلۂ تر لے کر
افلاک بجائیں گے ساز اپنے ستاروں کا
گائیں گے بہت لمحے انفاسِ شرر لے کر
یہ عالمِ خاکی اِک سیارۂ روشن ہے
افلاک سے ٹکرا دو تقدیرِ بشر لے کر

30 ستمبر 1965

ebooksgallery.com

جرعہ جرعہ، قطرہ قطرہ

انجم و مہتاب کے سائے میں جب آئے گی رات
نیلگوں زلفوں کے پیچ و خم میں بل کھائے گی رات
مسکرائے گی گریبانوں میں پھولوں کی طرح
آنچلوں کی ریشمی شکنوں میں لہرائے گی رات
مطربِ رنگیں نوا کے ساتھ ہوگی نغمہ سنج
ساقیِ کافر ادا کے ساتھ اٹھلائے گی رات
شعلہ پیکر قامتوں کے حلقۂ آغوش میں
کہکشاں در کہکشاں پھر رقص میں آئے گی رات
چھیڑ دے گی جنبشِ مژگاں کا سازِ دلبری
عارض و لب کے مہکتے پھول برسائے گی رات
عشق کے ہونٹوں سے پی کر جرعۂ آبِ حیات
حسن کے پیمانۂ سیمیں کو چھلکائے گی رات
گنگنائے گی جواں پیروں کی پازیبوں کے سنگ
ساعدوں کی شمعِ کافوری میں جل جائے گی رات
چشمِ ساقی ہی میں ٹھہرے گی نہ زلفِ بادہ میں
ساغر و مینا کے سینے سے ابل جائے گی رات
جرعہ جرعہ کر کے ذوقِ تشنگی پی جائے گا
قطرہ قطرہ کر کے پیمانوں میں ڈھل جائے گی رات

ebooksgallery.com

رنگِ خونِ آرزو بن کر سحر ہو گی طلوع
دردِ دل بن کر مگر سینے میں رہ جائے گی رات
رنگ و بو کے قافلے، غنچوں کی آوازِ جرس
دور بادِ صبح کی صورت نکل جائے گی رات
ہم نہ ہوں گے پر قدح خوارانِ بزمِ نو کے ساتھ
لے کے صہبائے طرب کے جام پھر آئے گی رات

18 جولائی 1965

}{}{}{

چار شعر

کبھی ملے نہ دلِ غم زدہ کو غم سے نجات
کبھی تمام نہ ہو تشنہ آرزو کا سفر
خیال و خواب کے سینے میں جگمگاتا رہے
جمالِ یار ترے حسن و نور کا نشتر
یوں ہی چھلکتا رہے محفلِ تمنا میں
پیالۂ دلِ خوں گشتہ، جامِ دیدۂ تر
یوں ہی چمکتے رہیں دامن و گریباں میں
ستارۂ سحری بن کے آنسوؤں کے گہر

2 اکتوبر 1965

}{}{}{

ebooksgallery.com

موسموں کا گیت

(کالی داس کی نظم 'رِت سیوں ہار' سے ماخوذ)

کتنے دل کش ہیں مرے ملک کے موسم، ان میں
حسن کی بات کریں، عشق پہ اصرار کریں
نورِ محبوب سے روشن کریں آنکھوں کے چراغ
پھول کی طرح سے ذِکرِ لب و رخسار کریں
مصحفِ حق کی طرح کھولیں کتابِ دل کو
جس میں جنگ اور جدل کا کوئی افسانہ نہیں
فصلِ گل فصلِ خزاں، فصلِ زمستاں ہے مگر
موسمِ جنگ نہیں، موسمِ ویرانہ نہیں

(1)

گرمیاں آئی ہیں برساتی ہوئی انگارے
دیکھنا شعلہ بدن دھوپ پہ آیا ہے شباب
لوگ تالابوں میں اترے ہیں نہانے کے لیے
تہہ نشیں ہوتی چلی جاتی ہے ہر چادرِ آب
اِک ذرا دیر کو تھوڑا سا سکوں ملتا ہے
جسم کو چھوتا ہے جس وقت خنک شام کا ہاتھ

ebooksgallery.com

اتنی سوزش ہے کہ بس سرد ہوئی گرمیِ عشق
پیار کے منہ سے نکلتی ہی نہیں پیار کی بات

نیند آسکتی نہیں عشق کے بیماروں کو
ان دنوں جاگتے رہنے کے بہانے ہیں بہت
تیرتی رہتی ہیں وینا کی سریلی تانیں
گیت شیریں ہیں بہت، نرم ترانے ہیں بہت
آبِ صندل میں ڈبوئے ہوئے پنکھوں کی ہوا
اپنے مہکے ہوئے ہاتھوں سے تھپک دیتی ہے
اور دھڑکتے ہوئے سینوں پہ دھڑکتے ہوئے ہار
ہرلڑی موتی کی بس جان ہی لے لیتی ہے

آگ برساتی ہوئی دھوپ کی کرنوں کا جلال
تیز اور تند ہو جس طرح ہَوَن کا شعلہ
دشمنی سانپ کی طاؤس سے بس ختم ہوئی
وہ بھی طاؤس سے دیرینہ عداوت بھولا
اتنی گرمی ہے کہ کھلتی نہیں منقار اس کی
بھوک باقی نہیں، کیا جائے غذا کے پیچھے
دھوپ کی جلتی ہوئی آگ سے بچنے کے لیے
سانپ آبیٹھا ہے رنگین پروں کے نیچے

میری جاں، اے مرے نغموں کی جواں شہزادی
فصلِ گرما سحر و شام تجھے راس آئے
چاندنی رات سجائے تری مہکی ہوئی سیج
جسمِ سیمیں کے لیے پھولوں کے تحفے لائے
تری صبحوں کو رکھیں سرد کنول کی جھیلیں

ebooksgallery.com

ٹھنڈے پانی کے اچھلتے ہوئے فواروں سے
تیری شاموں کو ترے چاہنے والے مل جائیں
جو چنیں پھول ترے حسن کے گلزاروں سے
دھوپ بے جان ہو، گیتوں کی گھٹا چھائی ہو
تو ہو، احباب ہوں، اور گوشۂ تنہائی ہو

(2)

دیکھنا میگھ کا وہ شاہسوار آپہنچا
گونج اٹھے کوہ ودمن، گونج اٹھے دشت و جبال
گھن گرج وہ ہے مری جان، کہ شاہی ڈنکے
جس طرح بجتے ہیں میداں میں بہ صد شانِ جلال
بجلی لہراتی ہے شعلوں کا سنہری پرچم
ابر کے فیل پہ بارش کا شہنشاہ سوار
گھر سے سب اس کے سواگت کو نکل آئے ہیں
غول عشاق کے، بدمست حسینوں کی قطار

فوجیں بادل کی چلی آتی ہیں کرتی ہوئی کوچ
چوٹ پڑتی ہے گرجتے ہوئے نقاروں پر
آگ کی ڈور ہے، رنگوں کی کڑکتی ہے کمان
بجلیاں باندھی گئیں اندردھنش پر کس کر
چھینٹا بارش کا ہے یا تیروں کی بوچھاریں ہیں
جو کیے دیتی ہیں متوالوں کے دل کو چھلنی
عشق تو زخم رسیدہ ہے، ستم دیدہ ہے
آج تو حسن پہ بھی ہوتی ہے ناوک فگنی

ebooksgallery.com

ایسا لگتا ہے کہ ہنسنے لگا جنگل سارا
اور نیپا کے درختوں میں نئے پھول کھلے
شاخیں بیتاب ہواؤں میں نرت کرنے لگیں
جیسے مدہوشی کے عالم میں کوئی رقص کرے
آئی نورستہ شگوفوں کے لبوں پر ہلکی
دل نوازانہ تبسم کی دل آویز لکیر
درد باقی ہے تپش کا نہ نشاں گرمی کا
نکلی برسات جو پہنے ہوئے پوشاک حریر

تجھ کو اے نور کی تصویر، مبارک ہوں یہ دن
لے کے آئے ہیں جو گھنگھور گھٹاؤں کا پیام
آتشِ شوق میں جل جائے جوانی تیری
نو عروسی کو تری عیش و مسرت کا سلام
زندگی جس سے تروتازہ ہے اس بارش سے
سبز بیلوں کی طرح تو بھی تروتازہ رہے
میری محبوبہ پہ ہو رحمتِ حق کی بارش
جگمگاتا ہوا رخسار رہے غازہ رہے

(3)

لو وہ آتی ہے خزاں، گاؤں کی کنواری جیسے
نازو انداز کی جاں، حسن کی نازک مورت
بالیاں دھان کی بالوں میں سجا رکھی ہیں
دونوں رخسار دمکتے ہیں کنول کی صورت
جسم پر گھاس کے پھولوں کا مہکتا ملبوس
اپنی رفتار سے ہنسوں کو بھی شرماتی ہوئی

ebooksgallery.com

اس کے سواگت میں چہک اٹھتی ہیں چڑیاں جیسے
کسی معشوقہ کی پایل کی صدا آتی ہوئی

رات کی مانگ میں تاروں کی سنہری افشاں
تاجِ مہتاب سے کچھ اور بھی روشن ہے جبیں
پیرہن، چاند کی کرنوں کا چمکتا ریشم
اتنا شفاف کہ بادل کا کہیں نام نہیں
ہنستی ہے دیکھ کے منہ چاند کے آئینے میں
پڑتی ہے سانولے مکھڑے پہ تبسّم کی پھوار
ایسا لگتا ہے کہ نوعمر ہے، دوشیزہ ہے
ابھی آنے کو ہے بھر پور جوانی کی بہار

دھان کے کھیت، وہ اِستادہ ثمربار درخت
جھوم اٹھتے ہیں جب آتے ہیں ہوا کے جھونکے
لے کے آغوش میں جب ناچتی ہے بادِ خزاں
پھول ہی پھول برس جاتے ہیں پیڑوں کے تلے
جھر جھری لیتی ہیں آہستہ کنول کی جھیلیں
کلیاں منہ چوم کے کلیوں کا جھجک جاتی ہیں
عشق کے ماروں کو آتا ہے محبت کا خیال
خواہشیں دل کے کٹوروں سے چھلک جاتی ہیں

اس خزاں میں بھی مگر تو ہے بہاروں کی بہار
نوجواں جسم سے گل رنگ شگوفے پھوٹیں
پیار کے ہاتھ محبت سے سنواریں تجھ کو
کبھی ہونٹوں، کبھی مشتاق نگاہوں سے چھوئیں
مسکرائے ترے پیروں کی حنا، اور مہکے

ebooksgallery.com

زعفراں جسم کی، سینے کا سنہرا صندل
دل پہ عشاق کے زلفوں کی گھٹائیں برسیں
ڈھونڈھیں خود بھونروں کو ہنستی ہوئی آنکھوں کے کنول

(4)

جا چکی فصل خزاں، فصل زمستاں آئی
کوئی تنہا سی کلی شاخ پہ نم دیدہ ہے
اپنے دامن میں لیے اپنے سنہرے موتی
خوشۂ گندم نو کھیت میں بالیدہ ہے
غم نہ کر جان جہاں، لٹ گئی گر دولتِ گل
سخت جاں پھول کوئی اب بھی نظر آتا ہے
برف و باراں سے بھی بجھتا نہیں شعلہ اُس کا
سرد اور تیز ہواؤں میں بھی لہراتا ہے

برف آلودہ ہواؤں میں لرزتی بیلیں
یاد آتی ہے انھیں موسمِ تابستاں کی
کچھ تو مل جاتی ہے یادوں سے حرارت دل کو
جستجو درد کو ہے کھوئے ہوئے درماں کی
زندگی کی وہ تڑپ ہے کہ ابھی زندہ ہیں
پھر بھی پیلی سی نظر آتی ہیں کمھلائی ہوئی
جس طرح ہجر کی ماری ہو سہاگن کوئی
جیسے دوشیزہ کوئی عشق کی ترسائی ہوئی

کاش! یہ فصل زمستاں ہو تری فصلِ امید
ہر گھڑی آئے مسرت کے فسانے لے کر

ebooksgallery.com

منتظر رہتی ہیں جس کے لیے دوشیزائیں
روز و شب آئیں وہ راحت کے خزانے لے کر
گاؤں میں شور ہے، ہنگامہ ہے، آوازیں ہیں
پک چکے کھیت تو کھلیان میں آتا ہے اناج
دور آکاش پہ اڑتے ہوئے بگلوں کی قطار
حسن کو تیرے ملے عشق و محبت کا خراج

(5)

اے مری جاں، مجھے اذن سخن آرائی دے
نو بہار آئی ہے، نغموں پہ بہار آجائے
نو بہارانِ گل اندام کے دل ہنسنے لگے
ان کی بے تاب تمنا کو قرار آ جائے
بھر گئی ناج کے ڈھیروں سے زمیں کی گودی
بڑھ گئی اور بھی ہر سینے کی شوق انگیزی
دور سے آتی ہے سارس کے کلیجے کی پکار
خوابوں میں ہوتی ہے، جذبات کی رنگ آمیزی

فصل یہ وہ ہے کہ خوش ہوتے ہیں سب مل جل کر
جمع ہو جاتے ہیں جب جلتی ہوئی آگ کے پاس
گھر سے باہر جو نکلتے ہیں تو سورج کے لیے
سردیِ جسم بڑھا دیتی ہے کچھ دھوپ کی پیاس
زیبِ تن اطلس و پشمینہ و سنجاب و سمور
اب جو چلتی ہیں چلیں سرد ہوائیں ہر سو
کھڑکیاں بند ہیں اور لپٹی ہوئی ہے تن سے
بھینی بھینی کسی دوشیزہ بدن کی خوشبو

ebooksgallery.com

نو بہاروں کے یہ دن تجھ کو کریں آسودہ
رنگ عارض سے ترے حسن کی ہو گل پوشی
خوش کرے عشق کی گستاخ نگاہی تجھ کو
تجھ کو سرشار کرے لذتِ ہم آغوشی
نیشکر رس کی لطافت سے دہن کو بھر دے
لب شیریں میں ہو چاول کے نوالوں کی مٹھاس
تیری ہستی سے رہے دور بہت درد فراق
تیری قسمت میں نہ ہو ہجر کی راتوں کا ہراس

(6)

آخرش موسم گل، ویروسنت آ ہی گیا
اپنے ہاتھوں میں لیے عشق کی رنگین کمان
کالے بھونروں کی قطاروں کی لچکتی ڈوری
آم کے بور کے تیر آتے ہیں یا پریم کے بان
چھیدتے ہیں یہ مرے دل کو، ترے سینے کو
ہم تو اے چند روز عشق کے متوالے ہیں
ہم نے کب عشق کے دیوتا سے کیا ہے انکار
ہم نے کیا شوق کے پیغام کبھی ٹالے ہیں
جوشِ گل یہ ہے کہ شاخوں کی جھکی ہے گردن
اور ہوا چلتی ہے مہکی ہوئی اترائی ہوئی
جھیلیں ہیں سرخ کٹوروں سے کنول کے روشن
عورتیں عشق کی کرنوں سے ہیں گدرائی ہوئی
ان سب، نرم، رواں، شام حسین و شاداب
دل کے لے لینے کا انداز انھیں آتا ہے

ebooksgallery.com

جو بھی اس فصل میں بالیدہ و روئیدہ ہے
بوئے گل، رنگِ بہاراں میں بدل جاتا ہے

بیلا پھولا ہے کہ جلتے ہیں خیاباں میں چراغ
نور کا کنج نظر آتا ہے مدھ بن جیسے
جس طرح عشق میں ہنستی ہے حسینہ کوئی
جگمگا اٹھتے ہیں رخساروں کے گلشن جیسے
زاہد خشک کی بھی خبر نہیں ہے کہ رواں
ہر طرف حسن کی اور عشق کی تنویریں ہیں
نوجواں سینوں میں جذبات ہیں یا آویزاں
وصل کے خوابوں کی ہنستی ہوئی تصویریں ہیں
فصلِ گل آئی ہے یا فصلِ وصال آئی ہے
ایک معشوقۂ خورشید جمال آئی ہے

کتنے دل کش ہیں مرے ملک کے موسم، ان میں
حسن کی بات کریں عشق پہ اصرار کریں
نورِ محبوب سے روشن کریں آنکھوں کے چراغ
پھول کی طرح سے ذکرِ لب و رخسار کریں
مصحف حق کی طرح کھولیں کتابِ دل کو
جس میں جنگ اور جدل کا کوئی افسانہ نہیں
فصلِ گل، فصلِ خزاں، فصلِ زمستاں ہے مگر
موسم جنگ نہیں، موسمِ ویرانہ نہیں

12/اکتوبر 1965

ebooksgallery.com

حرفِ آخر

مرگِ مجنوں پہ عقل گم ہے میر
کیا دِوانے نے موت پائی ہے

ebooksgallery.com

یہ کتاب آخر اکتوبر 65 میں تیار تھی اور میری خواہش تھی کہ وسط نومبر تک شائع ہو جائے۔ لیکن کسی وجہ سے تاخیر ہو گئی۔ اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تاخیر اس حرف آخر کے لیے ہوئی تھی جس کے بغیر شاید یہ کتاب نامکمل رہ جاتی۔

جب میں نے 2 رجنوری 66 کو شام کے سات بجے شاستری جی کو اپنی نظم' کون دشمن ہے' دوسری بار سنائی تو مجھے یہ گمان بھی نہ تھا کہ یہ ان کی زندگی کی آخری نظم ہوگی۔ اس وقت میرے دل سے تاشقند ملاقات کی کامیابی کے لیے دعائیں نکل رہی تھیں اور 10 رجنوری کی رات کو امید وبیم کی بہت سی منزلوں سے گزرنے کے بعد میں نے دلّی کے بہت سے ادیبوں اور شاعروں کے ساتھ معاہدۂ تاشقند کا جشن منایا۔ لیکن 11 رجنوری کی صبح یہ معلوم ہوا کہ پردہ گرنے سے پہلے اس المیے کا آخری سین باقی تھا جس نے پاک ہند جنگ کی شکل اختیار کی تھی اور معاہدۂ تاشقند پر ختم ہو رہا تھا۔ شاستری جی نے جان دے کر اس معاہدے پر اپنے خون کی مہر لگا دی ہے۔

بنا کردند خوش رسمے بہ خاک وخون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

ebooksgallery.com

تاشقند کی شام

مناؤ جشنِ محبت کہ خوں کی بو نہ رہی
برس کے کھل گئے بارود کے سیہ بادل
بجھی بجھی سی ہے جنگوں کی آخری بجلی
مہک رہی ہے گلابوں سے تاشقند کی شام

جگاؤ گیسوئے جاناں کی عنبریں راتیں
جلاؤ ساعدِ سیمیں کی شمع کافوری
طویل بوسوں کے گل رنگ جام چھلکاؤ

یہ سرخ جام ہے خوبانِ تاشقند کے نام
یہ سبز جام ہے لاہور کے حسینوں کا
سفید جام ہے دلّی کے دلبروں کے لیے
گھلا ہے جس میں محبت کے آفتاب کا رنگ

کھلی ہوئی ہے افق پر شفق تبسم کی
نسیم شوق چلی مہرباں تکلم کی
لبوں کی شعلہ فشانی ہے شبنم افشانی
اسی میں صبح تمنا نہا کے نکھرے گی

ebooksgallery.com

کسی کی زلف نہ اب شام غم میں بکھرے گی
جوان خوف کی وادی سے اب نہ گزریں گے
جیالے موت کے ساحل پہ اب نہ اتریں گے
بھری نہ جائے گی اب خاک وخوں سے مانگ کبھی
ملے گی ماں کو نہ مرگ پسر کی 'خوش خبری'
کوئی نہ دے گا یتیموں کو اب 'مبارک باد'

کھلیں گے پھول بہت سرحد تمنا پر
خبر نہ ہوگی یہ نرگس ہے کس کی آنکھوں کی
یہ گل ہے کس کی جبیں، کس کا لب ہے یہ لالہ
یہ شاخ کس کے جواں بازوؤں کی انگڑائی

بس اتنا ہوگا، یہ دھرتی ہے شہہ سواروں کی
جہان حسن کے گم نام تاجداروں کی
یہ سرزمیں ہے محبت کے خواستگاروں کی
جو گل پہ مرتے تھے شبنم سے پیار کرتے تھے

خدا کرے کہ یہ شبنم یوں ہی برستی رہے
زمیں ہمیشہ لہو کے لیے ترستی رہے

نئی دلّی
10 رجنوری 1966

ebooksgallery.com

اُسے نہ ڈھونڈھو

اسے نہ ڈھونڈھو
اسے نہ ڈھونڈھو کہ وہ کہیں بھی نہیں ملے گا
ابھی یہاں تھا، ابھی وہاں ہے
وہاں جہاں سے کبھی کسی کی
خبر ملی ہے نہ مل سکے گی
وہ ایک تازہ ہوا کا جھونکا تھا، ایک تازہ ہوا کا جھونکا
جو زیست کے گلشنِ تمنا
کو رنگ و بوئے بہار دے کر
گزر گیا ہے
کبھی نہ کہنا وہ مر گیا ہے

نئی دہلی — 11 رجنوری 1966

ebooksgallery.com

امانتِ غم

وہ جب تلک تھا افق پر، ہمیں خیال نہ تھا
کہ روشنی کی کرن بھی ہے اس اندھیرے میں
یہ نفرتوں کا اندھیرا جو دل کا دشمن ہے

ہزاروں لاکھوں ستارے طلوع ہوتے ہیں
سیاہ رات کے سینے پہ تیرنے کے لیے
اور اس کے بعد وہ سیلابِ صبح میں جاکر
جو ڈوبتے ہیں تو ان کا پتہ نہیں چلتا
مگر یہ ننھا ستارہ، یہ نور کا نقطہ
جو دل نگار بھی تھا اور بے قرار بھی تھا
غروب ہو کے جو چمکا تو آفتاب بنا
غریب و عاجز و مسکین و بے زر و نادار
وہ انکسار میں ڈوبا خلوص کا پیکر
جسے ملی تھی شرافت دکھے ہوئے دل کی
نہ جاہ و حشمتِ حاکم نہ دولتِ دنیا
عطا ہوا تھا اُسے صرف مفلسی کا غرور
وہ ایک اشک کا قطرہ تھا، اس کا سرمایہ
بس ایک دردِ محبت، بس ایک دولتِ غم

ebooksgallery.com

اور اس کا آخری تحفہ امانتِ غم ہے
یہ بار اٹھے گا اسی عجز و انکسار کے ساتھ

امانتِ غمِ انساں، امانتِ غمِ دل
یہ اک چراغ ہے قندیلِ مہ و مہ کی طرح
جو یہ نہ ہو تو زمانے میں روشنی کیوں ہو

یہ ایک پھول ہے جو زخم کے گلستاں میں
کھلا، نہایا، شہیدوں کے خوں کی بارش میں
با خواہشِ امن و اماں کی شبنم میں

یہ تاشقند کے سینے کا سرخ پھول بھی ہے
اسی کو کہتے ہیں لاہور کی جبیں کا گلاب
مہک رہا ہے جو دِلّی کے اب گریباں میں

اٹھو کہ جشنِ دل و جاں منایا جائے گا
ہر اک چمن میں یہی گل کھلایا جائے گا
یہ گل جو دردِ محبت، امانتِ غم ہے
یہ گل جو شوخ بھی، خوں گشتہ بھی، ملول بھی ہے
خدائے عشق بھی ہے، امن کا رسول بھی ہے

12 جنوری966

٭٭٭٭٭٭٭٭٭

ebooksgallery.com

کم ظرفیِ گفتار ہے دُشنام طرازی
تہذیب تو شائستگی دیدہ تر ہے

ebooksgallery.com

لہو پکارتا ہے

1968

*اس مجموعہ کا آخری ایڈیشن 1995 میں شائع ہوا۔ جس میں بعد کی تخلیقات بھی شامل کر لی گئیں۔

ebooksgallery.com

ebooksgallery.com

یہ وہ صدا ہے جسے قتل کر نہیں سکتے

ebooksgallery.com

" Cry aloud ,spare not. lift up thy voice like a trumpet.. . "

[ISAIAH I viii : i]

ebooksgallery.com

حرف اول

دستور حکومت کے بنتے ہیں بگڑتے ہیں
شاعر کا مگر نغمہ، ہے نغمۂ لافانی
اس نغمے سے روشن ہے مستقبلِ انسانی
اس نغمے میں پنہاں ہے جمہور کی سلطانی

ebooksgallery.com

ایک شعر

سینے میں حرارت ہے افسونِ تمنا سے
امروز مرا روشن رنگِ رخِ فردا سے

ebooksgallery.com

لہو پکارتا ہے

لہو پکارتا ہے
ہر طرف پکارتا ہے
سحر ہو، شام ہو، خاموشی ہو کہ ہنگامہ
جلوسِ غم ہو کہ بزمِ نشاط آرائی
لہو پکارتا ہے

لہو پکارتا ہے جیسے خشک صحرا میں
پکارا کرتے تھے پیغمبرانِ اسرائیل

زمیں کے سینے سے اور آستینِ قاتل سے
گلوئے کشتہ سے بے حس زبانِ خنجر سے
صدا لپکتی ہے ہر سمت حرفِ حق کی طرح
مگر وہ کان جو بہرے ہیں سن نہیں سکتے
مگر وہ قلب جو سنگیں ہیں ہل نہیں سکتے
کہ ان میں اہلِ ہوس کی صدا کا سیسہ ہے
وہ جھکتے رہتے ہیں بہائے اقتدار کی سمت

ebooksgallery.com

وہ سنتے رہتے ہیں بس حکمِ حاکمانِ جہاں
طواف کرتے ہیں ارباب گیرودار کے گرد

مگر لہو تو ہے بیباک و سرکش و چالاک
یہ شعلہ مے کے پیالے میں جاگ اٹھتا ہے
لباس اطلس و دیبا میں سرسراتا ہے
یہ دامنوں کو پکڑتا ہے شاہراہوں میں
کھڑا ہوا نظر آتا ہے دادگاہوں میں
زمیں سمیٹ نہ پائے گی اس کو بانہوں میں
چھلک رہے ہیں سمندر سرک رہے ہیں پہاڑ
لہو پکار رہا ہے، لہو پکارے گا
یہ وہ صدا ہے جسے قتل کر نہیں سکتے

مارچ 1967

ebooksgallery.com

گفتگو

(ہند پاک دوستی کے نام)

گفتگو بند نہ ہو
بات سے بات چلے
صبح تک شام ملاقات چلے
ہم پہ ہنستی ہوئی تاروں بھری یہ رات چلے

ہوں جو الفاظ کے ہاتھوں میں ہیں سنگِ دشنام
طنز چھلکائے تو چھلکایا کرے زہر کے جام
تیکھی نظریں ہوں ترش ابروئے خمدار رہیں
بن پڑے جیسے بھی دل سینوں میں بیدار رہیں
بے بسی حرف کو زنجیر بہ پا کر نہ سکے
کوئی قاتل ہو مگر قتل نوا کر نہ سکے

صبح تک ڈھل کے کوئی حرفِ وفا آئے گا
عشق آئے گا بصد لغزش پا آئے گا
نظریں جھک جائیں گی، دل دھڑکیں گے، لب کانپیں گے

ebooksgallery.com

خامشی بوسۂ لب بن کے مہک جائے گی
صرف غنچوں کے چٹکنے کی صدا آئے گی

اور پھر حرف ونوا کی نہ ضرورت ہوگی
چشم وابرو کے اشاروں میں محبت ہوگی
نفرت اٹھ جائے گی، مہمان مروت ہوگی

ہاتھ میں ہاتھ لیے سارا جہاں ساتھ لیے
تحفۂ درد لیے پیار کی سوغات لیے
ریگزاروں سے عداوت کے گزر جائیں گے
خوں کے دریاؤں سے ہم پار اتر جائیں گے

گفتگو بند نہ ہو
بات سے بات چلے
صبح تک شامِ ملاقات چلے
ہم پہ ہنستی ہوئی تاروں بھری یہ رات چلے

اگست 1966

ebooksgallery.com

نظم

انگلیاں بادِ صبا کی بھی لہو سے تر ہیں
چاک ہوتے ہوئے دیکھا ہے چمن کا سینہ
تارِ پیراہنِ گل اڑتے ہوئے دیکھا ہے

اب نہ صیاد سے شکوہ ہے نہ گل چیں سے گلہ
بلبلیں خود ہی رجز خواں ہیں گلستاں کے خلاف
قمریاں شاخِ صنوبر کی ہوئی ہیں دشمن
اب طرفدارِ چمن کوئی نہیں ہے شاید

کوئی بتلاؤ کہ اس دورِ سیہ وحشت میں
حسنِ معصوم و دل آرا کی ادا کیا ہوگی
عشق برباد کے آدابِ جنوں کیا ہوں گے

1966

ebooksgallery.com

نظم

وہ شاخِ غم جسے کہتے ہیں دل اسی پہ کہیں
کھلا ہے میری محبت تری بہار کا پھول
کبھی یہ زخم بنا ہے کبھی تبسمِ لب
جو زخم ہے وہ امانت ہے میرے سینے میں
یہ لعلِ ناب کسی کو دکھا نہیں سکتا
مگر تبسمِ لب صبح کی کرن کی طرح
چھپانا لاکھ میں چاہوں چھپا نہیں سکتا
جہاں میں بانٹ رہا ہوں یہ دولتِ بیدار
مری بہار کا غنچہ تری بہار کا پھول

1966

قطعہ

اب کسی کو بھی نہیں حوصلۂ تلخیِ جام
خاک پر بکھرے ہیں ٹوٹے ہوئے شیشوں کے نجوم
واعظِ شہر کو مے خواروں نے مانا ہے امام
خانقاہوں میں ہے رندانِ بلاکش کا ہجوم

1966

ebooksgallery.com

آرزوئے تشنہ لبی

خشکیٔ لب ہے نہ اب دیدۂ تر باقی ہے
جانے کیا ہو گئے وہ عہدِ گزشتہ کے رفیق
وقت نے چھین لیا بھوک کا فاقوں کا غرور

وہ جو اٹھے تھے زمانے کو بدلنے کے لیے
ایسے بدلے ہیں کہ حیراں ہیں نگاہیں سب کی
زیرِ پا مخملِ آسودہ خرامی کا ہے فرش
زیبِ تن خلعتِ پشمینۂ دریوزہ گری
دل ہے یا تمغۂ خوں گشتۂ آوازِ ضمیر

جن میں تلوار تھی ان ہاتھوں میں اب ساغر ہیں
جن میں شفقت تھی ان آنکھوں میں رعونت اب ہے
اور ان سوکھے ہوئے ہونٹوں کو تر رکھتے ہیں
چند خیرات میں بخشی ہوئی مے کے جرعے
چند مانگے ہوئے، چھلکے ہوئے ٹوٹے ہوئے جام

دوستو جرأتِ شعلہ طلبی لے کے اٹھو
آج پھر آرزوئے تشنہ لبی لے کے اٹھو

1966

}{}{}{}{

ebooksgallery.com

چار شعر

یہ بزمِ غیر ہے یاں دل کا ماجرا نہ کہو
سمجھنے والے نہیں، حرفِ آشنا نہ کہو

خوشی سے کب ہیں گرفتارِ الفتِ صیّاد
خدا کے واسطے اس جبر کو وفا نہ کہو

اٹھی ہے آتش و آہن کے گرم سینے سے
سمومِ دشتِ بلا ہے اسے صبا نہ کہو

بہت سیاہ ہیں راتیں، بہت اندھیرا ہے
کوئی بھی حرف بجز شعلۂ نوا نہ کہو

1966

}{}{}{}{

دو شعر

شبِ ہجر صبحِ وصال ہے، ترا عکس جب بھی جگا لیا
تری یاد دل کا چراغ ہے، سرِ شام ہی سے جلا لیا

غمِ زندگانی تھا تلخ تر، غمِ عشق اس کو بنا لیا
یہ امانتِ غمِ دوست ہے اسے طاقِ دل میں سجا لیا

1966

}{}{}{}{

ebooksgallery.com

غزل

فصلِ گل، فصلِ خزاں، جو بھی ہو خوش دل رہیے
کوئی موسم ہو، ہر اک رنگ میں کامل رہیے

موج و گرداب و تلاطم کا تقاضا ہے کچھ اور
رہیے محتاط تو بس تالبِ ساحل رہیے

دیکھتے رہیے کہ ہو جائے نہ کم شانِ جنوں
آئینہ بن کے خود اپنے ہی مقابل رہیے

ان کی نظروں کے سوا سب کی نگاہیں اٹھیں
محفلِ یار میں بھی زینتِ محفل رہیے

دل پہ ہر حال میں ہے صحبتِ ناجنس حرام
حیف صد حیف کہ ناجنسوں میں شامل رہیے

داغ سینے کا دہکتا رہے، جلتا رہے دل
رات باقی ہے جہاں تک مہِ کامل رہیے

جانیے دولتِ کونین کو بھی جنسِ حقیر
اور درِ یار پہ اک بوسے کے سائل رہیے

عاشقی شیوۂ رندانِ بلاکش ہے میاں
وجہِ شائستگیِ خنجرِ قاتل رہیے

1966

ebooksgallery.com

تمھارا شہر

تمھارا شہر تمھارے بدن کی خوشبو سے
مہک رہا تھا، ہر اک بام تم سے روشن تھا
ہوا تمھاری طرح ہر روش پہ چلتی تھی
تمھارے ہونٹوں سے ہنستی تھیں نرم لب کلیاں
عطا ہوئی تھی سحر کو تمھاری سیم تنی
ملی تھی شام و شفق کو تمھاری گل بدنی

تمھارا نام تصور بھی تھا، تخیل بھی
یقیں بھی، شوق بھی، امید بھی، تمنا بھی
سجی تھی زلف جواں آرزو کے پھولوں سے
امیدوار تھے ہر سمت عاشقوں کے گروہ

مگر یہ کیا ہے کہ ہر کوچہ آج ویراں ہے
گلی گلی میں ہیں فولاد پا سیہ عفریت
چمن چمن میں سڑی لاش کا تعفن ہے
ہوائیں گرم ہیں، بارود کا اندھیرا ہے
خبر نہیں کہ یہاں سے کدھر کو جانا ہے

ebooksgallery.com

تمھارا شہر تمھارے بدن کی خوشبو کو
ترس رہا ہے، ہر اک بام تیرہ ساماں ہے
نہ روشنی ہے، نہ نکہت، نہ نغمہ ہے، نہ نوا
ہر اک روش پہ ہوا چل رہی ہے نوحہ کناں
سحر کی گل بدنی ہے لہو کا پیراہن
نہ شام ہے، نہ سحر، صرف اک سیاہ کفن
تمھارے شہر کی عریانیوں کو ڈھانپتا ہے

خبر نہیں کہ یہاں سے کدھر کو جانا ہے

وہ اک جلوس سا اک موڑ پر نظر آیا
کوئی عظیم جنازہ گزرنے والا ہے
ہوا میں نالہ و فریاد کی ہے کیفیت
ہر ایک آنکھ میں آنسو، ہر ایک ہونٹ پہ آہ
دلوں کا نوحۂ غم سسکیوں میں ڈھلتا ہے
وہ درد ہے کہ کوئی کھل کے رو نہیں سکتا

مگر جنازہ کہیں بھی نظر نہیں آتا
کفن فروش بھی ہیں، گورکن بھی ہیں لیکن
کوئی بتا نہیں سکتا کہ کس کی میت ہے
کوئی بتا نہیں سکتا کدھر گیا تابوت
کوئی بتا نہیں سکتا کہاں ہے قبرستان

ebooksgallery.com

چلو قریب سے دیکھیں یہ بدنصیب ہیں کون
کلرک ہیں جو ابھی دفتروں سے نکلے ہیں
تمام ایک سی شکلیں ہیں ہندسوں کی طرح
کسان ہیں جو ابھی کھیتیوں سے پلٹے ہیں
نکل کے آئے ہیں مزدور کارخانوں سے
اور ان کی پشت پہ افسردہ کھولیوں کی قطار
سروں پہ اڑتے دھوئیں کے سیاہ رنگ علم
برہنہ بچوں کے رونے کی دردناک صدا

جلوسِ غم ہے جنازہ بدوش چلتا ہے
مگر جنازہ کدھر ہے نظر نہیں آتا
خبر نہیں کہ یہاں سے کدھر کو جانا ہے

1966

ebooksgallery.com

پھول، چاند، پرچم

یہی ہے منزل
جہاں پہ ہم تھک کے آ گئے ہیں
اور ایک بے برگ و بار نخلِ مراد کے نیچے بیٹھے بیٹھے
تمازتِ آفتاب سے اپنا سر چھپانے کی آرزو میں
بہشت کی بات کر رہے ہیں
نہ موجِ کوثر، نہ شاخِ طوبیٰ
یہی ہے منزل جہاں سے ہر قافلہ بڑھے گا
نشاط کا، درد کا، جنوں کا
نشاط زخموں کا پھول ہے
درد چاند سینے کا، اور جنوں
دھجیوں کا پرچم

انھیں سے ہر قافلہ بنا ہے
انھیں سے ہر قافلہ بنے گا
یہ قافلہ ہو بہم تو انساں
نجات کے خواب دیکھ لے گا
بشارتِ زندگی سنے گا
صداقتِ دائمی کے چہرے کا حسن نظروں سے پی سکے گا
نہیں تو حیران اور پریشاں
کسی کے رحم و کرم پہ زندہ

ebooksgallery.com

فریبِ وعدہ کا زہر کھائے
وفائے وعدہ سے لو لگائے
بدن چرائے، جبیں جھکائے
حقیر کیڑوں کی طرح
انجانے اور بے رحم راستوں میں
زمیں کے سفاک دل درندوں
کے زیرِ پا رینگتا رہے گا

حکومتوں کا جلال، اہلِ حکم کی صولت
سیاہ کاروں کا زور، اہلِ ہوس کی دولت
خبیث روحوں، خبیث اعمال کی سیاست
وہ گندگی جس کا ظاہری روپ ہے نفاست
سبھی ہیں اس قافلے سے لرزاں
یہ قافلہ پھول، چاند، پرچم اٹھائے صدیوں سے چل رہا ہے
ہوس کے صحرا
جلال و صولت کے ریگزاروں سے
پابرہنہ گزر رہا ہے
سبھی کو اس قافلے میں ملنا ہے
(کوئی اس سے نہ بچ سکے گا)
کسی کو بانگِ درا کے مانند
کسی کو گردِ سفر کی صورت
کوئی نہیں ہے مفر کی صورت

1967

ebooksgallery.com

لِدی تسے

(لدی تسے چیکوسلوواکیہ کے ایک باغِ امن کا نام ہے۔ جس میں ساری دنیا کے گلاب ہیں۔ وہاں پہلے اسی نام کا ایک گاؤں تھا جسے جرمن نازیوں نے جلا کر خاک کر دیا تھا۔ 1955ء میں یہ باغ بنا تھا۔)

گلاب کے پھول

خونِ ناحق سے اٹے بے شمار قطرے

جسموں کی بجھی ہوئی آگ کے شرارے

گواہ ہیں ان سیہ دنوں کے

کہ جب جہاں میں

جوان ماؤں کی لوریاں قتل ہو رہی تھیں

کہ جب زمین پر

سیاہ فولاد جسم عفریت چل رہے تھے

ہوا میں بارود بن چکی تھیں

بجائے بلبل نغمہ خوانی کے گولیاں سنسنا رہی تھیں

یہاں

جہاں چاند بجھ چکے ہیں

ستارے راتوں کی نیلی آنکھوں سے

اشک بن کر ٹپک چکے ہیں

زمیں کی کوکھ جل چکی ہے

یہاں

ebooksgallery.com

نئے چاند اگ رہے ہیں
نئے ستارے زمیں کی کوکھ سے نکل کر
گلاب بن کر مہک رہے ہیں

(2)

گلاب کے پھول۔

خون دل کے چراغ روشن
یہ ہند کی آرزو، یہ امریکہ کی تمنا
یہ روس کی خواہشوں کے رنگین خواب
تعبیر خواب انساں
یہ گل نئے عہد کی بشارت
یہ ننھے بچوں کی مسکراہٹ
زمیں کے سینے میں کروٹیں لیتی کونپلوں کے پیام بر ہیں
یہ کارخانوں میں خون فولاد کی روانی
یہ امن عالم کے پاسباں ہیں
تمام رنگوں کے پیرہن ہیں
تمام خوشبو کی تتلیاں ہیں
مگر یہی پھول
ویت نامی مجاہدوں کے
جوان سینے پہ زخم بن کر دہک رہے ہیں
وہ زخم جو آفتاب تازہ کا نور لے کر
سیاہ بارود کے اندھیرے میں
بجلیاں بن کے گر رہے ہیں
گلاب کے پھول ہنس رہے ہیں

1967

ebooksgallery.com

ایک پرانی داستان

نگاہیں اٹھتی ہیں جس طرح تیر چلتے ہیں
فضا میں زہر ہے، جنبش لبوں کی قاتل ہے
سوال یہ ہے کہ یہ شخص بے قصور ہے کیوں
اسے ہجوم سے کاں میں نکال کر لاؤ
اسے ابھی سر بازار سنگسار کرو

یہ ظلم و جبر بھی ایک پیاس ہے جو صدیوں سے
بجھائی جاتی ہے انساں کے خون ناحق سے
کوئی حسین ہو، کوئی مسیح، یا سقراط
لہو کی پیاس انھیں ڈھونڈتی ہی رہتی ہے
زباں نکالے ہوئے، تیوریاں چڑھائے ہوئے

تمام اہلِ ہوس پارسا ہیں، منصف ہیں
جو بے قصور ہیں وہ عدل کے کٹہرے میں
گلیلیو کی طرح سے بلائے جاتے ہیں
بس اس خطا پہ کہ ہیں محرمِ رموزِ حیات

ebooksgallery.com

ہزار بار زمانے میں آئے ہیں یوسف
ہزار بار بکے ہیں وہ مصرِ عالم میں
برادروں نے شرافت کا بھیس بدلا ہے
خریدنے کو نکل آئی ہیں زلیخائیں
اور اس کے بعد وہی ان کی چاک دامانی
وہی فریب عدالت
وہی سلاسلِ زنداں
اور اس کے بعد وہی داستان طرازیِ شوق
حسن یوسف
عشقِ زلیخا
پاکیِ داماں
چاکِ گریباں

1967

ebooksgallery.com

اب بھی روشن ہیں

اب بھی روشن ہیں وہی دست حنا آلودہ

ریگ صحرا پہ نہ قدموں کے نشاں باقی ہیں
خشک اشکوں کی ندی، خون کی ٹھہری ہوئی دھار
جھلسے ہوئے لمحات کے سوکھے ہوئے خار
ہاتھ اٹھائے ہوئے افلاک کی جانب اشجار
کامرانی ہی کی تنقی نہ ہزیمت کا شمار
صرف اک درد کا جنگل ہے فقط ہو کا دیار
جب گزرتی ہے مگر خوابوں کے ویرانے سے
اشک آلودہ تبسم کے چراغوں کی قطار
جگمگا اٹھتے ہیں گیسوئے صبا آلودہ

ٹولیاں آتی ہیں نوعمر تمناؤں کی
دشت بے رنگ خموشی میں مچاتی ہوئی شور
پھول ماتھے سے برستے ہیں نظر سے تارے
ایک اک گام پہ جادو کے محل بنتے ہیں
ندیاں بہتی ہیں آنچل سے ہوا چلتی ہے
پتیاں ہنستی ہیں اڑتا ہے کرن کا سونا
ایسا لگتا ہے کہ بے رحم نہیں ہے دنیا
ایسا لگتا ہے کہ بے ظلم زمانے کے ہیں ہاتھ

ebooksgallery.com

بیوفائی بھی ہو جس طرح وفا آلودہ

اور پھر شاخوں سے تلواریں برس پڑتی ہیں
جبر جاگ اٹھتا ہے سفّاکی جواں ہوتی ہے
سائے جو سبز تھے پڑ جاتے ہیں پل بھر میں سیاہ
اور ہر موڑ پہ عفریتوں کا ہوتا ہے گماں
کوئی بھی راہ ہو مقتل کی طرف مڑتی ہے
دل میں خنجر کے اترنے کی صدا آتی ہے
تیرگی خوں کے اجالے میں نہا جاتی ہے
شامِ غم ہوتی ہے نمناک وضیا آلودہ

یہی مظلوموں کی جیت اور یہی ظالم کی شکست
کہ تمنائیں صلیبوں سے اتر آتی ہیں
اپنی قبروں سے نکلتی ہیں مسیحا بن کر
قتل گاہوں سے وہ اٹھتی ہیں دعاؤں کی طرح
دشت و دریا سے گزرتی ہیں ہواؤں کی طرح
مُہر جب لگتی ہے ہونٹوں پہ زباں پر تالے
قید جب ہوتی ہے سینے میں دلوں کی دھڑکن
روح چیخ اٹھتی ہے، ہلتے ہیں شجر اور حجر
خامشی ہوتی ہے کچھ اور نوا آلودہ

سرکشی ڈھونڈھتی ہے ذوق گنہگاری کو
خود سے شرمندہ نہیں اوروں سے شرمندہ نہیں
یہ مرا دل ہے کہ معصوم و خطا آلودہ

اپریل 1967

شعور

مری رگوں میں چھلکتے ہوئے لہو کو سنو
ہزاروں لاکھوں ستاروں نے ساز چھیڑا ہے
ہر ایک بوند میں آفاق گنگناتے ہیں

یہ شرق و غرب، شمال و جنوب، پست و بلند
لہو میں غرق ہیں، اور شش جہات کا آہنگ
زمیں کی پینگ، طلوعِ نجوم، شمس و قمر
غروبِ شام، زوالِ شب و نمودِ سحر
تمام عالمِ رعنائی، بزمِ برنائی
کنول کی طرح کھلے ہیں لہو کی جھیلوں میں

یہ کائنات مرے دل کی دھڑکنوں میں اسیر
میں ایک ذرہ بساطِ نظامِ شمسی پہ
میں ایک نقطہ سرِ کائناتِ نظم و شعور
میں ایک قطرہ، انا البحر ہے صدا میری
میں کائنات میں تنہا ہوں آفتاب کی طرح
مرے لہو میں رواں وید بھی ہے قرآں بھی
شجر حجر بھی ہیں، صحرا بھی ہیں گلستاں بھی
کہ میں ہوں وارثِ تاریخِ عصرِ انسانی

قدم قدم پہ جہنم، قدم قدم پہ بہشت

1967

☆☆☆☆☆☆☆☆

ebooksgallery.com

برہنہ فقیر

مری زندگی، تری زندگی
یہ جو ایک کہنہ لبادہ ہے
ہیں کشیدہ اس پہ ہزار گل
کوئی خون سے کوئی شعلے سے
کوئی اشک سے، کوئی آہ سے
کوئی خوف اور گناہ سے
کوئی اک تبسم زیرِ لب
کوئی حرف نیم نگاہ سے
کوئی کم ہے یاں نہ زیادہ ہے
مری زندگی، تری زندگی
یہ جو ایک کہنہ لبادہ ہے

عدم ایک برہنہ فقیر ہے
کہ لباس جس کا ہوائیں ہیں
کہ لباس جس کا دشائیں[1] ہیں
کبھی چاند کو وہ پہنتا ہے

1. دشائیں : سمتیں

ebooksgallery.com

کبھی ڈھانپتا ہے بدن کو وہ
نئے آفتاب کے نور سے
کبھی رنگ گل کے حریر سے
کبھی بوئے گل کے کتاں سے
مگر اس کے بعد بھی وہ فقیہ
یوں ہی گھومتا ہے برہنہ تن
کہ فنائے ظلمت و نور میں
کبھی سیپ کا نہ وہ بے بدن

مری زندگی، تری زندگی
اسے دیتی ہے یا پیرہن
یہ وجود حاصت بار وہ ہے
جو برہنگی عدم کو روز
نیا اک لباس پہناتا ہے

19/اپریل 1967

ebooksgallery.com

نفرتوں کی سپر

وہ نفرتوں کی سپر دل پہ رکھ کے آتے ہیں
وہ بدنصیب، وہ محرومِ دردِ انسانی
انھیں ملی ہی نہیں چشمِ تر کی تابانی
نہ ان کی بات میں لکنت نہ آنکھ میں نم ہے
نہ ذوقِ چاکِ گریباں نہ چاکِ دامانی
لبوں پہ نعرۂ وحشت، نگاہ برہم ہے
قلم ہے ہاتھ میں، تلوار دستِ قاتل میں
بس اپنا جوہرِ تیغِ زباں دکھاتے ہیں
بیانِ خون و کفن کر کے مسکراتے ہیں
انھیں خبر نہیں اک چیز زخمِ دل بھی ہے
کہ جس سے ہوتی ہے تہذیبِ نفسِ انسانی

1967

ebooksgallery.com

قطعہ

(ویت نام)

سرفروشانِ محبت کے جنوں کے آگے
سرِ قاتل بھی، سرِ دار بھی خم ہوتا ہے
دستِ جلاد سے گر جاتی ہے شمشیرِ ستم
حرفِ حق سینۂ باطل پہ رقم ہوتا ہے

1968

دو شعر

مری جرعہ نوشیِ شوق ہے ترے لعلِ لب کے فشار سے
ترا حسن بادۂ ناب ہے جو کھنچا ہے رنگِ بہار سے

تجھے اے شبِ غمِ زندگی، وہ طلوعِ صبح نصیب ہو
جو دمک اٹھے رخِ دوست سے جو مہک اٹھے لبِ یار سے

1969

ebooksgallery.com

غزل

شمع کا ، مے کا ، شفق زار کا، گلزار کا رنگ
سب میں اور سب سے جدا ہے لبِ دلدار کا رنگ

تہہ عارض جو فروزاں ہیں ہزاروں شمعیں
لطفِ اقرار ہے یا شوخیِ انکار کا رنگ

آئی مہکی ہوئی پھر جشنِ ملاقات کی رات
جام میں ڈھلنے لگا شام کے رخسار کا رنگ

عکس ساقی سے دمک اٹھی ہے ساغر کی جبیں
اور کچھ شوخ ہوا بادۂ گلنار کا رنگ

ان کے آنے کو چھپاؤں تو چھپاؤں کیسے
بدلا بدلا سا ہے میرے در و دیوار کا رنگ

اور ہے عشق کی نظروں کا نکھارا ہوا روپ
یوں تو شائستہ تھا پہلے بھی رخِ یار کا رنگ

موجِ طوفاں بھی ہے اور جوشِ بہاراں بھی ہے
کون سا دیکھو گے تم دیدۂ خوں بار کا رنگ

شفقِ صبحِ شہادت سے ہے تابندہ جبیں
ورنہ آلودۂ خوں تھا افقِ دار کا رنگ

آفتابوں کی طرح جاگی ہے انساں کی جوت
جگمگاتا ہے سرا پردۂ اسرار کا رنگ

وقت کی روح منور ہے نوا سے میری
عصرِ نو میں ہے مری شوخیِ گفتار کا رنگ

24-25 فروری 1971

ebooksgallery.com

جشنِ دلداری

(love in)

وقت ہے فرمانِ عشق و عاشقی جاری کریں
حسن والوں سے کہو سامانِ دلداری کریں
موج سے آنکھوں میں لہرائے بدن میں موجِ نور
عارضوں سے چاند سورج پر ضیا باری کریں
کھول کر بندِ قبا، بکھرا کے زلفِ عنبریں
عشقِ رسوا کی پذیرائی کی تیاری کریں
رہگزاروں میں جلائیں عشق و مستی کے چراغ
روح کے یخ بستہ گوشوں میں شرر باری کریں
آبنوسی، صندلی، سیمیں تنوں کے رقص سے
ساری دنیا پر جنوں کی کیفیت طاری کریں
جشنِ بیزاری منائیں ظلم و نخوت کے خلاف
قریہ قریہ شہر شہر آوارہ رفتاری کریں
لذتِ شہد و شکر ہو خوش بیانی میں مگر
اہلکارانِ ستم سے تلخ گفتاری کریں
تاجدارانِ جہاں کے سامنے سر خم نہ ہوں

ebooksgallery.com

نازنینانِ جہاں کی ناز برداری کریں
کج کلاہانِ جنوں کو دیں خراجِ تہنیت
بوسہ ہائے لب سے روح و دل پہ گلکاری کریں
دوسرا عقل و خرد ہے جب ریاکاری کا نام
کیوں نہ اس کو غرقِ سرمستی و سرشاری کریں
ساری دنیا جل رہی ہے نفرتوں کی آگ میں
عشق والے آئیں اب دنیا کی سرداری کریں
مشرق و مغرب میں جا کر خونِ انساں کیوں بہائیں
اس سے بہتر ہے کہ مہ خوانوں میں مے خواری کریں
فخر سے پہنیں گلے میں تمغۂ [1] آوارگی
اور یوں انسانیت کا جشنِ بیداری کریں

28؍فروری 1971

1. صحیح لفظ تمغا ہے لیکن میں نے ضرورت شعری سے تمغہ لکھا ہے۔

ebooksgallery.com

غزل

شاخِ گل ہے کہ یہ تلوار کھنچی ہے یارو
باغ میں کیسی ہوا آج چلی ہے یارو

کون ہے خوف زدہ جشنِ سحر سے پوچھو
رات کی نبض تو اب چھوٹ چلی ہے یارو

تاک کے دل سے دلِ شیشہ و پیمانہ تک
ایک اک بوند میں سو شمع جلی ہے یارو

چوم لینا لبِ لعلیں کا ہے رندوں کو روا
رسم یہ بادۂ گلگوں سے چلی ہے یارو

صرف اک غنچہ سے شرمندہ ہے عالم کی بہار
دلِ خوں کشتہ کے ہونٹوں پہ ہنسی ہے یارو

وہ جو انگور کے خوشوں میں تھی مانندِ نجوم
ڈھل کے اب جام میں خورشید بنی ہے یارو

بوئے خوں آتی ہے، ملتا ہے بہاروں کا سراغ
جانے کس شوخ ستمگر کی گلی ہے یارو

یہ زمیں جس سے ہے ہم خاک نشینوں کا عروج
یہ زمیں چاند ستاروں میں گھری ہے یارو

جرعۂ تلخ بھی ہے، جام گوارا بھی ہے
زندگی جشنِ گہہ بادہ کشی ہے یارو

نئی دہلی۔ مارچ 1971

ebooksgallery.com

دلنواز لہو

بہت حسین بہت دلنواز ہے یہ لہو
کشید تم نے کیا ہے جو قلب انساں سے
جو عارضوں سے چرایا، لبوں سے چھینا ہے
تمھارے جام میں ڈھلتا ہے موجِ مے بن کر
لطیف و نرم ہے ٹیگور کی زباں جیسے
جوان و شوخ، لچکتی ہیں بجلیاں جیسے
یہ ندیوں کی طرح سے زمیں پہ بہتا ہے
تمھارے پاؤں کے نیچے ہمیشہ رہتا ہے
خموش، جیسے یہ منہ میں زباں نہیں رکھتا

بہت حسین بہت دلنواز ہے یہ لہو
مگر اب اس سے ڈرو، انقلاب ہے یہ لہو
ہر ایک ظلم و ستم کا جواب ہے یہ لہو

نومبر 1971

ebooksgallery.com

قطعہ

دورِ مے ختم ہوا، ختم ہوئی صحبتِ شب
ہو چکی صبح مگر رات ابھی باقی ہے
ایسا لگتا ہے کہ بچھڑی ہے ابھی مل کے نگاہ
ایسا لگتا ہے ملاقات ابھی باقی ہے

نومبر 1971

کون سچ بولے گا

کون اس عہد میں سچ بولے گا
حرف آتے ہیں قطاروں میں سپاہی کی طرح
حکمِ شاہی کی طرح
اور پھر آتے ہیں کچھ اور بھی حرف
صف بہ صف دستِ جنوں باندھے ہوئے
ایک بھی حرف نہیں جو دل و جاں بن جائے
عہدِ حاضر کی زباں بن جائے
سچ تو اک درد ہے، اک زخم ہے، اک جرأت ہے
قید و زنداں بھی ہے سچ اور رسن و دار بھی ہے
لذتِ شوق بھی ہے اور ندرتِ اظہار بھی ہے
'کون ہوتا ہے حریفِ مئے مرد افگنِ عشق'

20 ستمبر 1972

ebooksgallery.com

تین شعر

میری آنکھوں کی بہار، اے شہِ شمشاد قداں
میرے شعروں کی زباں، خسروِ شیریں دہناں
لب پہ روشن ہو کوئی حرفِ مروّت کی کرن
منہ سے بولو بھی تو اے بادشہِ کم سخناں
خاک سے روز نکلتا ہے شہیدوں کا جلوس
صورت لالہ و گل لشکرِ خونیں کفناں

1972

دو شعر

اگر ہے ساقیِ میخانہ کو غرور بہت
ہمیں بھی اپنی جگہ ہے غرورِ تشنہ لبی
ہر ایک برگِ گل و لالہ مستِ جامِ بہار
ہر ایک قطرۂ شبنم ہے شیشۂ حلبی

مارچ 1973

ebooksgallery.com

قطعہ

میری آنکھوں کو تیرے حسن نے ٹھنڈک بخشی
زندگی جلتی رہی دھوپ کی صورت جن میں
اب کبھی کھلتے ہیں فردوسِ بریں کے غنچے
اتر آتے ہیں کبھی چاند ستارے ان میں

13 کتوبر 1973

}{}{}{}{

دو شعر

اہلِ دل جب تری زلفوں کے جنوں تک آئے
ساحلِ درد سے اٹھے تو سکوں تک آئے

ایک بھی ان میں نہ تھا اس رخِ روشن کا جواب
کتنے خورشید میری تابشِ خوں تک آئے

مارچ 1973

}{}{}{}{

ebooksgallery.com

دو شعر

زمانہ زیبِ تن پیراہنِ گل کرنے والا ہے
ہوائے صبحِ مشرق پھر نشاط انگیز ہے ساقی
وہ ساغر دے کہ دنیا شعلۂ گل بن کے جاگ اٹھے
جہاں کی تیرگی کب سے شرر انگیز ہے ساقی

مارچ 1973

}{}{}{

خون کا اجالا

(چلی کے شہیدوں کی یاد میں)

چلی کے سرخ شہیدو سلام لو میرا
مرے عزیز نرودا[1] کے ہم وطن یارو
تمھارے خون کی سرخی میں وہ اجالا ہے
کہ قاتل اپنے اندھیرے میں چھپ نہیں سکتے
ہزار قتل کی سازش ہزار جنگ کے وار
تمھارا خون مگر رائیگاں نہ جائے گا
زمانہ جسم سے ملبوسِ زخم اتارے گا
حیات پیرہنِ گل کے انتظار میں ہے

12 ستمبر 1973

}{}{}{

---

1. پابلو نرودا چلی کا عظیم انقلابی شاعر

ebooksgallery.com

سجاد ظہیر

اے صبا اک گل مری جانب سے اس دل کے لیے
جس کی دھڑکن میں چھپا تھا نغمہ عالم کا دل
دشمنوں کے واسطے جو آہن و فولاد تھا
دوستوں کے واسطے تھا قطرۂ شبنم کا دل

15 ستمبر 1973

صلیب

اپنی زنجیروں کی جھنکار پہ میں اڑتا ہوں
اپنی ناکامی سے بڑھ جاتی ہے رفتار مری
آنسوؤں کے میں اجالے میں سفر کرتا ہوں
پاؤں کے چھالوں سے ہو جاتی ہیں راہیں روشن
دل میں انسانوں کے آتا ہوں اٹھائے ہوئے میں اپنی صلیب
اور پاتا ہوں عروج
اے خدا میری صلیب اور بلند اور بلند
میرے دکھ اور سوا اور سوا اور سوا

(ماخوذ)

اکتوبر 1973

ebooksgallery.com

چار شعر

ہر طرف ہے ریگِ صحرا، ہر طرف ہے خارزار
خونِ دل دیجیے تو شاید ہے کہ آ جائے بہار

رہبری میں جس کے سارے کارواں کو سونپ دیں
ہے کہاں، کوئی تو بتلاؤ، وہ مردِ اعتبار

یوں تو کہنے کے لیے آتی ہیں صبحیں روز روز
جانے کیوں کٹتی نہیں ہے پھر بھی شامِ انتظار

عارضِ گل ہے کہ محرومِ تجلی اب بھی ہے
کب سے رکھی ہے خزاں کے دل پہ تیغِ نو بہار

دسمبر 1973

ebooksgallery.com

غزل

خرد والو، جنوں والوں کے ویرانوں میں آجاؤ
دلوں کے باغ ،زخموں کے گلستانوں میں آ جاؤ
یہ دامان و گریباں اب سلامت رہ نہیں سکتے
ابھی تک کچھ نہیں بگڑا ہے ،دیوانوں میں آ جاؤ
ستم کی تیغ خود دست ستم کو کاٹ دیتی ہے
ستم رانو تم اب اپنے عزا خانوں میں آجاؤ
یہ کب تک سرد لاشیں بے حسی کے برف خانوں میں
چراغِ درد سے روشن شبستانوں میں آجاؤ
یہ کب تک سیم و زر کے جنگلوں میں مشق خونخواری
یہ انسانوں کی بستی ہے اب انسانوں میں آجاؤ
کبھی شبنم کا قطرہ بن کے چمکو لالہ و گل پر
کبھی دریاؤں کی صورت بیابانوں میں آجاؤ
ہوا ہے سخت ،اب اشکوں کے پرچم اڑ نہیں سکتے
لہو کے سرخ پرچم لے کے میدانوں میں آ جاؤ
جراحت خانۂ دل ہے تلاش رنگ و نکہت میں
کہاں ہو اے گلستانو! گریبانوں میں آ جاؤ
زمانہ کر رہا ہے اہتمامِ جشنِ بیداری
گریباں چاک کر کے شعلہ دامانوں میں آ جاؤ

12 فروری 1974

ebooksgallery.com

نظم

بمبئی ہم پی رہے ہیں آج لے کر تیرا نام
لکھنؤ کی مے کے ساغر، بادۂ دہلی کے جام
صبح کی آنکھوں میں ہے صبحِ بنارس کا سرور
زلفِ شب میں خم بہ خم شامِ اودھ کا اہتمام
ہے ہوا میں وادیٔ گنگا کی خوشبوئے بہار
ساحلِ موجِ عرب کو موجِ جمنا کا سلام
لے کے آئے ہیں مراٹھی کی زمیں کے واسطے
آسمانِ شوق سے اردو نوازوں کا پیام
مختلف ہوں سب کی طرزیں مختلف ہوں سب کے رنگ
پھر بھی سارے ہم نوا یانِ چمن ہوں ہم کلام

(یکم مئی 1974 آل انڈیا ریڈیو، بمبئی بزم اردو کا افتتاح)

ebooksgallery.com

غزل

(نذرِ جوشؔ)

وہ صبحِ گل، وہ جوشِ شامِ بادہ ہے کہاں ساقی
نہ جشنِ دل، نہ فصلِ روئے سادہ ہے یہاں ساقی

حیاتِ نو گریباں چاک پیراہن دریدہ ہے
سحر کی روشنی پہ خونِ دل کا ہے گماں ساقی

مذاقِ عاشقی اک جرم ہے ان کی سیاست میں
متاعِ دلبری ہے تیغ و شمشیر و سناں ساقی

تماشا بن گئی انساں کی خواری اس زمانے میں
جہاں سے اٹھ گیا رسمِ مروت کا نشاں ساقی

خبر ہے زخم کا ہے نام تمغائے وفاداری
سنا ہے تیغ ہے پیغمبرِ امن و اماں ساقی

یہ محفل ہے کہ مقتل گاہ ہے اہلِ تمنا کی
یہاں تو بات کرنے پر بھی کٹتی ہے زباں ساقی

اب ان کے ہاتھ میں ہے اہتمامِ بزمِ انسانی
جو کانٹوں کو اڑھاتے ہیں حریر و پرنیاں ساقی

جہاں فریاد ہے اہلِ ستم کا جی بہلتا ہے

ebooksgallery.com

وہاں پر کون سمجھے گا زبانِ بے زباں ساقی
ہوئی ہے تربیت دل کی جلالِ خاکساری سے
مری نظروں میں کیا ٹھہرے شکوہِ خسرواں ساقی
کوئی دیوانہ کوئی رند کیوں بڑھتا نہیں آگے
کہ خالی دیر سے ہے مسندِ پیرِ مغاں ساقی
یہ مانا گر زباں کھولی تو جاں سے ہاتھ دھونا ہے
یہ خاموشی تو لیکن روح و دل کا ہے زیاں ساقی
کہیں سے ڈھونڈھ لے انداز اگلی بیقراری کا
کہیں سے لے کے آ پہلا سا وہ قلبِ تپاں ساقی

7 مئی 1974

دو شعر

درد دریا ہے ایک بہتا ہوا
جس کے ساحل بدلتے رہتے ہیں

وہی تلوار اور وہی مقتل
صرف قاتل بدلتے رہتے ہیں

1974

ebooksgallery.com

غزل

اک صبح ہے جو ہوئی نہیں ہے
اک رات ہے جو کٹی نہیں ہے
مقتولوں کا قحط پڑ نہ جائے
قاتل کی کہیں کمی نہیں ہے
ویرانوں سے آ رہی ہے آواز
تخلیقِ جنوں رکی نہیں ہے
ہے اور ہی کاروبارِ مستی
جی لینا تو زندگی نہیں ہے
ساقی سے جو جام لے نہ بڑھ کر
وہ تشنگی تشنگی نہیں ہے
عاشق کشی و فریب کاری
یہ شیوۂ دلبری نہیں ہے
بھوکوں کی نگاہ میں ہے بجلی
یہ برق ابھی گری نہیں ہے
دل میں جو جلائی تھی کسی نے
وہ شمعِ طرب بجھی نہیں ہے
اک دھوپ سی ہے جو زیرِ مژگاں
وہ آنکھ ابھی اٹھی نہیں ہے
ہیں کام بہت ابھی کہ دنیا
شائستۂ آدمی نہیں ہے
ہر رنگ کے آ چکے ہیں فرعون
لیکن یہ جبیں جھکی نہیں ہے

ستمبر 1974

ebooksgallery.com

شاعر

میں کہ ہوں اشک کا ایک موتی
درد کے نیلے رخسار پر
خونِ ناحق کی اک بوند
سفاک تلوار کی دھار پر
ایک بیتاب بوسہ
اُن لبوں پر جو بوسوں سے محروم ہیں
اک تبسم کی بیباک و روشن کرن
خنجروں کی چمک کے مقابل
ایک نعرہ ہوں میں
ایک پرچم ہوں میں
ایک سمندر کا بیساختہ قہقہہ
اور ان کے سوا
یعنی کچھ اور بھی
جس کو اک لفظ 'شاعر' نئی معنویت عطا کر رہا ہے
گیت کا روپ
نغمے کا پیکر

25 اکتوبر 1974

ebooksgallery.com

غزل

صبح کے اجالے پر رات کا گماں کیوں ہے
جل رہی ہے کیا دنیا، چرخ پہ دھواں کیوں ہے

قطرہ ہائے شبنم ہیں یا لہو کی بوندیں ہیں
رنگ و نور کا دامن آج خونچکاں کیوں ہے

خُم بھرے ہیں یا خالی کچھ پتا نہیں چلتا
آج وقت کا ساقی اتنا سرگراں کیوں ہے

خنجروں کی سازش پر کب تلک یہ ناموشی
روح کیوں ہے یخ بستہ، نغمہ بے زباں کیوں ہے

قافلے بھٹکتے ہیں منزلِ تمنا پر
عشق کیوں ہے سرگرداں، حسن بے نشاں کیوں ہے

راستہ نہیں چلتے صرف خاک اڑاتے ہیں
کارواں سے بھی آگے گردِ کارواں کیوں ہے

ebooksgallery.com

کچھ کمی نہیں لیکن کوئی کچھ تو بتلاؤ
عشق اس ستم گر کا شوق کا زیاں کیوں ہے

تم تو گھر سے نکلے تھے جیتنے کو دل سب کا
تیغ ہاتھ میں کیوں ہے دوش پہ کماں کیوں ہے

اک جہاں میں شہرت ہے تم بڑے مسیحا ہو
پھر یہ شاہراہوں پر درد کی دکاں کیوں ہے

قتل کر کے آئے ہیں اور تن کے بیٹھے ہیں
پوچھتے ہیں حیرت سے، نالہ و فغاں کیوں ہے

فرش ہو کہ عرش اے دل یہ جبیں نہیں جھکتی
راہ سرفروشی میں سنگ آستاں کیوں ہے

یہ ہے بزم مے نوشی اس میں سب برابر ہیں
پھر حساب ساقی میں سود کیوں زیاں کیوں ہے

13/ فروری 1974

ebooksgallery.com

غزل

سرد ہیں دل، آتشِ روئے نگاراں چاہیے
شعلۂ رنگِ بہارِ گل عذاراں چاہیے

منزلِ عشق و جنوں سے فاصلے ہیں سر بکف
ان کٹھن راہوں میں لطفِ دستِ یاراں چاہیے

لٹ رہی ہے اور کٹ چکتی نہیں فصلِ خزاں
تیز تر اک اور تیغِ نو بہاراں چاہیے

آج مے خانے میں سحرِ چشمِ ساقی کے لیے
التفاتِ چشمِ مستِ میگساراں چاہیے

اس دلِ وحشی کی آزادی کا کیا کیجیے علاج
اک کمندِ گیسوئے یزداں شکاراں چاہیے

نغمہ بن جاتا ہے نالہ ان کی بزمِ ناز میں
ان کو خوش رکھنے کو شورِ سوگواراں چاہیے

آسمانوں سے برستے ہیں زمیں پر ریگزار
آج پھر سردار رقصِ برق و باراں چاہیے

1974

ebooksgallery.com

نظم

تیرگی پھر خونِ انساں کی قبا پہنے ہوئے
دے رہی ہے صبحِ نو کا کم نگاہوں کو فریب

جنوری 1974

نظم

درد کو روح کا آزار بتانے والو
یہ شرارہ ہے جو شعلے میں بدل سکتا ہے
اور چمکتی ہوئی تلوار میں ڈھل سکتا ہے

فروری 1974

نظم

زندگانی ہے کہ شمشیرِ برہنہ جس کی
دھار پر چلتے ہیں ہم
اور ہر قطرۂ خوں کے دل میں
اپنے قدموں کے نشاں چھوڑتے ہیں
دور تک جاتا ہے قطروں کا جلوس
خوابِ گلرنگِ بہاراں کی ردا اوڑھے ہوئے

اکتوبر 1974

ebooksgallery.com

غزل

جلا کے لحن کی قندیلِ نور بار چلو
لٹاتے دولتِ گل صورتِ بہار چلو

وصال و ہجر کی راہوں میں روشنی ہو گی
دلوں میں لے کے چراغِ جمالِ یار چلو

انھیں سے پھول کھلیں گے لہولہان ہیں پاؤں
ابھی تو دشتِ طلب میں بہت ہیں خار چلو

کہاں ہو میرے رفیقانِ حرف و صوت و صدا
سکوتِ شب ہے سیہ رنگ شعلہ بار چلو

امیدِ حور میں جنت پہ ریجھنے والو
بلا رہے ہیں حسینانِ روزگار چلو

عدو کے تیغِ ستم سے مقابلہ ہے ابھی
بھلا کے ظلمِ رفیقانِ کم عیار چلو

سوادِ منزلِ جاناں قریب ہے شاید
مثالِ بادِ صبا ہو کے بے قرار چلو

فروری 1975

ebooksgallery.com

غزل

ستاروں کے پیام آئے، بہاروں کے سلام آئے
ہزاروں نامہ ہائے شوق اہلِ دل کے کام آئے

نہ جانے کتنی نظریں اس دلِ وحشی پہ پڑتی ہیں
ہر اک کو فکر ہے اس کی، یہ شاہیں زیرِ دام آئے

اسی امید میں بیتابیٔ جاں بڑھتی جاتی ہے
سکونِ دل جہاں ممکن ہو شاید وہ مقام آئے

ہماری تشنگی بجھتی نہیں شبنم کے قطروں سے
جسے ساقی گری کی شرم ہو آتش بجام آئے

کوئی شاید ہمارے داغِ دل کی طرح روشن ہو
ہزاروں آفتاب اس شوق میں بالائے بام آئے

انھیں راہوں میں شیخ و محتسب حائل رہے اکثر
انھیں راہوں میں حورانِ بہشتی کے خیام آئے

نگاہیں منتظر ہیں ایک خورشیدِ تمنا کی
ابھی تک جتنے مہر و ماہ آئے ناتمام آئے

یہ عالم لذتِ تخلیق کا ہے رقصِ لافانی
تصور خانۂ حیرت میں لاکھوں صبح و شام آئے

کوئی سردار کب تھا اس سے پہلے تیری محفل میں
بہت اہلِ سخن اٹھے، بہت اہلِ کلام آئے

فروری 1975

ebooksgallery.com

غزل

آج کی شام تمنا کی ہے شام اے ساقی
چاند کی طرح چھلکتا ہوا جام اے ساقی

تیز تر گردشِ مے، تیز تر آہنگ نشاط
وقت کس درجہ ہے آہستہ خرام اے ساقی

زندگی کیا ہے بس اک گردش پیمانہ رنگ
صبح بھی آئے گی آئی ہے جو شام اے ساقی

شاہراہوں پہ ہے پھر رقص میں رندوں کا ہجوم
آج مے خانے میں پینا ہے حرام اے ساقی

کیسے سمجھائیں کہ مے روح کو تر کرتی ہے
زاہد خشک تو ہے خام کا خام اے ساقی

جس میں شوخی بھی، شرارت بھی، رفاقت بھی ہو
ایک بار اور وہی طرزِ کلام اے ساقی

4/اگست 1975

ebooksgallery.com

صبحِ نوا

اگرچہ دشتِ خموشی بہت ہے تیرہ و تار
لباسِ نور میں صبحِ نوا بھی آئے گی
فرازِ شوق سے اترے گی آبجوئے کلام
لبوں پہ پہنے ہوئے رنگِ آرزو مندی
نہ جانے کتنے خداوند گانِ دورِ سیاہ
پناہ مانگیں گے لفظوں کی تیز کرنوں سے
سحر کی زد میں ہے شانِ شبِ خدا وندی

یکم دسمبر 1975

ebooksgallery.com

کارل مارکس

'نیست پیغمبر ولیکن در بغل دارد کتاب'

اقبال

وہ آگ مارکس کے سینے میں جو ہوئی روشن
وہ آگ سینۂ انساں میں آفتاب ہے آج
وہ آگ جنبشِ لب جنبشِ قلم بھی بنی
ہر ایک حرف نئے عہد کی کتاب ہے آج
زمانہ گیر و خود آگاہ و سرکش و بیباک
سرورِ نغمہ و سرمستیٔ شباب ہے آج
ہر ایک آنکھ میں رقصاں ہے کوئی منظر نو
ہر ایک دل میں کوئی دلنواز خواب ہے آج
وہ جلوہ جس کی تمنا تھی چشم آدم کو
وہ جلوہ چشم تمنا میں بے نقاب ہے آج

4 دسمبر 1975

ebooksgallery.com

غزل

چشمِ بد مست کو پھر شیوۂ دلداری دے
دلِ آوارہ کو پیغامِ گرفتاری دے

عشق ہے سادہ و معصوم اسے اپنی طرح
جوہرِ تیغِ ادا، خنجرِ عیّاری دے

جو دُکھے دل ہیں انھیں دولتِ درماں ہو عطا
درد کے ہاتھ میں مت کاسۂ ناداری دے

کتنی فرسودہ ہے یہ جرم و سزا کی دنیا
سرکشی دل کو نیا ذوقِ گنہگاری دے

شاخِ گل کب سے ہے سینے میں چھپائے ہوئے گل
دیکھیں کب بادِ صبا حکمِ چمن کاری دے

اے مرے شعلۂ دل، شعلۂ شعر و دانش
رات آخر ہے اسے جشنِ شرر باری دے

چمن افسردہ ہے اے جانِ چمن روحِ بہار
گل کو بھی اپنے تبسم کی فسوں کاری دے

26رستمبر1976

ebooksgallery.com

غزل

موسم رنگ بھی ہے، فصلِ خزاں بھی طاری
دیکھنا خون کے دھبے ہیں کہ ہے گلکاری

اس سے ہر طرح سے تذلیلِ بشر ہوتی ہے
باعثِ فخر نہیں مفلسی و ناداری

انقلابی ہو تو ہے فقر بھی توقیرِ حیات
ورنہ ہے عاجزی و بے کسی و عیّاری

شعلۂ گل کی بڑھا دیتی ہے لو بادِ بہار
تہہ شبنم بھی دہک اٹھتی ہے اک چنگاری

لمحہ لمحہ ہے کہ ہے قافلۂ منزلِ نور
سرحدِ شب میں بھی فرمانِ سحر ہے جاری

تیغ و خنجر کو عطا کرتے ہیں لفظوں کی نیام
ظلم کی کرتے ہیں جب اہلِ ستم تیاری

حرفِ سردار میں پوشیدہ ہیں اسرارِ حیات
شعرِ سردار میں ہے سرکشی و سرشاری

شعرِ سردار میں ہے شعلۂ بیباک کا رنگ
حرفِ سردار میں حق گوئی و خوش گفتاری

دسمبر 1976

ebooksgallery.com

خاموشی

خامشی خواب بھی ہے
درد کا احساس بھی ہے
شمع بھی دل کے اندھیرے کے لیے
حرف
جو لب سے تراشے نہ گئے
ذائقہ جن کا زباں نے کبھی چکھا ہی نہیں
بلبلیں ہیں، جو تمنا کے چمن زاروں میں
رنگ آئے گا تو مصروف ترنم ہوں گی
آج وہ حرف ہیں بس حرف ہی حرف
ناتراشیدہ و نافرمودہ
روح کے تار پہ مضراب کا رقص
شوق کا نغمۂ بے صوت وصدا

4 دسمبر 1976

ebooksgallery.com

چھوٹا سا دل

میں بازارِ مہر و وفا میں
چھوٹا سا دل بیچ رہا ہوں
اس کی قیمت سیم و زر میں
لعل و گہر میں ناممکن ہے
تاج شاہی، تخت رعونت
سب سستے ہیں، دل مہنگا ہے

کیا کوئی ایسا ہے جو ہونٹوں کی افسردہ شاموں کو
صبح تبسم عطا کرے
پیاس کے پیلے برگِ خزاں کو
فصلِ گُل کی مے میں ڈبو دے
کیا کوئی ایسا ہے جو بھیگی آنکھوں سے
آنسو کے قطرے چُن لے
اور موتی کر کے واپس دے دے
جو خالی بے بس ہاتھوں کو
کام کی دولت عطا کرے
مایوسی کو کوئے تمنا میں لے جائے

ebooksgallery.com

شاہدِ فردا کے جلووں سے دل کی جوت جگائے
جو دھرتی کی بھوک مٹائے
اس کا آنچل گیہوں کے خوشوں سے بھر دے
انساں کی تفریق مٹا کر
انساں کی تخلیق کرے

کیا کوئی ایسا ہے جس کی پلکوں پر
میرے خوابوں کا یہ عکس ملے
میں اس کے قدموں میں اپنا قیمتی دل
چھوٹا سا دل
پھول کی صورت رکھ دوں گا

جنوری 1977

تین شعر

مژدۂ شوق ابھی بادِ صبا لائی ہے
ارضِ مشرق میں نئے جشن کی تیاری ہے
لالہ و گل سے فروزاں ہے گزرگاہِ خیال
ہر طرف خونِ تمنا کی جو گلکاری ہے
قریہ و شہر میں جھنکاریں ہیں زنجیروں کی
اور ویرانوں میں تخلیقِ جنوں طاری ہے

1976

ebooksgallery.com

غزل

بوئے گُل لائی ہے گلشن کی ہوا سے خوش ہیں
ہم اسیرانِ قفس بادِ صبا سے خوش ہیں
کل کو دیکھیں گے ترے حسنِ جفا کا انداز
آج کے دن تو ترے عہد وفا سے خوش ہیں
حکم تھا ان کی نگاہوں کا تقاضا دل کا
ہم خطا کر کے بہت اپنی خطا سے خوش ہیں
کاش صدیوں کی غلاظت کو بہا لے جائے
عصرِ نو ہم ترے سیلابِ بلا سے خوش ہیں
اپنی بے باک نگاہوں میں سمایا نہ کوئی
اور وہ ہیں کہ ہر اک تازہ خدا سے خوش ہیں
ہم کو آتا نہیں خوش رنگ بغاوت کا جلال
ورنہ سردار کے اندازِ نوا سے خوش ہیں

جولائی 1977

ebooksgallery.com

غزل

وہی حسن یار میں ہے، وہی لالہ زار میں ہے
وہ جو کیفیت نشے کی مے خوش گوار میں ہے

یہ چمن کی آرزو ہے کوئی لوٹ لے چمن کو
یہ تمام رنگ و نکہت ترے اختیار میں ہے

ترے ہاتھ کی بلندی میں فروغ کہکشاں ہے
یہ ہجومِ ماہ و انجم ترے انتظار میں ہے

بس اسی کو توڑنا ہے یہ جنونِ نفع خوری
یہی ایک سرد خنجر دلِ روزگار میں ہے

ابھی زندگی حسیں ہے ابھی ذکرِ موت کیسا
ابھی پھول کھل رہے ہیں ابھی تو کنار میں ہے

ابھی میکدہ جواں ہے ابھی موج میں ہے ساقی
ابھی جام رقص میں ہے ابھی مے بہار میں ہے

یہی میرا شعر و نغمہ یہی میری فکر و حکمت
جو سرور و دردمندی دلِ بے قرار میں ہے

اگست 1977

ebooksgallery.com

اشعار

اس کی یاد میں دل سے آنکھ تک جو خوں آیا
تشنگی بجھانے کو جامِ لالہ گوں آیا
دشت جاگ اٹھے ہیں، رقص کرتے ہیں صحرا
موسم بہاراں ہے، جوش میں جنوں آیا
حرفِ شوق سنتے ہی حسن پر بہار آئی
لب سے اک کرن پھوٹی آنکھ میں فسوں آیا
کیا اسی کو کہتے ہیں کاروبار جمہوری
تیغ سر بلند آئی، صید سرنگوں آیا

اگست 1977

تین شعر

مثالِ ماہ ردائے نو پہن کر ہم نکلتے ہیں
مگر روشن ہیں اپنے دل کے سورج کے اجالے سے
یہ اپنا جام ہے، جامِ سفالیں ہو کہ چلّو ہو
کبھی پیتے نہیں مانگے ہوئے زرّیں پیالے سے
نہیں اہلِ ہوس کی بھوک میں کوئی کمی ممکن
کبھی بھرتا نہیں ہے پیٹ سونے کے نوالے سے

1977

ebooksgallery.com

ہندستان کے بھوکے اساتذہ

وہاں زمین کی سب نعمتیں میسر ہیں
یہاں پہ نجمِ مقدر کی ایک ضو بھی نہیں
ہمارے پاس ہے حرف و سخن کی دانائی
مگر نصیب میں چھوٹی سی نانِ جَو بھی نہیں

1977

اشعار

ریگزاروں کو بہاروں کی بشارت دے کر
نغمۂ طائرِ نو بخش دیں خاموشی کو
زندگی تہنیت لالہ و گل سے ہو جواں
ایک پیغام ترو تازہ ہو مدہوشی کو
توڑ کر ظلم کے خنجر کو زمیں پر پھینکیں
کر دیں محروم ستم دستِ ستم کوشی کو
محتسب سیلِ مےِ ناب میں گم ہو جائے
اس طرح عام کریں ذوقِ قدح نوشی کو
آرزو سینۂ مایوس میں پھر پیدا ہو
رنگ خورشید ملے شب کی سیہ پوشی کو

یکم فروری 1978

ebooksgallery.com

نظم

اب بھی ہے اسی جسم برہنہ کی نمائش
زخموں سے جسے پیرہنِ درد ملا ہے
ہونٹوں پہ وہی خشکیِ افلاس کے دھبے
چہروں پہ وہی بھوک کی ٹھہری ہوئی شامیں
بیگانہ ہیں جو روشنیِ رنگِ سحر سے
آنکھیں ہیں وہ انگارے جو اشکوں نے بجھائے
اور ہاتھ جو بیکاری و افلاس سے شل ہیں
ہے کوئی جو سوئے ہوئے شعلے کو جگا دے
ہے کوئی جو ہنگامۂ فردا کو صدا دے

مارچ 1978

ebooksgallery.com

اقبال کی آواز

فرعون و مسولینی و ہٹلر ہیں تہہِ خاک
اے اہلِ نظر نشۂ قوت ہے خطرناک
تاریخ کا یہ حرفِ صداقت ہے ازل سے
مظلوم بہت جلد ہی ہو جاتے ہیں بیباک
مجبور ہیں جو ہاتھ وہ مجبور نہیں ہیں
کر دیتے ہیں چنگیز و ہلاکو کی قبا چاک
یہ دیکھ کہ کس طرح بدلتا ہے زمانہ
ہو تو بھی اگر میری طرح صاحب ادراک
اقبال کا آہنگ ہے آہنگ بغاوت
جاگ اٹھتے ہیں آفاق دہل جاتے ہیں افلاک

مارچ 1978

تین شعر

انقلاب کا پرچم جو اٹھا نہیں سکتے
کاسۂ گدائی ہے دست بے ہنر اُن کا
آرزو سے محرومی جان و دل کا نقصاں ہے
آہ نارسا ان کی نالہ بے اثر اُن کا
آسماں پہ اڑنے کا حوصلہ نہیں جن کو
نا مراد رہتا ہے ذوقِ بال و پر ان کا

28مارچ 1978

ebooksgallery.com

غزل

فروغِ دیدہ و دل، لالۂ سحر کی طرح
اجالا بن کے رہو شمعِ رہگذر کی طرح

پیمبروں کی طرح سے جیو زمانے میں
پیامِ شوق بنو دولتِ ہنر کی طرح

یہ زندگی بھی کوئی زندگی ہے ہم نفسو
ستارہ بن کے جلے، بجھ گئے شرر کی طرح

ڈرا سکی نہ مجھے تیرگی زمانے کی
اندھیری رات سے گزرا ہوں میں قمر کی طرح

سمندروں کے تلاطم نے مجھ کو پالا ہے
چمک رہا ہوں اسی واسطے گہر کی طرح

تمام کوہ و تل و بحر و بر ہیں زیرِ نگیں
کھلا ہوا ہوں میں شاہیں کے بال و پر کی طرح

ebooksgallery.com

تمام دولتِ کونین ہے خراج اس کا
یہ دل نہیں کسی لوٹے ہوئے نگر کی طرح

گزر کے خار سے، غنچہ سے، گُل سے، شبنم سے
میں شاخ وقت میں آیا ہوں اک ثمر کی طرح

میں دل میں تلخی زہرابِ غم بھی رکھتا ہوں
نہ مثل شہد ہوں شیریں نہ میں شکر کی طرح

خزاں کے دستِ ستم نے مجھے چھوا ہے مگر
تمام شعلہ و شبنم ہوں کاشمر کی طرح

مری نوا میں ہے لطف و سرور صبحِ نشاط
ہر ایک شعر ہے رندوں کی شامِ تر کی طرح

یہ فاتحانہ غزل عصرِ نو کا ہے آہنگ
بلند و پست کو دیکھا ہے دیدہ ور کی طرح

یکم مئی 1978

ebooksgallery.com

تہنیت

(اقبال نے 1930ء کے آس پاس افغانستان کو انقلاب کی دعوت دی تھی ۔

رومی بدلے، شامی بدلے ، بدلا ہندستان

تو بھی اے فرزند کہستاں، اپنی خودی پہچان

اپنی خودی پہچان

اے غافل افغان

میری یہ تہنیتی نظم اقبال کی زمیں میں ہے)

نظم

تو جاگا اور جاگ اٹھے ہیں تیرے کوہستان

تیری خودی کی بیداری سے اونچی ہو گئی شان

اے بانکے افغان

ناچ اٹھا چشموں کے دل میں چاندی جیسا پانی

سخت چٹانیں پہنیں گی مخمل کی قبائیں دھانی

رقص کرے گا مست ہوا میں چشموں کا طوفان

اے بانکے افغان

ebooksgallery.com

گرم ہے سورج، کرنیں شعلہ اور ہوائیں تیز
موسم اچھا، پانی وافر، مٹی بھی زرخیز
وقت یہی ہے سینچ لیں اپنے کھیتوں کو دہقان
اے بانکے افغان
مشرق و مغرب حیرت میں ہیں، کیسے کایا پلٹی
پتھر کے سوکھے پیالوں سے کیسے صہبا چھلکی
دیکھ رہے ہیں پیار سے تجھ کو ہند اور پاکستان
اے بانکے افغان
تیرے کھیتوں تیرے باغوں پر ہے تیرا راج
تیرے سر پر تیری اپنی محنت کا ہے تاج
تیرے اس دہقانی پن پر سلطانی قربان
اے بانکے افغان
تو اقبال کے دل کی دعا ہے، میرے دل کا گیت
تیرے دیس کی جیت ہے سارے پورب دیس کی جیت
تیرا نغمہ سرکش و شیریں اونچی تیری تان
اے بانکے افغان

14 جون 1978

ebooksgallery.com

غزل

گلشن کہو تم یا چمن، ہے اہل دل کی انجمن
صد بلبلِ شوریدہ سر، صد لالۂ خونی کفن
اس باغ میں آئی ہے اک محبوبۂ گل پیرہن
شیریں نوا، شیریں ادا، شیریں سخن، شیریں دہن
وہ گل بھی ہے، سورج بھی ہے، بجلی بھی ہے، بادل بھی ہے
دیکھا نہ تھا پہلے کبھی، ایسا حسیں بانکا سجن
پیکر کو اس کے، شعر کے پیکر میں، کیونکر ڈھالیے
خاموش ہیں حیران ہیں، سب شہر یارانِ سخن
پیشانیِ سیمیں ہے، یا صبحِ تخیل کی چمک
شائستگیِ فکر و فن، اس کے تبسم کی کرن
حور و پری شرمندہ ہے، وہ اس قدر تابندہ ہے
دیکھے سے نکھرے رنگ رخ، چھونے سے میلا ہو بدن
بس دور سے دیکھا کرو، اس شمعِ بزمِ ناز کو
وہ رونقِ کاشانۂ دل، حیرتِ صد انجمن
آؤ چلیں دیکھیں ذرا وہ جانِ عالم کون ہے
سردار کے شعروں میں ہے زلفِ معنبر کی شکن

23/جون 1978

ebooksgallery.com

قطعہ

نئی کوہِ الوند کی ہوا میں
دماوند سے آرہی ہیں صدائیں
کہ ہر چیز فانی ہے، ہر چیز فانی
وہ ہو تاجِ کسریٰ کہ تختِ کیانی

ستمبر 1978

☆☆☆☆☆☆☆☆

تین شعر

(کشمیر میں موسمِ سرما کی ایک شام)

موسمِ زمستاں پھر دولتِ بہاراں دے
خشک کوہساروں کو ذوقِ آبشاراں دے
حسنِ خزاں کو پھر حکمِ شعلہ باری ہو
سرد برف زاروں کو آتشِ چناراں دے
تہنیت گلِ تر کو حسن و رنگ و نکہت کی
خار و خس و گلشن کے مرگ کم عیاراں دے

اکتوبر 1978

☆☆☆☆☆☆☆☆

(نوٹ: الوند اور دماوند ایران کے دو پہاڑ ہیں۔)

ebooksgallery.com

کاسۂ سر

(تضمین بر اشعار خواجہ حافظ شیرازی)

جہانِ نالۂ فریاد ہو گیا برباد
کریں گے اہلِ جنوں تازہ بستیاں آباد
لرز رہے ہیں در و بامِ قصرِ پرویزی
جواں ہے ضربتِ پیہم سے تیشۂ فرہاد
نہ اس کا خوف ہی باقی ہے نہ طاب اُس کی
حقیر آتشِ نمرود و جنتِ شداد
تڑپ سے مرغِ چمن کی شکستہ حلقۂ دام
نہ زورِ پنجۂ گلچیں نہ بازوئے صیاد
بدل رہی ہے فضا نرم ہو گئی ہے ہوا
دلوں کے باغ میں چلنے لگی ہے بادِ مراد
ز انقلابِ زمانہ عجب مدار کہ چرخ
ازیں فسانہ ہزاراں ہزار دارد یاد
قدح بشرطِ ادب گیر زاں کہ ترکیبش
ز کاسۂ سرِ جمشید و بہمن است و قباد

ستمبر 1978

ebooksgallery.com

لمحۂ آفتاب

ہر طرف گولیوں کی بارش ہے
ہر طرف ہیں جلوس نعروں کے
خون آلودہ ہے فضا ساری
اڑ رہے ہیں بغاوتوں کے عقاب
پیاس سڑکوں پہ ہے برہنہ سر
بھوک آمادہ انتقام پہ ہے
شب کے حلقوں میں انتشار سا ہے
صبح کا نور بیقرار سا ہے
وقت کروٹ بدلنے والا ہے

لمحۂ آفتاب ہے اے دل
کیا کوئی سرفروش ہے ایسا
شعلۂ دل کو جو بلند کرے
اور پھر آفتاب کر کے اسے
ابنِ آدم کو تاج پہنا دے
زندگی نور میں نہا جائے

ستمبر 1978

ebooksgallery.com

غزل

(ایرانی طلبہ کے نام)

خونِ ناحق سے ہوا رنگیں گلستانِ عجم
مشعلوں کی طرح روشن ہیں جوانانِ عجم

دل کی ٹھنڈک، روح کی گرمی، نگاہوں کا سرور
شعلہ و شبنم کے پیکر ہیں حسینانِ عجم

آندھیوں کا زمزمہ، بیتاب طوفانوں کا گیت
ہیں قیامت کے مغنّی نغمہ سنجانِ عجم

نوجواں سینوں پہ زخموں کے سنہری آفتاب
آخرش ظاہر ہوئے افکارِ پنہانِ عجم

سعدی و فردوسی و حافظ کی آتی ہے صدا
خود عجم کے درد میں پنہاں ہے درمانِ عجم

جبر کر سکتا ہے کب تک عزم و ہمت کو اسیر
کھلکھلا کر ہنس پڑی دیوارِ زندانِ عجم

ebooksgallery.com

خرمنِ ظلم وستم کا آخری لمحہ ہے یہ
بن چکی ہے برقِ زنجیرِ غلامانِ عجم

صاحبِ سرمایہ ہوں گے اب تہی دستانِ شرق
ہر شکستہ دل ہے اک لعلِ بدخشانِ عجم

سرد جن سینوں میں ہے احساسِ انسانی کی آگ
ہاں اُدھر بھی ایک شعلہ، شعلہ دستانِ عجم

مٹ رہا ہے فرقِ سلطان وگدا، میر وفقیر
نامۂ اعمال ہے اور محشرستانِ عجم

اے گلِ خونیں جگر چاکِ گریبانم نگر
چوں چراغِ لالہ سوزم در خیابانِ عجم

5/نومبر 1978

ebooksgallery.com

افریقی لڑکی

اسے خبر نہیں خود
کس قدر حسین ہے وہ
اسے خبر نہیں کتنا حسین جسم ہے وہ
وہ آبنوس کا جسم
اسے خبر نہیں وہ کس طرح چمکتا ہے

اگر وہ رقص کرے ناریل کے سایوں میں
برہنہ رقص کرے سبز رنگ سایوں میں
اور اپنے عکس کو دریا میں ضوفگن دیکھے
تو اس کے ننھے سے دل کو یقین آ جائے

مگر یہاں تو سڑک پر کوئی درخت نہیں
کہ اس زمین پہ پتھر کے پیڑ اگتے ہیں
رکابیوں میں لرزتے غلیظ پانی میں
نہ آئینہ ہے، نہ عکس جبیں، نہ عکسِ بدن
نہ رخ کا نور، نہ سینے کا نوجوان چمن
بس اس میں ڈوب کے بجھ جاتی ہے ہر ایک کرن

27 اکتوبر 1978

ebooksgallery.com

حبشی میرا بھائی

ہاتھی دانت کے اس جنگل میں
اس کا کالا جسم
کالا بادل جو منڈلائے
کالی بجلی جو لہرائے
کالے اعضا کا دریا
جو سمٹے سکڑے اور بل کھائے
آگ برستی دھوپ میں چمکے
اور نیزہ بن جائے
طبل و ڈھل کی تال پہ ناچے
دشمن سے ٹکرائے
حبشی میرا بھائی
جنگل جنگل پھول چنے
بھائی کے پاؤں لال گلاب

27 اکتوبر 1978

(ماخوذ)

ebooksgallery.com

یارانِ میکدہ

1954-55 کی نظمیں جو کسی کتاب میں شامل نہ ہو سکیں

ebooksgallery.com

ebooksgallery.com

لوئی آراگوں

(فرانس کا عظیم شاعر اور ناول نگار جس نے گزشتہ جنگ عظیم
میں جرمن حملہ آوروں کے خلاف فرانسیسی ادیبوں کو منظم کیا۔)

اک تبسم شعلہ ہائے گل کو شرماتا ہوا
ایک شعلہ مسکراتا ، ناچتا گاتا ہوا

ایک نغمہ تیغ کی جھنکار میں ڈوبا ہوا
ایک نعرہ لوریوں کے راگ برساتا ہوا

ایک طوفاں بجلیوں کے بادباں کھولے ہوئے
ایک ساحل اپنے طوفانوں سے ٹکراتا ہوا

نوعروسِ رنگ و نکہت دل میں مانند گلاب
ارضِ پیرس کی طرح لیکن سراپا انقلاب

(پیرس)

}{}{}{}{

ebooksgallery.com

پابلو نرودا

(چلی، جنوبی امریکہ کا عظیم اور نہایت حسین شعروں کا شاعر جو ہسپانوی زبان کا سب سے بڑا شاعر سمجھا جاتا ہے اور وہ برسوں جلاوطن رہا اور موت اس کا پیچھا کرتی رہی۔ امریکہ کی نئی نسل کو اس نے بہت متاثر کیا۔ 1950 میں ہندستان آیا تھا۔ 1951 میں اس کو لینن انعام ملا۔ 1971 میں نوبل انعام۔ 1973 میں انتقال ہوا۔)

ارضِ مشرق کا کنول وادیِ مغرب کا گلاب
سوز میں ڈوبا ہوا تارِ رگِ جاں کا رباب

دشت و کہسار کا شہزادہ گلستاں کا امیر
محفلِ انجم و مہتاب میں انساں کا سفیر

شب تاریک کے سینے سے ابھرنے والا
چاند کی طرح سے تابندہ گزرنے والا

اس کو معلوم ہے دریا کی روانی کیا ہے
عشق کیا چیز ہے مے کیا ہے جوانی کیا ہے

ebooksgallery.com

آسماں پر کبھی بادل ہے کبھی تارا ہے
سطحِ گیتی پہ نئی صبح کا نظارا ہے

ایک شمشیر بھی، اک جام بھی، اک ساز بھی ہے
اور پرستانوں میں کھوئی ہوئی آواز بھی ہے

بارِ غم سب کا اٹھاتا ہے سفینے کی طرح
دلِ انساں میں دمکتا ہے نگینے کی طرح

دوست روٹی کا، چمکتے ہوئے پانی کا رفیق
اپنی نفرت میں عمیق، اپنی محبت میں شفیق

لرزہ گلچینوں پہ طاری ہے وہ گلشن ہے یہی
بجلیوں سے جو بنا ہے وہ نشیمن ہے یہی

(اسٹاک ہوم)

ebooksgallery.com

جولیو کیوری

(فرانس کا مشہور عالم ایٹمی سائنس داں جو اپنی موت کے وقت تک عالمی امن کانفرنس کا صدر تھا، نوبل انعام یافتہ)

جان کر راز ستاروں کی گزر گاہوں کا
آرزو خاک پہ مصروف سفر ہوتی ہے

فکرِ چالاک میں سورج کی شعاعیں ہیں اسیر
زندگی کی شب تاریک سحر ہوتی ہے

وہ تجلی کہ جو ذرّوں میں نہاں تھی اب تک
صرف تعمیرِ گلستانِ ہنر ہوتی ہے

مے دانش کا نشہ رند کی اوقات پہ ہے
خیر ہوتی ہے حقیقت میں نہ شر ہوتی ہے

اپنا سر شر کے قدم پر نہ جھکایا تو نے
علم کو خیر کی تفسیر بنایا تو نے

(پیرس)

ebooksgallery.com

پال روبسن (1)

(امریکہ کا مشہور عالم حبشی موسیقار جس کے نغموں نے
دوستوں اور دشمنوں سب سے خراجِ تحسین وصول کیا۔)

یہ پوچھا میں نے اک دن بلبلِ شاہینِ سطوت سے
تری آواز سے صیّاد پر کیوں خوف طاری ہے

محبت تیرا نغمہ، حسن انسانی نوا تیری
مگر سرمایہ داری کے جگر سے خون جاری ہے

جوابِ روبسن میں کیا کہوں کتنی بلاغت تھی
مرا صیاد ساری نوعِ انساں کا شکاری ہے

محبت ہو، حسیں نغمہ ہو، بچّوں کا تبسّم ہو
یہ جنگی دیوتاؤں کے لیے اک ضربِ کاری ہے

کلی کھلتی ہے جس دم خون ہو جاتا ہے کانٹوں کا
خزاں کے دل کو پیغامِ فنا بادِ بہاری ہے

(لندن)

ebooksgallery.com

پال روبسن (2)

اپنے نغمے پہ کوئی ناز تجھے ہو کہ نہ ہو
نغمہ اس بات پہ نازاں ہے کہ ہے فن تیرا
دیس ہیں دور بہت دل تو بہت دور نہیں
میرے گلشن ہی کے پہلو میں ہے گلشن تیرا
تیرے نغمے نے لیا دہلی و شیراز کا دل
ماسکو تیرا ہے غرناطہ و لندن تیرا
اپنی پلکوں سے چُنا خونِ شہیدانِ حبش
کتنے گلزاروں سے گلرنگ ہے دامن تیرا
تیری آواز بلالِ حبشی کی ہے نوا
نور سے دل کے ترے حرف ہے روشن تیرا
بوئے گل رہ نہ سکی قیدِ گلستاں میں اسیر
سرحدیں توڑ کے سب پھیل گیا فن تیرا
کرشن کا گیت ہے، گوکل کی حسیں شام ہے تو
آ کلیجے سے لگا لیں کہ سیہ فام ہے تو

(ماسکو میں روبسن سے ملاقات اور اس کا نغمہ سننے کے بعد جنوری 1960)

ebooksgallery.com

ایلیا اہرن برگ

(سوویت یونین کا بزرگ ادیب اور صحافی۔ بین الاقوامی امن تحریک کا رہنما)

جنگ کی بے یقین دنیا میں
امن کا اک یقینِ محکم ہے
اک ضعیف و نحیف پیکر میں
ساری انسانیت مجسم ہے
ایک محشر جلو میں ہے اس کی
انجمن ایک اس کی ذات میں ہے
اور ہر شخص یہ سمجھتا ہے
میری ہی بات اس کی بات میں ہے

(ماسکو)

فیض احمد فیض

سوز ہے دل میں نگاہوں میں محبت کا گداز
ایک بجلی ہے کہ جو شعلہ فشاں ساز میں ہے
کاٹ تلوار کی شعروں کو عطا کرتی ہے
وہ کسک درد کی جو فیض کی آواز میں ہے

ebooksgallery.com

کرشن چندر

کتنا خوش رنگ ہے یہ وادیِ کشمیر کا پھول
اپنے سینے میں لیے سارے جہاں کی خوشبو

بالِ جبریل کی جنبش ہے قلم کی رفتار
حرف ہے شعر ترا، حرف ترا ہے جادو

تتلیاں لفظوں کی صفحات پہ اڑتی دیکھیں
دوڑتے دیکھے تخیل کے سنہری آہو

سطریں اس طرح سے کرتی ہیں ترنم ریزی
عالمِ نغمہ میں جس طرح مغنّی کا گلو

ظلم وافلاس میں جاگا ہوا انساں کا ضمیر
تیرہ و تار فضاؤں میں ستاروں کا نمو

کبھی للکار کے سانچے میں ڈھلی ہے فریاد
بن کے شعلہ کبھی چمکا ہے غریبوں کا لہو

درد کو دل کے لیے شمع بنایا تو نے
روحِ انساں کو نیا خواب دکھایا تو نے

(بمبئی)

ebooksgallery.com

بعد کی چند نظمیں و غزلیں

ebooksgallery.com

ebooksgallery.com

کربلا

(ایک رجز)

پھر العطش کی ہے صدا
جیسے رجز کا زمزمہ
پھر ریگِ صحرا پر رواں
یہ اہلِ دل کا کارواں
نہرِ فرات آتش بجاں
راوی و گنگا خونچکاں
کوئی یزیدِ وقت ہو
یا شمر ہو یا حُرملہ
اس کو خبر ہو یا نہ ہو
روزِ حساب آنے کو ہے
نزدیک ہے روزِ جزا
اے کربلا! اے کربلا!

(2)

گونگی نہیں ہے یہ زمیں
گونگا نہیں ہے آسماں
گونگے نہیں حرف و بیاں
گونگی اگر ہے مصلحت
زخموں کو ملتی ہے زباں

ebooksgallery.com

وہ خود جو رزقِ خاک تھا
تابندہ ہے پائندہ ہے
صدیوں کی سفاکی سہی
انسان اب بھی زندہ ہے
یہ جہل کی پرچھائیاں
لیتی ہوئی انگڑائیاں
زندہ ہے اعجازِ فغاں
ہر ذرّۂ پامال میں
دل کے دھڑکنے کی صدا
اے کربلا! اے کربلا!

(3)

عرشِ رعونت کے خدا
ارضِ ستم کے دیوتا
یہ ٹین اور لوہے کے بُت
یہ سیم و زر کے کبریا
بارود ہے جن کی قبا
راکٹ کی لے جن کی صدا
طوفانِ غم سے بے خبر
یہ کم سواد و کم ہنر
نکلے ہیں لے کر اسلحہ
لیکن جل اٹھا زیرِ پا
ریگِ نواحِ کاظمہ
ریگِ نواحِ نینویٰ
اندھی ہے مشرق کی ہوا
شعلہ فلسطیں کی فضا
اے کربلا! اے کربلا!

ebooksgallery.com

(4)

یہ مدرسے دانش کدے
علم و ہنر کے میکدے
ان میں کہاں سے آ گئے ؟
دانش وران بے یقیں
غیروں کے دفتر کے امیں
الفاظ کے خواجہ سرا
ان کے تصرف میں نہیں
خون بہارِ زندگی
ان کے تصرف میں نہیں
برہم ہے ان سے رنگِ گل
آزردہ ہے بادِ صبا
اے کربلا! اے کربلا!

(5)

لیکن یہی دانش کدے
ہیں عشق کے آتش کدے
ہیں حسن کے تابش کدے
پلتے ہیں جن کی گود میں
لے کر انوکھا بانکپن
عصرِ رواں کے کوہکن
میرے جوانانِ چمن
بلبل نوا، شاہیں ادا
اے کربلا! اے کربلا!

(6)

اے غم کے فرزندو اٹھو
اے آرزو مندو اٹھو
دل کی نسیم جانفزا

ebooksgallery.com

ہونٹوں کی کلیوں میں جواں
یہ کرگسوں کے گھونسلے
زلفوں کی کلیوں میں رواں
بوئے گل و بوئے فنا
آنکھوں میں تاروں کی چمک
ہاتھوں میں سورج کی دمک
دل میں جمالِ شامِ غم
رُخ پر جلالِ بے نوا
گونجی ہوئی زیرِ قدم
تاریخ کی آوازِ پا
شمشیر ہیں دستِ دعا
اے کربلا! اے کربلا!

(7)

پیاسوں کے آگے آئیں گے
آئیں گے لائے جائیں گے
آسودگانِ جامِ جم
سب صاحبانِ بے کرم
کھل جائے گا سارا بھرم
جھک جائیں گے تیغ و علم
پیشِ سفیرانِ قلم
رخشندہ ہے روحِ حرم
تابندہ ہے روئے صنم
سردار کے شعروں میں ہے
خونِ شہیداں کی ضیا
اے کربلا! اے کربلا!

ebooksgallery.com

آبلہ پا

(۱)

سائے میں درختوں کے
بیٹھے ہوئے انسانو!
اے وقت کے مہمانو!
کس دیس سے آئے ہو
کس دیس کو جانا ہے
اے سوختہ سامانو!

یہ وسعتِ میداں ہے
یا درد کا صحرا ہے
اک دھوپ کا جنگل ہے
یا پیاس کا دریا ہے
دریا کے پرے کیا ہے
پتھر ہے کہ چشمہ ہے
نغمہ ہے کہ نالہ ہے
شبنم ہے کہ شعلہ ہے
شاید کوئی ساحر ہے
جو ڈوبتے سورج کے
دروازے پہ بیٹھا ہے
افسون تماشا ہے

ebooksgallery.com

(2)

ہے رات کی راہوں میں
تاروں کا سفر جاری
اور بادِ بیابانی
سر دست غزل خواں ہے
ہر ذرّے کے سینے میں
اک شمع فروزاں ہے
ہر خار کے نیزے پر
خوابوں کا گلستاں ہے

(3)

اے عشقِ جنوں پیشہ
اس سمت میں چلنا ہے
ڈوبا ہے جہاں سورج
نکلا ہے جہاں سورج
واں ریت کے ٹیلے پر
یا ناقۂ لیلیٰ ہے
یا محملِ سلمیٰ ہے

(4)

صد قافلہ پنہاں ہے
صد قافلہ پیدا ہے
آوازِ جرس لیکن
اس دشت میں تنہا ہے

ebooksgallery.com

صدیوں سے اسی صورت
ہے حکم سفر جاری
زمان ستم جاری
امکان کرم جاری

(5)

پھولوں کے کٹوروں میں
شبنم کی گلابی ہے
اور بادِ سحر گاہی
بدمست شرابی ہے
کل صبح کے دامن میں
تم ہو گے نہ ہم ہوں گے
بس ریت کے سینے پر
کچھ نقش قدم ہوں گے
سائے میں درختوں کے
پھر لوگ بہم ہوں گے
کس دیس سے آئے ہو
کس دیس کو جانا ہے
اے وقت کے مہمانو
اے شمع تمنا پر
جلتے ہوئے پروانو
اے سوختہ سامانو

ebooksgallery.com

غزل

آئے ہم غالب و اقبال کے نغمات کے بعد
مصحفِ عشق و جنوں حسن کی آیات کے بعد

اے وطن، خاکِ وطن وہ بھی تجھے دے دیں گے
بچ گیا ہے جو لہو اب کے فسادات کے بعد

نارِ نمرود یہی اور یہی گلزارِ خلیل
کوئی آتش نہیں آتش کدۂ ذات کے بعد

رام و گوتم کی زمیں حرمتِ انساں کی امیں
بانجھ ہو جائے گی کیا خون کی برسات کے بعد

تشنگی ہے کہ بجھائے نہیں بجھتی سردار
بڑھ گئی کوثر و تسنیم کی سوغات کے بعد

ebooksgallery.com

غزل

عقیدے بجھ رہے ہیں شمعِ جاں گُل ہوتی جاتی ہے
مگر ذوقِ جنوں کی شعلہ سامانی نہیں جاتی

خدا معلوم کس کس کے لہو کی لالہ کاری ہے
زمینِ کوئے جاناں آج پہچانی نہیں جاتی

اگر یوں ہے تو کیوں ہے یوں نہیں تو کیوں نہیں آخر
یقیں محکم ہے لیکن دل کی حیرانی نہیں جاتی

لہو جتنا تھا سارا صرفِ مقتل ہو گیا لیکن
شہیدانِ وفا کے رُخ کی تابانی نہیں جاتی

پریشاں روزگار، آشفتہ حالاں کا مقدّر ہے
کہ اُس زلفِ پریشاں کی پریشانی نہیں جاتی

ہر اِک شے اور مہنگی اور مہنگی ہوتی جاتی ہے
بس اِک خونِ بشر ہے جس کی ارزانی نہیں جاتی

نئے خوابوں کے دل میں شعلۂ خورشیدِ محشر ہے
ضمیرِ حضرتِ انساں کی سلطانی نہیں جاتی

لگاتے ہیں لبوں پر مہر اربابِ زباں بندی
علی سردار کی شانِ غزل خوانی نہیں جاتی

ebooksgallery.com

غزل

یہ بے کس و بے قرار چہرے
صدیوں کے یہ سوگوار چہرے

مٹی میں پڑے دمک رہے ہیں
ہیروں کی طرح ہزار چہرے

لے جا کے انھیں کہاں سجائیں
یہ بھوک کے شکار چہرے

افریقہ و ایشیا کی زینت
یہ نادر روزگار چہرے

کھوئی ہوئی عظمتوں کے وارث
کل رات کے یادگار چہرے

غازے سے سفیدے سے رنگیں
اس دور کے داغ دار چہرے

گزرے ہیں نگاہ و دل سے ہو کر
ہر طرح کے بے شمار چہرے

مغرور انا کے گھونسلے میں
بیٹھے ہوئے کم عیار چہرے

قابلِ التفات آنکھیں
نا قابلِ اعتبار چہرے

ان سب سے حسین تر ہیں لیکن
رندوں کے گناہ گار چہرے

ebooksgallery.com

سیلِ وقت (رقصِ خزاں)

(شمالی امریکہ کے موسم خزاں کے استعارے میں   اکتوبر 1994)

خزاں رسیدہ نگارِ بہار رقص میں ہے
عجیب عالمِ بے اختیار رقص میں ہے

برس رہے ہیں درختوں سے رنگ صورتِ برگ
طلسم خانۂ لیل و نہار رقص میں ہے

گذر رہا ہے زمانہ، بہار ہے نہ خزاں
بس اک تبسمِ برق و شرار رقص میں ہے

نہ جانے کون ہے معشوق کون ہے عاشق
نہ جانے کس کا دلِ بیقرار رقص میں ہے

جنوں نے پیرہنِ برگ و بار اتار دیا
برہنگی ہے کہ دیوانہ وار رقص میں ہے

یہ کائنات کا حیرت کدہ طلسمِ وجود
ازل کے روز سے بے اختیار رقص میں ہے

❀❀❀❀❀❀❀

ebooksgallery.com

خوابِ پریشاں

میرے دشمن کی بیٹی تھی وہ
اس کی راہوں میں بارود تھی
فرشِ مخمل نہ تھا
آگ کے پیڑ تھے
اور شاخوں میں انگاروں کے پھول تھے
سر پہ میرے وطن کے جہاز
اور دشمن کے طیارے معروفِ پیکار تھے
آسماں سے قیامت برسنے لگی تھی

اس کو معلوم تھا اس کے دشمن کا بیٹا ہوں میں
مجھ کو معلوم تھا میرے دشمن کی بیٹی ہے وہ
اس کی آنکھوں میں معصومیت، خوف اور بے بسی تھی
میری آنکھوں میں بھی شاید ایسا ہی ایک خوف تھا
اور اس خوف کے گہرے غاروں میں
ہر چیز گم ہو چکی تھی
رہنماؤں کی تقریریں
اہلِ سیاست کے دیوانے پن کے بیانات

ebooksgallery.com

اخباروں کے اقتباسات
ہتھیاروں کے تاجروں کے جنوں خیز اعلان
راکٹوں کی صدا اور طیاروں کی گھن گرج
کچھ نہ تھا
صرف اک دل دھڑکنے کی آواز تھی
دو دلوں کی وہ آواز جو ایک دل بن گئے تھے
ہاتھ سے ہاتھ مس ہونے کی
جسم سے جسم چھونے کی آواز
اور ہم دونوں
بیتاب سانسوں کے بے ربط سے سائباں کے تلے
خوف کے غار میں
سب بلاؤں سے محفوظ تھے
اس کا سارا بدن پیار ہی پیار تھا
میرا سارا بدن حسن ہی حسن تھا
اک ندی تھی جو خاموشی سے بہہ رہی تھی
کونپلیں ہنس رہی تھیں
پھول خاموشی سے کھل رہے تھے
اور دشمن کے سرحد کی ٹھنڈی ہوائیں
اور میرے وطن کی مہکتی ہوائیں
گلے مل رہی تھیں
ان کو پروانۂ راہداری کی کوئی ضرورت نہ تھی

}{}{}{

ebooksgallery.com

رقصِ ابلیس

اور اتنے میں ذرّات پھٹنے لگے
اور ہر ذرّہ کے دل سے خورشید کا خوں اُبلنے لگا
نور نے نار کی شکل میں
سارے جنّات، سارے شیاطین کے پاؤں کی
بیڑیاں کاٹ دیں
اور فضاؤں میں زہریلے سورج برسنے لگے
پھر خلاؤں میں سورج برستے رہے
ایک سورج میں لاکھوں جہنّم
ہر طرف رقصِ ابلیس تھا
رقصِ ابلیس کا دیکھنے والا کوئی نہ تھا
ہر طرف اس کی آواز تھی
جیسے اک آتشیں قہقہہ
کوئی بھی سننے والا نہ تھا
بس خدا....اک خدا
وحدہٗ، لاشریک

}{}{}{}{

ebooksgallery.com

رقصِ ابلیس کے بعد

عمارتیں اُڑ گئیں فضا میں
پہاڑ دھنکی ہوئی روئی کے دہکتے گالے
جو اپنے شعلوں سے آسمانوں کو چاٹتے ہیں
خلاؤں کی آتشیں ہوائیں [1]
جو قلبِ خورشید میں پلی ہیں
غرور سے رقص کر رہی ہیں

زمیں ویرانہ ہو چکی ہے
توتلے حرف ہیں نہ ماؤں کی انگلیاں ہیں
نہ ننھے منے حسین کپڑے
نہ بُلبُلے ہیں نہ کونپلیں ہیں
زمیں اک آگ کا ہے کمرہ
درخت ہیں آگ کے
ہوا آگ کی
اور آگ کے سمندر

---

1. آتشیں ہوائیں Solar winds

ebooksgallery.com

نہ کوئی سرمایہ دار باقی
نہ کوئی مزدور رہ گیا ہے
نہ اب کوئی انقلاب ہوگا
نہ کوئی تعبیر اور نہ کوئی
حسین، دیوانہ خواب ہوگا
نہ شام ہوگی نہ جام ہوگا
نہ دل کے صحنِ حسیں میں کوئی
حسین محوِ خرام ہوگا
ہر ایک شے آگ بن چکی ہے
چیخوں میں بدل چکی ہے
جو اسلحے بیچتے تھے
وہ سب ہیں نذرِ آتش
جنھیں تھی ہتھیاروں سے محبت
وہ نذرِ آتش
جنھیں تھی ہتھیاروں سے عداوت
وہ نذرِ آتش
جو قتل کرتے تھے نذرِ آتش
جو قتل ہوتے تھے نذرِ آتش
ہزار ہا سال بعد اگر پھر زمیں بنے گی
نجانے کیسا نظام ہوگا
خبر نہیں کیا وہاں بشر کا بھی نام ہوگا
سنو اک آواز، آسمانوں سے آ رہی ہے
نظامِ شمسی اداس ہے
اس کا ایک سیارہ کھو گیا ہے

ebooksgallery.com

جو وسعتِ کائنات کا شوخ و شنگ نیلم تھا[1]
اشک بن کر ٹپک گیا ہے
یہ خطۂ زمہریر جس پر
کروڑوں صدیاں گذر چکی ہیں
کروڑوں نوری برس جہاں اپنا سارا مفہوم کھو چکے ہیں[2]

بساطِ رقاصۂ فلک تھا
زمیں کی نیلم پری کا مسکن
اور اس کے اطراف کہکشانوں کے سلسلے تھے
تمام سیاروں سے مقدس
پیمبروں کی زمیں
آیاتِ آسمانی کی جوا میں تھی
وہ نفع خوروں کی شیطنت سے
شکست کھا کر خلا میں روپوش ہو گئی ہے

یہ خوابِ خوابِ پریشاں تھا اور کچھ بھی نہ تھا
بشر نے روک دیا دستِ ظلم و ظلمت کا
زمین اب بھی درخشاں ہے اب بھی رقصاں ہے
پھر آرزو کے چراغوں سے دل فروزاں ہے
وہ خوف و درد کے غاروں سے آفتاب اُگے
وہ حسن و عشق کے رنگین ماہتاب اُگے
وہ بوسہ بوسہ چمن در چمن گلاب اُگے

1 آسمانی پردازوں کا بیان ہے کہ خلا سے زمین ایک نیلے رنگ کے ستارے کی طرح دکھائی دیتی ہے۔
2 آسمانوں میں وقت کا حساب سورج کے گرد زمین کی گردش سے نہیں ہوتا بلکہ روشنی کے سفر کی رفتار سے ہوتا ہے۔ یہ رفتار کائنات میں سب سے زیادہ تیز ہے۔ نوری برس یا نوری سال کو انگریزی میں Light year کہتے ہیں۔

ebooksgallery.com

دعائے مغفرت

برائے رباب جعفری
ہمشیرہ علی سردار جعفری

رباب درد ہے خاموش دل کے تاروں میں
نہ کوئی نغمۂ جانکاہ ہے نہ شعلۂ آہ
بس ایک اشک کا قطرہ ہے بھیگی پلکوں پر
تمھارے کربِ مسلسل کے خاتمے کا گواہ
سکون کہتا ہے چہرے کا باغِ جنّت سے
جنابِ فاطمہ زہرا کی پڑ رہی ہے نگاہ
تمھارا زادِ سفر عشقِ اہل بیتِ رسول
تمھاری دولتِ ایمان تمھارا توشۂ راہ
جوارِ رحمتِ حق میں ملے جگہ تم کو
بحق اشہد ان لا الٰہ الاّ اللہ

ولادت 30ر جولائی 1918ء بلرامپور
وفات 29ر جولائی 1997ء بمبئی

ایک شعر

ہر شخص اپنے بارِ نشاط و الم کے ساتھ
اک کاروانِ شوق ہے جو رہگذر میں ہے

ebooksgallery.com

نومبر، میرا گہوارہ

(آپ بیتی اور جگ بیتی)

رقصِ تخلیق

جب کہیں پھول ہنسے
جب کوئی طفل سرِ راہ ملے
رات کی شاخِ سیہ رنگ پہ جب رات کھلے
دل یہ کہتا ہے حسیں ہے دنیا
چیتھڑوں میں ہی سہی ماہ جبیں ہے دنیا
دستِ صیاد بھی ہے بازوئے جلاد بھی ہے
رقصِ تخلیقِ جہانِ گزراں جاری ہے

کھول آنکھ، زمیں دیکھ، فلک دیکھ، فضا دیکھ

نومبر، میرا گہوارہ ہے، یہ میرا مہینہ ہے
اسی ماہِ منور میں
مری آنکھوں نے پہلی بار سورج کی سنہری روشنی دیکھی
مرے کانوں میں پہلی بار انسانی صدا آئی
مرے تارِ نفس میں جنبشِ بادِ صبا آئی
مشامِ روح میں
مٹی کی خوشبو پھول بن کر مسکرا اٹھی
لہو نے گیت گایا
شمعِ ہستی جگمگا اٹھی
یہ لمحۂ میلادِ آدم تھا
میں ستر سال پہلے اس تماشا گاہِ عالم میں

ebooksgallery.com

اک آفاقی کھلونا تھا

ہوا کے ہاتھ سہلاتے تھے میرے نرم بالوں کو
مری آنکھوں میں راتیں نیند کا کاجل لگاتی تھیں
سحر کی پہلی کرنیں چومتی تھیں میری پلکوں کو
مجھے چاند اور تارے مسکرا کر دیکھتے تھے
موسموں کی گردشیں جھولا جھلاتی تھیں
بھری برسات میں بارش کے چھینٹے
گرمیوں میں لو کے جھونکے
مجھ سے ملنے کے لیے آتے
وہ کہتے تھے ہمارے ساتھ آؤ
چل کے کھیلیں باغ و صحرا
مری ماں اپنے آنچل میں چھپا لیتی تھی ننھے سے کھلونے کو
مری حیرت کی آنکھیں
اس محبت سے بھرے چہرے کو تکتی تھیں
جس آئینے میں پہلی بار میں نے
اپنا چہرہ آپ دیکھا تھا

وہ چہرہ کیا تھا
سورج تھا، خدا تھا یا پیمبر تھا
وہ چہرہ جس سے بڑھ کر خوبصورت
کوئی چہرہ ہو نہیں سکتا
کہ وہ اک ماں کا چہرہ تھا
جو اپنے دل کے خوابوں، پیار کی کرنوں سے روشن تھا

وہ پاکیزہ مقدس سینۂ زرّیں
وہ اس میں دودھ کی نہریں

ebooksgallery.com

وہ موجِ کوثر و تسنیم تھیں
یا شہد و شبنم تھیں
انھیں کی چند بوندیں آج اعجازِ سخن بن کر
انھیں کی چند بوندیں سحرِ حرف و جادوئے لفظ و بیاں بن کر
مرے ہونٹوں سے خوشبوئے زباں بن کر
سرِ لوح و قلم آتی ہیں تو شمشیر کی صورت چمکتی ہیں
حسینوں کے لیے وہ غازۂ رخسار و عارض ہیں
کھنکتی چوڑیاں، بجتی ہوئی پائل کو اک آہنگ دیتی ہیں
زمیں کی گردشوں، تاریخ کی آوازِ پا میں ڈھلتی جاتی ہیں
جواب میری زباں ہے
مرے بچپن میں وہ میری ماں کی لوری تھی
یہ لوری اک امانت ہے
مرا ہر شعر اب اس کی حفاظت کی ضمانت ہے

اقراء علّم بالقلم

مرا پہلا سبق اقراء
ہے تحسینِ قلم جس میں
ہے تکریمِ قلم جس میں
قلم تحریکِ ربانی
قلم تخلیقِ انسانی
قلم تہذیبِ روحانی
قلم ہی شاخِ طوبیٰ بھی ہے انگشتِ حنائی بھی
مرے ہاتھوں میں آکر رقص کرتی ہے
ہزاروں دائروں میں چاند اور سورج کی محرابیں
درخشاں علم اور حکمت کی قندیلیں

ebooksgallery.com

ہلالِ نو کا سینہ ماہِ کامل کا خزانہ ہے

مری انگلی نے پہلے خاک کے سینے پہ حرفِ اوّلیں لکھا
پھر اس کے بعد تختی پر قلم کا نقشِ ثانی تھا
قلم انگشتِ انسانی کا جلوہ ہے
عروجِ آدمِ خاکی کا دلکش استعارہ ہے

فطرت کی فیاضیاں

مجھے سورج نے پالا
چاندکی کرنوں نے نہلایا
ہر اک شے مجھ سے تھی مانوس
مجھ سے بات کرتی تھی
درختوں کی زباں
چڑیوں کے نغمے میں سمجھتا تھا
ہوا میں تتلیاں پرواز کرتی تھیں
میں ان کے ساتھ اڑتا تھا
مری مٹھی میں جگنو جگمگاتے تھے
میں پریوں کے پرستانوں میں جاتا تھا
اندھیرا کانپتا تھا بجلیوں کے تازیانوں سے
میں اس پر مسکراتا تھا
گرجتے بادلوں سے دوستی تھی
خاک پر چلتے ہوئے کیڑوں پہ بیحد پیار آتا تھا
ہر اک شے جیسے میری ذات تھی، میری حقیقت تھی
انا الحق ہی صداقت تھی
ہرے نیلے سنہری سرخ انڈے

ebooksgallery.com

آشیانوں میں پرندوں کے
وہ میرے سب کھلونے تھے
میں آفاقی کھلونا تھا
میں خود فطرت تھا فطرت میری ہستی تھی
اسی فطرت نے میرے خوں میں لاکھوں بجلیاں بھر دیں
مسیں بھیگیں رگ و پے میں جنوں کا بانکپن آیا
مرے آگے نئے رنگوں میں دنیا کا چمن آیا
ہر اک شمشاد پیکر لے کے فردوسِ بدن آیا

جدھر دیکھو ادھر برنائیاں ہیں
جدھر دیکھو ادھر رعنائیاں ہیں
شفق کے رنگ میں بھیگی ہوئی پرچھائیاں ہیں

مرے لغزیدہ لغزیدہ قلم نے
اک رنگیں اور خوشبو دار کاغذ پر
بڑی مشکل سے رکتے رکتے حرفِ عشق لکھا
اور کسی کی بارگاہِ حسن میں بھیجا
حیا کی شمع جل اٹھی حریمِ دلربائی میں
گھمایا سر جھکا کر دیر تک کنگن کلائی میں

ذکر اس پری وش کا اور پھر بیاں اپنا

کہاں سے آئی ہو
کون ہو تم
نہ گل نہ خوشبو
مگر تمہارا وجود خود روحِ گلستاں ہے
وہ کائنات سرور جس کا

ebooksgallery.com

خود اپنا سورج ہے چاند اپنا
میں کائنات سرور میں سانس لے رہا ہوں
شکنتلا ہے یہاں نہ ہیلن
نہ ہیر ہے اور نہ جولیٹ ہے
فقط تمھارے بدن کا موسم
جو میری نظروں کی نرم بارش میں
رنگ اور نور بن گیا ہے
کوئی نہیں تم سے بڑھ کے دنیائے دلبری میں
کوئی نہیں تم سے بڑھ کے دنیائے عاشقی میں
ہر ایک سے تم حسین تر ہو
ہر ایک سے میں عظیم تر ہوں

تمھارے ہونٹوں کے خم میں جو لفظ بن رہے ہیں
وہ میرے سینے میں پھول کی طرح کھل رہے ہیں
تمھاری 'ہاں' اک گلاب ہے تازہ و شگفتہ
کہ جس سے ایوانِ جاں معطر
'نہیں' بھی ننھی سی اک کلی ہے
جو دل کی نازک سی شاخ میں سو رہی ہے
خوابِ بہار بن کر
یہ خواب تعبیر کے گلستاں کا منتظر ہے
تمھارے دلکش بدن کے رنگوں میں مضطرب ہے
تمھاری آنکھوں سے جھانکتا ہے
تمھاری سانسوں میں کانپتا ہے
مجھے 'نہیں' کی کلی عطا ہو
کہ جس سے 'ہاں' کا گلاب مہکے

ebooksgallery.com

تمھارے شہر جمال میں
مرے دل کا کاسہ
بھٹک رہا ہے
تم اپنے ہونٹوں کا شہد
آنکھوں سے پھول
ہاتھوں کا چاند دے دو
یہ مفلسی کی سیاہ راتیں وجود پہ طنز کر رہی ہیں

زمین کا رنگ تم زمیں کا جمال تم ہو
زمیں کی دولت
زمیں کی بیٹی
تم اپسراؤں سے اور حوروں سے پاک تر ہو
کہ وہ تصور کے آسمانوں کی پتلیاں ہیں
تمام حسن گماں کا پیکر
مگر تم اس خاک کی چمک ہو
کہ جس کی نس نس میں
سیب انگور اور گیہوں کی فصل کا خوں رواں دواں ہے
سحر کا سورج تمھارے ماتھے کو چومتا ہے
بدن میں شبنم کی روشنی ہے

ہوائیں جو میری راز داں ہیں
وہ میرے ہونٹوں سے لفظ لے کر
تمھارے کانوں کی سیپیوں میں
گہر کے مانند ڈالتی ہیں
میں مسکراتا ہوں
تم بھی ہنستی ہو

ebooksgallery.com

اور دونوں
نئی تمناؤں کے جزیروں میں گھومتے ہیں
نہ کوئی محکوم ہے نہ حاکم
نہ کوئی قانون ہے نہ سختی
بس ایک زنجیرِ لطف، شمشیرِ دلربائی

ورقِ ناخواندہ

میں اک ورق ہوں
لکھا ہے کس نے
پڑھا ہے کس نے
ہر اک درخت اک قلم ہے ہر شاخ اک قلم ہے
سمندروں کی دوات
ندیوں میں پگھلی چاندی کی روشنائی
فضا کے سیال نیلگوں سے
ہواؤں کے ہاتھ لکھ رہے ہیں
ستاروں کا نور لکھ رہا ہے
زمین کا رقص لکھ رہا ہے
زمین کی پشت سے نکلتا گلابی سورج
سنہری کرنوں سے لکھ رہا ہے
گذرتے لمحات اپنی تیروں سے لکھ رہے ہیں
گذرتی تاریخ اپنے نیزوں سے لکھ رہی ہے
تمام احباب لکھ رہے ہیں
تمام اغیار لکھ رہے ہیں
حریفوں کے خنجروں پہ خوں ہے
سیاستِ مکر و فن کی تلوار لکھ رہی ہے

ebooksgallery.com

مہکتے زخموں کے پھول الفاظ بن گئے ہیں
تبسمِ لفظِ یار کا حرف حرف ہے غنچۂ شگفتہ
حدث کے خاروں کی نوک میں جنبشِ قلم ہے
زبانِ دشنام لکھ رہی ہے
زبانِ بدنام لکھ رہی ہے
زبانِ ناکام لکھ رہی ہے
مگر مرا دل، مرا جنوں بھی تو لکھ رہا ہے
میں اک ورق ہوں
تمام احساسِ ناتمامی
مگر مکمل کتاب جیسے
جو پڑھ سکو تو مجھے بتانا کہ اس صحیفے میں کیا لکھا ہے

صحیفۂ کائنات

یہ دو ورق ہیں
زمین اور آسمان جن پر
صحیفۂ کائنات تحریر ہو رہا ہے
فسانۂ ہستی کا نیستی کا
فسانہ نیکی کا اور بدی کا
فسانہ ظلمت کا روشنی کا
صحیفۂ کائنات تحریر ہو رہا ہے
جو کل کلی تھی
وہ آج گل ہے
جو آج گل ہے
وہ کل ثمر ہے

ebooksgallery.com

ہر ایک شے وقت کی ہواؤں کی زد پہ
اک شمعِ رہگذر ہے
جو بجھ رہی ہے
جو جل رہی ہے
وجود پر ناز کر رہی ہے

ہواؤں کے تند و تیز جھونکے
جب آندھیوں کا لباس پہنے
اترتے ہیں غارتِ چمن پر
تو شاخِ گل اپنا سر جھکا کر سلام کرتی ہے
اور پھر سر اٹھا کے ہنستی ہے
اور کہتی ہے مجھ کو دیکھو
میں فطرتِ لازوال کا رنگِ شاعری ہوں
وجود کا رقصِ دلبری ہوں
جسے مٹانے کی کوششیں ہیں
وہ مٹ سکا ہے نہ مٹ سکے گا
یہ رنگ صحنِ چمن سے ابلے گا
مقتلوں سے طلوع ہوگا

حرفِ بد

مرے خلاف اٹھایا قلم حریفوں نے
مرا غرور بڑھا اور سر بلند ہوا
یہی سلیقہ ہے بس حرفِ بد سے بچنے کا
کہ اپنی ذات کو اتنی بلندیاں دے دو
کسی کا سنگِ ملامت وہاں تک آ نہ سکے

ebooksgallery.com

صدائے کوئے ملامت تلاش کرتی رہے
مگر نوائے بہار آشنا کو پا نہ سکے
چراغ علم و ہنر کو کوئی بجھا نہ سکے

جیو تو اپنے دل و جاں کے میکدے میں جیو
خود اپنے خونِ جگر کی شراب ناب پیو
جہاں کے سامنے جب آؤ تازہ رو آؤ
حضورِ محتسب و شیخ میں سبو لاؤ
دلِ شکستہ میں بڑھنے دو روشنی غم کی
یہ روشنی ہے تو میراثِ ابنِ آدم کی
یہ روشنی کہ جو تلوار بھی سپر بھی ہے
مری نگاہ میں پیمانۂ ہنر بھی ہے

حسد

حسد کی آنکھوں میں رنگ دیکھو
جو دل کے اندر بھرے ہوئے ہیں
وہ زہر آلودہ سنگ دیکھو
جو ہاتھ میں ہیں وہ پھول دیکھو
جو روح میں ہیں ببول دیکھو
لبوں پہ جو ہے وہ حرف دیکھو
حقیر کتنا ہے ظرف دیکھو
کہ دوست ہے
اور دوست کے منہ پہ بات کہنے سے ڈر رہا ہے
وجود ظاہر میں ہے مکمل
مگر وہ اندر بکھر رہا ہے

ebooksgallery.com

وہ اپنی نفرت کا زہر لے کر
خود اپنے خوں میں اتر رہا ہے
وہ تنگ دل بھی ہے تنگ جاں بھی
تنک ضمیر اور تنک زباں بھی
خبر نہیں اس کو وہ کہاں ہے
کہ ہر طرف اک شخص ایسا نظر کے اندر بسا ہوا ہے
کہ جس کے سایے سے کانپتا ہے
جب اپنا قد اس سے ناپتا ہے
تو اپنے خنجر کو تولتا ہے
حسد کا مارا ہوا یہ بندہ غریبِ شہرِ دیارِ خود ہے
شرافتِ نفس مر چکی ہے بے چارہ خویش آشنا نہیں ہے

مگر اسی دوست کی بدولت
میں خود کو پہچاننے لگا ہوں
میں اس کا احسان مانتا ہوں
خدا کرے اس کا دل کہیں سے
سکوں کی دولت تلاش کر لے

قاتل کی شکست

اس کمیں گاہ میں ہیں کتنے کماں دار بتاؤ
تیر کتنے ہیں سیہ ترکش میں
گن کے دیکھو تو ذرا
کون سا تیر ہے مخصوص مرے دل کے لیے

ابن مریم کو کیا تم نے سرِ دار بلند
اور وہ زندہ ہے

ebooksgallery.com

تشنگی تم نے محمد کے نواسے کو دی
چشمۂ فیضِ حسین ابن علی جاری ہے

ابن مریم نہ حسین ابن علی ہوں لیکن
خوں میں ہے خونِ شہادت کی حرارت پنہاں
وہ جو صدیوں سے دہکتا ہوا انگارہ ہے
اور سینے میں مرے
ایک نہیں سیکڑوں لاکھوں دل ہیں
وہ کسی دیس کا دل ہو کہ کسی قوم کا دل
وہ کسی فردِ بشر کا دل ہو
زخم خوردہ ہو کہ نغموں سے بھرا
میرے سینے میں دھڑکتا ہے مرا دل بن کر
کتنے دل قتل کرو گے آخر
کتنے جلتے ہوئے تاروں کو بجھا سکتے ہو
کتنے خورشیدوں کو نیزوں پہ اٹھا سکتے ہو
قتل کرتے کرتے خود تم کو زبوں ہو جانا

(نامکمل زیرِ تحقیق)

☆☆☆☆☆☆☆☆

ebooksgallery.com

دل اور شکستِ دل

وفا پیکر تھی وہ لیکن وفا نا آشنا نکلی
وہ نغمہ تھی شکستِ شیشۂ دل کی صدا نکلی

چراغِ لالۂ صحرا کی صورت دل میں روشن تھی
مگر پل بھر میں صحراؤں کی بے پروا ہوا نکلی

بہت بے باک آتا تھا، بہت دُزدانہ جاتا تھا
یہ میرے دل کی دھڑکن بھی وہی آوازِ پا نکلی

وفا کیسی، کہاں کی بے وفائی، عشق کی منزل
تھی مقتل گاہ جس میں حسن کی تیغِ ادا نکلی

یہ سارا کھیل تھا جو وقت کے شاطر نے کھیلا تھا
نہ کچھ اس کی خطا نکلی نہ کچھ اپنی خطا نکلی

کوئی منزل نہیں آوارۂ کوئے تمنا کی
نئی خوشبوئے پیراہن لیے بادِ صبا نکلی

نگارِ آتشیں رخ اور کوئی آنے والا ہے
دلِ ویراں کی تاریکی میں ہلکا سا اجالا ہے

کوئی تو زخمِ دل پہ مرہمِ مہر و وفا رکھے
کوئی تو درد کے رخسار پہ دستِ شفا رکھے

ebooksgallery.com

پھر وہی مہر و مروت پھر وہی شوقِ فضول
پھر وہی صحرائے درد اور درد کے صحرا کا پھول

نہ کوئی اس کی طرح ہے نہ وہ کسی کی طرح
کرشمہ حسن کا حافظ کی شاعری کی طرح

تمام شہدِ وصال و تمام زہرِ فراق
وہ نو بہارِ تمنا ہے زندگی کی طرح

یہ میرا عشق کہ اس کے بدن کا شعلہ ہے
یہ اس کا حسن کہ ہے میری تشنگی کی طرح

ملے تو ایسے ملے جیسے دوست برسوں کے
چھٹے تو ایسے کہ لگتے ہیں اجنبی کی طرح

چرایا جس نے کوئی صاحب نظر ہو گا
چمک رہی تھی وہ ہیرے کی روشنی کی طرح

چمن میں روح کے تتلی کی طرح آئی تھی
اور اب گئی ہے تو ساون کی چاندنی کی طرح

تمام کیفیتِ جسم و جاں تمام ہوئی
کسی کا پیار نہیں اس کی دلبری کی طرح

چمک رہا تھا مژہ پر ستارۂ سحری
اداس وہ بھی تھی سردار جعفری کی طرح

}{}{}{

ebooksgallery.com

اے شہ سوارو

پھیلا ہوا ہے دشتِ جگر تاب
پیاسے ہیں چشمے پیاسے ہیں گرداب
کچھ اور ہوں گے جینے کے آداب
خونِ جگر ہی اب ہے مے ناب
اے شہ سوارو
اے شہ سوارو

اٹھتے بگولے عفریت پیکر
سورج کی کرنیں سفاک خنجر
گرتے ہیں کٹ کر شاہیں کے شہ پر
شوقِ سفر ہی اپنا ہے رہبر
اے شہ سوارو
اے شہ سوارو

وادی بہ وادی منزل بہ منزل
صحرا بہ صحرا ساحل بہ ساحل

ebooksgallery.com

قاتل ہی قاتل، قاتل ہی قاتل
دل سا سپاہی سب کے مقابل
اے شہ سوارو
اے شہ سوارو

آئی کہاں سے بوئے بہاراں
جادو بھری ہے صوتِ ہزاراں
شاید یہیں ہے شہرِ نگاراں
کچھ اور ہمت اے ذوقِ یاراں
اے شہ سوارو
اے شہ سوارو

جانا ہے آگے حدِ نظر تک
عزمِ سفر سے ختمِ سفر تک
موجِ بلا سے موجِ گہر تک
خشکیٔ لب سے دامنِ تر تک
اے شہ سوارو
اے شہ سوارو

ebooksgallery.com

العطش

العطش، العطش، العطش
ہم نفس گرم لو، ہم قدم خار و خس
زیرِ پا بجلیاں، آندھیاں پیش و پس
سارباں اور کچھ تیز بانگِ جرس
العطش
العطش
العطش

رہگذر، رہگذر، کارواں، کارواں
پیاس کی سرزمیں پیاس کا آسماں
خواب در خواب رقصاں ہے جوئے رواں
سارباں اور کچھ تیز بانگِ جرس
العطش
العطش
العطش

ebooksgallery.com

محملوں میں یہ سب بے ردا کون ہیں
پا بہ زنجیر یہ بے نوا کون ہیں
یہ شہیدان راہِ وفا کون ہیں
ساربان اور کچھ تیز بانگِ جرس
العطش
العطش
العطش

خون سے سرخ سورج ہیں نیزوں پہ سر
سرخ ہیں شہر مظلوم کے بام و در
شب کے سینے میں خنجر ہے رنگ سحر
ساربان اور کچھ تیز بانگِ جرس
العطش
العطش
العطش

حق و باطل کی ہر عہد میں جنگ ہے
ہر زمانہ شہادت سے گلرنگ ہے
ہر رجز شعلہ نور و آہنگ ہے
ساربان اور کچھ تیز بانگِ جرس
العطش
العطش
العطش

ebooksgallery.com

پسِ دیوارِ زنداں

پسِ دیوارِ زنداں کیا ہے
آنسو ہیں کہ تارے ہیں
بجھی مغموم آنکھیں ہیں
کہ انگارے دہکتے ہیں
تمناؤں کا سیلِ نغمہ ہے
یا جوشِ گریہ ہے
محافظ کچھ نہیں کہتے
مگر زنجیر کی آواز یہ مژدہ سناتی ہے
کہ حلقے ٹوٹ جائیں گے
بہ فیضِ عشق سب آوارہ میکش لوٹ آئیں گے
اگرچہ جام و ساقی قید ہیں
اور محتسب تختِ عدالت پر
ریاکاروں کے حلقے میں
سیہ کاروں کے پہرے میں
مگر کب تک
کہ زنجیروں کی جھنکاروں کا نغمہ بڑھتا جاتا ہے
کہ زندانوں کی دیواروں کا قامت گھٹتا جاتا ہے
صلیبوں پر سہی
پیغمبروں کی حکمرانی ہے

ebooksgallery.com

چار شعر

جب سے انسان کی عظمت پہ زوال آیا ہے
ہے ہر اک بت کو یہ دعویٰ کہ خدا ہو جیسے
ایک آواز سی ہے وقت کے سناٹے میں
دل گیتی کے دھڑکنے کی صدا ہو جیسے
ہے افق تا بہ افق خونِ شہیداں کی شفق
کسی شعلے کے لپکنے کی ادا ہو جیسے
دل کو اس طرح سے چھوتی ہے کسی حسن کی یاد
عارضِ گل پہ لبِ بادِ صبا ہو جیسے

ہوسِ دل

(ہوس کو ہے نشاطِ کار کیا کیا)

غالب

ہوسِ دل ہے کہ رقصِ مہ و سال اور ابھی
لطفِ معشوقۂ خورشید جمال اور ابھی
در ابھی بند نہ ہو شوق کے میخانے کا
جامِ جم اور ابھی جامِ سفال اور ابھی
اک غزل اور کسی دشمنِ جاں کی خاطر
وہی آتش کدۂ ہجر و وصال اور ابھی
بس نکھرنے ہی کو ہے درد کے شعلے کا جمال
چشمِ مظلوم میں تھوڑا سا جمال اور ابھی

ebooksgallery.com

دو شعر

یہ کون آیا شبِ وصل کا جمال لیے
تمام عمرِ گزشتہ کے ماہ و سال لیے

ہزار رنگِ خزاں کا بدن پہ پیراہن
زوالِ حسن میں بھی حسنِ لازوال لیے

نئی نسل کے نام

مجھ سے نظریں چرا کر کہاں جاؤ گے
اے مرے آفتابو
راہ میں رات کی بے کراں جھیل ہے
اور اونچی ہیں لہریں
آسمانِ سخن کے نئے ماہتابو
تیرگی ڈھونڈتی پھر رہی ہے تمھارا پتہ
اور وہ صرف میں جانتا ہوں
درد کی شاہراہ سے گذر کر
آنسوؤں کی ندی کے کنارے
غم کی بستی میں جو نور کا جھونپڑا ہے
اس میں رہتے ہو تم
میری ہی طرح خانہ خرابو

ebooksgallery.com

سازشیں کرگسوں کی طرح اڑ رہی ہیں
ان کے پر تھک کے گر جائیں گے
اور تمھاری بلندی نہ چھو پائیں گے
تم اسی طرح پرواز کرتے رہو گے
اور تمھارے پروں کی چمک
کہکشاں کہکشاں گیت گاتی رہے گی
اے مرے شعلہ پیکر عقابو

اپنے لوح و قلم تو دکھاؤ ذرا
سچ کہو کیا تمھارے تراشے ہوئے لفظ میں
میری آواز کا شائبہ بھی نہیں
میری آواز جو پہلے غالب کی آواز تھی
اور پھر روحِ اقبال کا زمزمہ بن گئی
آج کے نغمۂ شوق میں ڈھل گئی
صبحِ فردا کی وادی میں جوئے رواں
میری آواز
پتھر میں شعلہ ہے
شعلہ میں شبنم
اور طوفاں میں طوفاں
اور تمھارے بھی سینے میں اس کی چبھن ہے
سچ کہو
آنے والے زمانے کی روشن کتابو

مجھ سے نظروں چرا کر کہاں جاؤ گے؟

}{}{}{}{

ebooksgallery.com

غزل

کوئی ہو موسم تھم نہیں سکتا رقصِ جنوں دیوانوں کا
زنجیروں کی جھنکاروں میں شورِ بہاراں باقی ہے

عشق کے مجرم نے یہ منظر اوجِ دار سے دیکھا ہے
زنداں زنداں مجلس مجلس حلقۂ یاراں باقی ہے

برگِ زرد کے سایے میں بھی جوئے ترنم جاری ہے
یہ تو شکستِ فصلِ خزاں ہے صوتِ ہزاراں باقی ہے

محتسبوں کی خشکیٔ دل پر ایک زمانہ ہنستا ہے
تر ہے دامن اور وقارِ بادہ گساراں باقی ہے

پھول سے چہرے، چاند سے مکھڑے نظروں سے روپوش ہوئے
عارضِ دل پر رنگِ حنا ہے دستِ نگاراں باقی ہے

}{}{}{}{

ایک شعر

آستیں خون میں تر پیار جتاتے ہو مگر
کیا غضب کرتے ہو خنجر تو چھپاؤ صاحب

ebooksgallery.com

راج نراج

(ممبئی کے فسادات کے زمانے میں لکھے گئے)

سنا ہے بندوبست اب سب بہ اندازِ دگر ہوں گے
ستم ہو گا، محافظِ شہر بے دیوارودر ہوں گے

سزائیں بے گناہوں کو ملیں گی بے گناہی کی
کہ فردِ جرم سے مجرم کی منصف بے خبر ہوں گے

فقط مخبر شہادت دیں گے ایوانِ عدالت میں
فقط تیر وسناں شمشیر و خنجر معتبر ہوں گے

سجائی جائے گی بزمِ عزا ایزا رسانوں سے
کفن پہنائیں گے جلاّد، قاتل نوحہ گر ہوں گے

فلک تھرا اٹھے گا جھوٹے ماتم کی صداؤں سے
یتیموں اور بیواؤں کے آنسو بے اثر ہوں گے

رسن میں ماؤں اور بہنوں کے بازو باندھے جائیں گے
شہیدانِ وفا کے خوں بھرے نیزوں پہ سر ہوں گے

منایا جائے گا جشنِ مسرت سونے کھنڈر میں
اندھیری رات میں روشن چراغِ چشمِ تر ہوں گے

جو یہ تعبیر ہو گی ہند کے دیرینہ خوابوں کی
تو پھر ہندوستاں ہو گا نہ اس کے دیدہ ور ہوں گے

ebooksgallery.com

غزل

کبھی خنداں، کبھی گریاں، کبھی رقصاں چلیے
دور تک ساتھ ترے عمرِ گریزاں چلیے

ذوقِ آرائش و گل کاریٔ اشکِ خوں سے
کوئی بھی فصل ہو فردوس بداماں چلیے

رسمِ دیرینۂ عالم کو بدلنے کے لیے
رسمِ دیرینۂ عالم سے گریزاں چلیے

آسمانوں سے برستا ہے اندھیرا کیسا
اپنی پلکوں پہ لیے جشنِ چراغاں چلیے

شعلۂ جاں کو ہوا دیتی ہے خود بادِ سموم
شعلۂ جاں کی طرح چاک گریباں چلیے

عقل کے نور سے دل کیجئے اپنا روشن
دل کی راہوں سے سوئے منزلِ انساں چلیے

غم نئی صبح کے تارے کا بہت ہے لیکن
لے کے جب پرچمِ خورشید زر افشاں چلیے

سر بکف چلنے کی عادت میں نہ فرق آ جائے
کوچۂ دار میں سرمست و غزلخواں چلیے

ebooksgallery.com

غزل

لوٗ کے موسم میں بہاروں کی ہوا مانگتے ہیں
ہم کفِ دستِ خزاں پر بھی حنا باندھتے ہیں

ہم نشیں سادہ دلی ہائے تمنا مت پوچھ
بے وفاؤں سے وفاؤں کا صلہ مانگتے ہیں

کاش کر لیتے کبھی کعبۂ دل کا بھی طواف
وہ جو پتھر کے مکانوں سے خدا مانگتے ہیں

جس میں ہو سطوتِ شاہین کی پرواز کا رنگ
لبِ شاعر سے وہ بلبل کی نوا مانگتے ہیں

تا کہ دنیا پہ کھلے ان کا فریبِ انصاف
بے خطا ہو کے خطاؤں کی سزا مانگتے ہیں

تیرگی جتنی بڑھے حسن ہو افزوں تیرا
کہکشاں مانگ میں ماتھے پہ ضیاء مانگتے ہیں

یہ ہے وارفتگیِ شوق کا عالم سردار
بارشِ سنگ ہے اور بادِ صبا مانگتے ہیں

ebooksgallery.com

غزل

جس پہ نازل ہو رہا ہے اب مشینوں کا عذاب
نغمۂ شائستگی دست کاراں تھا یہ شہر

خاک دل اڑتی ہے اب جس طرح پروانوں کی خاک
صبحِ گل، روزِ طرب، شامِ بہاراں تھا یہ شہر

کون ہے فریادرس، مانگیں گے کس سے خوں بہا
زیرِ پائے نخوت آدم شکاراں تھا یہ شہر

طوقِ زریں گردنِ خر میں نظر آتا ہے آج
کل تلک جولانگہ چابک سواراں تھا یہ شہر

ایک شعر

خدا حسین و جمیل ہے اور تمھاری آنکھوں میں جلوہ گر ہے
وہ موجِ رنگِ بہار تم جس سے گلفشاں ہو مری نظر ہے

ebooksgallery.com

ایک شعر

مصحفِ رخ پہ جو زلفوں نے لکھا بسم اللہ
آئی زنجیر کے حلقوں کی صدا بسم اللہ

ایک نظم

جو آسماں پہ چمکتا ہے وہ قمر ہے کچھ اور
جسے ہم اپنا کہیں وہ قمر زمیں پہ ہے
وہ جس کے حسن سے روشن جبیں ستاروں کی
وہ جس کے حسن سے رنگینیاں بہاروں کی
وہ حسن پھول میں، ذرے میں، آفتاب میں ہے
وہ حسن حرف میں، نغمے میں ہے، کتاب میں ہے
وہ حسن شعلے میں، شبنم میں ہے شراب میں ہے
وہ حسن جس سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ

ebooksgallery.com

سمندر کی بیٹی

(ہمیں حسن کا معیار بدلنا ہے)

پریم چند

جب وہ بوجھ اٹھاتی ہے
اور ٹوکری سر پر رکھتی ہے
دو ہاتھوں کی قوس قزح میں
اس کی گردن اور بھی اونچی ہو جاتی ہے
اک تلوار سی کھنچ جاتی ہے
یہ گردن جو کبھی نہیں جھک پاتی ہے
(ہاں شرما کر جھک جانے کی بات الگ ہے)
یہ گردن
جو جسم کے اوپر
چہرے کے گلدستے کو
اور ہونٹوں کے برگِ گل کو
آراستہ کرنا جانتی ہے
جیسے کوئی دستِ حنائی
ناز و ادا سے عشق و جنوں کو
حسن کا تحفہ پیش کرے

دریاؤں کی گمتی چاندنی
سونے جیسی دھوپ میں جگمگ، جگمگ کرتی
سڑکوں اور گلیوں سے ایسے گذرتی ہے

ebooksgallery.com

جیسے کوئی مغرور جوانی

اپنے بدن پر، اپنے بدن کی کرنوں کا پیراہن پہنے

بہک رہی ہو

اس کی چال میں پھرتی لوچ ہواؤں کا

پانی کی لہروں کی روانی

اس کا سینہ بوجھ کے نیچے

اور ابھر کر

چاند اور سورج پر ہنستا ہے

اس کی بھوؤں کی شوخ کمانیں

تن جاتی ہیں

کولہے اور کمر کی جنبش

رانوں سے پیروں کے تلوؤں تک بل کھاتی چلی جاتی ہیں

اس میں ہے رفتارِ زمانہ کی بے باکی

جو صدیوں سے تاج و تخت کو ٹھکراتی

اور محلوں کو قبروں میں سلاتی

رواں دواں ہے

اونچی ایڑی

ہرن کھری کی جوتیاں پہنے

اچک اچک کر چلنے والی دوشیزائیں

گھبرا کر پیچھے ہٹ جاتی ہیں

اور مچھیرن اپنی چاندی اپنا سونا

سر پہ اٹھائے

آگے بڑھ جاتی ہے

اس کے بالوں اور بالوں میں سجے ہوئے پھولوں کی خوشبو

ebooksgallery.com

چاروں سمت بکھر جاتی ہے
دور سے ایک آواز آتی ہے
مچھلی لے لو
مچھلی لے لو

روز سحر کو
نیلے ساحل کی یہ نیلم پیکر بیٹی
رنگِ شفق سے ظاہر ہو کر
شام تلک
پھر رنگِ شفق کے پردے میں چھپ جاتی ہے
اور سمندر گیت سناتا رہتا ہے
میں نے اجنتا کی آنکھوں میں
اس کو فروزاں دیکھا ہے

دو شعر

تصور اپنا، اپنی آرزو، شوقِ فضول اپنا
لب اس کے، عارض اس کے، نکہتِ زلفِ دراز اس کی

خموشی ایک گل بانگِ بہارِ عاشقانہ ہے
تبسم اس کی غزلیں روئے روشن ہے بیاض اس کی

ebooksgallery.com

دولتِ دنیا کا حساب

تم کہ ہو محتسب سیم و زر و لالہ و گہر
ہم سے کیا مانگتے ہو دولتِ دنیا کا حساب
چند تصویرِ بتاں، چند حسینوں کے خطوط
چند ناکردہ گناہوں کے سلگتے ہوئے خواب

ہاں مگر اپنی فقیری میں غنی ہیں ہم لوگ
دولتِ دردِ دل و دردِ جگر رکھتے ہیں
خشکئ لب ہے تو کیا دیدۂ تر رکھتے ہیں
اپنے قبضے میں نہیں اطلس و سنجاب و سمور
جسم پہ پیرہنِ شمس و قمر رکھتے ہیں
گھر تو روشن نہیں الماس کے فانوسوں سے
قصر و ایواں پہ جو برسے وہ شرر رکھتے ہیں
جو زمانے کو بدل دے وہ نظر رکھتے ہیں

اس خزانے میں سے جو چاہو اٹھا لے جاؤ
اور بڑھ جاتا ہے یہ مال جو کم ہوتا ہے
ہم پہ تو روز زمانے کا کرم ہوتا ہے
شاخِ گل بنتا ہے جب ہاتھ قلم ہوتا ہے

ebooksgallery.com

کرشمہ

مرے لہو میں جو توریت کا ترنم ہے
مری رگوں میں جو یہ زمزمہ زبور کا ہے
یہ سب یہود و نصارا کے خوں کی لہریں ہیں
مچل رہی ہے جو میرے لہو کی گنگا میں

میں سانس لیتا ہوں جن پھیپھڑوں کی جنبش سے
کسی مغنیٔ آتش نفس نے بخشے ہیں
جواں ہے مصحفِ یزداں کا لحنِ داؤدی

کسی کی نرگسی آنکھوں کا نرگسی پردہ
مری نظر کو عطا کر رہا ہے بینائی
نگاہِ شوق کی ہیں بے قراریاں کیا کیا
طلوعِ مہر کی ہیں نقش کاریاں کیا کیا
مہ و نجوم کی ہیں جلوہ باریاں کیا کیا
زمیں سے تا بہ فلک رقص میں ہیں لیلائیں
شگفتہ صورتِ گل، ہر طرف تمنائیں

خدا کا شکر ادا جب زبان کرتی ہے
تو دل تڑپتا ہے اک ایسی کافرہ کے لیے
خدا بھی میری طرح جس کو پیار کرتا ہے
وہ جسمِ ناز محب الجمال کا نغمہ

ebooksgallery.com

وہ سر سے پاؤں تلک ماہ و سال کا نغمہ
جلالِ ہجر و شکوہِ وصال کا نغمہ
جہانِ عشق میں تفریقِ اسم و ذات نہیں
جہانِ حسن میں تقسیمِ ہند و پاک نہیں
سوا گلوں کے گریباں کسی کا چاک نہیں
یہ عالمِ بشری احترام کا عالم
تمام تر ہے درود و سلام کا عالم
نفس نفس میں مرے زمزمہ محبت کا
مرا وجود قصیدہ بشر کی عظمت کا
یہ سب کرشمہ ہے انسانیت کی وحدت کا

پروین شاکر

وہ ودیاپتی کی شاعری کی
معصوم وحسین وشوخ رادھا
وہ اپنے خیال کا کنہیا
اس شہر میں ڈھونڈنے گئی تھی
دستور تھا جس کا سنگ باری

وہ فیض و فراق سے زیادہ
تقدیس بدن کی نغمہ خواں تھی

ebooksgallery.com

تہذیب بدن کی رازداں تھی
گلنار لبوں کی تہنیت میں
گلنار لبوں سے گلفشاں تھی
لب آشنا لب غزل کے مصرے
جسم آشنا جسم نظم پیکر
لفظوں کی ہتھیلیاں حنائی
تشبیہوں کی انگلیاں گلابی
سرسبز خیال کا گلستاں
مبہم سے کچھ آنسوؤں کے چشمے
آہوں کی وہ ہلکی سی ہوائیں
صد برگ ہوا میں منتشر تھے
تتلی تھی کہ رقص کر رہی تھی
اور درد کے بادل سے چھن کر
نغموں کی پھوار پڑ رہی تھی
پرشور منافقت کے بازار
افواہیں فروخت کر رہے تھے

وہ اپنی شکستہ شخصیت کو
اشعار کی چادروں کے اندر
اس طرح سمیٹنے لگی تھی
احساس میں آ رہی تھی وسعت
نظروں کا افق بدل رہا تھا
اور درد جہان آدمیت
ٹوٹے ہوئے دل میں ڈھل رہا تھا

ebooksgallery.com

اس عالمِ کیف وکم میں اک دن
اک حادثے کا شکار ہو کر
جب خوں کا کفن پہن لیا تو
اڑتیں صلیبیں نوحہ خواں تھی
خاموش تھا کربِ خود کلامی
اب کچھ بھی نہیں رہ گیا ہے باقی
باقی ہے سخن کی دلنوازی

جنت میں ہے جشنِ نو کا سماں
محفل میں مجاز و بائرن ہیں
موجود ہیں کیٹس اور شیلی
یہ مرگِ جواں کے سارے عاشق
خوش ہیں کہ زمینِ پاک سے اک
نو مرگ بہار آ گئی ہے
لپٹی ہوئی خاک کی ہے خوشبو
اور سایہ فگن سحابِ رحمت

ebooksgallery.com

صفارت خانۂ جاں

(ایک نظم ہزار سال پرانی)

ہمارے دل میں اک صفارت خانۂ جاں ہے
صفارت جس کا پرچم دل جلوں کی آہِ سوزاں ہے
بس اک دستورِ عشق و عاشقی جو میر ساماں ہے
یہاں آنے کا رستہ کوچۂ چاکِ گریباں ہے
یہاں ہے روشنی تنہا چراغِ چشمِ پرنم کی
یہاں آؤ تو کھل جائیں گی راہیں سارے عالم کی

یہاں کشمیر بھی، ڈھاکہ بھی ہے، کاشی بھی کعبہ بھی
زمیں کا حسن بھی اور جلوۂ عرشِ معلّیٰ بھی
یہاں جہلم بھی ہے دجلا بھی ہے ڈینوب و گنگا بھی
عقب میں دور تک پھیلا ہوا دشتِ تمنا بھی
سرودِ منزلِ ما کبریا اس کا ترانہ ہے
حقیقت ہے فقط انساں، باقی سب فسانہ ہے

ebooksgallery.com

نذرِ اختر الایمان

رواں ہے کشتیِ عمر رواں آہستہ آہستہ
خیال و خواب ہو گا یہ جہاں آہستہ آہستہ
جو اٹھتا ہے دل و جاں سے دھواں آہستہ آہستہ
بجھی جاتی ہے کوئی کہکشاں آہستہ آہستہ

تین شعر

تری دلبری کا تحفہ، یہ ستارہ بار آنکھیں
مے شوق سے اچھلتی خوش و پر خمار آنکھیں

مرے دل پہ سایہ افگن مری روح و جاں میں روشن
یہ فرشتہ گیر زلفیں یہ خدا شکار آنکھیں

رہے تا ابد سلامت یہ دل و نظر کی جنت
یہ صدا بہار پیکر یہ صدا بہار آنکھیں

ebooksgallery.com

احمد فراز کے نام

(چلو میں ہاتھ بڑھاتا ہوں دوستی کے لیے)

فراز

تمھارا ہاتھ بڑھا ہے جو دوستی کے لیے
مرے لیے ہے وہ اک یارِ غم گسار کا ہاتھ
وہ ہاتھ شاخِ گلِ گلشنِ تمنا ہے
مہک رہا ہے مرے ہاتھ میں بہار کا ہاتھ

خدا کرے کہ سلامت رہیں یہ ہاتھ اپنے
عطا ہوئے ہیں جو زلفیں سنوارنے کے لیے
زمیں سے نقش مٹانے کو ظلم و نفرت کا
فلک سے چاند ستارے اتارنے کے لیے

زمینِ پاک ہمارے جگر کا ٹکڑا ہے
ہمیں عزیز ہے دہلی و لکھنؤ کی طرح
تمھارے لہجے میں میری نوا کا لہجہ ہے
تمھارا دل ہے حسیں میری آرزو کی طرح

کریں یہ عہد کہ اوزارِ جنگ جتنے ہیں
انھیں مٹانا ہے اور خاک میں ملانا ہے
کریں یہ عہد کہ اربابِ جنگ ہیں جتنے
انھیں شرافت و انسانیت سکھانا ہے

ebooksgallery.com

جئیں تمام حسینانِ خیبر و لاہور
جئیں تمام جوانانِ جنتِ کشمیر
ہو لب پہ نغمۂ مہر و وفا کی تابانی
کتابِ دل پہ فقط حرفِ عشق ہو تحریر

'تم آؤ گلشنِ لاہور سے چمن بردوش
ہم آئیں صبحِ بنارس کی روشنی لے کر
ہمالیہ کی ہواؤں کی تازگی لے کر
پھر اس کے بعد یہ پوچھیں کہ کون دشمن ہے'

وید مقدس

شعورِ انساں کے آفتابِ عظیم کی اولیں شعائیں
جو لحن و آواز بن گئی ہیں
وہ اولیں عالمِ تحیر
زمین کیا آسمان کیا ہے؟
ستارے کیوں جگمگا رہے ہیں
تحیر اک نغمۂ مسلسل
تحیر اک رقصِ والہانہ
تحیر اک فکرِ عارفانہ

ebooksgallery.com

کوئی ہے خالق تو وہ کہاں ہے؟
اگر نہیں ہے تو پھر یہ کیا ہے؟
یہ دل میں کس نور کی ضیاء ہے؟
بشر کا جلوہ ہے یا خدا ہے؟

چنڈالکا [1]

یہ خاکِ پاک جو گوتم کے قدموں سے منور ہے
شراوستی کی بستی ہے
یہاں اک سادہ و معصوم دل
روشن ہوا تھا عشق کے پاکیزہ شعلے سے
دھواں اٹھا
بدن سے عود و عنبر کی مہک آئی
وہ خوشبو
اب بھی آوارہ ہے جنگل کی ہواؤں میں

1. میرے وطن بلرام پور سے چند میل کے فاصلے پر شراوستی کا قدیم علاقہ ہے جہاں گوتم بدھ نے بہت سی راتیں گذاریں۔ چنڈالکا ایک اچھوت لڑکی ہے جو گوتم بدھ کے ایک شاگرد آنند پر عاشق ہو گئی تھی یہ عشق اس کو گوتم بدھ کے وہار تک لے آیا اور وہ وہیں رہ گئی۔

ebooksgallery.com

غزل

شمع کا، مے کا، شفق زار کا گلزار کا رنگ
سب میں اور سب سے جدا ہے لبِ دلدار کا رنگ

تہہ عارض جو فروزاں ہیں ہزاروں شمعیں
لطفِ اقرار ہے یا شوخیِ اقرار کا رنگ

آئی مہکی ہوئی پھر جشنِ ملاقات کی رات
جام میں ڈھلنے لگا شام کے رخسار کا رنگ

عکسِ ساقی سے دمک اٹھی ہے ساغر کی جبیں
اور کچھ شوخ ہوا بادۂ گلنار کا رنگ

ان کے آنے کو چھپاؤں تو چھپاؤں کیسے
بدلا بدلا سا ہے میرے در و دیوار کا رنگ

ebooksgallery.com

ebooksgallery.com